مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ وشرح

مشکوۃ المصابیح

مصنف

جلد (اول)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ شھادۃ تکون للنجاۃ وسیلۃ

ترجمہ:

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں۱ہم اسی کی حمد کرتے ہیں،اُسی سے مدد مانگتے ہیں،اُسی سے معافی چاہتے ہیں۲اور اپنے نفسوں کی شرارت اور اپنے اعمال کی برائیوں سے رب کی پناہ مانگتے ہیں۳جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں،جسے اللہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۴میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۵ایسی گواہی جو نجات کا وسیلہ اور بلندیٔ درجات

تشریح:

۱یعنی ہر حامد کی محمود پر،ہر وقت،ہر نعمت پر،ہر طرح کی ہر حمد اللہ تعالٰی ہی کی حمد ہے کیونکہ جسے جو ملا اسی کے دین سے ملا،لہذا وہ ہی ہر حامد کا محمود،ہر ساجد کا مسجود،ہر عابد کا معبود،ہر شاہد کا مشہود،ہر قاصد کا مقصود ہر طرح موجود ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی حقیقی وکامل حمد وہ جو اس نے اپنی کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ" لہذا وہ خود ہی حامد ہے،خود ہی محمود،یا اس کی مقبول حمد وہ ہے جو اس کے بندۂ خاص محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے کی،یا محمد مصطفٰی کی کامل حمد وہ ہے جو ان کی ان کے رب نے کی،وہ اپنے رب کے احمد ہیں رب ان کا محمود،اور رب ان کا حامد وہ رب کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم،غرض کہ **الحمد** کا الف لام یا استغراقی یا عہدی۔

۲تمام دنیاوی حاجات بلکہ خود حمد کرنے میں حقیقی مدد اسی سے مانگتے ہیں،اور حمد وغیرہ میں جو کوتاہی ہم سے ہوجائے اس کی معافی کے خواستگار ہیں۔خیال رہے کہ اللہ کے مقبولوں کی مدد حقیقتًا رب ہی کی مدد ہے۔

۳نفس کی شرارتوں سے اپنی خفیہ برائیاں مراد ہیں،اعمال کی برائیوں سے ظاہر خرابیاں مراد ہیں۔ہم ظاہر و باطن عیبی ہیں ان عیبوں کو خود دفع نہیں کرسکتے،نفس و شیطان سخت دشمن،بڑے دشمن کے مقابلہ میں بڑے مددگار کی پناہ درکار،ان دشمنوں سے رب کی پناہ،شیطان کے شر سے نفس امارہ کا شر قوی تر ہے کہ یہ مار آستین ہر وقت گھات میں ہے اس لیئے خصوصیت سے نفس کا ذکر ہوا۔

۴ہدایت کے دو معنی ہیں:راہِ خیر دکھانا،منزل مقصود پر پہنچادینا۔ایسے ہی اس کے مقابل ضلالت کے دو معنی ہیں:راہ شر دکھانا،شر تک پہنچا دینا۔پہلے معنی سے ہدایت کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مرشد کامل یا قرآن کی طرف،یونہی ضلالت کی نسبت شیطان جن وانس یا نفس امارہ کی طرف ہوتی ہے۔مگر دوسرے معنی سے ہدایت وضلالت کی نسبت صرف اللہ تعالٰی کی طرف،یہاں دوسرے معنی مراد ہیں،یعنی اے مولٰی جسے تو منزل مقصود تک پہنچادے اسے پھر کوئی راہِ شر نہیں دکھا سکتا کہ وہ تو راستوں سے گزر گیا اور جسے تو اس کی بدکاریوں،بداعمالیوں کی وجہ سے کفر قطعی تک پہنچادے پھر اسے کسی کی راہبری کام نہیں دیتی۔لہذا اس خطبہ پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ گمراہی کی نسبت رب کی طرف کیسی!نہ یہ کہ جب خدا نے بندہ کو گمراہ کردیا تو بندے کا کیا قصور،کاسِب بندہ ہے خالق مولٰی۔

۵؎ گواہئ توحید ساری مخلوق نے عقلی یا سمعی دی، مگر ہمارے حضور نے شہودی لہٰذا تمام مخلوق ثانوی گواہ ہے اور حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم اوّلی یا حقیقی گواہ اسی لیے رب نے فرمایا: "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا" یعنی حضور نے اللہ تعالٰی کی ذات و صفات، جنت دوزخ وغیرہ کو دیکھ کر گواہی دی، چونکہ عینی گواہ پر گواہی مکمل ہوجاتی ہے اسی لیے رب نے فرمایا: "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ"، "لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ" کے معنی ہیں: "لَامَعْبُوْدَ اِلَّا اللہ" یا "لَامَقْصُوْدَ اِلَّااللّٰه" مگر ارباب شہود کہتے ہیں: "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّااللّٰهُ"۔ غرض کہ جیسا کلمہ پڑھنے والا ویسے اس کے معنی، کلمہ ایک ہے مگر زبانیں مختلف اس لیئے تاثیریں جداگانہ

ولرفع الدرجات کفیلة و اشهد ان محمدا عبده ورسوله الذی بعثه و طرق الایمان قد عفت اثارها و خبت انوارها و وهنت ارکانها

ترجمہ:

کی ضامن ہو ۱؎ اور گواہی دیتا ہوں کہ یقینًا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں ۲؎ جنہیں اللہ تعالٰی نے جب بھیجا، جب کہ ایمان کے راستوں کی نشانیاں مٹ چکی تھیں ۳؎ اور اُن کی روشنیاں بجھ گئی تھیں ۴؎ اور ان کے کنارے کمزور

تشریح:

۱؎ یعنی منافقوں کی سی گواہی نہیں دیتا جو زیادتی کفر کا سبب ہو، بلکہ اخلاص و صدق سے گواہی دیتا ہوں جس سے کافر مؤمن ہوجاتا ہے اور مؤمن عارف بن کر بلند درجے پاجاتا ہے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول اور رسول (پیغمبر) بھی ہیں اور ساری مخلوق کے رسول بھی، یعنی اللہ کے پیغام لانے والے، مخلوق کو پیغام پہنچانے والے، رب سے لینے والے، مخلوق کو دینے والے، لہٰذا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول اور یہ بھی کہ ہمارے رسول۔ پھر حضور کفار کو عذاب کا پیغام دیتے ہیں، مؤمنوں کو ثواب کا، عاشقوں کو وصال کا، غرض حضور کی رسالت مختلف ہے۔ نبی اور رسول کبھی ہم معنی ہوتے ہیں کبھی مختلف کہ نبی عام رسول خاص۔

۳؎ کیوں کہ عرب میں اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی تشریف نہ لائے تھے۔اس چار ہزار سال کے عرصہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعلیم لوگ بھول چکے تھے۔خیال رہے کہ عرب میں اور اولاد اسماعیل میں ہمارے حضور کے سوا کوئی نبی نہ آئے کہ جس آسمان پر سورج ہے اس پر کوئی تارا نہیں۔

۴؎ اس طرح کہ بنی اسرائیل جو دیگر ممالک میں جلوہ گر ہوئے ان کی ہلکی روشنیاں عرب میں پہنچیں مگر عیسٰی علیہ السلام کے بعد وہ بھی گل ہوکر رہ گئیں کہ انجیل مسخ کردی گئی، راہبوں پادریوں نے ان کی تعلیم بدل دی۔اگر کچھ بچے کھچے اصلی عیسائی تھے بھی تو وہ غاروں پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔اب دنیا میں اندھیرا ہی رہ گیا، اسی دور کو جاہلیت کا دور کہا جاتا ہے۔

و جهل مکانها فشید صلوات الله علیه و سلامه من معالمها ماعفا و شفا من العلیل فی تائید کلمة التوحید من کان علی شفا و اوضح سبیل الهدایة لمن اراد ان یسلکها و اظهر کنوز السعادة لمن قصد ان یملکها۔

ترجمہ:

اور انکی جگہیں نامعلوم ہوچکی تھیں ا؎ حضور پر اللہ کی رحمتیں اور سلام ہوں ۲؎ کہ آپ نے اسلام کے مٹے ہوئے نشان اونچے کردیئے،اور کلمۂ توحید کو تقویت دے کران بیماروں کو شفادے دی جو کنارہ پر تھے،۳؎ اور راہِ ہدایت کا راستہ اُن کے لیے صاف فرمادیا جو اس پر چلنا چاہے،اور خوش نصیبی کے خزانے اس کے لیے ظاہر فرمادیئے جو اُن کا مالک ہونا چاہے ۴؎

تشریح:

ا؎ اس طرح کہ اصلی عقائد کے ساتھ صحیح عبادات بھی گم ہوکر رہ گئیں تھیں پتہ نہ لگتا تھا کہ ان بیماریوں کی دوا کہاں ملتی ہے اور ان کا حکیم کہاں ہے۔غرضکہ دنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا کیوں نہ ہوتا کہ ہدایت کا سورج نکلنے والا تھا۔جس سے عالم میں نور اور ظلمت کافور ہونے والی تھی۔

۲؎ درود شریف میں صلوۃ وسلام دونوں عرض کرنا چاہئیں کہ قرآن کریم نے دونوں کا حکم دیا صرف صلوۃ یا صرف سلام بھیجنے کی عادت ڈال لینا ممنوع ہے۔(ازمرقات)اسی لیے درودِ ابراہیمی صرف نماز کے لیے ہے کیونکہ اس میں صرف صلوۃ ہے سلام نہیں۔سلام التحیات میں ہوچکا نماز کے علاوہ یہ درود مکمل نہیں کہ سلام سے خالی ہے۔اس کی پوری بحث درود شریف کی بحث میں آئے گی۔

۳؎ اس طرح کہ حضور نے دنیا کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا،بت پرستی دفع کی،کلمۂ توحید کا اعلان فرمادیا اور جو دوزخ کے کنارے پہنچ چکے تھے انہیں بازو پکڑ کے ہٹالیا،ہرروحانی بیمار کو ہرطرح شفا دی،کسی سے یہ نہ فرمایا کہ تیری دوا میرے دارالشفاء میں نہیں۔ایسا کامل اکمل ہادی نہ آیا تھا نہ آئے۔خیال رہے کہ یہاں پہلا شفا شفاءٌ کا ماضی ہے یعنی حضور نے تندرستی وصحت بخشی،اور دوسرا شفا اسم جامد ہے بمعنی کنارہ یعنی جو ہلاکت یا جہنم کے کنارہ پر تھے انہیں صحت بخشی کہ کفار کو ایمان،فساق کو تقویٰ عطا کیا۔مصنف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور شفا بخشتے ہیں یہ کہنا شرک نہیں۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ ہدایت سے مراد شریعت ہے،سعادت سے مراد طریقت۔یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت وطریقت دونوں بخشیں،قلب وقالب دونوں کا انتظام فرمایا۔کسی نے انکار کرکے دائمی بدبختی حاصل کرلی،کسی نے قبول کرکے دارین کی خوش نصیبی کمائی۔حضور نے انہیں مکہ والوں میں سے صدیق فاروق بنائے،رہزنوں کو راہبر،گمراہوں کو ہادی،بےعلموں کو دنیا بھر کا معلم بنادیا۔حضور کا فیض کعبہ کی دیواروں سے پوچھو،مکہ کے بازاروں سے پوچھو،منیٰ ومزدلفہ کے کوچوں سے پوچھو،عرفات کی بلندچوٹیوں سے معلوم کرو کہ لوگوں نے کعبہ کو بت خانہ بنادیا تھا،حضور نے خانۂ خدا بنا کر تمام عالم کا مسجود الیہ بنادیا۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

اما بعد! فان التمسك بهديه لا يستتب الا بالاقتفاء لما صدر من مشكوٰته والاعتصام بحبل الله لا يتم الا ببيان كشفه و كان كتٰب المصابيح الذى صنفه الامام محى السنة قامع البدعة ابو محمد الحسين ابن مسعود الفراء البغوى رفع الله درجته اجمع كتاب صنف

ترجمہ:

حمد وصلوۃ کے بعد جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مضبوطی سے حاصل کرنا ناممکن ہے بغیر اتباع کئے ان احادیث کے جو آپ کے سینہ سے صادر ہوئیں ۱؎ اور اللہ کی رسّی کا مضبوطی سے تھامنا مکمل نہیں بغیراس کے واضح بیان کے ۲؎ اور کتاب مصابیح جو سنت زندہ کرنے والے،بدعت اکھیڑنے والے امام ابو محمد حسین ابن مسعود فرّاء بغوی کی تصنیف ہے۔اللہ تعالٰی اُن کا درجہ بلند کرے تمام ان کتب میں جامع تر تھی جو اس بارے میں لکھی گئیں ۳؎

تشریح:

۱؎ یعنی ہرانسان پر حضورعلیہ السلام کی اطاعت فرض ہے اوریہ اطاعت بغیرحدیث و سنت جانے ناممکن ہے۔مشکوٰۃ یعنی طاق حضور انور کا سینہ مبارک ہے اور حضور علیہ السلام کے اقوال و احوال اس طاق کے چراغ ہیں،اگر روشنی چاہتے ہوتو اس سینے اور ان الفاظ طیبہ سے حاصل کرو،قرآن کتاب ہے حضور علیہ السلام چراغ اور چراغ کے بغیر کتاب پڑھی نہیں جاتی۔حضور علیہ السلام کے بغیر قرآن سمجھا نہیں جاتا،ہر آیت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تفسیر کی حاجتمند ہے ورنہ ہمیں کیا خبر کہ اَقِیۡمُوۡا کے کیا معنی اور صلوٰۃ و زکوۃ کسے کہتے ہیں۔

۲؎ اللہ کی رسی قرآن کریم ہے جو ہم نیچوں کو غارسے نکال کر اوپر پہنچانے آئی۔لیکن اس مضبوط رسی سے فائدہ وہی اٹھائے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسے پکڑے گا۔اس رسی کے لانے والے بھی حضور ہیں،پھر ہمیں پکڑانے والے بھی حضور،پھر پکڑنے کے بعد چھوٹ جانے سے بچانے والے بھی حضور،کہ حضور کے ذریعہ مخلوق کو قرآن ملا،حضور ہی کے سمجھائے قرآن سمجھا گیا۔حضور ہی کی نگاہ کرم سے ان شاءاللہ مرتے دم تک اس پر عمل کیا اور انہیں کے کرم سے مرتے وقت بفضلہٖ کلمہ نصیب ہوگا۔جو حدیث کا انکاری ہے وہ صرف دو رکعت نمازپڑھ کریا ایک بار ایسی زکوۃ دے کر دکھادے جس میں حدیث کی مدد نہ ہو۔غرض کہ نماز وزکوۃ وغیرہ سنائی قرآن نے،سکھائی حضور نے،قرآن روحانی کھاناہے،حدیث اس کا پانی،پانی کے بغیرنہ کھانا تیار ہو نہ کھایا جاسکے۔

۳؎ یعنی فن حدیث میں بہت کتب لکھی گئیں،مگر کتاب مصابیح تمام کتب کی جامع کتاب ہے،اس کے مصنف حسین ابن مسعود ہیں۔آپ کی کنیت ابومحمدہے،لقب فراء کیونکہ پوستین کی تجارت کرتے تھے(فراءِ نحوی اور ہیں)ہرات وسرخس کے درمیان ایک بستی ہے بغو۔وہاں کے رہنے والے تھے لہذا بغوی کہلاتے ہیں۔خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونے میری سنت زندہ کی اللہ تجھے زندہ رکھے،لہذا خطاب ہوامحی السنہ۔شافعی المذہب ہیں،بڑے متقی،عالم،زاہد،تارک الدنیابزرگ تھے،ہمیشہ روکھی روٹی،یا زیتون یا کشمش سے روٹی کھائی،اسی برس سے زیادہ عمر پا کر ۵۱۶ھ مقام کرد میں وفات پائی،اپنے استاذ قاضی حسین کے پہلو میں دفن ہوئے۔آپ نے "مصابیح شرح السنۃ"،"تفسیر معالم التنزیل"،"کتاب التہذیب"،"فتاوٰی بغوی" وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں۔خیال رہے کہ مصابیح میں چار ہزار چارسوچونتیس حدیثیں تھیں صاحب مشکوٰۃ نے ایک ہزار پانچسو گیارہ احادیث کا اضافہ کیا لہذامشکوٰۃشریف میں پانچ ہزار نو سو پینتالیس احادیث ہیں۔(ازمرقاۃ)

فی بابه و اضبط لشوارد الاحادیث و اوابدها و لما سلك رضی الله طریق الاختصار و حذف الاسانید تکلم فیه بعض النقاد و ان کان نقله و انه من الثقات کالاسناد لکن لیس ما فیه اعلام کالاعفال فاستخرت الله

ترجمہ:

اور شوارد اوابد حدیثوں کی محافظ تھی۱؎ چونکہ مصنّف نے طریقۂ اختصار اختیار کیا۲؎ اور اسنادوں کو چھوڑ دیا،اس بارے میں بعض ناقدین نے چہ میگوئیاں کیں۳؎ اگرچہ مصنف کا نقل فرمادینا ہی اسناد کی مثل ہے۴؎ کیونکہ وہ معتبر ہیں مگر نشانیوں والا راستہ بے نشان راہ کی طرح نہیں۵؎ اس لیے میں نے اللہ سے خیر اور توفیق

تشریح:

۱؎ شوارد شاردہ کی جمع بمعنی نافرہ(بھڑکا ہوا جانور)یعنی وہ حدیثیں جو لوگوں کے ذہنوں سے قریبًا جاچکی تھیں،لوگ انہیں قریبًا بھول چکے تھے۔جیسے بھڑکا ہوا جانور اپنی جگہ سے بھاگ جاتا ہے۔اوابد آبدہ کی جمع ہے بمعنی وحشی جانور جو انسان سے نفرت کرے یعنی وہ احادیث جن کے مضامین فہم سے بالاتر ہیں سمجھ میں نہیں آتے جیسے وحشی جانور قبضہ میں نہیں ہوتا یعنی مصابیح ان احادیث کی جامع ہے جنہیں لوگ بھول چکے تھے یا ان کی تخریج یا مضامین سے قریبًا مایوس ہوچکے تھے۔

۲؎ اسی طرح کہ نہ تو احادیث کی اسناد میں بیان کیں نہ ان کا مخرج کہ کس کتاب کی یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ اسناد حدیث مجتہدین کو مفید ہے جس سے وہ حضرات حدیث کا مرتبہ،ناسخ منسوخ ہونا،تعارض کے وقت کسی کا رائج ہونا،کسی حدیث کا مثبت استحباب ہونا،کسی کا مثبت وجوب ہونا معلوم فرماتے ہیں۔مقلدین حضرات ان کاوشوں سے آزاد ہیں ان کے لیئے قول امام دلیل ہے اور حدیث امام کی دلیل،پولیس کے لیے حاکم کا فیصلہ دلیل ہے اور حاکم کے لیے تعزیرات ہند کے دفعات دلیل ہیں۔اس لیے صاحب مصابیح نے صرف متن حدیث نقل فرمایا اسنادیں چھوڑدی تھیں۔(از مرقات)خیال رہے کہ عبارتِ حدیث کو متن کہتے ہیں،راویوں کے سلسلہ کو اسناد اور اصل کتاب کا ذکر جہاں سے حدیث لی گئی ہو تخریج کہلاتا ہے۔

۳؎ اس طرح کہ مصابیح کی احادیث پر شبہ کرنے لگے،کہنے لگے کہ جب نہ اسنادوں کا ذکر ہے نہ تخریج معلوم،تو کیا معلوم اس کی احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ناقدین وہ حضرات کہلاتے ہیں جو صحیح اور ضعیف حسن وغیرہ میں امتیاز کریں،راویوں کے حالات سے خبر رکھیں،ان کی توثیق تعدیل وجرح کرسکیں۔

۴؎ یعنی امام محی السنۃ اس پایہ کے محدث ہیں کہ ان کا کسی حدیث کو بغیر جرح نقل فرمادینا اس حدیث کی قوت کی دلیل ہے،ان کی نقل گویا اسناد ہے۔اس عبارت سے دو مسئلہ معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مقلد کو امام کی حدیث پر اعتماد کرلینا درست ہے،اسے حدیث کی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں،مریض طبیب کے نسخے پر اعتماد کرے،اسے کتب طب کی تحقیقات ضروری نہیں۔دوسری یہ کہ ضعیف احادیث پر فقہاء کا عمل فرمالینا اس حدیث کو قوی کردیتا ہے۔

۵؎ لہذا تخریج بیان کردینے سے لوگوں کو طعن کا موقع نہ ملے گا اور صاحب مصابیح پر اعتراض نہ کرسکیں گے۔سبحان اللہ!کیسا ادب ہے کہ فرمایا نشانیوں والا راستہ یعنی مشکوٰۃ شریف بے نشان والے راہ یعنی مصابیح کی طرح نہیں۔مصابیح بہت اعلیٰ ہے یہ ہے انکسارِ نفس۔

و استوفقت منه فاعلمت ما اغفله فاودعت کل حدیث منه فی مقره کما رواه الائمة المتقیون و الثقات الراسخون مثل ابی عبد الله محمد بن اسمٰعیل البخاری و ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری و ابی عبد الله

ترجمہ:

مانگی۱؎ اور ان کے بے نشانوں کو نشاندار بنادیا۲؎ کہ اس کی ہر حدیث اپنے ٹھکانے میں ویسے ہی رکھی۳؎ جیسے ماہر عادل حافظ اماموں نے روایت فرمائی جیسے ابوعبداللہ محمد ابن اسمٰعیل بخاری۴؎ اور ابوالحسین مسلم ابن حجاج قشیری۵؎ اور ابوعبداللہ

تشریح:

۱؎ اس طرح کہ مشکوٰۃ شریف لکھنے سے پہلے باقاعدہ استخارہ کیا،جیسا کہ طبرانی نے حضرت انس سے روایت کی:"مَاخَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَانَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ"استخارہ کرلینے والا نقصان نہیں اٹھاتا،مشورہ سے کام کرنے والا شرمندہ نہیں ہوتا،اوردرمیانِ تصنیف میں اللہ سے توفیقِ اتمام مانگتا رہا۔فقیر احمدیار بھی بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ مولیٰ بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس بڑے کام کو بخیر و خوبی انجام دینے کی توفیق دے،اسے قبول فرما کر صدقہ جاریہ اور میرے گناہوں کا کفارہ بنا۔آمین یارب العالمین!

۲؎ اس طرح کہ ہر حدیث کے اول صحابی،راوی کا نام شریف اور آخر میں کتاب حدیث کا نام صراحۃً بتادیا۔

۳؎ یعنی جوحدیث مصابیح میں جس جگہ تھی میں نے بھی مشکوٰۃ میں وہاں ہی بیان کی،بلاوجہ آگے پیچھے نہ کی اور ہر حدیث میں محدثین کی روایات کی پیروی کی،جس طرح ان اماموں سے منقول تھی ویسے ہی میں نے نقل کی۔

۴؎ آپ کا نام شریف محمد،والد کا نام اسمٰعیل ہے،بخاریٰ جو ماوراءالہند میں بہت بڑا شہر ہے وہاں آپ کی پیدائش ہوئی،اس لیئے آپ کو بخاری کہا جاتا ہے۔امت محمدیہ کے بڑے عالم،محدث،فقیہ،مجتہد تھے،آپ کے والد بڑے عالم اور حماد ابن زید و امام مالک کے شاگرد تھے،والدہ ماجدہ وَلِیَّہ،مستجاب الدعوات تھیں۔آپ بچپن شریف میں نابینا ہوگئے تھے،علاج سے اطباء عاجز ہوگئے،آپ کی والدہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا،فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے تیری دعاقبول کی تیرے بچہ کو انکھیارہ کیا،صبح کو آپ کی آنکھیں روشن تھیں،آپ نے خواب میں دیکھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مکھیاں اڑا رہا ہوں۔تعبیر دی گئی کہ تم احادیث کی خدمت کرو گے،صحیح سے ضعیف کو دور کرو گے۔آپ کو ۳ لاکھ حدیثیں یاد تھیں،ایک لاکھ غیر صحیح،دو لاکھ صحیح،مسجد حرام شریف میں سولہ[۱۶] سال میں صحیح بخاری شریف تالیف فرمائی،ہمیشہ غسل فرماکردونفل پڑھ کرلکھتے تھے،آپ کی ولادت ماہ شوال جمعہ کا دن بعدعصر ۱۹۴ھ (ایکسو چورانوے) میں بخاریٰ میں ہوئی،عمر شریف باسٹھ[۶۲] سال پائی،۲۵۶ھ مقام خرتنگ میں وفات پائی،آپ نے بادشاہ وقت کی طرف سے تنگ ہوکرخودہی اپنی وفات کی دعا کی،تہجدکودعا کی دوسرے دن وصال ہوگیا،خواب میں دیکھا گیا کہ حضور مع جماعت صحابہ کسی کا انتظار فرمارہے ہیں،پوچھنے پر ارشادہوا ہم محمد ابن اسماعیل کو لینے آئے ہیں۔عرصہ تک آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی،مٹی بھی مہکتی ہوئی تھی،بخاری شریف میں کل احادیث نوہزار بیاسی ہیں،جن میں مکررات اور تعلیقات سب شامل ہیں،مکررات کو نکال کر کل دو ہزار چھ سوتیئیس[۲۶۲۳] احادیث ہیں،جن میں سے بائیس حدیثیں ثلاثی ہیں،اگر مکررات نکال دی جاویں توسولہ یعنی جن میں امام بخاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف تین واسطے ہیں۔بعد قرآن شریف صحیح تر کتاب بخاری مانی گئی ہے۔مصیبتوں میں ختم بخاری کیا جاتا ہے،جس سے بفضلہٖ تعالٰی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔(مرقاۃ)امام بخاری نے علاوہ بخاری شریف حسب ذیل کتب لکھیں۔

(۱)ادب المفرد(۲)رفع الیدین(۳)قراۃ خلف الامام(۴)برالوالدین(۵)التاریخ الکبیر(۶)الاوسط(۷)الصغیر (۸)خلق افعال العباد(۹)کتاب الضعفاء(۱۰)جامع کبیر(۱۱)مسند کبیر(۱۲)تفسیر کبیر(۱۳)کتاب الاشربہ (۱۴)کتابہ الھیہ(۱۵)اسامی الصحابہ(۱۶)کتاب الوجدان(۱۷)کتاب العلل(۱۸)کتاب الکنٰی(۱۹)کتاب المبسوط

(۲۰)کتاب الفوائد۔مگر بخاری شریف زیادہ مشہور و معتبر ہے،آپ نے اٹھارہ ہزار محدثین سے احادیث نقل کیں،ایک لاکھ محدثین آپ کے شاگرد ہیں۔جن میں امام مسلم،ترمذی،ابن خزیمہ۔ابی زرعہ ابو حاتم،نسائی زیادہ مشہور ہیں۔امام محمد ابن احمد مروزی فرماتے ہیں:کہ میں بیت اللہ شریف سے متصل سورہا تھا کہ میں نے حضور کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں:تم میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے پوچھا حضور آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا:محمد ابن اسمٰعیل بخاری کی کتاب" صحیح بخاری"۔

۵ آپ کانام شریف مسلم ابن حجاج نیشاپوری ہے،بنی قشیرہ قبیلہ کے ہیں،آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔مسلم،مسند کبیر،جامع کبیر،کتاب العلل،اوھام المحدثین،کتاب التمییز،طبقات التابعین،کتاب المخضرمین وغیرہ۔مگر ان سب میں مسلم شریف زیادہ مشہورومعتبر ہے،تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کرکے چار ہزار حدیثیں اس میں جمع کی گئیں۔مسلم شریف میں اسی۸۰سے کچھ زیادہ حدیثیں رباعی ہیں جس کی اسناد میں صرف چار راوی ہیں۔آپ کی ولادت ۲۰۴ھ میں حضرت شافعی کی وفات کے کچھ عرصہ بعدہوئی،وفات ماہ رجب ۲۶۱ھ میں ہوئی،ستاون سال عمر شریف ہوئی،ایک دفعہ آپ سے کوئی حدیث دریافت کی گئی آپ نے تمام رات وہ حدیث تلاش کرنے کے لیئے کتب کا مطالعہ شروع کیا،کسی نے کھجوروں کی ٹوکری برابر میں حاضر کردی،ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور حدیث ڈھونڈتے رہے،صبح کو حدیث مل گئی،ٹوکری ختم ہوگئی۔اسی وجہ سے وفات ہوئی،نیشاپور میں قبرشریف ہے۔

مالك بن انس الاصبحی و ابی عبد الله محمد بن ادریس الشافعی

ترجمہ:

مالک ابن انس اصبحی ۱ اور ابو عبداللہ محمد ابن ادریس شافعی ۲

تشریح:

۱ آپ مذہب مالکی کے امام ہیں،تبع تابعین میں سے ہیں۔اگرچہ آپ امام بخاری و مسلم سے پہلے گزرے اور آپ کی کتاب"**مؤطا امام مالک**"ان دونوں کتب سے پہلے لکھی گئی مگر چونکہ بخاری ومسلم کا رتبہ فن حدیث میں اعلیٰ مانا گیا ہےاس لیے مصنف نے ان دونوں کے بعد آپ کا ذکر کیا۔بڑے محدث،فقیہ،اور عاشق رسول ہیں،مدینہ منورہ میں رہے،سوائے ایک بار حج کے کبھی مدینہ شریف سے باہر نہ گئے،اس شہر پاک میں کبھی خچر یا گھوڑے پرسوار نہ ہوئے حالانکہ آپ کے ہاں بہت گھوڑے تھے،بہت ادب سے باوضو حدیث بیان فرماتے تھے،تین سو تابعین چارسوتبع تابعین سے حدیثیں حاصل کیں،آپ کی ولادت ۱۰۳ھ ربیع الاول میں ہوئی،وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔(یہ مرقاۃ کی روایت ہے)شامی میں ہے کہ امام مالک کی ولادت ۹۰ھ اور وفات ۱۷۹ھ میں،عمر ۸۹سال ہے۔واللہ اعلم! آپ کا مزار جنت البقیع مدینہ منورہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔فقیر نے زیارت کی ہے آپ کی کتاب حدیث مؤطا امام مالک مشہور ہے۔

۲ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،نام محمد ابن ادریس ابن عباس ابن عثمان ابن شافعی ابن سائب ابن عبید ابن عبدِ یزید ابن ہاشم ابن عبدالمطلب ابن عبدمناف ہے،لہذا آپ مطلبی ہاشمی ہیں۔شافعی ابن سائب کی نسبت سے آپ کا لقب شافعی ہے اور آپ کے سلسلۂ مذہب کا نام بھی شافعی،اورشافع کی والدہ خلدہ بنت اسد حضرت علی مرتضی کی خالہ ہیں یعنی فاطمہ بنت اسد کی

ہمشیرہ۔سائب جنگ بدر میں کفار مکہ کے علمبردار تھے جو مسلمانوں کی قید میں آئے اور فدیہ دے کر رہائی پائی،بعد میں اسلام لائے، امام شافعی اسلام کے مایہ ناز امام،مجتہد، صاحبِ مذہب عابد،زاہد،بڑے باادب بزرگ ہیں۔اصول دین میں آپ نے چودہ ضخیم کتاب تصنیف فرمائیں،اورفروعات میں سو سے زیادہ،جب آپ کسی مصیبت میں ہوتے تو بغداد شریف حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر حاضر ہو کر دو رکعت نفل ادا کرکے حضور امام ابوحنیفہ کے توسل سے دعا فرماتے،رب تعالٰی مصیبت رفع فرماتا،خودفرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی قبر قبول دعا کے لیے تریاق ہے،آپ کی ولادت ۱۸۰ھ میں عین امام اعظم کی وفات کے دن مقام عسقلان یا مقام منیٰ میں ہوئی،مکہ معظّمہ میں پرورش پائی،۵۴ سال عمر شریف پاکر ۲۰۴ھ مصر میں وفات پائی۔قرافہ مصر میں مزار پرانوار ہے،امام مالک کے شاگرد ہیں اور امام محمد کی تصنیفات سے کسب علم فرمایا،رمضان شریف میں ہر شب ایک قرآن ختم فرماتے تھے۔رضی اللہ عنہ۔

و ابی عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی و ابی عیسٰی محمد بن عیسٰی

ترجمہ:

اور ابو عبداللہ احمد ابن محمد ابن حنبل شیبانی [۱] اور ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ترمذی [۲]

تشریح:

[۱] آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،نام شریف احمد ابن محمد ابن حنبل ابن بلال ابن ادریس ابن عبداللہ ابن جتان ابن اسد ابن نزار ابن معد ابن عدنان ہے،بڑے محدث،فقیہ ومجتہدہیں۔امام مذہب ہیں،بغدادشریف میں ولادت ہوئی،طالبِ علمی میں کوفہ،بصرہ،شام،مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ گئے،آئمہ حدیث سے ملاقاتیں کیں،امام بخاری و مسلم ابوداؤد وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کرکے مسنداحمدابن حنبل تصنیف فرمائی۔آپ کی بڑی عظمت یہ ہے کہ حضور غوث الثقلین سید شیخ محی الدین عبدالقادربغدادی رضی اللہ عنہ آپ کے مذہب حنبلی کے پیرو ہیں،ہمیشہ فقر وفاقہ میں گزاری۔مسئلہ خلق قرآن پر شاہ بغداد مامون رشید آپ کا مخالف ہوگیا،آپ کو تیس کوڑے لگائے،ہرکوڑے پر آپ فرماتے کہ قرآن کلام اللہ قدیم ہے،آپ کی ولادت بغداد شریف میں ۱۶۴ھ میں ہوئی،۷۷ سال عمر پائی اور جمعہ کے دن بوقت چاشت ۲۴۱ھ میں بمقام بغداد وفات ہوئی،وہاں ہی آپ کا مزار پر انوار ہے۔آپ پر پچیس لاکھ مسلمانوں نے نماز پڑھی،وفات کے دن بیس ہزار کافر مسلمان ہوئے،آپ کی قبر انور سے مخلوق برکتیں حاصل کرتی ہے۔حضرت امام شافعی نے آپ کی وہ قمیض دھوکرپی جس میں آپ کو کوڑے مارے گئے تھے۔دوسوتیس برس کے بعد آپ کی قبرکھل گئی تو آپ کا جسم شریف و کفن مبارک بعینہٖ محفوظ تھا۔رضی اللہ عنہ (مرقاۃ و اشعہ وغیرہ)

[۲] آپ کانام محمدابن عیسیٰ ابن صورہ ابن موسیٰ ابن ضحاک سلمی ہے،کنیت ابو عیسیٰ نہربلخ جیجون کے کنارے مقام ترمذ ولادت ہے،وہاں ہی وفات ہوئی۔شافعی مذہب ہیں،بڑے محدث،عالم وعابدبزرگ ہیں،آپ کی کتاب ترمذی شریف جرح حدیث،بیان مذاہب میں بےمثال ہے،جس میں ایک حدیث ثلاثی ہےجو امام ترمذی تک صرف تین واسطوں سے حضور علیہ السلام سے پہنچی،آپ کی ولادت ۲۲۹ھ میں اوروفات ۲۷۹ھ میں ہوئی،عمرشریف پچاس سال ہوئی۔

رواہ الترمذی و ابی داؤد سلیمان ابن اشعث السجستانی و ابی عبد الرحمن احمدبن شعیب النسائی و ابی عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجۃ القزوینی و ابی محمدعبداللہ بن عبد الرحمن الدارمی ابی الحسن علی بن عمر الدارقطنی

ترجمہ:

اورابوداؤدسلیمان ابن اشعث سجستانی ۱؎ اور ابوعبدالرحمٰن احمد ابن شعیب نسائی ۲؎ اور ابو عبداللہ محمد ابن یزید ابن ماجہ قزوینی ۳؎ اور ابو محمد عبداللہ ابن عبدالرحمٰن دارمی ۴؎ اور ابوالحسن علی ابن عمردارقطنی ۵؎

تشریح:

۱؎ آپ کا نام شریف سلیمان ابن اشعث ابن اسحاق ابن بشیر ہے،کنیت ابوداؤد،وطن مالوف،علاقہ خراسان میں ہرات کے قریب مقام سجستان ہے جسے سجستان کہا جاتا ہے،ولادت ۲۰۲ھ،وفات ۲۷۵ھ مقام بصرہ میں ہوئی،وہاں ہی مزارشریف ہے،عمر شریف ۷۳ سال، آپ نے پانچ لاکھ احادیث سے چارہزار آٹھ سو۴۸۰۰ احادیث جمع فرمائیں۔بڑے عالم،فقیہ،محدث،عابدوزاہد،متقی و پرہیزگار تھے رضی اللہ عنہ

۲؎ آپ کانام ابوعبدالرحمان ابن احمدابن شعیب ابن بحرابن سنان نسائی ہے،علاقہ خراسان میں ایک بستی ہے نساءقریب مرو وہاں کے متوطن ہیں،آپ نے اولًا ایک حدیث کی بڑی کتاب لکھی جس کا نام نسائی تھاکسی نے آپ سے پوچھا کہ کیا نسائی میں تمام احادیث صحیح ہیں؟فرمایا نہیں،اس نےعرض کیا کہ احادیث صحیحہ جمع کرو،تب آپ نے اس سے صحیح احادیث منتخب کیں جس کا نام رکھا مجتبی نسائی۔اب یہ ہی کتاب مروج ہے۔طلبِ علم کے لیے بہت سفر کیئے۔جب دمشق پہنچے تو کسی نے پوچھا کہ امیرمعاویہ افضل ہیں یاعلی مرتضی،تو فرمایا کہ امیرمعاویہ کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ ان کی نجات ہوجاوے،اس پر وہاں کے لوگوں نے بہت مارا وہاں کے زخموں سے جانبر نہ ہوسکے،بعض نے فرمایا کہ بیت المقدس پہنچ کروفات پائی،بعض نے کہا مکہ معظّمہ میں وفات ہوئی،اور صفا مروہ کے درمیان دفن ہوئے۔بڑے آئمہ حدیث آپ کے شاگردہیں جیسے امام طحاوی،ابو القاسم طبرانی وغیرہ۔علی العموم مصر میں رہتے تھے،آپ کی ولادت ۲۱۵ھ وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی،بعض نے لکھا ہے کہ آپ کے زمانہ میں خوارج کا بہت زور تھا،آپ ہمیشہ فضائل اہل بیت بیان فرماتے تھے،اس پرخوارج نے آپ کی پشت میں نیزہ مارا جو آپ کے سینہ سے نکلا اور یہ کہتے گرے "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ"یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔

۳؎ آپ کا نام محمدابن یزید ابن ماجہ ربیعی ہے،کنیت ابوعبداللہ،قزوین کے رہنے والے،آپ کی کتاب ابن ماجہ ہے،احادیث غیرصحیح زیادہ ہیں،اسی وجہ سےبعض لوگوں نے ابن ماجہ شریف کےبجائے دارمی یا مؤطاکو صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں،وفات رمضان ۲۷۳ھ میں ہوئی،عمر شریف ۶۴ سال ہوئی۔

۴؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن افضل ابن بہرام ہے،کنیت ابو محمد،قبیلۂ دارم ابن مالک سے ہیں،اسی لیےدارمی کہلاتے ہیں۔ سمرقندوطن شریف ہے،اپنے زمانے کے بڑے محدث،مفسر،فقیہ تھے،آپ کی وفات کی خبر پر امام بخاری بہت روئے،آپ کے شاگرد امام مسلم،ابوداؤد،و ترمذی وغیرہ ہیں،آپ کی ولادت ۱۸۱ھ اور وفات شریف ۲۵۰ھ ۸ ذی الحجہ کو ہوئی،۷۴ سال عمر شریف ہوئی،آپ کی کتاب دارمی شریف مشہور ہے۔

۵؎ آپ کا نام ابوالحسن ابن علی ابن عمر ہے،بغداد کے ایک محلّہ قطن کے رہنے والے ہیں،آپ اپنے زمانہ کے محدث امام اسماءالرجال کے حافظ تھے،آپ کی کتاب دارقطنی مشہورومعروف ہے،آپ کے شاگرد بڑے بڑے محدثین ہیں جیسے ابونعیم،حاکم،امام اسفرائینی وغیرہم۔آپ کی ولادت ۳۰۵ھ،اور وفات ۳۸۵ھ میں بغداد شریف میں ہوئی،وہاں آپ کا مزارمبارک ہے۔

و ابی بکر احمد بن حسین البیھقی و ابی الحسن رزین بن معاویۃ العبدری

ترجمہ:

اور ابوبکر احمد ابنِ حسین بیہقی ۱؎ اور ابوالحسن رزین ابن معاویہ عبدری ۲؎

تشریح:

۱؎ آپ کانام احمدابن حسین ہے،کنیت ابوبکر،نیشاپور کے علاقہ بیہق کے قریب قریہ جزر میں ولادت ہوئی،آپ اپنے زمانہ کے جلیل القدرمحدث حاکم رضی اللہ عنہ کے تلمیذ اعلیٰ ہیں،آپ نے علاوہ بیہقی شریف کے اوربہت کتب لکھیں:"دلائل النبوۃ"،"کتاب البعث والنشور"،"کتاب الاداب"،"کتاب فضائل الاوقات"،"شعب الایمان"،"کتاب الخلافیات"وغیرہ۔آپ ان سات مصنفین میں سے ہیں جن کی تصنیفات سےمسلمانوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔تاریک الدنیا،قلیل الغذا،بہت عابدتھے،تیس سال مسلسل روزہ داررہے،شافعی المذہب ہیں۔آپ کی ولادت نیشاپور میں ماہ شعبان ۳۸۴ھ میں ہوئی،وفات بھی نیشاپور ۴۵۸ھ میں،عمرشریف ۷۴ سال پائی،آپ کا تابوت شریف آپ کے وطن خرجر علاقہ بیہق میں پہنچایاگیا،وہاں ہی دفن کیا گیا جمادی اولیٰ میں۔

۲؎ آپ کا نام رزین ابن معاویہ،کنیت ابوالحسن،قبیلہ عبدر سے ہیں،جو عبدالدارابن قصیٰ کی اولاد سے ہے،آپ کی کتاب"النجریہ" مشہورہے،۵۳۰ھ میں وفات ہوئی،قریشی النسل ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفه! رضی اللّٰہ عنه

ہم بزرگان دین کے تذکرہ کو اس ذاتِ گرامی کے ذکر پاک پر ختم کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ اُمت مصطفویہ کا روشن چراغ،قریبًاسارے محدثین وفقہاءکا استاد،دین متین کا مجتہداول ہے،جن کے فضائل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نےبیان فرمائے کہ فرمایا اگر دین ثریا تارے کے پاس بھی ہوتا تو فارس کا ایک شخص وہاں سے لے آتا،آپ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے،حضرت زوطی یعنی امام صاحب کے دادا فارسی النسل ہیں۔حضرت امام کی کنیت ابوحنیفہ،لقب امام اعظم،آپ کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زاراورآپ کےخاص مقربین میں سے تھے،آپ ہی کی محبت میں فارس چھوڑکر کوفہ میں آپ کے پاس قیام کیا،حضرت زوطی اپنی بچے ثابت کو دعا کے لیے علی مرتضٰی کے پاس لائے،آپ نے دعا فرمائی اور بشارت دی کہ اس فرزند کے بیٹے سے عالم میں علم بھرجائے گا۔امام اعظم کی پیدائش کوفہ شہر ۸۰ھ میں ہوئی یعنی تمام آئمہ مجتہدین سے پہلے ۷۰ سال عمر شریف پاکر ۱۵۰ھ میں بغدادمیں وفات ہوئی اوربغداد کے قبرستان خیرزان میں دفن ہوئے،آپ کی قبر شریف زیارت گاہ خاص وعام ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ کی قبر قبول دعا کےلیے اکسیر ہے،آپ نے بہت صحابہ کا زمانہ پایاجن میں سے چارصحابہ سےملاقات کی انس ابن مالک،عبداللہ ابن ابی اوفی،سہل ابن سعدساعدی،ابوطفیل عامرابن واصلہ۔آپ حضرت حماد کے شاگرد اور حضرت امام جعفر صادق کے تلمیذخاص ہیں کہ دوسال تک آپ کی صحبت میں رہے۔جلیل القدرتابعی ہیں،آپ اسلام کے سب سے پہلے مجتہداعظم ہیں،آپ کامذہب دنیا میں بہت پھیلا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ سارے جنتیوں میں دوتہائی جنتی حضور کی امت ہیں اور سارے مسلمانوں میں دو تہائی مؤمن حنفی ہیں،اکثراولیاءاللہ حنفی ہوئے،چالیس سال عشاء کے وضوءسے فجرکی نمازپڑھی،ہرشب پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کرتے

تھے،شب میں آپ کے رونے کی آواز گھر سے باہر سنی جاتی تھی،آپ کی وفات کے وقت سات ہزار قرآن مجید ختم ہوئے،سارے محدثین وفقہاء بالواسطہ یابلاواسطہ امام اعظم کے شاگرد ہیں۔اس کی پوری تحقیق کے لیے ہماری کتاب"جاء الحق"حصہ دوم دیکھو۔

و غیرھم و قلیل ما ھو و ابی اذا نسبت الحدیث الیھم کانی اسندت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانھم قد فرغوا منہ و اغنونا عنہ و سردت الکتب و الابواب کما سردھا و اقتفیت اثرہ فیھا و قسمت کل باب غالبا علی فصول ثلثۃ اولھا ما اخرجہ الشیخان او احدھما و اکتفیت بھما و ان اشترك فیہ الغیر لعلو درجتھما فی الروایۃ و ثانیھا ما اوردہ غیرھما من الائمۃ

ترجمہ:

اور اُن کے ماسوا مگر ماسوا تھوڑے ہیں۱؎اور مَیں نے جب ان بزرگوں کی طرف حدیث منسوب کردی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف اسنادکردی۲؎کیونکہ ان بزرگوں نے اسناد سے فارغ ہو کر ہم کو بے نیاز کردیا۳؎اور مَیں نے کتابیں اور باب ویسے ہی مرتب کئے جیسے انہوں نے کئے تھے۔اس میں مَیں اُنہی کے قدم پر چلا۴؎مَیں نے اکثر ہر باب کو تین فصلوں پر تقسیم کیا۵؎پہلی فصل میں وہ احادیث جنہیں شیخین یا اُن میں سے ایک نے روایت کیا مَیں نے انہی دونوں پر کفایت کی اگرچہ اس کی روایت میں دوسرے بھی شریک ہوں شیخین کی بلندیٔ درجہ کے سبب ۶؎دوسری فصل میں وہ

تشریح:

۱؎یعنی وہ حدیثیں جو مذکورہ بزرگوں کے علاوہ کی ہیں وہ تھوڑی ہیں۔"**ھو**"کا مرجع **غیرھم** ہے۔

۲؎**سبحان اللہ**!کیا ایمان افروز بات کہی،مطلب یہ ہے کہ میں مشکوۃ میں حدیثوں کا صرف متن بیان کرونگا نہ کہ اسنادکیونکہ میں آخر میں کہہ دونگا کہ اسےمسلم بخاری یا فلاں کتاب نے روایت کیا،میری یہ نسبت گویا اسناد ہے۔کسی حدیث کوان بزرگوں کا قبول فرمالینا اس کے صحیح قوی ہونے کی دلیل ہے،یہی ہم حنفی کہتے ہیں کہ کسی حدیث کو امام ابوحنیفہ کا قبول فرمالینا اور اس پر عمل کرلینا اس حدیث کے قوی ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہے،امام صاحب کی طرف حدیث کی نسبت گویا حضور کی طرف نسبت ہے،بلکہ امام صاحب کی کوئی حدیث ضعیف نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ زمانہ حضور کے زمانہ سے بہت ہی قریب ہے۔اس وقت اسنادوں میں ضعیف راوی شامل نہیں ہوئے تھے۔

۳؎مرقاۃ میں اس جگہ فرمایا کہ ان کتب احادیث میں کسی حدیث کا مطالعہ کرکے یہ کہناجائزہےکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کیونکہ ان مصنفین پر بھی اعتماد ہے اور ان کتابوں پر بھی بھروسہ۔

۴؎یعنی جس ترتیب سے صاحب مصابیح نے مسائل کی کتابیں اور ان کتابوں کے باب بیان کیئے ہیں،میں نے بھی اسی طرح بغیر تقدیم و تاخیر بیان کیئے اور کتابوں اور بابوں کے وہی عنوان رکھے جو انہوں نے رکھے تھے۔مثلًا "**کتاب الطھارت**"اس میں وضو کا،پھر غسل کا،اور پھر تیمّم کا باب ہوگا۔

۵؎یعنی اگرچہ بعض بابوں میں دو۲ ہی فصلیں ہوں گی مگر یہ بہت کم،اکثر تین ہی ہوں گی۔

۶؎ یعنی چوں کہ فن حدیث میں بخاری و مسلم کا درجہ بہت بلند ہے حتی کہ ان کو حدیث کا شیخین کہا جاتا ہے۔جیسے فقہ میں امام ابوحنیفہ وابویوسف کو،اورمنطق میں فارابی اوربوعلی سیناکو۔اس لیئے پہلی فصل میں میں ان بزرگوں کی روایتیں لاؤں گا اوراگرکسی حدیث کوشیخین کے علاوہ محدثین نے بھی نقل کیا ہو تو میں وہ حدیث صرف شیخین ہی کی طرف نسبت کروں گا۔مثلًا اگر کوئی حدیث بخاری اورترمذی کی ہے تو میں صرف بخاری کا نام لوں گا اور کہوں گا "رواہ البخاری"کہ ان کے ذکر کے ہوتے کسی کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

المذکورین و ثالثھا ما اشتمل علی معنی الباب من ملحقات مناسبة مع محافظة علی الشریطة و ان کان ماثورا عن السلف و الخلف ثم انك ان فقدت حدیثا فی باب فذلك عن تکریر اسقطه و ان وجدت اخر بعضه متروکا علی اختصاره او مضموما الیه تمامه فعن داعی اهتمام اترکه و الحقه و ان عثرت علی اختلاف فی الفصلین من ذکر غیر الشیخین فی الاول و ذکرهما فی الثانی فاعلم انی بعد تبتعی کتابی الجمع بین الصحیحین للحمیدی

ترجمہ:

احادیث جوان کے علاوہ دوسرے مذکورہ اماموں نے روایت کیا۱؎ تیسری فصل میں وہ مناسب ملحقہ حدیثیں جو باب کے معنی پرشامل ہیں شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ۲؎ اگرچہ متقدمین و متاخرین سے منقول ہوں ۳؎ پھر اگر تم کسی باب میں مصابیح کی کوئی حدیث نہ پاؤ تو وہ تکرار کی وجہ سے ہوگا جسے میں نکال دوں گا۴؎ اور اگر تم دوسری حدیث کو ایسا پاؤ کہ جس کا بعض حصہ اختصارًا چھوڑ دیا گیا ہے یا اس کا تتمہ شامل کردیا گیا ہے تو یہ کسی اہتمام کے باعث ہوگا کہ کچھ چھوڑدو ں گا کچھ ملادوں گا۵؎ اور اگر تم دو فصلوں میں کسی اختلاف پر مطلع ہو مثلًا یوں کہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی اور دوسری میں شیخین کی حدیث مذکور ہو۶؎ تو جان لینا یہ اس لئے ہے کہ میں نے حمیدی کی اور جامع اصول کی کتابیں جو شیخین کی

تشریح:

۱؎ جیسے ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ وغیرہ دوسری فصل میں ان کی احادیث ذکرکی **جائینگی۔**

۲؎ یعنی ہر باب کی دوفصلوں میں مصابیح کی احادیث ہوں گی اورتیسری فصل صاحب مشکوۃکی طرف سے زیادہ کی جائینگی،اوراس میں جوحدیثیں بیان ہوں گی ان میں انہی باتوں کالحاظ ہوگا کہ اولًاحدیث کےراوی کانام،پھر آخر میں کتاب کا حوالہ۔

۳؎ یعنی میں نے اپنی تیسری فصل میں یہ التزام کیا کہ حدیث مرفوع ہی لاؤں بلکہ قول صحابہ و تابعین اور ان کے افعال کریمہ کی روایت بھی نقل کرونگاکیونکہ اصطلاح محدثین میں اسے بھی حدیث کہتے ہیں۔سلف کے معنی ہیں گزرے ہوئے لوگ یعنی متقدمین،خلف کے معنی ہیں پیچھے والے یعنی متاخرین۔یہاں سلف سے مراد صحابہ ہیں،خلف سے مراد تابعین،چونکہ صحابہ کا درجہ غیرصحابہ سے کہیں زیادہ ہے اس لیئے ان کا نام پہلے لیا تابعین کا بعدمیں۔

۴؎ اگرکسی باب میں کوئی حدیث مصابیح میں تو تھی مگر مشکوۃ میں نہیں تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں وہ حدیث دو جگہ آئی تھی،میں نے ایک جگہ رکھی دوسری جگہ سے ساقط کردی۔

۵؎ یعنی اگر کوئی حدیث مصابیح میں تو مختصرًا مذکور تھی،مگرمشکوۃ میں پوری دراز یا اس کے برعکس مصابیح میں مکمل و دراز تھی،مگر میں نے اس کو مختصرکرکے نقل کیاتو اس کی کوئی حکمت اور وجہ ہوگی،میں نے بلاوجہ یہ فرق نہ کیا مثلًا ایک دراز

حدیث کا ایک جز باب کے مناسب ہے باقی نہیں تو میں صرف وہ مناسب جز ہی نقل کروں گا مختصرًا اور اگرکسی حدیث کے دو جز مصابیح کے دوبابوں میں منقول ہوئے تو میں پوری حدیث ایک باب میں طویل ذکر کروں گا۔

۶؎ یعنی صاحب مصابیح کا طریقہ تو یہ ہے کہ فصل اول میں شیخین کی احادیث لاتے ہیں اور فصل دوم میں ان کے علاوہ کی،لیکن اگر مشکوۃمیں تم کو اس کے خلاف ملے کہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی کوئی روایت آگئی ہو یا دوسری فصل میں شیخین کی تو اس کی وجہ وہ ہے جو آگے مذکورہے۔

و جامع الاصول اعتمدت علی صحیحی الشیخین و متنیہماو ان رایت اختلافا فی نفس الحدیث فذلك من تشعب طرق الاحادیث و لعلی ما اطلعت علی تلك الراویۃ التی سلکہا الشیخ رضی اللہ عنه و قلیلا ما تجد اقول ما وجدت

ترجمہ:

احادیث کی جامع ہیں،کے تلاش کے بعد صحیح مسلم وبخاری اوران کے متون ۱؎ پراعتماد کیا اور اگرتم اصل حدیث میں فرق پاؤ تویہ فرق حدیثوں کی اسنادوں کے فرق کی وجہ سے ہوگا۲؎ اور شایدمیں اس روایت پرخبردار نہ ہوا ہوں جدھر حضرت شیخ گئے۔تم بہت کم یہ بھی پاؤ گے کہ میں کہوں گا۔

تشریح:

۱؎ یعنی اس اختلاف کی وجہ یہ ہوگی کہ میں نے مشکوۃ کی تالیف کے دوران میں امام حمیدی کی کتاب "**جمع بین الصحیحین**" اور امام مجدالدین کی کتاب "جامع الاصول" بھی دیکھیں اور اصل کتاب یعنی بخاری و مسلم کا بھی مطالعہ کیا اگر ان دونوں جامع کتب اوراصل بخاری ومسلم میں اختلاف پایا تو میں نے ان جامع کتب کا اعتبار نہ کیا بلکہ مسلم و بخای کا اعتبار کیا۔مثلًا ایک حدیث جامع الاصول میں شیخین کی روایت سے منقول ہے اور صاحب مصابیح نے فصل اول میں بیان کی مگرمسلم و بخاری میں وہ روایت نہیں تو اگر میں وہ حدیث لاؤنگا تو فصل اول ہی میں مگر اس کی نسبت مسلم و بخاری کی طرف نہ کرونگا،ایسے ہی برعکس کہ اگر ان جامع کتب میں کسی حدیث کی نسبت مسلم و بخاری کے علاوہ کسی اور کتاب کی طرف ہے،مگر وہ حدیث مسلم وبخاری میں مجھے مل گئی،صاحب مصابیح اسے دوسری فصل میں لائے تو میں بھی لاؤنگا دوسری فصل میں ہی،مگرنسبت مسلم وبخاری کی طرف کروں گا۔خیال رہے کہ کتاب **جمع بین الصحیحین** کے مصنف حافظ ابوعبداللہ محمدابن ابی النصر ابن حمیداندلسی **قرطبی** ہیں جو دارقطنی کے شاگردوں سے ہیں،آپ بغداد میں رہے وہاں ہی ۴۸۰ھ میں وفات پائی،آپ نے اپنی اس کتاب میں مسلم وبخاری کی احادیث جمع فرمائیں اور جامع الاصول کے مصنف امام مجدد الدین ابوالعادات مبارک ابن محمد جزری ہیں جنہیں ابن اثیر کہا جاتا ہے۔آپ موصل میں رہے وہاں ہی ۶۰۶ھ میں وفات پائی،آپ نے جامع الاصول میں صحاح ستہ کی احادیث نقل فرمائیں،صاحب مصابیح نے ان ہی کتب سے مصابیح تالیف فرمائی،صاحب مشکوۃ نے ان دونوں کتب کا بھی مطالعہ کیا اور اصل کتب حدیث کا بھی،ہماری اس تقریر سے یہ جملہ **بفضلہ تعالٰی** واضح ہوگیا اورمعلوم ہوگیا کہ صاحب مشکوۃ نے مشکوۃ لکھنے میں کتنی محنت کی ہے۔

۲؎ یعنی اگر کہیں ایسا ہو کہ مصابیح کی حدیث کے الفاظ وعبارت کچھ اور ہیں،مشکوۃ کی حدیث کی عبارت کچھ اور،تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی حدیث مختلف اسنادوں سے مختلف عبارتوں میں مروی ہوتی ہے۔صاحب مصابیح کو کسی اسناد سے وہ الفاظ

ملے جو انہوں نے مصابیح میں لکھے،مجھے وہ اسناد اور وہ الفاظ نہ ملے بلکہ دوسری اسناد میں دوسرے الفاظ ملے،تو میں نے اپنی تحقیق شدہ عبارت نقل کی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی محدث یا فقیہ کی حدیث ہم کو نہ ملے تو اس میں ہمارا اپنا قصور ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس بزرگ نے غلطی کی،دیکھو صاحب مشکوۃ نے مصابیح کی نقل کردہ حدیث کو غلط نہ فرمایا بلکہ اپنے قصور علم کا اقرار کیا یہ ہی ہم حنفی کہتے ہیں کہ اگر امام ابوحنیفہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے مسلک کی کوئی حدیث ہم کو نہ ملے یا ضعیف ملے تو اس میں ہمارا قصور ہے نہ کہ حضرت امام کا،صاحب مشکوۃ نے یہ ہی سبق دیا۔

هذه الرواية فی کتب الاصول او وجدت خلافها فیها فاذا و قفت علیه فانسب القصور الی لقلة الدراية لا الی جناب الشيخ رفع الله قدره فی الدارين حاشا لله من ذلك رحم الله من اذا وقف علی ذلك نبهنا عليه وارشدنا نقلت ذلك الاختلاف کما وجدت و ما اشار اليه رضی الله عنه من غريب او ضعيف او غيرهما بينت وجهه غالبا و ما لم يشر اليه مما فی الاصول فقد

ترجمہ:

میں نے یہ روایت اصول کی کتابوں میں نہ پائی۔یا ان میں اس کے خلاف پائی تو جب تم اس پر مطلع ہو تو میری کم علمی کی بناءپر قصور کو میری طرف منسوب کرنا نہ کہ حضرت شیخ کی بارگاہ کی طرف،اللہ دونوں جہانوں میں اُن کی عزت بڑھائے[1]اس نسبت سے خداکی پناہ خدا اس پر رحمت کرے جواس حدیث پر واقف ہوتو ہمیں متنبہ کردے اور ہم کو سیدھے راستہ کی راہبری کرے[2] میں نے حتی الوسع حدیثوں کی تلاش اور کرید میں کوتاہی نہیں کی اوراس اختلاف کوویسے ہی نقل کردیا جیساپایا[3] اورجب کبھی شیخ نے غریب ضعیف وغیرہ کی طرف اشارہ کیا تو اکثر مَیں نے اُس کی وجہ بیان کردی[4] اور اصولِ احادیث میں سے جہاں اس

تشریح:

[1]یعنی مصابیح میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جو مجھے کسی کتاب میں ملی ہی نہیں یا اس کے خلاف ملیں تو میں نے وہ حدیث مشکوۃ شریف میں لکھ تو دی مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے یہ حدیث نہ ملی یا اس کے خلاف ملی تو تم اس سے حضرت شیخ سے بدگمان نہ ہونا بلکہ مجھے قصورمند سمجھنا کہ میراعلم کم ہے۔سبحان اللہ!یہ ہے ادب۔اے حنفیو!تم بھی یہ ادب سیکھو اگر تمہیں کوئی ایسی حدیث نہ ملے جوحضرت امام کی سند ہے تو سمجھو کہ بے علم یا کم علم ہم ہیں،ہماری تلاش میں قصور ہے،حضرت امام کی حدیث صحیح ہے۔

[2]یعنی ایسی حدیث پر جو مجھے نہ ملی یا خلاف ملی اگر کسی صاحب کو مل جاوے تو مجھے براہ مہربانی فورًا اطلاع دے تاکہ میں اس جگہ حوالہ لکھ دوں۔الحمدللہ! فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تائید میں جواحادیث نقل فرمائیں اگرچہ تمام دنیا انہیں ضعیف یاغریب کہے،حضرت امام کے مسائل کی احادیث کسی کو نہ ملیں لیکن حضرت امام کے مسائل کی احادیث صحیح ہیں اگرچہ ہم کو نہ ملیں یا ضعیف ہوکر ملیں اسی لیے فقیر نے "جاء الحق"حصہ دوم[2] تصنیف کی اس کا مطالعہ کرو۔

۳؎یعنی یہ نہ سمجھنا کہ میں نے احادیث مصابیح کی تلاش میں کوتاہی کی یونہی دفع الوقتی کرکے لکھ دیا کہ مجھے نہ ملی بلکہ میں نے بقدر طاقت بہت تلاش کی نہ ملنے پر مجبورًا یہ لکھا۔سبحان اللہ !

۴؎یعنی جن احادیث کے متعلق شیخ نے مصابیح میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف یاغریب یامنکریامعلل ہے،میں نے مشکوۃ میں اکثر اس کے ضعف وغیرہ کی وجہ بیان کردی،ہاں کبھی ایسا ہوگاکہ وجہ بیان نہ کرسکا اس کی وجہ بھی میری معلومات کی کمی ہے کہ مجھے اس کے ضعف وغرابت کی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔

قفیته فی ترکه الا فی مواضع لغرض و ربما تجد مواضع مهملة و ذلك حیث لم اطلع علی روایة فترکت البیاض فان عثرت علیه فالحقه به احسن اللہ جزاك و سمیت الکتب بمشکوٰۃ المصابیح و اسئل اللہ التوفیق و الاعانة

ترجمہ:

طرف اشارہ نہ کیا وہاں میں ان کے نقش قدم پر چلا ۱؎سواءچندجگہ کے وہ بھی کسی غرض سے۲؎بسااوقات تم کچھ جگہ چھوٹی ہوئی پاؤ گے یہ وہاں ہوگا جہاں میں روایت پرمطلع نہ ہوا وہاں مَیں نے سفید جگہ چھوڑدی۳؎ تو اگرتم اس پرمطلع ہوتو وہاں ملادو۔اللہ تمہیں جزائے خیر دے،مَیں نے اُس کا نام "**مشکوٰۃ المصابیح**"رکھا۴؎ اللہ تعالٰی سے توفیق،مدد،ہدایت،

تشریح:

۱؎یعنی ایسا اکثر ہوا کہ کتب اصول نےکسی حدیث کے ضعف یا غرابت کی تصریح کی مگر صاحب مصابیح نے اس کا ذکر نہ کیا تو ایسی جگہ میں نے صاحب مصابیح کی پیروی کی اور اس کا ذکر نہیں کیا۔

۲؎وہ غرض یہ ہے کہ بعض طاعنون نے مصابیح کی بعض احادیث کوموضوع کہہ دیاحالانکہ ترمذی وغیرہ نے صحیح یا حسن کہا ہے تو میں نے صاحب مصابیح سے طعن اٹھانے کے لیے اس کی تصریح کردی کہ فلاں کتاب نے اسے صحیح کہا ہے یا یہ وجہ ہوگی کہ صاحبِ مصابیح کے مقدمہ میں فرمایا کہ میں نے اپنی اس کتاب میں کوئی منکرروایت درج نہیں کی حالانکہ اس کی کوئی حدیث منکَر بھی تھی تو میں نے اسکی تصریح کردی تاکہ کوئی اس حدیث کو مصابیح میں دیکھ کر صحیح نہ سمجھے۔(اشعۃ اللمعات)

۳؎یعنی مشکوۃشریف میں کہیں حدیث کے بعد تھوڑی سی خالی جگہ چھوٹی پاؤگے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں تو وہ حدیث موجود تھی لیکن مجھے کسی کتاب میں نہ ملی،اورمجھے پورا اعتمادہے کہ صاحب مصابیح علامہ بغوی نےکہیں دیکھ کر ہی لکھی ہوگی اس لیے میں نے مشکوۃمیں حدیث تو لکھ دی مگر کتاب کے نام کے لیے جگہ چھوڑی دی تاکہ اگر کسی کواس پر اطلاع ہوجائے تو وہ یہاں لکھ دے چنانچہ علامہ شمس الدین محمدی جزری وغیرہم علماء نے ایسا کیا کہ وہ جگہ سفید ہی رکھی مگر اس کتا ب کا نام بیان کردیا تاکہ دیکھنے والے کو پتہ لگے کہ یہ نقل صاحب مشکوۃکی نہیں ہے کسی اور کی ہے

۴؎کیونکہ مشکوۃ کے معنی ہیں طاق۔**مصابیح مصباح** کی جمع بمعنی چراغ،معنی ہوئے چراغوں کا طاق کیونکہ ہر حدیث نورانیت اورہدایت میں چراغ کی طرح ہے اور یہ کتاب ان احادیث کے ملنے کی جگہ۔نیز مصابیح اصل کتاب کا نام بھی ہے وہ ساری کتاب مشکوۃمیں موجودہے۔بہرحال یہ نام مسمّٰی کے مطابق ہے۔

فقیرحقیر"احمدیار"نے اپنی اس شرح کا نام مراۃ رکھایعنی چراغوں کے طاق کے سامنے لگا ہوا شیشہ جو بیرونی ہوا کو اندر نہ پہنچنے دے۔فقیر کی نیت یہی ہے کہ اس شرح سے منکر ین حدیث اور ناسمجھ لوگوں کے اعتراضات دفع ہوں،احادیث کا

تعارض دور کیا جائے۔رب العزت قبول فرمائے۔یا مشکوۃ کی حدیثوں کو دیکھنے کا آئینہ کہ اس کی حدیثیں اس شرح سے دیکھو اور سمجھو۔

و الهداية و الصيانة و تيسير ما اقصده و ان ينفعنى فى الحيوة و بعد الممات و جميع المسلمين و المسلمات حسبى الله و نعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العزيز الحكيم

ترجمہ:

حفاظت کا طلبگارہوں اور اپنے مقصود کی آسانی کا جویاں اور یہ کہ اللہ زندگی و بعدموت مجھے اور تمام مسلمان مرد وعورتوں کو نفع دے[1] مجھے اللہ کافی ہے وہ ہی اچھا وکیل ہے(بھروسہ کے لائق)اورنہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر غالب حکمت والے اللہ سے۔

تشریح:

[1] اس طرح کہ میری زندگی اتنی درازہو کہ تصنیف کے بعد پڑھ بھی سکوں،پڑھابھی سکوں اوراس کی برکت سے زندگی ایمان اور تقویٰ میں بسر ہو،مرتے وقت کلمہ نصیب ہو،اور یہ کتاب قبر وحشر میں کام آئے کہ میرے بعد بار بار شائع ہوتی رہے،مسلمان فائدے اٹھاتے رہیں اور مجھے اس کا ثواب ملتا رہے۔الحمدللہ!مصنف کی یہ دعا قبول ہوئی کہ بفضلہٖ تعالٰی دنیا کے ہر خطہ میں جہاں مسلمان ہیں یہ کتاب موجود ہے،ہر جگہ اس کے درس دیئے جارہے ہیں،مختلف زبانوں میں اس کی شرحیں کی جاچکی ہیں،چنانچہ عربی میں مرقاۃ اور لمعات فارسی میں اشعۃ اللمعات اردو میں،نہ معلوم کتنی شرحیں ہوچکی ہوں گی،یہ بندہ گنہگارشرمسار احمدیار بھی مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کے ساتھ یہی دعا کرتا ہے اور انہیں کی طفیل قبولیت کا امیدوار ہے۔اللہ تعالٰی اس ناچیز شرح کوحقیقتًا مشکوۃ کا مرآۃ بنائےاورقبول فرماکرمیرے لیئے کفارۂ سیئات اورصدقۂ جاریہ بنائے۔آمین یارب العلمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ٥

بشارت عظمٰی

الحمدللہ! فقیرنے حضرت مولانا افسرصاحب صابری مقیم کراچی کی خدمت میں اس شرح کے تاریخی نام کےمتعلق عریضہ لکھا تھا۔کچھ عرصہ کے بعد یعنی ۲۰/ذیقعد ۱۳۷۸ھ جمعہ کو آل ممدوح کا خط آیا جس میں تحریر تھا کہ میں بوجہ علالت تاریخی نام میں غور نہ کرسکا۔آخر ایک شب خواب میں مجھے اس شرح کا تاریخی نام بتایا گیا۔ملاحظہ ہو!

ذوالمرآت ۱۳۷۸ھ

سبحان اللہ!کیسا سادہ نام ہے اورمشکوۃ کاہم وزن ہے،فقیرحقیر مولانا کی اس خواب کوایک غیبی بشارت سمجھتاہے اورنہایت فخرسے اس کا تاریخی نام"ذوالمرآت"۱۳۷۸ھ شرح مشکوۃہی رکھتا ہے۔فالحمدللہ!

"اَحْمَدْ يَار"

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمہ گجرات پاکستان

روایت ہے عمر ابن خطاب سے ۱؎ فرماتے ہیں (راضی ہو اللہ ان پر) فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال نیّتوں سے ہیں ۲؎ ہر شخص کے لئے وُہ ہی ہے جو نیّت کرے ۳؎ بس جس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہو تو اُس کی ہجرت اللہ ورسول ہی کی طرف ہوگی ۴؎ اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو ۵؎ اس کی ہجرت اس طرف ہوگی جس کے لئے کی ۶؎	

۱؎ آپ کا نام شریف عمر ابن خطاب ابن نفیل ہے،کنیت ابو حفص،لقب فاروق اعظم،خطاب امیر المؤمنین۔آپ قرشی عدوی ہیں،کعب ابن لوی میں حضور سے مل جاتے ہیں،آپ کے فضائل بے حد و بیشمار ہیں۔جلیل القدر صحابی،قدیم الاسلام مؤمن ہیں،آپ کے ایمان سے مسلمانوں کا چالیس کا عدد پورا ہوا،آپ کے ایمان لانے پر فرشتوں میں مبارکباد کی دھوم مچی اور یہ آیت اُتری:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ"ابو بکر صدیق کے بعد ۱۳ھ میں آپ کی بیعت کی گئی،آپ کے زمانہ میں اسلام بہت پھیلا،بہت ممالک فتح ہوئے،قرآن کریم کی بہت سی آیتیں آپ کی رائے کے مطابق اتریں،دس سال چھ مہینے خلافت کی تریسٹھ سال عمر شریف ہوئی،۲۶ذوالحجہ ۲۳ھ بدھ کے دن مسجد نبوی محراب النبی میں مصلاء مصطفیٰ پر نماز فجر پڑھاتے ہوئے شہید کیئے گئے،مغیرہ ابن شعبہ کے یہودی غلام ابو لؤلؤ نے خنجر کا وار کیا،آپ کی شہادت پر درو دیوار سے اسلام کے رونے کی آواز آتی تھی کہ آج اسلام و مسلمین یتیم ہوگئے،حضرت صہیب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی،گنبد خضری میں پہلوئے مصطفےٰ میں دفن ہوئے،آپ کی روایتیں پانچ سو سینتیس ۵۳۷ ہیں۔رضی اللہ تعالٰی عنہ

۲؎ نیت ارادۂ عمل کو بھی کہتے ہیں اور اخلاص کو بھی،یعنی اللہ رسول کو راضی کرنے کا ارادہ،یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی اعمال کا ثواب اخلاص سے ہے،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے،اس صورت میں یہ حدیث اپنے عموم پر ہے،کوئی عمل اخلاص کے بغیر ثواب کا باعث نہیں،خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے نماز،روزہ وغیرہ یا عبادات غیر مقصودہ جیسے وضو،غسل،کپڑا،جگہ،بدن کا پاک کرنا وغیرہ کہ ان پر ثواب اخلاص سے ہی ملے گا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اخلاص اور نیتِ خیر ایسی نعمتیں ہیں کہ ان کے بغیر عبادات محض عادتیں بن جاتی ہیں،اور اس کی برکت سے کفر شکر بن جاتا ہے،اور گناہ ومعصیت اطاعت۔حضرت ابوامیہ ضمیری نے ایک موقعہ پر کفریہ الفاظ بول لیئے،حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات غار ثور میں ایک قسم کی خودکشی کرلی،سیدنا علی المرتضی نے خندق میں عمدًا نماز عصر چھوڑ دی،مگر چونکہ نیتیں خیر تھیں،اس لیئے ان حضرات کے یہ کام ثواب کا باعث بنے۔مولانا فرماتے ہیں۔شعر؎

ہرچہ گیرد علّتی علّت شود | کفر گیرد ملّتی ملّت شود

شوافع کہتے ہیں کہ یہاں نیت پہلے معنی میں ہے،یعنی ارادۂ فعل ان کے نزدیک جو بغیر ارادہ وضو اعضاء دھولے تو اس سے وضو نہ ہوگا جیسے بلا ارادہ نماز نہیں ہوتی مگر یہ تفسیر مقصد حدیث کے خلاف ہے اور پھر حدیث کا عموم باقی نہیں رہتا کیونکہ آگے ہجرت کا ذکر ہے۔جو دنیوی غرض سے

ہجرت کرے شرعًا مہاجر ہوگا اگرچہ ثواب نہ ہوگا۔نیز جو بغیر ارادہ جواز نماز،گندا کپڑا،گندا جسم،گندی زمین دھو ڈالے تو ان کے ہاں بھی یہ چیزیں پاک ہو جاتی ہیں،اور نماز اس سے جائز ہوتی ہے یہ معنی ان کے بھی خلاف ہیں۔خیال رہے کہ ارکان اسلام یعنی کلمہ،نماز،روزہ،حج،زکوۃ میں نیت یعنی ارادہ فعل فرض ہے،باقی جہاد،ہجرت وضوء وغیرہ میں یہ نیت فرض نہیں۔ہاں اخلاص کے بغیر ان میں ثواب نہ ملے گا۔لہذا احناف کے معنی نہایت صحیح ہیں اور حدیث نہایت جامع۔نماز میں زبان سے نیت کے الفاظ کہنا بدعت حسنہ ہے کیونکہ حضور نے کل ۳۰ ہزار نمازیں پڑھیں ہیں مگر کبھی زبان سے نیت نہ کی،بعض علماء نے نماز کو حج پر قیاس کیا اور فرمایا کہ جیسے احرام کے وقت زبان سے حج کی نیت کی جاتی ہے ایسے ہی نماز میں کرنی چاہیئے مگر یہ صحیح نہیں۔دیکھو مرقات۔

۳؎ ہجرت کے لغوی معنی ہیں چھوڑنا۔شریعت میں رب کو راضی کرنے کے لیئے وطن چھوڑنے کا نام ہجرت ہے۔ہجرت بوقت ضرورت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے،اسلامی سنہ حضور کی ہجرت کی یادگار ہے۔

۴؎ یعنی جو ہجرت میں اللہ اور رسول کی خوشنودی کی نیت کرے،اس کی ہجرت واقعی اللہ اور رسول کی طرف ہی ہوگی لہذا حدیث میں دور نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں رضاءِ رب کے ساتھ حضور کی رضا کی نیت شرک نہیں بلکہ عبادت کو کامل کرتی ہے۔دیکھو ہجرت عبادت ہے،مگر فرمایا گیا:"اِلَی اللہِ ورسولہ"۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کے پاس جانا اللہ کے دربار میں حاضری ہے کہ مہاجرین مدینہ جاتے تھے،جہاں حضور تشریف فرما تھے،وہاں جانے کو اللہ کے پاس جانا قرار دیا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر جگہ حضور ہی کے دم کی بہار ہے،ان کے بغیر اجڑا دیا رہے۔دیکھو مکہ معظّمہ میں رہنا عبادت ہے،مگر جب حضور وہاں سے مدینہ منورہ چلے گئے تو اگرچہ وہاں کعبہ وغیرہ سب کچھ رہا مگر وہاں رہنا گناہ قرار پایا،وہاں سے ہجرت ضروری ہوگئی،پھر جب وہاں حضور کی تجلّی ہوگئی،پھر وہاں رہنا عبادت قرار پایا۔

۵؎ انصارِ مدینہ نے مہاجرین کی ایسی دائمی شاندار مہمانی کی کہ سبحان اللہ! انہیں اپنے گھروں، باغوں، زمینوں میں برابر کا حصہ دار بنالیا، حتی کہ اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی، اندیشہ تھا کہ کوئی زمین، مکان یا عورت کی لالچ میں ہجرت کرے اسی لیئے حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔اس مضمون سے معلوم ہوا کہ یہاں اَلنِّیَّا ت میں نیت بمعنی ارادہ فعل نہیں ہے بلکہ بمعنی اخلاص ہے۔ریاکار مہاجر بھی مہاجر کہلائے گا مگر ثواب نہ پائے گا جیسا کہ ھِجرَتُہٗ سے معلوم ہورہاہے۔

٦؎ صاحبِ مشکوٰۃ ولی الدین محمد علیہ الرحمۃ نے شروع کتاب میں یہ حدیث ہم کو سمجھانے کے لیئے لکھی کہ میری کتاب اخلاص سے پڑھنا، محض دنیا کمانے کے لیے نہ پڑھنا،اپنی دلی کیفیت پر ہم کو مطلع فرمایا کہ میں نے یہ کتاب اخلاص سے لکھی ہے، شہرت یامال مقصود نہ تھا،یہ حدیث میرے پیش نظر تھی۔

کتاب الایمان

ایمان کا بیان۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ایمان کے لغوی معنی ہیں امن دینا۔شریعت میں ایمان اُن اسلامی عقائد کا نام ہے جنہیں مان کر انسان عذابِ الٰہی سے امن میں آجاتا ہے،یعنی تمام ان چیزوں کو ماننا جو حضور رب کی طرف سے لائے،چونکہ ایمان محض ماننے اور تصدیق کا نام ہے اس لیئے اس میں مقدار ناممکن ہے،ہاں کیفیت کی زیادتی و کمی ممکن ہے،چونکہ ایمان عبادت کی اصل ہے اس لیئے پہلے اسے بیان فرمایا۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک صاحب ہمارے سامنے نمودار ہوئے ۱؎ جن کے کپڑے بہت سفید اور بال خوب کالے تھے ۲؎ اُن پر آثارِ سفر ظاہر نہ تھے اور ہم سے کوئی اُنہیں پہچانتا بھی نہ تھا ۳؎ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے اور اپنے گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں شریف سے مَس کردیئے ۴؎ اور اپنے ہاتھ اپنے زانو پر رکھے ۵؎ اور عرض کیا اَے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے متعلق بتایئے ۶؎ فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۷؎ اور نماز قائم کرو،زکوۃ دو،رمضان کے روزے رکھو،کعبہ کا حج کرو اگر وہاں تک پہنچ سکو ۸؎ عرض کیا کہ سچ فرمایا ہم کو ان پر تعجب ہوا کہ حضور سے پوچھتے بھی ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں ۹؎ عرض کیا کہ مجھے ایمان کے متعلق بتایئے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخری دن کو مانو ۱۰؎ اور	

	اچھی بُری تقدیر کو مانو۱۱ عرض کیا آپ سچے ہیں عرض کیا مجھے احسان کے متعلق بتایئے۱۲ فرمایا اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا اُسے دیکھ رہے ہو۱۳ اگر یہ نہ ہوسکے تو خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۱۴ عرض کیا کہ قیامت کی خبر دیجئے۱۵ فرمایا کہ جس سے پوچھ رہے ہو وہ قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ خبردار نہیں ۱۶ عرض کیا کہ قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتادیجئے ۱۷ فرمایا کہ لونڈی اپنے مالک کو جنے گی۱۸ اور ننگے پاؤں ننگے بدن والے فقیروں، بکریوں کے چرواہوں کو محلوں میں فخر کرتے دیکھو گے ۱۹ راوی فرماتے ہیں کہ پھر سائل چلے گئے میں کچھ دیر ٹھہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے عمر جانتے ہو یہ سائل کون ہیں میں نے عرض کیا اللہ اور رسول جانیں۲۰ فرمایا یہ حضرت جبریل تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے ۲۱ (مسلم)

۱؎ یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے،جو شکل انسانی میں حاضر ہوئے تھے،جیسے بی بی مریم کے پاس مرد کی شکل میں گئے۔فرشتہ وہ نورانی مخلوق ہے جو مختلف شکلیں اختیار کرسکتی ہے۔جن وہ آتشی مخلوق ہے جو ہر قسم کی شکل بن جاتی ہے مگر روح وہ ہی رہتی ہے لہذا یہ اواگون نہیں۔

۲؎ یعنی وہ مسافر نہ تھے ورنہ ان کے بال و لباس غبار میں اٹے ہوتے۔خیال رہے کہ حضرت جبریل کے بال کالے،کپڑے سفید(چٹے)ہونا شکل بشری کا اثر تھا ورنہ وہ خودنوری ہیں،لباس اورسیاہ بالوں سے بری۔ہاروت ماروت فرشتے شکل انسانی میں آکر کھاتے پیتے بلکہ صحبت بھی کرسکتے تھے۔عصاموسوی سانپ کی شکل میں ہو کرسب کچھ نگل گیا تھا،ایسے ہی ہمارے حضور نوری بشر میں کھانا، پینا،نکاح اس بشریت کے احکام تھے،روزہ وصال میں نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تھی،بغیر کھائے پیئے عرصۂ دراز گزار لیتے تھے،آج صد ہا سال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر کھائے پیئے آسمان پر جلوہ گر ہیں یہ نورانیت کا ظہور ہے۔

۳؎ یعنی وہ مدینہ کے باشندے نہ تھے ورنہ ہم انہیں پہچانتے ہوتے،حضور تو انہیں خوب پہچانتے تھے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۴؎ یعنی حضور سے بہت قریب بیٹھے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے حضرت جبریل کو پہچان لیا تھا ورنہ پوچھتے کہ تم کون ہو اور اس طرح ملکر مجھ سے کیوں بیٹھتے ہو۔

۵؎ جیسے نمازی التحیات میں دوزانو بیٹھتا ہے۔آج کل زائرین روضۂ مطہرہ پر نماز کی طرح کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں اس ادب کی اصل یہ حدیث ہے۔حضرت جبریل نے قیامت تک کے مسلمانوں کو حضور کی بارگاہ میں حاضری کا ادب سکھادیا اور بتادیا کہ نماز کی طرح یہاں کھڑا ہونا یا بیٹھنا حرام نہیں،ہاں سجدہ یا رکوع حرام ہے۔

۶؎ اسلام کبھی ایمان کے معنی میں ہوتا ہے،کبھی اس کے علاوہ یہاں دوسرے معنی میں ہے،یعنی ظاہر کا نام اسلام ہے،باطنی عقائد کا نام ایمان اسی لیے یہاں شہادۃ و اعمال کا ذکر ہوا۔خیال رہے کہ اب حضور کو صرف "یا محمد" کہہ کر پکارنا حرام ہے،رب فرماتا ہے:"لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ "الخ۔واقعہ غالبًا اس آیت کے نزول سے پہلے ہوایافرشتے اس آیت سے علیحدہ ہیں۔(مرقاۃ)

۷؎ کلمہ پڑھنے سے مراد سارے اسلامی عقائد کا مان لینا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں"الحمد"پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۃ فاتحہ لہذا اس حدیث کی بنا پراب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تمام اسلامی فرقے مرزائی، چکڑالوی وغیرہ مسلمان ہیں کیونکہ یہ لوگ اسلامی عقائد سے ہٹ گئے۔

۸؎ اس میں بظاہرحضرت جبریل سے خطاب ہے اوردرحقیقت مسلمان انسانوں سے ورنہ فرشتوں پر نماز،روزہ،حج وغیرہ اعمال فرض نہیں،رب فرماتاہے:"وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیۡتِ"۔خیال رہے کہ یہ اعمال اسلام کا جزو نہیں کہ ان کا تارک کافر ہوجائے،یہاں کمال اسلام کا ذکر ہے،تارکِ اعمال مسلمان تو ہے مگر کامل نہیں۔

۹؎ کیونکہ پوچھنا نہ جاننے کی علامت ہے اورتصدیق کرنا جاننے کی علامت۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تمام آسمانی کتابوں سے واقف ہیں کہ رب نے حضور کے بارے میں فرمایا:"مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ "۔

۱۰؎ خیال رہے کہ **عن الایمان** میں ایمان اصطلاحی مراد ہے،اور **ان تؤمن** میں ایمان لغوی یعنی ماننا،لہذا یہ **تعریف الشی بنفسہ** بھی نہیں اور اسمیں دور بھی نہیں۔تمام فرشتوں،نبیوں، کتابوں پر اجمالی ایمان کافی ہے،گو قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیلی ایمان لازم ہے۔

۱۱؎ اس طرح کہ ہربری بھلی بات جوہم کررہے ہیں،اللہ کے علم میں پہلے ہی سے ہے اور اس کی تحریر ہوچکی ہے،تقدیرکے معنی ہیں۔اندازہ۔تقدیردوقسم کی ہے:مبرم اورمعلق مبرم میں تبدیلی نہیں ہوسکتی،معلق دعاء،اعمال وغیرہ سے بدل سکتی ہے،ابلیس کی دعا سے اس کی عمر بڑھ گئی"فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنۡظَرِیۡنَ" حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو برس ہوگئی۔تقدیر کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی تیسرے پارے میں ملاحظہ کریں۔

۱۲؎ یعنی رب نے فرمایا:"لِلَّذِیۡنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی"وغیرہ ان آیات میں احسان سے کیا مراد ہے جواب ملاکہ اخلاص عمل۔

۱۳؎ اگر تو خدا کودیکھتا ہے توتیرے دل میں کس درجہ اس کاخوف ہوتااورکس طرح توسنبھال کرعمل کرتا،ایسے ہی خوف کیسا تھ دل لگا کر درست عمل کر۔

۱۴؎ یوں تو ہر وقت ہی سمجھو کہ رب تمہیں دیکھ رہا ہے مگر عبادت کی حالت میں تو خاص طور پر خیال رکھو،تو ان شاءاللہ عبادت آسان ہوگی،دل میں حضور وعاجزی پیدا ہوگی،آنکھوں میں آنسو آئیں گے،اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔آمین !

۱۵؎ کہ کس دن کس تاریخ اورکس مہینہ کس سال ہوگی۔معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل امین کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کو اللہ تعالٰی نے قیامت کا علم دیا ہےکیونکہ جاننے والے سے ہی پوچھا جاتا ہے۔یہاں جبرئیل امین حضور کے امتحان یا اظہار عجز کے لیے تو سوال کر نہیں رہے ہیں،بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تو ہے مگر اس کا اظہار نہ فرمایا۔خیال رہے کہ حضورنے دوسرے موقعوں پرقیامت کا دن بھی بتادیا مہینہ بھی تاریخ بھی کہ فرمایاجمعہ کو ہوگی،دسویں تاریخ محرم کے مہینہ میں ہوگی۔

۱۶؎ یہاں علم کی نفی نہیں ورنہ فرمایا جاتا"لا اعلمُ"میں نہیں جانتا بلکہ زیادتی علم کی نفی ہے،یعنی اس کا مجھے تم سے زیادہ علم نہیں،مقصد یہ ہے کہ اے جبرائیل!یہاں لوگوں کا مجمع ہے اور قیامت کا علم اسرارالہیہ میں سے ہے یہ راز مجھ سے کیوں فاش کراتے ہو۔حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم بھی دیا(تفسیرصاوی وغیرہ)اسی لیے حضرت جبرئیل نے حضورسے یہ سوال کیا،علم قیامت کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق"حصہ اول میں ملاحظہ کرو،حضور کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ حضور نے یہاں حضرت جبرئیل کو پہچان لیا تھا۔

۱۷؎ یعنی اگرقیامت کی خبر دینا خلاف مصلحت ہے تو اس کی خصوصی علامت ہی بتادیجئے۔اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم تھا،علامتیں واقف ہی سے پوچھی جاتی ہیں۔

۱۸؎ یعنی اولاد نافرمان ہوگی،بیٹا ماں سے ایساسلوک کرے گا جیسا کوئی لونڈی سےتو گویا ماں اپنے مالک کو جنے گی،اس کی اور بھی تفسیریں ہیں۔

۱۹؎ یعنی دنیا میں ایسا انقلاب آوے گا کہ ذلیل لوگ عزت والے بن جائیں گے اور عزیرلوگ ذلیل ہوجائیں گےجیسا آج دیکھا جارہا ہے۔سکندر ذوالقرنین نے حکم دیا تھا کہ کوئی پیشہ ور اپنا موروثی پیشہ نہیں چھوڑسکتا تاکہ عالم کا نظام نہ بگڑ جائے۔(اشعۃ اللمعات)معلوم ہوا کہ کمینوں کا اپنا پیشہ چھوڑکر اونچا بن جاناعلامت قیامت ہے۔اور اس سے نظام عالم کی تباہی ہے۔

۲۰؎ یہ صحابہ کا ادب ہے کہ علم اللہ اور رسول کے سپردکرتے ہیں۔اس سے دو مسئلےمعلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور کا ذکراللہ کےساتھ ملاکرکرناشرک نہیں بلکہ سنتِ صحابہ ہے،یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ اوررسول جانیں،اللہ اور رسول فضل کریں،اللہ

اور رسول رحم فرمادیں،اللہ اور رسول بھلاکرے۔دوسرے یہ کہ حضور کو خبر تھی کہ یہ سائل جبریل تھے ورنہ آپ فرمادیتے کہ مجھے بھی خبر نہیں یہ کون تھے۔

۲۱؎ یعنی اس لیے آئے تھے کہ تمہارے سامنے مجھ سے سوالات کریں تم جوابات سن کر دین سیکھ لو۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان پر حضور کی اطاعت واجب ہے نہ کہ جبریل کی کہ یہاں جبریل نے حاضرین سے خود نہ کہہ دیا کہ لوگو! میں جبریل ہوں مجھ سے فلاں فلاں بات سیکھ لو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا تاکہ لوگوں کے لیے قابل قبول ہو۔جبریل کے معنی ہیں " عبداللہ" جبر بمعنی عبد،ایل اللہ بزبان عبرانی۔

	اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تھوڑے اختلاف سے روایت کی ان کی روایت میں ہے کہ جب تم ننگے پاؤں،ننگے بدن والے،بہروں،گونگوں کو زمین کا بادشاہ دیکھو قیامت ان پانچ میں سے ہے جنہیں خدا کے سواکوئی نہیں جانتاپھر یہ آیت تلاوت کی کہ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے وہ ہی مینہ برساتا ہے ۱؎(مسلم و بخاری)

۱؎ یعنی پانچ چیزیں رب تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتاقیامت کب ہوگی،بارش کب آوےگی،ماں کے پیٹ میں کیا ہے،اور میں کل کیاکروں گا،اور میں کہاں مروں گا۔اس میں سورۂ لقمان کی آخری آیت کی طرف اشارہ ہے۔اس آیت وحدیث کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نےکسی کو یہ علم دیئے بھی نہیں،کاتب تقدیر فرشتہ اور ملک الموت کو یہ علوم بخشے گئے،ہمارے حضورنے بدر کی جنگ سے پہلے زمین پر خطوط کھینچ کر بتایاکہ کل یہاں فلاں فلاں کافر ماراجاوے گا،بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ علوم خمسہ قیاس تخمینہ حساب سے معلوم نہیں ہوسکتے صرف وحی الٰہی سے ان کا پتہ لگ سکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پانچ چیزوں پر قائم کیا گیا۲؎ اس کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)اس کے بندےاور رسول ہیں۳؎ اور نماز قائم کرنا۴؎ زکوۃ دینا اور حج کرنا۵؎ اور رمضان کے روزے۔(بخاری و مسلم)

۱؎ آپ کا نام عبداللہ بن عمر ہے،ظہور نبوت سے ایک سال پہلے پیداہوئے، ۷۳ھ میں شہادت ابن زبیر سے تین ماہ بعد وفات پائی، ذی طویٰ کے مقبرہ مہاجرین میں دفن ہوئے،چوراسی سال عمر شریف پائی،بڑے متقی اوراعمل بالسنۃ تھے۔رضی اللہ عنہ۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲؎ یعنی اسلام مثل خیمہ یا چھت کے ہے اور یہ پانچ ارکان اس کے پانچ ستونوں کی طرح کہ جو کوئی ان میں سے ایک کا انکار کرے گا وہ اسلام سے خارج ہوگا،اور اس کا اسلام منہدم ہوجاویگا۔خیال رہے کہ ان اعمال پر کمال ایمان موقوف ہے اور ان کے ماننے پر نفس ایمان موقوف،لہذا جو صحیح العقیدہ مسلمان کبھی کلمہ نہ پڑھے یا نماز روزہ کا پابند نہ ہو،وہ اگرچہ مؤمن تو ہے مگر کامل نہیں،اور جو ان میں سے کسی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،نہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں۔

۳؎ اس سے سارے عقائد اسلامیہ مراد ہیں جو کسی عقیدے کا منکر ہے وہ حضور کی رسالت ہی کا منکر ہے۔حضور کو رسول ماننے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی ہر بات کو مانا جاوے۔

۴؎ ہمیشہ پڑھنا،صحیح پڑھنا،دل لگا کر پڑھنا،نماز قائم کرنا۔

۵؎ اگر مال ہو تو زکوۃ و حج ادا کرنا فرض ہے ورنہ نہیں مگر انکا ماننا بہرحال لازم ہے۔نماز ہجرت سے پہلے معراج میں فرض ہوئی،زکوۃ و روزہ ۲ھ؁ میں،اور حج ۹ھ؁ میں فرض ہوئے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی چند اور ستّر شاخیں ہیں ۲؎ ان سب میں اعلٰی یہ کہنا ہے ۳؎ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنٰی تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹانا ہے ۴؎ اور غیرت بھی ایمان کی شاخ ہے ۵؎

۱؎ آپ کا نام کفر میں عبدالشّمس اور اسلام میں عبدالرحمٰن ابن صخر دوسی ہے،خیبر کے سال اسلام لائے،چار سال سفر و حضر میں حضور کے ہمراہ سایہ کی طرح رہے،آپ کو بلی بڑی پیاری تھی،حتی کہ ایک بار اپنی آستین میں بلی لیے ہوئے تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابوہریرہ یعنی بلیوں والے ہو،تب آپ اس کنیت سے مشہور ہوگئے،مدینہ منورہ میں ۳۵ھ؁ میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئے ۸۷ سال عمر ہوئی،غضب کا حافظہ تھا،آپ سے چار ہزار تین سو چونسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔

۲؎ شعبہ درخت کی شاخ کو کہتے ہیں،یہاں خصلت مراد ہے یعنی معمولی کام سے لے کر اعلیٰ کام تک سب اسلامی خصلتیں ہیں کسی کو نہ چھوڑو۔

۳؎ یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے رہنا اس کی عادت ڈال دینا۔مردے کو کلمہ طیبہ کا ثواب پہنچانا،تیجہ وغیرہ کرنا اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ افضل عبادت کا ثواب بھی افضل ہے یہ ہی بخشنا چاہیئے۔

۴؎ پتھر واینٹ،لکڑی وغیرہ جس سے لوگ الجھیں یاٹھوکر کھائیں دور کردینا ثواب ہے۔ایسے ہی مخلوق کو فائدہ پہنچانا بڑا ثواب ہے۔حتی کہ پانی پلانا اسی لئے بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں۔

۵؎ غیرت سے ایمانی غیرت مراد ہے،جو گناہوں سے روک دے۔بندہ مخلوق سے،اللہ کے رسول سے،فرشتوں سے،اللہ تعالیٰ سے شرم کرے گناہ نہ چھپ کرکرے کہ اللہ،رسول،فرشتے دیکھتے ہیں،نہ علانیہ کرے کہ مسلمان بھی دیکھ رہے ہیں۔نفسانی یا شیطانی غیرت مرادنہیں جیسے نمازیاغسل سے شرماتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان ۲؎ محفوظ رہیں اور مہاجر وہ جو ممنوع چیزوں کو چھوڑدے ۳؎ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں ہے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون مسلمان بہتر ہے فرمایا جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں۔

۱؎ آپ عمرو ابن عاص ابن وائل کے بیٹے ہیں،اپنے والد سے پہلے ایمان لائے،آپ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے احادیث لکھیں،جن کی تعداد سات سوہے۔بڑے عالم،بڑے متقی عابد تھے،آخر میں نابینا ہوگئے تھے، ۶۳ھ طائف یا مصر میں وفات ہوئی۔(مرقات)

۲؎ یعنی کامل مسلمان جو لغۃً شرعًا ہر طرح مسلمان ہو،وہ مؤمن ہے جو کسی مسلمان کی غیبت نہ کرے،گالی،طعنہ،چغلی وغیرہ نہ کرے،کسی کو نہ مارے پیٹے،نہ اس کے خلاف کچھ تحریر کرے،یہ حدیث اخلاق کی جامع ہے۔مسلمانوں کی سلامتی کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ بعض صورتوں میں کفار سے لڑنا بھڑنا،انہیں برا کہنا عبادت ہے۔یہاں ظلمًا غیبت واذیت مراد ہے۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ظالم مسلمان کافر ہے،یا رحم دل کافر مسلمان ہے۔

۳؎ یعنی کامل مہاجروہ مسلمان ہے جو ترک وطن کے ساتھ ترک گناہ بھی کرے یاگناہ چھوڑنا بھی لغۃً ہجرت ہے جو ہمیشہ جاری رہے گی۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا تا آنکہ میں اُسے ماں باپ اولاداورسب لوگوں سے پیاراہوجاؤں ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ انس بن مالک ابن نضر انصاری خزرجی ہیں،حضور کے خادم خاص دس سال صحبت پاک میں رہے،سو برس سے زیادہ عمر پائی،عہد فاروقی میں بصرہ چلے گئے تھے،وہاں سے قریب ہی ۹۳ھ؁ میں آپ کا انتقال ہوا،بصرہ میں آخری صحابی کی وفات آپ کی ہوئی،آپ کی قبر انور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۲؎ یہاں پیارے سے مراد طبعی محبوب ہے نہ کہ صرف عقلی کیونکہ اولاد کو ماں باپ سے طبعی الفت ہوتی ہے یہ ہی محبت حضور سے زیادہ ہونی چاہئیے اور بحمدہٖ تعالٰی ہر مؤمن کو حضور جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔عام مسلمان بھی مرتد اولاد،بیدین ماں باپ کو چھوڑ دیتے ہیں،حضور کی عزت پر جان نچھاور کردیتے ہیں۔غازی عبدالرشید،غازی علم دین،عبدالقیوم وغیرہ کی زندہ جاوید مثالیں موجود ہیں۔

	روایت ہے اُنہی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پالے گا ۱؎ اللہ و رسول تمام ماسواء سے زیادہ پیارے ہوں ۲؎ جو بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے ۳؎ جو کفر میں لوٹ جانا جب کہ رب نے اس سے بچالیا ایسا بُرا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا ۴؎

۱؎ جیسے جسمانی غذاؤں میں مختلف لذتیں ہیں،ایسے ہی روحانی غذاؤں،ایمان و اعمال میں بھی مختلف مزے ہیں،اور جیسے ان غذاؤں کی لذتیں وہی محسوس کرسکتا ہے جس کے حواس ظاہری درست۔ایسے ہی ان ایمانی غذاؤں کی لذتیں وہ ہی محسوس کرسکتا ہے جس کی روح درست ہو اور جیسے ظاہری حواس درست کرنے کی مختلف دوائیں ہیں،ایسے ہی ان حواس کے درست کرنے والی روحانی دوائیں ہیں۔اس حدیث میں ان ہی دواؤں کا ذکر ہے۔حضور جسمانی و روحانی حکیم مطلق ہیں۔جو ایمان کی حلاوت پالیتا ہے وہ بڑی بڑی مشقتیں خوشی سے جھیل لیتا ہے۔جاڑوں کی نماز،جہاد خنداں پیشانی سے ادا کرتا ہے،کربلا کا میدان اس حدیث کی زندہ جاوید تفسیر ہے،یہ لذت ہی ہر مشکل کو آسان کردیتی ہے،اسی سے رضا بالقضاء نصیب ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی مال و دولت،زن فرزند وغیرہ تمام دنیاوی نعمتیں،اس میں قرآن،کعبہ و مدینہ منورہ وغیرہ داخل نہیں کہ ان کی محبت عین اللہ رسول کی محبت ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سے اللہ والی محبت چاہئیے۔محبت کی بہت قسمیں ہیں:ماں سے محبت اور قسم کی ہے،بیوی سے اور طرح کی،اولاد سے اور طرح کی،بہن بھائی سے اور نوعیّت کی۔حضور سے محبت اسی نوعیت کی چاہئیے جس نوعیت کی اللہ سے ہو،یعنی محبت ایمانی وعرفانی۔ھُمَا فرمانے سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کے لیے ایک ضمیر تثنیہ آسکتی ہے۔جہاں ممانعت ہے وہاں برابری کے احتمال کے موقعہ پر ہے۔لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔خیال رہے کہ یہاں محبت سے طبعی محبت مراد ہے نہ کہ محض عقلی۔

۳؎ یعنی بندوں سے محض اس لیے محبت کرے کہ رب راضی ہوجاوے،دنیاوی غرض اس میں شامل نہ ہو۔استاذ،شیخ،حتی کہ ماں باپ اولاد سے اس لئے محبت کرے کہ رضاء الٰہی کا ذریعہ ہیں اور سنت اسلام۔یہ محبت دائمی ہے،دنیاوی محبتیں جلد ٹوٹ جانے والی ہیں۔رب فرماتا ہے:"اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ"۔

۴؎ یعنی کفر اور کفار سے طبعی نفرت ہوجاوے۔اسلام کی توفیق کو رب کی نعمت جانے،کفار سے ایسے بچے جیسے سانپ سے کہ سانپ دشمن جان ہے اور یہ لوگ دشمن ایمان۔

	روایت ہے عباس ابن عبدالمطلب ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیاجواللہ کے رب ہونے،اسلام کے دین ہونے،محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کے نبی ہونے سے راضی ہوگیا ۲؎

۱؎ آپ حضور کے حقیقی چچا ہیں،حضور سے دو برس عمر میں زیادہ تھے۔فرماتے تھے بڑے حضور ہیں،عمر میری زیادہ ہے،آپ کی والدہ نے کعبہ معظّمہ پراوّلًا حریرودیباج کا ریشمی غلاف ڈالا۔آپ واقعۂ فیل سے پہلے پیدا ہوئے اور ۱۲رجب جمعہ کے دن ۳۲ھ بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی،جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔اسلام پہلے لاچکے تھے،بدر میں مجبورًا کفار کے ساتھ آئے تھے،اپنی ہجرت کے دن اسلام ظاہر کیا،آپ آخری مہاجر ہیں۔

۲؎ اللہ کی ربوبیت سے راضی ہونا یہ ہے کہ راضی بقضاء ہے،بیمار طبیب کی کڑوی دوا اور آپریشن سے بھی راضی ہوتا ہے۔اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ احکام اسلام بخوشی قبول کرے،کسی حکم پر زبان طعن نہ کھولے۔حضورعلیہ السلام کی نبوت پر رضا یہ ہے کہ آپ کی سنتوں سے محبت کرے،آپ کی اولاد،مدینہ منورہ،بلکہ جس چیز کو حضورسے نسبت ہو اس سے محبت کرے۔یہ حدیث گزشتہ کے خلاف نہیں۔جسے یہ تین اوصاف نصیب ہوں گے اسے گزشتہ تین چیزیں بھی مل جائیں گی۔

	روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اُس کی قسم،اس امت میں سے ۱؎ کوئی یہودی عیسائی میرا نام سُن لے پھر ایمان لائے بغیرمرجائے اس پر جو مجھے دے کر بھیجا گیامگر وہ دوزخی ہوگا ۲؎

۱؎ امت سے مراد امت دعوت ہے،یعنی سارے انسان یہودی عیسائی اس کا بیان ہے مشرکین وغیرہ کفارہ خود بخود اس میں داخل ہوگئے کہ جب یہودونصاریٰ پر بھی اسلام لانا ضروری ہوا،جو پہلے پیغمبروں پرایمان لاچکے ہیں تو جو سرے سے کسی نبی کو مانتے ہی نہیں ان پر یقینًا اسلام لانا ضروری ہے۔

۲؎ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تمام مخلوق پر حضور کی اطاعت لازم ہے کسی ملک،کسی قبیلہ،کسی زمانہ کا ہو جو خدا کا بندہ ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم۔دوسرے یہ کہ جسے حضور کی نبوت کی اطلاع نہ پہنچے وہ معذور ہے اس کی نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی ہے۔لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مغفور وجنتی ہیں کہ وہ حضرات مؤحد تھے اور حضور کی نبوت سے پہلے وفات پاگئے۔اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہماری"تفسیر نعیمی"پارہ اول میں دیکھو۔

	روایت ہے ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص وہ ہیں جنہیں ڈبل ثواب ملتا ہے وہ کتابی جو اپنے نبی پر بھی ایمان لائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ۲؎ غلام مملوک جب اللہ کا حق بھی اداکرے اور اپنے مولاؤں کا بھی ۳؎ اور وہ شخص جس کے پاس لونڈی تھی جس سے صحبت کرتا تھا اُسے اچھا ادب دیا اور اچھی طرح علم سکھایا پھر اُسے آزاد کرکے اس سے نکاح کر لیا اُس کے لیے دوہرا ثواب ہے ۴؎

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،نام عبداللہ ابن قیس ہے،قبیلہ بنی اشعر سے ہیں،یمن سے مکہ معظّمہ آکر مسلمان ہوئے،اوّلًا حبشہ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی،بصرہ کے حاکم رہے،علی مرتضٰی نے آپ کو اپنا پنچ بنایا،صلح امیر معاویہ کے موقعہ پر ۵۲ھ؁ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی۔(رضی اللہ عنہ)آپ کے بہت مناقب ہیں،نجف اشرف میں آپ کی قبر کی زیارت کرائی جاتی ہے میں بھی حاضر ہوا،مگر یہ درست نہیں۔

۲؎ یعنی اہلِ کتاب اگر حضور پر ایمان لے آویں تو انہیں اوّلًا اہل کتاب ہونے پر بھی ثواب ملے گا۔اگرچہ اس حالت میں وہ اپنے نبیوں پر غلط طریقوں سے ایمان لائے تھے کہ عیسائی حضرت مسیح کو یہود،حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔مگر چونکہ ان نبیوں کو سچا،ان کی کتابوں کو برحق تو مانتے تھے۔اس کا ثواب اب پالیں گے،جیسے عبداللہ بن سلام و کعب احبار وغیرہ یہ حکم تا قیامت ہے۔

۳؎ اس طرح کہ اگرچند مولاؤں کا مشترکہ غلام تھا،پھر ان سب کے حقوق و خدمات بھی ادا کرتا رہا اور فرائض اسلام بھی بجالاتا رہا،غرضکہ جس قدر دنیا میں پھنساوا زیادہ،اسی قدر عبادت پر اجر زیادہ۔

۴؎ ایک تو لونڈی کو ادب و تعلیم دینے اور آزاد کرنے کا ثواب،اوردوسرا اس سے نکاح کرلینے کا اجر۔

	روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نےکہ مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے جنگ کروں تاکہ گواہی دیں ۱؎کہ رب کے سواکوئی معبودنہیں اورمحمداللہ کے رسول ہیں اورنماز قائم کریں زکوۃ دیں ۲؎ جب یہ کرلیں گے تو مجھ سے اپنے خون و مال بچالیں گے۳؎سواءاسلامی حق کے ۴؎ اُن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ۵؎ اس میں بخاری مسلم کا اتفاق ہےمگرمسلم نے اسلامی حق کا ذکر نہ کیا۔

۱؎ یہاں حَتّٰی بمعنی کہ ہے جیسے"اسلمتُ حتی ادخل الجنة"یعنی مجھے حکم الٰہی ہے کہ ملک گیری یا مال گیری کی نیت سے جہاد نہ کروں بلکہ لوگوں کو ہدایت دینے کی نیت سے کروں۔اس صورت میں حدیث پر نہ کوئی اعتراض ہے کہ یہ آیت قرآنیہ کے خلاف ہے اور الناس سے مراد سارے کفار ہیں۔لہٰذا یہ حتی انتہاء کا نہیں۔خیال رہے کہ مشرکین عرب کے لئے حکم جزیہ نہیں یا وہ ایمان لاویں یا قتل و قید و عبدیت وغیرہ۔رب فرماتا ہے:"وَقٰتِلُوۡہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ"عرب کے اہل کتاب اور عجم کے تمام کفار کے لئے یا ایمان یا جزیہ ورنہ قتل و قید وغیرہ رب فرماتا ہے:"حَتّٰی یُعۡطُوا الْجِزْیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّہُمْ صٰغِرُوۡنَ "مرتد کے لئے یا اسلام یا قتل ہے نہ جزیہ نہ قید رب فرماتا ہے:"تُقٰتِلُوۡنَہُمْ اَوْ یُسْلِمُوۡنَ "۔باغیوں کے لیے یاقتل یا بغاوت سے توبہ،رب فرماتاہے:"فَقٰتِلُوا الَّتِیۡ تَبْغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمْرِ اللہِ"لہٰذا آیات و احادیث متفق ہیں۔

۲؎ چونکہ اس وقت تک روزہ،جہاد وغیرہ کے احکام نہ آئے تھے،اسی لئے ان کا ذکر نہ ہوا اگر کوئی نماز یا زکوۃکا انکارکرے تو کافر ہے اس پر کفار کا سا جہاد ہوگا۔تارکین نماز و زکوۃ کی گو شمالی کرنی ہوگی۔

۳؎چونکہ اس زمانہ مبارک میں اسلام میں نئے فرقے نہ بنے تھے،کلمہ،نماز و زکوۃ ایمان کی علامت تھی،اس لئے فرمایا کہ جو یہ تین کام کرے اس کا جان و مال محفوظ ہے،اب بہت مرتد فرقے کلمہ،نماز،زکوۃ پر کاربند ہیں مگر مرتد ہیں ان پر ارتداد کا جہاد ہوگا۔جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کے معتقدین پر جہاد کیا اب بھی قادیانیوں وغیرہ مرتدین کا یہ ہی حکم ہے۔

۴؎یعنی اگر اسلام لاکرقتل،زنایا ڈکیتی وغیرہ کریں تو قتل کے مستحق ہوں گے کہ یہ اسلام کا حق ہے یہ قتل کفر نہ ہوگا۔

۵؎ یعنی اگر کوئی زبانی کلمہ ظاہری نماز و زکوۃ ادا کرے تو ہم اس پر جہاد نہ کریں گے،اگر منافقت سے یہ کام کرتا ہے تو رب اسے سزا دے گا۔اسلامی جہاد منافقوں پر نہیں۔

	روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوہماری سی نمازپڑھے،ہمارے قبلہ کو منہ کرے،ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ وہ مسلمان ہے ۱؎جس پر اللہ رسول کی ذمہ داری ہے لہٰذا تم اللہ کا ذمہ نہ توڑو۲؎ (بخاری)

۱؎ خیال رہے کہ مؤمن کی علامات مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں،اس لحاظ سے ان کے متعلق مختلف احادیث وارد ہوئیں،ایک وقت صرف کلمہ پڑھنا مؤمن کی علامت تھی،نماز وغیرہ کوئی احکام نہ آئے تھے تب ارشادہوا"من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ"جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہوگیا،پھر وہ وقت آیا جب نماز وغیرہ بھی آگئی تو ارشادہوا جو یہاں مذکورہے۔مدینہ منورہ میں منافقین بھی تھے جو کلمہ نماز وغیرہ ادا کرتے ہوئے بھی بے ایمان رہے،تب اللہ رسول کی محبت علامت ایمان قرار پائی کہ ارشاد ہوا:"لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اکون"الخ۔آیندہ کے متعلق خبردی گئی کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جوتم سے زیادہ عابد و زاہد ہوں گے مگر اسلام سے خارج ہوں گے۔غرضکہ جیسے حالات ویسے علامات،آج مرزائی روافض وغیرہم یہ کام کرتے ہیں مگرمؤمن نہیں۔

۲؎یعنی یہ مؤمن اللہ اور رسول کی امن میں ہے تم اسے نہ ستاؤ ورنہ اللہ رسول کے خائن ٹھہرو گے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی پناہ اور ذمہ لینا شرک نہیں ایمان کا رکن ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ متقی مسلمان کو ستانا فاسق کو ستانے سے زیادہ بُر ا ہے کہ اس میں ظلم بھی ہے اور اللہ اور رسول کی خیانت بھی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضورعلیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کرنے لگے کہ مجھے ایسے کام کی ہدایت فرمایئے کہ میں وہ کروں تو جنتی ہوجاؤں فرمایا اللہ کو پوجو اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نماز قائم کرو،زکوۃ فرض دو،رمضان کے روزے رکھو ۱؎ وہ بولے قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کبھی اس سے کچھ گھٹاؤں بڑھاؤں گا نہیں۲؎ پھرجب وہ چل دیئے تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جنتی مرد کو دیکھنا چاہے وہ اسے دیکھ لے۳؎

۱؎ یہ جملہ عبادت کی تفسیر ہے،چونکہ اس وقت تک جہاد وغیرہ احکام آئے نہ تھے یا اس پر جہاد فرض نہ تھا اس لیے جہاد کا ذکر نہ فرمایا۔

۲؎ یعنی ان فرائض میں اپنی طرف سے زیادتی کمی نہ کروں گا کہ فجر چار یا چھ پڑھوں اور ظہردو یا تین یا روزے چالیس رکھ لوں،یا اپنی قوم تک بعینہٖ یہ ہی احکام پہنچا دوں گا،تبلیغ میں زیادتی کمی نہ کروں گا یا اب سوال میں زیادتی کمی نہ کروں گا،لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ فطرہ،قربانی،نماز عیدین،روزہ،نذر،وتر ضروری نہ ہوں۔احکام اسو قت تک آئے ہی نہ تھے بعد میں خود حضور نے احکام میں زیادتی فرمائی لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

۳؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنتی آدمی کو دیکھنا بھی ثواب،بزرگوں کے دیدار سے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اُٹھ جاگ فریدا ستیادل مسجدے جا مت کوئی بخشیا مل پوے تو بھی بخشیا جا

دوسرے یہ کہ حضورکو لوگوں کے انجام نیک بختی،بدبختی کا علم ہے،جانتے ہیں کہ جنتی کون ہے دوزخی کون،حضور کو خبر تھی کہ یہ بندۂ مؤمن تقویٰ پر قائم رہے گا،ایمان پر مرے گا،جنت میں جائے گا۔

روایت ہے حضرت سفیان ابن عبداللہ ثقفی سے ۱؎ کہ میں نے عرض کیایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتائیں کہ آپ کے بعداس کے متعلق کسی سے نہ پوچھوں۔دوسری روایت میں ہے(کہ آپ کے سوا)فرمایا کہ کہو کہ مَیں اللہ پر ایمان لایا پھر اُس پر قائم رہو ۲؎	

۱؎ آپ کا نام سفیان ابن عبداللہ ابن ربیعہ ہے،کنیت ابو عمرو قبیلہ بنی ثقیف سے ہیں،اہل طائف میں سے ہیں،زمانۂ فاروقی میں طائف کے حاکم رہے،کل پانچ حدیثیں آپ سے مروی ہیں،بڑے متقی عابد تھے۔

۲؎ اللہ پر ایمان لانے سے مرادسارے عقائد اسلامیہ ماننا ہیں۔لہذا اس میں توحیدورسالت،حشر ونشر،ملائکہ،جنت ودوزخ سب پر ایمان لاناداخل ہے۔جیسے کسی کو اپنا باپ مان کر اس کے سارے اہل قرابت کو اپنا عزیر ماننا پڑتاہے کہ اس کا باپ ہمارا دادا ہے،اس کی اولاد ہمارے بھائی بہن،اس کے بھائی ہمارے چچا تائے اور استقامت سے مراد سارے اعمال اسلامیہ پر سختی وپابندی سے عمل کرنا ہے۔لہذا یہ حدیث ایمان وتقویٰ کی جامع ہے اور اس پر عامل یقینًا جنتی ہے،رب فرماتا ہے:" اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقٰمُوۡا"الخ۔یہ کلمات جامع میں سے ہیں۔

روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبداللہ سے ۱؎ کہ ایک نجدی شخص ۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بال	

	بکھیرے حاضر ہوا جس کی گنگناہٹ تو ہم سنتے تھے مگر سمجھتے نہ تھے کہ کیا کہتا ہے یہاں تک کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا تو اسلام کے بارے میں پوچھنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں ہیں بولا ان کے سواء میرے ذمہ اور نماز بھی ہے فرمایا نہیں ۳؎ ہاں چاہو تو نفل پڑھو ۴؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماہ رمضان کے روزے بولا کیا مجھ پر اس کے سواء اور بھی ہیں فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے فرمایا اُس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے زکوۃ کا ذکر فرمایا بولا کیا میرے ذمہ کچھ اور بھی ہے فرمایا نہیں مگر نفل ادا کرے ۵؎ فرمایا اس نے پیٹھ پھیرلی یہ کہتا جاتا تھا کہ مَیں اِس سے نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص سچا ہے تو کامیاب ہوگا ۶؎

۱؎ آپ کی کنیت ابو محمد ہے،قرشی ہیں،ابوبکر کے بھتیجے،قدیم الاسلام ہیں،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،جنگ احد میں حضور کے لیے ڈھال بنے اور چوبیس زخم کھائے،آپ کے جسم پر کل ۷۵ زخم تھے جو غزوات میں کھائے تھے،جنگ جمل ۳۶ھ میں بصرہ میں شہید ہوئے،وہاں ہی آپ کا مزار پر انوار ہے،فقیر نے مزار پاک کی زیارت کی ہے،حضور کی دعوت اور دعوت کے معجزات آپ کے ہاں ظاہر ہوئے جو مشہور ہیں۔

۲؎ نجد عرب کا ایک صوبہ ہے جو مکہ معظّمہ اور عراق کے درمیان واقع ہے۔اس صوبہ کے متعلق حضور نے دعاء خیر نہ فرمائی اور وہاں سے وہابی فرقے کے نکلنے کی خبر دی جو آخر کتاب میں ان شاءاللہ ذکر ہوگا۔

۳؎ یعنی ان پانچ نمازوں کے سوا اور نماز اسلام کا فرض نہیں،عیدین اور وتر واجب ہے،نماز جمعہ ظہر کی قائم مقام ہے لہذا یہ ان ہی پانچ میں شامل ہے۔

۴؎ نفل سے لغوی معنی مراد ہیں فرض پر زائد،رب فرماتا ہے:"فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ"لہذا اس میں وتر وعیدین داخل ہیں۔یا اس وقت تک یہ نماز اسلام میں آئی نہ تھیں،بہرحال یہ حدیث وتر وعیدین کے وجوب کے خلاف نہیں احناف کے مخالف نہیں۔

۵؎ یہ جملہ بھی فطرے اور قربانی کے وجوب کے خلاف نہیں جیسا کہ ۴؎ کی تقریر سے واضح ہے۔

۶؎ یعنی اگرصدق دل سے وعدہ کیا ہے تو کامیاب ہوگا یا اگر اس وعدے کو پوراکر دکھائے تو کامیاب ہوگا۔معلوم ہوتاہے کہ نجدیوں کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اس سے پہلے ایک سائل کے ان ہی الفاظ پر حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے فلاح و کامیابی کا قطعی حکم دے دیا،اس نجدی کے ان ہی الفاظ پر مشکوک طریقہ سے کامیابی بیان فرمائی۔

	روایت ہے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کا نمایندہ وفد ۲؎ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کون قوم یا کون وفد ہو عرض کیا ہم ربیعہ ہیں ۳؎ فرمایا یہ وفد یا قوم خوب اچھے آگئے کہ نہ رسوا ہوئے نہ شرمندہ ۴؎ عرض کیا یارسول اللہ ہم آپ تک صرف محترم مہینہ میں آسکتے ہیں ۵؎ کیونکہ ہمارے آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ حائل ہے ۶؎ لہذا ہمیں فیصلہ کُن خبر فرمادیں جس کی خبر ہم اپنے پیچھے والوں کو بھی دے دیں اور ہم جنت میں بھی پہنچ جائیں ۷؎ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرابوں کے متعلق پوچھا تو حضور نے انہیں چارچیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔اللہ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا کیا جانتے ہوصرف اللہ پر ایمان لانا کیا ہے وہ بولے اللہ اور رسول جانیں ۸؎ فرمایا یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں ۹؎ اور نماز قائم رکھنے زکوۃ دینے رمضان کے روزے کا ۱۰؎ اور فرمایا کہ غنیمت میں سے پانچواں حصہ حاضرکرو ۱۱؎ اور چار چیزوں سے منع فرمایا ٹھلیا سے،تونبی سے،لکڑی کی دوری سے اور تارکول والے پیالے سے ۱۲؎ فرمایا یہ خود بھی یاد کرلو دوسروں کو اس کی خبر دے دو ۱۳؎ (مسلم و بخاری)لفظ بخاری کے ہیں۔

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عباس ابن عبدالمطلب ہے،حضور کے چچازاد ہیں،آپ کی والدہ لبابہ بنت حارث یعنی امیرالمؤمنین میمونہ کی ہمشیرہ ہیں،آپ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے،جب تیرہ سالہ تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی،آپ کا لقب حبرامت ہے یعنی امت اسلامیہ کے بڑے عالم،تفسیر قرآن کے امام ہیں،آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے، ۶۸ھ میں بمقام طائف اے برس عمر شریف میں وصال ہوا،طائف میں مزار شریف ہے فقیر نے زیارت کی ہے۔

۲؎ وفد قوم کے وہ نمائندے کہلاتے ہیں جو اپنی قوم کی طرف سے سلطان یا امیر کی خدمت میں کچھ پیام سلام لے کر حاضر ہوں یا ان کی طرف سے عہد وفاداری کریں۔یہ چودہ حضرات تھے جو قبیلہ عبدالقیس کی طرف سے ایمان لائے اورحضور سے احکام اسلام معلوم کرنے حاضر ہوئے تھے یہ قبیلہ بحرین،قطیف،ہجر وغیرہ بستیوں میں آباد تھا،عبدالقیس ان کے جد کا نام تھا۔جن کا سلسلہ نسب ربیعہ ابن نزار ابن معدابن عدنان تک پہنچتا ہے،اس لیے اس قبیلہ کو عبدالقیس بھی کہتے ہیں اور ربیعہ بھی۔

۳؎ یہ سوال و جواب لوگوں کو سنانے کے لئے ہے حضور تو واقف تھے۔مرقات میں اسی جگہ ہے کہ یہ وفد جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو حضور نے حاضرین کو خبر دی کہ وفد عبدالقیس آرہا ہے جو مشرق کے بہترین لوگوں میں سے ہے،ان میں اشج بھی ہے جس کا نام منذر ہے۔پوچھنا بے علمی سے ہی نہیں ہوتا رب نے پوچھا تھا:"وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى"۔

۴؎ یہ کلمات یا دعائیہ ہیں یعنی خدا کرے تمہیں کبھی رسوائی و شرمندگی نہ ہو یا خبر ہے یعنی اچھا ہوا تم خوشی سے اسلام لاکر حاضر ہوگئے،ورنہ کچھ عرصہ بعدلشکر اسلام تمہارا ملک فتح کرتا پھر تمہیں شرمندگی اور رسوائی ہوتی،اب عزت سے ایمان لے آئے۔

۵؎ یہاں جنسی مہینہ مراد ہے یعنی ہم سال میں صرف ۴ محترم مہینوں میں ہی سفر کرکے آپ تک پہنچ سکتے ہیں۔ماہ حرام۴ تھےرجب، ذیقعدہ،ذی الحجہ،محرم۔ان مہینوں میں کفار بھی قتل و غارت نہیں کرتے تھے،راستوں میں امن رہتی تھی،سفر بآسانی ہوتے تھے،اس لیے یہ عرض کررہے ہیں۔

۶؎ جو باقی مہینوں میں لوٹ مار کرتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے سفر بند رہتے ہیں۔

۷؎ یعنی ان عقائد و اعمال کی وجہ سے ہم پر اللہ فضل کرے،جنت بخشے۔خیال رہے کہ جنت اللہ کے فضل سے ملے گی،یہ اعمال اسی فضل کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

۸؎ یہ ادبًا عرض کیا ورنہ یہ لوگ ایمان لاچکے تھے،مؤمن ایمان سے بے خبر نہیں ہوتا۔(مرقات)صحابہ کا یہ ادب تھا کہ ان کو علم بھی ہوتا مگر حضور پر پیش قدمی نہ کرتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ نے بہت علم بخشا۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالٰی پر ایمان غیر ممکن ہیں،ایمان باللہ کی تفسیر میں رسالت کا ذکر بھی ہوا۔شہادۃ سے مراد دل کی گواہی ہے،یعنی ماننا و قبول کرنا ورنہ زبانی اقرار ایمان کا جزو نہیں،بلکہ احکام اسلامی جاری ہونے کی شرط ہے۔

۱۰؎ نماز،روزہ وغیرہ ایمان کی تفسیر نہیں بلکہ ایمان پر معطوف ہے،یعنی انہیں ایمان کا بھی حکم دیا اور نماز روزے وغیرہ کا بھی۔لہذا اقام وغیرہ جر سے پڑھنا چاہیئے،چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے،اس لئے ایمان کے بعد ان کا ذکر ہوا،چونکہ ابھی حج نہ ہوا تھا اس لئے اس کا ذکر نہیں،حج ۹ھ میں فرض ہوا ہے۔

۱۱؎ چونکہ اس وقت جہاد فرض ہوچکا تھا اور یہ لوگ اہل جہاد سے تھے،اسی لئے انہیں جہاد کے احکام ارشاد فرمائے کہ اگر تم کفار مضر سے جہاد کرو تو جو غنیمت کامال حاصل ہوا اس کا پانچواں حصہ یہاں بھیج دیا کرو،چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیا کرو،رب فرماتاہے:"وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ "الخ۔

۱۲؎ یہ شراب کے چاربرتن ہیں:حنتم،شراب کی چھوٹی گھڑی،دُبّا کھکل کیا ہوا پکا کدُو جو جگ کی طرح استعمال کیا جاتاتھا،نقیر درخت کی جڑجسے کھکل کرکے اس میں شراب رکھتے تھے،مزفت شراب پینے کا پیالہ۔چونکہ اس وقت شراب نئی نئی حرام ہوئی تھی،اگر یہ برتن استعمال ہوتے رہتے توممکن تھا کہ انہیں چھوٹی ہوئی شراب پھریاد آجاتی،اس لئے ان کااستعمال بھی حرام کردیا گیا،پھرکچھ عرصہ بعد یہ حرمت منسوخ ہوگئی جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔

۱۳؎ یعنی تم عالم و عامل بھی بنو اور مبلغ بھی،تبلیغ کے لیے کامل عالم ہونا شرط نہیں،جو صحیح مسئلہ ہو اس کی تبلیغ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام سے بچانے کے لیے اسباب حرام روکنا ضروری ہیں،نزلہ روکو تاکہ بخار سے بچو،چوہے فناکرو تاکہ طاعون نہ پھیلے،گانا اور بیہودگی روکو تاکہ زنا بند ہو۔

	روایت ہے عبادہ ابن صامت سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایانبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالانکہ آپ کے آس پاس صحابہ کی جماعت ۲؎ تھی کہ مجھ سے اس پر بیعت کرو۳؎ کہ اللہ کےساتھ کسی کو شریک نہ کرنا،نہ چوری کرنا اور نہ زنا،نہ اپنی اولاد کو قتل کرنا،نہ اپنے سامنے گھڑا ہوا بہتان لگانا ۴؎ اور کسی اچھی بات میں نافرمانی نہ کرنا ۵؎ تم میں سے جو وفائے عہد کرے گا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پرہے۶؎ اور جوان میں سے کچھ ۷؎ کر بیٹھے اور دنیا میں سزا پالے تو وہ سزا کفارہ ہے ۸؎ اور جو ان میں سے کچھ کرلے،پھر رب اُس کی پردہ پوشی کرے۹؎ تو وہ اللہ کے سپرد ہے۔اگر چاہے معافی دے دے چاہے سزا دے۱۰؎ لہذا ہم نے اس پر آپ سے بیعت کی۔(مسلم،بخاری)

۱؎آپ کا نام عبادہ،کنیت ابوالولید ہے،آپ نقیب الانصار ہیں،پہلی اور دوسری بیعت عقبہ میں شامل ہوئے،جمع قرآن کرنے والوں میں آپ بھی تھے،بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے،عہدِ فاروقی میں شام کے قاضی رہے،حمّص مقام تھا،فلسطین کے مقام رملہ میں ۷۲ سال کی عمر پاکر ۳۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

۲؎عصابہ عصبہ سے بنا بمعنی مضبوطی۔اب دس سے چالیس تک کی جماعت کو عصابہ کہا جاتا ہے۔

۳؎یہ بیعت تقویٰ ہے،یعنی آیندہ شرک،چوری،زنا وغیرہ نہ کرنا،ورنہ یہ جماعت صحابہ بیعت اسلام تو پہلے ہی کرچکی تھی۔آج کل جو مشائخ کے ہاتھ پر بیعت تقویٰ کی جاتی ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے حضور نے صحابہ سے جہاد پر بھی بیعت لی ہے۔

۴؎ چونکہ عرب میں یہ گناہ زیادہ مروج تھے،بلکہ زنا اور لڑکیوں کے زندہ دابنے پر فخر کیا کرتے تھے اس لئے حضور نے ان کی تاکیدی ممانعت فرمائی،چونکہ بہتان سن کر بھی لگایا جاتا ہے اور گڑھ کر بھی،گڑھا ہوا زیادہ جرم ہے اس لئے حضور نے ان کی تاکیدی ممانعت فرمائی۔بعض عورتیں دوسروں کا بچہ لے کر اپنے خاوند سے کہتی تھیں کہ یہ تیرا بچہ ہے جو میں نے جنا ہے۔اس فرمان میں اس جانب بھی اشارہ ہے تو سامنے سے مراد شرمگاہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ نسب بدلنا سخت جرم ہے۔

۵؎ نہ میری نہ علماء کی نہ حکام نہ ماں باپ نہ شیخ کی جو بھی اچھی بات کا حکم دے اس کی بات مانو۔خیال رہے کہ حضور جو بھی حکم دیں وہ اچھا ہے،اگر نماز چھوڑنے کا حکم دیں تو اس وقت نماز پڑھنا حرام ہوجاتی ہے۔حضور کے احکام کی اطاعت مطلقًا واجب ہے،حضور کے مشورہ اور رائے پر عمل بہتر ہے لازم نہیں۔یہاں معروف کی قید حضور کے لئے واقعی ہے اور دوسروں کے لئے احترازی کیونکہ بُری بات میں بادشاہ وغیرہ کسی کی اطاعت نہیں۔

۶؎اس میں ارشارۃً فرمایا گیا کہ ان اطاعتوں کا بدلہ دنیا میں ہی لوگوں سے نہ چاہو،اخلاص اختیار کرو ان شاء اللہ دنیا اور آخرت میں اجر پاؤ گے۔

۷؎کفر کے سوا کوئی اور جرم جس کی سزا شرعًا مقرر ہو جیسے زنا،چوری،شراب خوری یا مقرر نہ ہو تعزیر بھی ہو جیسے لواطت وغیرہ یا نہ ہو جیسے ترک نماز وغیرہ۔

۸؎اکثر علماءفرماتے ہیں کہ حدود اور تعزیرات گناہ کا کفارہ بن جاتے ہیں جس کے بعد اس جرم کی سزا ان شاء اللہ آخرت میں نہ ملے گی۔بعض نے فرمایا یہ سزائیں حق عبد کا کفارہ ہیں،حق اللہ توبہ سے ہی معاف ہوگا،رب فرماتا ہے:"**وَمَنۡ لَّمۡ یَتُبۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ**" مگر حق یہ ہے کہ مجرم کا اپنے کو سزا کے لیے پیش کردینا ہی توبہ اور کفارہ ہے۔

۹؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ کوئی شخص اپنے چھپے گناہ کو ظاہر نہ کرے حق عبد ضرور ادا کردے۔

۱۰؎ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ "یعنی کفر پر مرنے والی کی بخشش نہیں باقی تمام گنہگاروں کے لیے گنجائش ہے۔

روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقرعید یاعید الفطرمیں عید گاہ۲؎تشریف لے گئےعورتوں کی جماعت پر گزرے۳؎ تو فرمایا کہ اے بیبیو!خوب خیرات کرو ۴؎ کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے ۵؎ کہ تم زیادہ دوزخ والی ہو انہوں نے عرض کیا حضور یہ کیوں؟ فرمایا تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو ۶؎ خاوند کی ناشکری ۷؎ ہو تم سے بڑھ کر کوئی کم عقل دین پر کم عاقل عقلمند آدمی کی مت کاٹ دینے والی میں نے نہیں دیکھی۸؎عورتوں نے عرض کیاحضور ہمارے دین و عقل میں کمی کیونکر ہے۔فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے ۹؎عرض کیا ہاں فرمایا یہ عورت کے عقل کی کمی ہے فرمایا یہ درست نہیں کہ عورت حیض میں روزہ نماز ادا نہیں کرسکتی عرض کیا ہاں فرمایا یہ اس کے دین کی کمی ہے۱۰؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ کا نام شریف سعد ابن مالک انصاری ہے،خدرہ انصار کا ایک قبیلہ ہے جس کی طرف آپ کی نسبت ہے،بڑے عالم،احادیث کے ماہرصحابی ہیں،غزوۂ خندق اور بارہ غزووں میں آپ حضور کے ساتھ شریک رہے،آپ نے چوراسی ۸۴ سال کی عمر پاکر ۶۴ھ میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہیں،فقیر نے بھی قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ یعنی شہرسے باہر۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرماتے تھے باوجود یہ کہ مسجدنبوی شریف بہترین مسجد ہے۔معلوم ہوا کہ یہ دو نمازیں جنگل میں اداکرنا سنت ہے اگرچہ شہر میں بھی جائز ہے۔

۳؎ جو کہ عیدگاہ میں نماز اداکرنے گئی تھیں۔حضور کے زمانہ میں تمام عورتوں کو عیدگاہ کی حاضری کا حکم تھا تاکہ شرعی احکام سنیں اور نماز عید یا کم از کم مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوجائیں،مردوں سے علیحدہ بیٹھتی تھیں،سرکار خطبے کے بعد ان کی جماعت میں مخصوص وعظ ارشادفرماتے تھے۔عہد فاروقی سے عورتیں اسی حاضری سے روک دی گئیں جیسا کہ آئندہ عرض کیا جاوے گا۔

۴؎ فی الحال جہاد کے لیے صدقہ دویا ہمیشہ صدقہ نفل دیا کرو کیونکہ صدقہ فرض میں عورتیں مرد برابر ہیں،یہاں صدقۂ فطر مراد نہیں کیونکہ یہ عید گاہ آنے سے پہلے ادا کردیا جاتا ہے۔خیال رہے کہ عورت اپنے مال سے صدقہ بہرحال دے سکتی ہے،خاوند کے مال سے اس کی اجازت سے دے خواہ صریحی اجازت سے ہو یا عرفی سے۔

۵؎ معراج میں یا کشف سے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اگلے پچھلے واقعات کو مشاہدہ فرماتی ہے،کیونکہ دوزخ میں داخلہ قیامت کے بعد ہوگا،مگر آج ہی دیکھ رہے ہیں جیسے کہ ہم خواب یا خیال میں اگلی پچھلی باتیں دیکھ لیتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور باذن الٰہی جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچانتے ہیں ان کی تعداد سے خبردار ہیں حالانکہ علوم خمسہ میں سے ہے۔تیسرے یہ کہ نیک اعمال خصوصًا صدقہ عذاب کو دفع کرتا ہے۔اسی لیے میت کو تیجہ،دسویں وغیرہ میں ایصال ثواب کیا جاتا ہے کہ اگر اس کی قبر میں آگ ہو تو اس سے بجھ جائے۔

۶؎ غصہ میں بچوں پر لڑائی میں مقابل پر،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ لعنت کرنا دوزخی ہونے کا سبب ہے،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے یہاں صحابہ پر تبرّا اور لعنت کرنا عبادت ہے۔جب نمرود،فرعون،ہامان بلکہ شیطان کو گالیاں دینا اور تبرا کرنا ثواب نہیں تو بزرگوں کو گالیاں دینا کہاں کی انسانیت ہے۔مسئلہ کسی معین پر لعنت کرنا جائز نہیں سوا ان کفار کے جن کا کفر پر مرنا نص میں آچکا،غیر معین گنہگار پر بھی لعنت جائز ہے۔مثلًا یہ کہہ سکتے ہیں کہ کافروں پر یا جھوٹوں پر لعنت مگر اس کی عادت مت ڈالو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

۷؎ کہ اگر عمر بھر خاوند تمہاری ناز برداری کرے اور ایک بار کچھ کوتاہی کردے تو کہتی ہو کہ تو نے میرے ساتھ کچھ کیا ہی نہیں،جو بندے کا ناشکرا ہے خدا کا شاکر نہیں بن سکتا۔

۸؎ اس میں عورتوں کے تین عیب بیان کئے گئے:عقل میں کمی،دین پر عمل میں کوتاہی،اور مرد کو بے وقوف بنانا،یہ عورتوں کی عام حالت ہے اگرچہ بعض بیبیاں اس سے پاک ہیں۔خیال رہے کہ جنس مرد جنس عورت سے افضل ہے،اگرچہ بعض عورتیں،بعض مردوں سے افضل ہیں۔حضرت آمنہ خاتون،عائشہ صدیقہ،فاطمہ زہرہ ہم جیسے کروڑوں مردوں سے افضل،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۹؎ عام حالات میں یا دومردگواہ ہوتے ہیں یا ایک مرد اور دوعورتیں بعض صورتوں میں عورت کی گواہی مطلقًا نہیں مانی جاتی جیسے حدود اور قصاص،بعض صورتوں میں صرف ایک عورت کی خبرمعتبر جیسے بحالت غبار،رمضان کا انتیسواں[۲۹] چاند یا حیض و نفاس کی یا عدت گزرنے کی خبر یہاں عام حالت مراد ہے۔

۱۰؎ کہ کچھ عرصہ نماز کے ثواب سے اور ادائے روزہ کی برکتوں سے محروم رہتی ہے۔خیال رہے کہ حیض ونفاس کےزمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں اور روزوں کی ادا معاف قضا واجب۔اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کی زیادتی کمی دین کے کمال و نقصان کا ذریعہ ہے۔خیال رہے کہ مسافر و بیمار نماز و روزہ کے اہل ہیں لیکن حائضہ اور نفسا ان کی اہل ہی نہیں لہذا وہ دونوں ناقص نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب فرماتا ہے ۱؎ انسان مجھے جھٹلاتا ہے یہ اُسے مناسب نہ تھااور مجھے گالی دیتا ہے یہ اسے درست نہ تھا ۲؎اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے رب مجھے پہلے کی طرح دوبارہ نہ بناسکے گا۳؎حالانکہ پہلی بار پیدا فرمانا دوبارہ بنانے سے آسان تر تو نہیں۴؎ اس کی گالی اس کی یہ بکواس ہے کہ اللہ تعالٰی نے اولاد اختیار کی۵؎ میں تو اکیلا بے نیاز ہوں۶؎نہ جنا نہ جنا گیا میرا کوئی ہمسر نہیں ۷؎	

۱؎ یہ حدیث قدسی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"قَالَ اللہ"۔حدیث قدسی اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ حدیث قدسی خواب،الہام سے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔قرآن بیداری ہی میں آئے گا۔نیز قرآن کے لفظ بھی رب کے ہیں،حدیث کا مضمون رب کا،الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔خیال رہے کہ ساری حدیثیں برحق ہیں اور قرآن کی طرح لائق عمل،صدیق اکبر نے حدیث کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں تقسیم میراث نہ فرمائی حالانکہ یہ حکم قرآنی تھا،مگر حدیث قدسی میں قال اللہ کی تصریح ہوتی ہے۔اس کی مفصّل بحث ہمارے رسالہ "ایک اسلام" میں دیکھو۔

۲؎خیال رہے کہ جن و انس کے سوا کسی مخلوق میں کافر نہیں مگر انسان پر اللہ کے احسانات زیادہ ہیں کہ ان ہی میں انبیاء اور اولیاء بھیجے۔اس لیے کہ خصوصیت سے اس کی شکایت فرمائی گئی۔

۳؎یعنی قیامت کا منکر ہے اور تمام ان آیتوں کو جھٹلاتا ہے جن میں قیامت کا ذکر ہے۔

۴؎یعنی رب کے لیے ایجاد اور دوبارہ بنانا یکساں آسان ہے۔لوگوں پر ایجادمشکل ہوتی ہے۔دوبارہ بنانا آسان،جب کفار رب تعالٰی کو عالم کا موجد جانتے ہیں تو قیامت مانتے ہیں انہیں کیوں موت آتی ہے۔حالانکہ قیامت میں اٹھانا اعادۂ خلق ہوگا۔نہ کہ ایجاد اس میں روئے سخن ان کافروں کی طرف ہے جو اللہ کی ذات و صفات کے اقراری تھے اور قیامت کے انکاری۔

۵؎مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔عیسائی عیسٰی علیہ السلام کو،یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اس میں ان تینوں قوموں کی طرف اشارہ ہے۔بیوی بچے اختیارکرنا ہمارے لیے کمال ہے رب کے حق میں گالی۔ایک ہی چیز ایک کے لیے کمال ہے۔دوسرے کے لیے نقصان بلاتشبیہ کنواری لڑکی کو صاحب اولاد کہنا گالی ہے،بیاہی کے لیے کمال،رب کی شان تو بہت اعلٰی ہے۔

۶؎اولاد والا اکیلا بھی نہیں ہوتا،اولاد اس کی قومیت،نوعیت،جنسیت میں شریک ہوتی ہے اور بے نیاز بھی نہیں کیونکہ انسان شہوت کے غلبہ یا دشمنوں کے خوف کی وجہ سے یا اپنے مرے بعد وراثت کے لیے اولاد اختیار کرتاہے۔رب تعالٰی ان تمام نیازمندیوں سے پاک ہے۔دیکھو چاند،سورج وغیرہ کو قیامت سے پہلے فنا نہیں تو ان کی وراثت کے لیے انکی اولاد بھی نہیں۔

ے حالانکہ اولاد باپ کی ہمسر ہوتی ہے کہ انسان کا بچہ انسان اور شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے،تو **نعوذ باللہ**!خدا کا بیٹا خدا ہی چاہیئے تھاحالانکہ رب اس کا خالق وہ مخلوق،رب مالک وہ مملوک،پھرہمسر کہاں۔

	حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں ہے کہ انسان کا مجھے گالی دینا اس کی یہ بکواس ہے کہ میں صاحبِ اولادہوں میں اس سے پاک ہوں کہ بیوی بچے اختیار کروں ا۔(بخاری)

ا۔کیونکہ بیوی خاوند کی ہم جنس ہی ہوسکتی ہے۔انسان کی بیوی جنّاتنی یا گائے بھینس نہیں ہوسکتی،اگر **نعوذ باللہ** رب کی بیوی ہوتی تو وہ اس کی ہم جنس بلکہ اس کی ہم قوم بھی ہوتی،رب جنس و قوم سے پاک ہے۔

	روایت ہے حضرات ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے انسان ایذا دیتا ہے ا۔ کہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے ۲۔حالانکہ زمانہ (مؤثر) تو میں ہوں۔میں رات و دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں ۳۔(مسلم،بخاری)

ا۔ ایذا سے مراد ناراض کرنا ہے،یعنی میرے متعلق وہ باتیں کرتا ہے جس سے میں ناراض ہوتا ہوں،ورنہ خدا تعالٰی دکھ درد اور تکلیف سے پاک ہے۔

۲۔اس طرح کہ کہتا ہے ہائے زمانے تونے مجھ پر ظلم کردیا،میرے فلاں کو مار دیا،ہائے ظالم زمانہ یا آسمان،جیسے کہ مولوی محمود حسن دیوبندی نے مرثیہ گنگوہی میں زمانہ کو جی بھر کے کوسا،پیٹا ہے یہ حرام ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی محکوم چیزوں کو برا کہنا رب کی ناراضی کا باعث ہے۔ایسے ہی اللہ کے پیاروں کی توہین۔

۳۔اس طرح کہ دن کو لے جاتا ہوں،رات کو لاتا ہوں اور بالعکس،نیز انہیں چھوٹا،بڑا،گرم،سرد،مفید و مضر بناتا ہوں لہذا انہیں برا کہنا مجھ پر طعن ہے۔خیال رہے کہ یہاں دھر (زمانہ) سے مراد مؤثر حقیقی اور مسبّب الاسباب ہے۔ورنہ رب تعالٰی کو **دھر** کہنا درست نہیں اور نہ **دھر** اللہ کا نام ہے۔

	اور روایت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تکلیف دہ بات کو سنتے ہوئے صبر کرنے والا ا۔ خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں لوگ اس کے لئے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں پھر بھی وہ انہیں راحت و رزق دیئے جاتا ہے ۲۔

۱؎ یہاں صبر سے مراد حلم ہے۔اسی معنی سے اللہ تعالٰی کا نام پاک صبور یا صبار ہے،نہ کہ وہ صبر جو کہ مجبوری کی وجہ سے ہو اس کی تفسیر اگلا مضمون ہے۔

۲؎ یعنی باوجود یہ کہ لوگ اللہ تعالٰی کو عیب لگاتے ہیں اور رب تعالٰی اس سے خبردار بھی ہے،ان پر ہر طرح قادر بھی لیکن انہیں فورًا عذاب نہیں دیتا،بلکہ دنیا میں انہیں تندرستی،امن،روزی دیتا ہے کیونکہ دنیا اس کی رحمانیت کے ظہور کی جگہ ہے۔بعد موت نہ انہیں امن دے،نہ روزی وغیرہ وہاں اس کی رحیمیت کی جلوہ گری ہوگی۔

	روایت ہے حضرت معاذ سے ۱؎ کہ میں ایک دراز گوش پر حضور کے پیچھے اس طرح سوار تھا کہ میرے آپ کے درمیان پالان کی لکڑی کے سوا کچھ نہ تھا۲؎ حضور نے فرمایا کہ معاذ کیا جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے۳؎ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول جانیں فرمایا اللہ کا حق بندوں پر تو یہ ہے کہ اُسے پوجیں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ۴؎ اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو اُسے عذاب نہ دے ۵؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ تو کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں فرمایا یہ بشارت نہ دو ورنہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ آپ معاذ بن جبل انصاری خزرجی،کنیت ابو عبداللہ ہے،بیعت عقبہ کرنے والے ستّر انصار میں آپ بھی تھے،بدر اور تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا گورنر بنایا،عمر فاروق نے شام کا حاکم مقرر کیا،طاعون عمواس میں بعمر ۸۳ سال آپ کی وفات ہوئی،شام میں قبر شریف ہے،آپ کے فضائل بے حد و بے شمار ہیں۔

۲؎ یعنی خوش نصیبی سے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قرب نصیب تھا اور ظاہر ہے کہ اتنے قریب سے جو بات سنی جائے گی وہ بالکل درست سنی جائے گی۔ردیف ردفا سے بنا ہے بمعنی پیچھے،ایک گھوڑے یا اونٹ پر دو شخص سوار ہوں تو پیچھے والا ردیف کہلاتا ہے۔دو آدمیوں کا جانور پر سوار ہونا جب منع ہے کہ جانور کمزور ہو،دو کا بوجھ نہ اٹھاسکے۔لہذا یہ حدیث ممانعت کی حدیث کے مخالف نہیں۔

۳؎ حق کے معنی واجب الازم۔لائق بندوں کے متعلق تینوں معنی درست ہیں کہ اللہ کی عبادت ان پر واجب ہے،لازم ہے،ان کے لائق ہے۔اللہ تعالٰی کے لئے یہ معنی اور طرح درست ہوں گے وہ یہ کہ اس کریم نے اپنے ذمہ کرم پر خود لازم فرمالیا کہ عابدوں کو جزا دے کوئی اور اس پر واجب نہیں کرسکتا،لہذا جن روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ پر کسی کا حق نہیں وہ دوسرے معنی میں ہے کہ کوئی اس پر واجب نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی اس کا حاکم نہیں وہ سب کا حاکم ہے۔

۴؎ اس طرح کہ نہ تو کسی کو اس کا ہمسر جانیں،نہ اس کا بیوی بچہ لہذا اس میں مجوسیت،نصرانیت،یہودیت سب ہی داخل ہیں۔ان ہی تمام دینوں سے علیحدگی ضروری ہے۔

۵؎ یعنی کفر نہ کرتا ہوا سے دائمی عذاب نہ دے ایسے مقامات پر شرک بمعنی کفر ہوتا ہے اور عذاب سے دائمی عذاب مراد ورنہ بعض گنہگاروں کو بھی کچھ عذاب ہوجائے گا۔ (اشعۃ اللمعات) وغیرہ

۶؎ اس طرح کہ مقصد کلام سمجھیں گے نہیں اور اعمال چھوڑدیں گے کہ جب فقط درستیٔ عقیدہ سے ہی عذاب سے نجات مل جاتی ہے تو نماز وغیرہ عبادات کی کیا ضرورت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عالم عوام کو وہ مسئلہ نہ بتائے جو ان کی سمجھ سے وراہو۔خیال رہے کہ حضرت معاذ نے اس وقت بشارت نہ دی بلکہ یہ حدیث بطور خبر بعد میں بعض خواص کو سنادی لہذا کوئی اعتراض نہیں اس کا کچھ ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کجاوہ پر تھے معاذ حضور کے ردیف تھے حضور نے فرمایا اے معاذ عرض کیا حاضر ہوں یارسول اللہ خدمت میں فرمایا اے معاذ عرض کیا یارسول اللہ حاضر ہوں خدمت میں فرمایا اے معاذ عرض کیا حاضر ہو خدمت میں تین بار ا؎ فرمایا ایسا کوئی نہیں جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔سچے دل سے ۲؎ مگر اللہ اسے آگ پر حرام فرمادے گا۔۳؎ عرض کی یارسول اللہ تو کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دوں کہ وہ خوش ہوجائیں فرمایا تب تو وہ بھروسہ کر بیٹھیں گے ۴؎ پھر حضرت معاذ نے گناہ سے بچنے کے لیے ۵؎ اپنی وفات کے وقت خبر دے دی ۶؎	

ا؎ حضرت معاذ کو تین بار پکارنا کچھ نہ فرمانا زیادتی شوق کے لیے تھا کہ حضرت معاذ کلام سننے کے پورے مشتاق ہوجائیں جو بات انتظار کے بعد سنی جاتی ہے خوب یاد رہتی ہے۔"لبیك وسعدیك" کا اردو میں مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں خدمت میں حاضر ہوں چھوٹے کو چاہیئے کہ بڑے کا ادب بہرحال کرے۔

۲؎ اس طرح کہ دل سے اس کو مانے اور زبان سے اقرار کرے،لہذا منافق اس بشارت سے علیحدہ ہے،اور ساتر یعنی دل کا مؤمن زبان سے خاموش اس پر شریعت میں اسلامی احکام جاری نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ عمر میں ایک بار زبان سے کلمۂ شہادت پڑھنا فرض ہے اور مطالبہ کے وقت بھی ضروری۔

۳؎ اس طرح کہ وہ آگ میں ہمیشہ نہ رہے گا یا آگ اس کے دل وزبان کو نہ جلاسکے گی کیونکہ یہ ایمان اور شہادت کے مقام ہیں کافر کا قلب و قالب دونوں جلائے گی،رب فرماتا ہے: "تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ" یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر مرتے وقت ایمان لائے اور کسی عمل کا موقع نہ پائے اس کے لیے یہ بشارت ہے۔بہرحال یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہے،نہ دیگر احادیث کے کوئی مؤمن عمل سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

۴؎ حضرت معاذ نے اس بشارت کی تبلیغ کی اجازت مانگی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ حکم تبلیغی امور میں سے ہے یا اسرار الٰہیہ میں سے۔شرعی احکام سب کے لیے ہیں،طریقت کے اسرار اہل کے لیے۔خیال رہے کہ عوام بشارت سن کر بے پرواہ ہو جاتے ہیں،مگر خواص بشارت پاکر زیادہ نیکیاں کرنے لگتے ہیں۔رب نے اپنے حبیب سے فرمایا"لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ"الخ تو حضور نے نیکیاں اور زیادہ کیں۔عثمان غنی سے فرمایا تھا کہ جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے تو ان کے اعمال اور زیادہ ہوگئے۔

۵؎ کہ حدیث شریف میں ہے جو علم چھپائے اسے آگ کی لگام دی جائے گی،قرآن شریف میں بھی علم چھپانے کی برائیاں مذکور ہیں۔

۶؎ یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت سے اس وقت منع کیا تھا جب اکثر لوگ نو مسلم تھے اور حدیث دانی کا ملکہ کم رکھتے تھے،اب حالات بدل چکے ہیں،لوگ ذی شعور اور سمجھدار ہوگئے ہیں،یہ ہے اجتہاد صحیح۔

	حضرت ابوذر ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۲؎ حضور پر چٹا سفید کپڑا تھا اور سورہے تھے کچھ دیر بعد پھر آیا تو آپ جاگ چکے تھے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی بندہ جو لَااِلٰہ الا اللہ کہے ۳؎ پھر اسی پر مرجائے مگر جنت میں جائے گا ۴؎ میں نے عرض کیا اگرچہ زنا اور چوری کرے فرمایا اگرچہ زنا اور چوری کرلے ۵؎ میں نے کہا اگرچہ زنا اور چوری کرلے ۶؎ فرمایا اگرچہ زنا اور چوری کرے میں نے کہا اگرچہ زنا و چوری کرے فرمایا اگرچہ زنا و چوری کرے ابوذر کی ناک رگڑنے کے باوجود ۷؎ حضرت ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے تھے کہ اگرچہ ابوذر کی ناک رگڑ جائے ۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام جندب ابن جنادہ،کنیت ابوذر ہے،قبیلہ بنی غفار سے ہے،آپ پانچویں مسلمان ہیں،مکہ معظّمہ میں آکر مسلمان ہوئے اور حضور کے حکم سے اپنی قوم میں چلے گئے،پھر غزوۂ خندق کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور حضور کے ساتھ رہے،پھر ربذہ میں قیام کیا اور وہیں خلافت عثمانیہ ۳۲ھ میں وفات پائی،آپ بڑے،زاہد،عابد،صحابی ہیں،مال جمع کرنے کے بڑے مخالف تھے،اسلام سے پہلے بھی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

۲؎ ایمان لانے کے لیے حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ،آپ کے ایمان لانے کا عجیب و غریب واقعہ ہے جو کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا،یہاں کوئی اور حاضری مراد ہے،دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۳؎ اس سے مراد سارے عقائد اسلامیہ کا مان لینا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں"الحمد"پڑھنا واجب ہے،یعنی ساری سورۃ یا اس وقت کلمہ پڑھنا ہی مؤمن کی علامت تھی،یا مطلب یہ ہے کہ جو کافر مرتے وقت کلمہ پڑھ کر مؤمن ہو جائے۔

۴؎ یا اول ہی سے گناہوں کی کچھ سزا پاکر یا شفاعت کے پانی سے صاف ہو کر،کیونکہ مؤمن کے لیے دوزخ میں ہیشگی نہیں۔

۵؎ یعنی انہیں حرام جانتے ہوئے اپنے کو گنہگار سمجھ کر۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ گناہ کبیرہ انسان کو اسلام سے نہیں نکالتے،دوسرے یہ کہ گناہ کبیرہ سے نیکیاں ضبط نہیں ہوتیں،کفر سے ہوتی ہیں،تیسرے یہ کہ جس کا خاتمہ ایمان پر ہوجائے وہ یقینًا جنتی ہے خواہ اول سے یا کچھ بعد۔

۶؎ تعجب کرتے ہوئے کیا اتنے بڑے گناہ پر بھی وہ جنتی رہے گا۔حضرت ابوذر کو حیرت ہوئی کہ گناہوں کا لتھڑا ہوا پاک وصاف جنت میں قدم کیسے رکھے گا۔یہ پتہ نہ تھا کہ شفاعت ورحمت کا پانی گندوں کو ستھرا کردیتا ہے۔

۷؎ رَغِمَ رغام سے بنا ہے بمعنی مٹی اور خاک،عرب میں یہ لفظ ناپسندیدگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔یعنی اگرچہ تم ناپسندیدگی کی بناپر سوال کرتے کرتے زمین پر ناک بھی رگڑ دو جب بھی یہی حکم رہے گا۔

۸؎ تاکہ حدیث کے الفاظ پورے منقول ہوں یا بتقاضائے عشق کہ محبوب کا عتابانہ خطاب بھی عاشق کو پیارا معلوم ہوتا ہے۔بار بار اسے یاد کرکے نیا لطف حاصل کرتا ہے۔خیال رہے کہ فاسق مؤمن آخر کار جنتی ہے،بے دین اور بدمذہب پر جنت حرام ہے،اس کے لیے دوزخ میں ہیشگی ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گواہی دے کہ اکیلے خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں ۱؎ عیسٰے اللہ کے بندے اور رسول اوراس کی بندی کے بیٹے ۲؎ اللہ کا کلمہ ہیں جو مریم میں ڈالا ۳؎ اور اللہ کی طرف سے روح ہیں ۴؎ اور جنت ودوزخ حق ہے اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا مطابق عمل کے ۵؎	

۱؎ بندۂ اعلیٰ اور رسول اکمل جن کی عبدیت سے اللہ کی ربوبیت چمکی اور جن کی رسالت رب کی الوہیت کا مظہر اتم ہے۔لہذا ان کی بندگی اور دوسروں کی بندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔اور بندوں کو اس پر ناز ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔دستِ قدرت کو اس پر ناز ہے کہ میرے بندے محمد رسول اللہ ہیں،فرماتا ہے:"هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ"اور بندہ رب کو راضی کرنا چاہیں۔رب جناب مصطفٰے کو راضی کرنا چاہے فرماتا ہے:"وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی"اور بندے کشتیٔ اسلام میں پار لگنے کو سوار ہوئے،جناب مصطفٰے پار لگانے کو،جیسے جہاز کے مسافر اور کپتان کہ جہاز مسافروں کو پار لگاتا ہے اور کپتان جہاز کو،اسی لئے مسافر کرایہ دے کر جہاز میں بیٹھتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔سواری ایک ہے مگر سواروں کی نوعیت میں فرق ہے،لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز،کلمہ پڑھنے،حج وتلاوت قرآن کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ حضور ہماری طرح مؤمن ہیں۔ان اعمال سے ہماری عزت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کرنے کی وجہ سے ان اعمال کی عزت افزائی،ہمیں فخر ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں،نماز کو فخر ہے کہ حضور نے مجھے پڑھا۔

۲؎ یہ فرمان نہایت جامع ہے۔عیسائی جناب مسیح کو خدا کا بیٹا،اور بی بی مریم کو رب کی بیوی کہتے تھے۔یہودی جناب مسیح کی نبوت کے بھی انکاری تھے اور پاک بتول مریم کو تہمت لگاتے تھے۔اس ایک کلمہ میں دونوں کی نفیس تردید ہوگئی۔زمانہ موجودہ کے قادیانی آپ کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے

ہیں۔اور حضرت مریم کا نکاح ان سے ثابت کرتے ہیں۔اس میں ان کی بھی اعلیٰ تردید ہے کہ اگر جناب مسیح باپ کے بیٹے ہوتے تو اسی طرف آپ کی نسبت ہوتی،قرآن نے بھی انہیں عیسیٰ بن مریم فرمایا حالانکہ فرماتا ہے: "**اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ** "۔

۳؎ اس طرح کہ حضرت جبرئیل نے باذن الٰہی کُن کہہ کر حضرت مریم کے سینہ پر پھونکا جس سے آپ حاملہ ہوگئیں۔خیال رہے کہ جناب مسیح کا لقب **کلمۃاللہ** ہے یا اس لیے کہ آپ کی پیدائش کلمہ کن سے ہے رب فرماتا ہے: "**اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ**"الخ،آدم علیہ السلام کو کلمتہ اللہ اس لیے نہیں کہتے کہ ان کے جسم کی پیدائش مٹی سے ہے۔صرف روح پھونکنا **کلمۂ** کن سے رب فرماتا ہے: **فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ** مگر جناب مسیح کا جسم اور روح سب کُن سے **نطفه علقه مضغه** کچھ نہیں۔(از مرقاۃ) یا اس لیے کہ جناب مسیح از سر تا پا اللہ کی حجت ہیں گویا سراپا کلمہ ہیں۔یا اس لیے کہ آپ ایک کلمہ دم کرکے بیماروں کو تندرست،مردوں کو زندہ کرتے تھے (اس سے بزرگوں کی جھاڑ پھونک ثابت ہوئی) یا اس لیے کہ آپ نے پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا کہ کہا" **اِنِّیۡ عَبۡدُاللّٰهِ" الخ**

۴؎ **مِنۡهُ** کی **مِن** تبعیضیہ نہیں اور اس کا معنی یہ نہیں کہ اللہ کا ٹکڑا ہیں بلکہ "**من**"ابتدائیہ ہے،یعنی اللہ کی جانب سے بلاواسطۂ نطفہ آپ کی پیدائش ہے۔آپ کا لقب روح اللہ بھی ہے یا اس لیے کہ آپ روح الامین جبرئیل کی پھونک سے پیدا ہوئے یا اس لیے کہ آپ مردہ دلوں کو روح ایمان بخشتے ہیں۔

۵؎ کہ اعلیٰ درجے کے متقی کو جنت کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ادنی متقی کو وہاں کا ادنی مقام،یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں جنت کسب سے ملے،جو دوسروں کے طفیل جنت میں جائیں گے وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔جیسے مسلمانوں کے شیر خوار بچے اور بیویاں لہٰذا حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج پاک جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔خیال رہے کہ جنت میں داخلہ ایمان کی بنا پر ہوگا،وہاں کے مراتب اعمال کے مطابق۔جنت کا داخلہ تین [۳] طرح کا ہے کسبی،وہبی،عطائی یہاں کسبی کا ذکر ہے۔

روایت ہے عمرو ابن عاص سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ آپ کی بیعت کروں ۲؎ آپ نے ہاتھ بڑھایا میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا ۳؎ فرمایا اے عمرو یہ کیا میں نے عرض کیا کچھ شرط لگانا چاہتا ہوں فرمایا کیا شرط میں نے عرض کیا کہ میری بخشش ہوجائے ۴؎ فرمایا اے عمرو کیا تمہیں خبر نہیں کہ اسلام پچھلے گناہ ڈھادیتا ہے اور ہجرت پچھلے گناہ ڈھادیتی ہے اور حج بھی پچھلے گناہ ڈھادیتا ہے ۵؎ یہ مسلم نے روایت کی اور وہ دو حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہیں۔فرماتے ہیں فرمایا اللہ تعالٰی نے کہ میں تمام شرکاء میں شرک سے غنی تر ہوں اور دوسری یہ کہ عظمت و بلندی میری	

	چادر ہے ہم انہیں ریا اور کبر کے بابوں میں ذکر کریں گے ٦ اگراللہ نے چاہا۔

١ آپ عمرو بن العاص سہمی قریشی ہیں، ۵ھ میں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ اور عثمان ابن طلحہ کے ساتھ مدینہ میں آکر اسلام لائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمّان کا گورنر مقرر فرمایا،آپ حضرت عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کے عامل رہے،آپ فاتح مصر ہیں مصر ہی میں نوے سال کی عمر پاکر ۴۳ھ میں وفات پائی۔(اکمال)

٢ یہ بیعت اسلام ہے صحابہ کرام اسلام لاتے وقت حضور سے بیعت بھی کیا کرتے تھے یعنی استقامت کا وعدہ بیعت تو یہ بیعت تقویٰ،بیعت جہاد،بیعت شہادت کسی خاص مسئلے پر،بیعت اس کے علاوہ ہیں آج کل علی العموم مشائخ سے بیعت توبہ یا تقویٰ ہوتی ہے۔بیعت کے وقت شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سنت ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

٣ بے ادبی کے لیے نہیں بلکہ بندہ مختار مانتے تھے۔

٤ دیکھو بخشنا کام اللہ کا ہے اور شرط لگارہے ہیں رسول اللہ سے،ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو جنت عطافرمایئے حضور ہمیں دوزخ سے نجات نصیب ہو۔

٥ معلوم ہوا کہ ایمان اور نیک اعمال معافی گناہ کا ذریعہ ہیں،رب فرماتا ہے:"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ" مگر ان سے گناہ مٹتے ہیں نہ کہ حقوق العباد۔نو مسلم اسلام لاکر زمانۂ کفر کے قرض بھی ادا کرے گا اور حدود و قصاص بھی،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔یعنی یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زمانۂ کفر میں ظلمًا قتل کرلو،لوگوں کے مال مارلو اور بعد میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ سب معاف،یہ ناممکن ہے۔

٦ یعنی یہ دو حدیثیں مصابیح میں اسی باب میں تھیں مگر ہم پہلی حدیث "باب الریاء" میں اور دوسری "باب الکبر" میں لائیں گے کیونکہ یہ وہاں کے ہی مناسب ہیں۔یہ فقیر ان شاءاللہ ان حدیثوں کی شرح بھی وہیں عرض کرے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ(ابن جبل) سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ١ یارسول اللہ مجھے ایسا کام بتایئے جو مجھے جنت میں داخل اور دوزخ سے دور کردے ٢ فرمایا تم نے بڑی چیز پوچھی ٣ ہاں جس پر اللہ آسان کرے اُسے آسان ہے ٤ اللہ کو پوجو ٥ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ جانو نماز قائم کرو،زکوۃ دو،رمضان کے روزے رکھو،کعبہ کا حج کرو ٦ پھر فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتادوں ٧ روزہ ڈھال ہے ٨ خیرات گناہوں کو ایسا

	بجھاتی ہے جیسے پانی آگ کو ۹؎ اور درمیانی رات میں انسان کا نماز پڑھنا ۱۰؎ پھر یہ تلاوت کی کہ ان کی کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں ۱۱؎ (یعلمون تک) پھر فرمایا کہ میں تمہیں ساری چیزوں کا سر، ستون، کوہان کی بلندی نہ بتادوں ۱۲؎ میں نے کہا ہاں یارسول اللہ ۱۳؎ فرمایا تمام چیزوں کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون ۱۴؎ نماز اور کوہان کی بلندی جہاد ہے ۱۵؎ پھر فرمایا کہ کیا تمہیں ان سب کے اصل کی خبر نہ دے دوں ۱۶؎ میں نے عرض کیا ہاں یانبی اللہ پس حضور نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ اسے روکو ۱۷؎ میں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ کیا زبانی گفتگو پر بھی ہماری پکڑ ہوگی ۱۸؎ فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے اے معاذ ۱۹؎ لوگوں کو اوندھے منہ آگ میں نہیں گراتی مگر زبانوں کی کٹوتی ۲۰؎ یہ حدیث احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کی۔

۱؎ غزوۂ تبوک میں دوپہر کے وقت جب سخت گرمی تھی، جب تمام صحابہ الگ الگ درختوں کے نیچے ٹھہرے اور میں نے حضور کے ساتھ آرام کیا۔(مرقاۃ)

۲؎ یہ اسناد مجازی ہے جنت، دنیا، دوزخ سے بچانا رب کا کام ہے۔چونکہ عمل اس کا ذریعہ ہے اس لیے اسے فاعل قرار دیا گیا لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور جنت دیتے ہیں، دوزخ سے بچاتے ہیں، ہمارے اعمال سے حضور کا توسل زیادہ قوی ذریعہ ہے۔

۳؎ کیونکہ آگ سے بچنا جنت میں پہنچنا بڑی نعمتیں ہیں تو ان کا ذریعہ بھی بڑا ہی ہوگا۔

۴؎ یعنی یہ ذریعہ بتانا مجھ کو آسان ہے کہ رب نے مجھ کو ہر شے پر مطلع کیا ہے یا وہ اعمال اسی پر آسان ہوں گے جس پر اللہ کرم کرے، ڈھیلا خود نیچے گرتا ہے کسی کے اٹھائے سے اوپر ہوتا ہے، ہماری پیدائش مٹی سے ہے ہمارا بھی یہی حال ہے۔

۵؎ یعنی اسلام لاؤ جو ساری عبادتوں کی جڑ ہے کیونکہ عبادات کا ذکر تو آگے آرہا ہے یہاں مضارع بمعنی امر ہے نہ کہ بمعنی خبر۔

۶؎ اس طرح کہ نماز روزانہ پانچ وقت، روزہ ہر سال رمضان میں، زکوۃ ہر سال، اگر مال ہو حج عمر میں ایک مرتبہ۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں صرف فرائض مراد ہیں جن پر جنتی ہونا موقوف ہے۔

۷؎ یعنی وہ نیک اعمال جو بہت سی نیکیوں کا ذریعہ ہیں جیسے روزہ نفس توڑنے کا ذریعہ ہے نفس ٹوٹ جانے پر انسان بہت سی نیکیاں کرسکتا ہے۔کیونکہ روکنے والا نفس ہی ہے۔

۸؎ جس کی برکت سے روزہ دار تک گناہوں کا تیر نہیں پہنچتا اور شیطان کا راستہ بند ہوجاتا ہے۔

۹؎ چونکہ خیرات میں اللہ کی عبادت بھی ہے اور بندوں کا نفع بھی، غریبوں کی حاجت روائی بھی، اس لئے کہ یہ گناہوں کو مٹانے میں اکسیر ہے، جو بندوں پر مہربان ہو رب اس پر مہربان ہوتا ہے۔

۱۰؎ یعنی نماز تہجد، نماز پنجگانہ کے بعد یہ نماز بہت اعلٰی ہے اور نمازوں میں اطاعت غالب ہے اس نماز میں عشق، نیز یہ نماز رب نے خاص حضور کے لیے بھیجی، حضور کے طفیل سے ہمیں ملی، فرماتا ہے: "فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ"۔

۱۱؎ یعنی عشاء کے بعد کچھ سو لیتے ہیں، پھر اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں، تہجد کے لیے پہلے سولینا شرط ہے ورنہ بستروں کا ذکر نہ ہوتا، بعد تہجد بھی سونا سنت ہے، یہ بھی اسی آیت سے ثابت ہے یعنی بستر بچھے ہوتے ہیں مگر وہ مصلے پر ہوتے ہیں۔

۱۲؎ یہاں دین کو اونٹ سے تشبیہ دی گئی، پھر اس کے لیے سر پاؤں اور کوہان ثابت کیا گیا جیسا استعارہ بالکنایہ اور تخلیل میں ہوتا ہے۔

۱۳؎ یہ سوال جواب سائل کو شوق دلانے کے لئے ہیں کیونکہ انتظار کے بعد جو شے حاصل ہو خوب یاد رہتی ہے۔

۱۴؎ چیز سے مراد دین ہے۔ دینداری اسلام کے بغیر نہیں قائم رہ سکتی، جیسے سر کے بغیر زندگی اور نماز سے دین کو قوت و بلندی ہے، جیسے ستون سے چھت کی۔

۱۵؎ جہاد چونکہ دشوار ہے اور جہاد ہی سے دین کی زینت و رونق ہے، جیسے کوہان سے اونٹ کی زینت اور کوہان تک پہنچنا کچھ مشکل بھی ہوتا ہے۔ جہاد بمعنی مشقت ہے یہ لِسان، سنان، اقلام سبھی سے ہوتا ہے، کافروں پر جہاد سہل ہے مگر اپنے نفس پر مشکل یہ کلمہ سب جہادوں کو شامل ہے۔

۱۶؎ ملاک وہ ہے جس سے کسی چیز کا نظام اور قوام قائم ہو، یعنی اصل اصول۔

۱۷؎ کہ پہلے تولو بعد میں بولو، زبان کو لگام دو، رب نے چھونے کے لیے دو ہاتھ، چلنے کے لیے دو پاؤں، دیکھنے کے لیے دو آنکھیں، سننے کے لیے دو کان دیئے، مگر بولنے کے لیے زبان صرف ایک ہی دی کہ کلام کم کرو کام زیادہ۔

۱۸؎ یعنی بات تو معمولی چیز ہے۔ اس پر کیا پکڑ چوری، زنا، قتل وغیرہ جرم قابل گرفت ہیں مگر وہ زبان سے نہیں ہوتے۔

۱۹؎ عرب میں یہ لفظ (ماں روئے) محبت و پیار میں بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے بچوں سے مائیں پیار میں کہتی ہیں۔ اے رُڑ جائیں، اڈ پڑ جائیں اردو میں مارے ہتیارے، ارے مٹ گئے وغیرہ یعنی تو گم جائے یا مر جائے اور ماں تجھے رو رو کر ڈھونڈے یا یاد کرے۔

۲۰؎ کیونکہ ہاتھ پاؤں سے اکثر گناہ ہی ہوتے ہیں۔ مگر زبان سے کفر، شرک، غیبت، چغلی، بہتان سب کچھ ہوتے ہیں جو دوزخ میں ذلت و خواری کے ساتھ پھسلنے جانے کا ذریعہ ہیں۔ حصائد وہ جگہ ہے جہاں کھیت کاٹ کر رکھا جاتا ہے یعنی کھلیان یا کٹوتی انسان کا ہر لفظ نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ وہ دفتر گویا اس کا کھلیان ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی اللہ کے لیے محبت و عداوت کرے اور اللہ کے لئے دے اور روکے ۲؎ اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا ۳؎ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی۔

۱؎ آپ کا نام شریف صدی، کنیت ابوامامہ ہے، قبیلہ بنی باہلہ سے ہیں، اولًا مصر میں، پھر حمّص میں قیام فرمایا، اکہتر سال کی عمر پاکر ۸۶ھ حمّص ہی میں وفات پائی، شام کے سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں۔ (مرقاۃ)

۲؎ اگرچہ مسلمان کا ہر کام اللہ کے لیے ہی چاہئیے مگر یہ چار کام اکثر نفس کے لیے ہوتے ہیں اسلیئے ان کا خصوصیّت سے ذکر فرمایا۔ جب یہی کام اللہ کے لیے ہوگئے تو باقی اعمال سونا، جاگنا، بولنا اور چپ رہنا وغیرہ سب اللہ کیلیئے ہوں گے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اللہ کے لئے دینے والے تھوڑے، نام نمود میں خرچ کرنے والے زیادہ ہیں۔ رب تعالٰی یہ صفتیں نصیب کرے۔

۳؎ کیونکہ کمال ایمان اخلاص سے نصیب ہوتا ہے۔ مخلص صدیقین کے زمرہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اخلاص کی پہچان یہ ہے کہ کافر بیٹا دشمن معلوم ہو، اجنبی مؤمن پیارا۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد   فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

ترمذی نے کچھ تقدیم و تاخیر سے حضرت معاذ ابن انس سے یوں نقل کی کہ بے شک اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا	

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں۔فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عمل اللہ کے لئے محبت اورا للہ کے لئے عداوت ہے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ کیونکہ دوسرے اعمال قالب سے ادا ہوتے ہیں اور اللہ کے لیے محبت و عداوت دل سے وہ سب بدنی عبادات ہیں یہ دل کی عبادت کیونکہ اللہ کے لیے محبت جبھی ہوگی جب اللہ سے محبت ہوگی اور اللہ کی محبّت اس کے تمام احکام کی محبّت کا ذریعہ ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں:اگر کوئی شخص باورچی سے اس لیے محبّت کرے کہ اس سے اچھا کھانا پکوا کر فقراء کو بانٹے تو یہ اللہ کے لیے محبّت ہے۔اور اگر عالم دین سے اس لیے محبّت کرے کہ اس سے علم دین سیکھ کر دنیا کمائے تو یہ دنیا کے لیے محبّت ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا مسلمان وہ جس کے زبان و ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں ۱؎ اور سچا مؤمن وہ جس سے لوگ اپنے خون و مال میں مطمئن رہیں ۲؎ اسے ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے	

۱؎ کہ نہ کسی کو بلاوجہ مارے پیٹے نہ ان کی چغلی اور غیبت کرے حق پر مارنا عین دین ہے،جیسے مجرم سے قصاص لینا۔ضرورت شرعی کی بناء پر غیبت عین عبادت ہے جیسے راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا حدیث کی تحقیق کیلیے،یہ چیزیں اس حدیث سے خارج ہیں۔

۲؎ یعنی اس کا برتاؤ ایسا اچھا ہو کہ لوگوں کو قدرتی طور پر اس کی طرف سے اطمینان ہو کہ یہ نہ ہمارے مال مارے گا،نہ تکلیف دے گا،یہ اطمینان مسلمین اللہ کی بڑی نعمت ہے اسی لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ کسی کی قوت ایمانی جانچنے کے لئے اس کے پڑوسیوں اور دوستوں سے پوچھو۔اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے اسلام کا تعلق ظاہر اعضاء سے ہے اور ایمان کا قلب سے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت فضالہ کی روایت ۱؎ سے یہ زیادتی کی کہ غازی وہ جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے مشقت لے ۲؎ اور سچا مہاجر وہ جو خطاؤ گناہ چھوڑ دے ۳؎	

۱؎ فضالہ ابن عبید اوسی انصاری ہیں،یہ حضور کے غلام ہیں،احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،بیعت رضوان میں شریک تھے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شام کے جہادوں میں شریک رہے،دمشق میں قیام کیا،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں کے قاضی رہے، ۵۳ھ میں وہیں وفات پائی(از مرقاۃ و اشعہ)

۲؎ کیونکہ ہمارا بدترین دشمن اور مارآستین ہمارا نفس ہے،کفار کو مارنا آسان نفس نانہجار کو مارنا مشکل،مولانا فرماتے ہیں۔

سہل شیرے وانکہ صفہا بشکند ... شیر آں باشد کہ خودر بشکند

۳؎ کیونکہ وطن جسم کا دیس ہے اور گناہ نفس امارہ کا دیس وطن عمر میں ایک بار چھوڑنا پڑتا ہے اور یہ ہر لحظہ، یہاں خطا سے مراد چھوٹے گناہ ہیں اور ذنوب سے مراد بڑے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ یہ بہت کم تھا کہ حضور ہمیں اس کے بغیر وعظ فرمائیں کہ جو امین نہیں اس کا ایمان نہیں جو پابند وعدہ نہیں اس کا دین نہیں ۱؎ یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔

۱؎ یعنی امانت داری اور پابندی وعدہ کے بغیر ایمان اور دین کامل نہیں، امانت میں مال، زر، لوگوں کی عزت وآبرو، یہاں تک کہ عورت کی اپنی عفّت سب داخل ہیں، بلکہ سارے اعمال صالحہ بھی اللہ کی امانتیں ہیں۔ حضور سے عشق و محبّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے، رب فرماتا ہے۔ "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ "الخ۔ عہد میں میثاق کے دن رب سے عہد، بیعت کے وقت شیخ سے عہد، نکاح کے وقت خاوند یا بیوی سے عہد، جو جائز وعدہ دوست سے کیا جائے یہ سب داخل ہیں۔ ان سب کا پورا کرنا لازم و ناجائز وعدہ توڑنا ضروری اگر کسی سے زنا، چوری، حرام خوری یا کفر کا وعدہ کیا تو اسے ہرگز پورا نہ کرے کہ یہ رب کے عہد کے مقابلے میں ہے۔ اللہ اور رسول سے وعدہ کیا ہے ان سے بچنے کا اسے پورا کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقیناً محمد اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالٰی اس پر آگ حرام کرے گا ۱؎

۱؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ اس سے مراد تمامی اسلامی عقائد قبول کرلینا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس کے عقائد درست ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا، یا اس سے وہ شخص مراد ہے جو ایمان لاتے ہی فوت ہوجائے، یا یہ حدیث اس وقت کی ہے جب احکام شرعیہ بالکل نہ آئے تھے۔ بہرحال یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۱؎ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ جانتے مانتے مرگیا کہ اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا ۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام عثمان ابن عفّان ابن ابی العاص ابن امیہ ہے، کنیت ابو عبداللہ، لقب جامع القرآن، اموی ہیں، قرشی ہیں۔ عبدمناف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر شروع اسلام میں ہی ایمان لائے، صاحب ہجرتین ہیں، پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ پاک کی طرف، آپ کا خطاب ذی النورین ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم آگے پیچھے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اولاد آدم میں کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں، جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی بی بی

رقیہ کی خدمت کے لیے مدینہ میں رہے،آپ کو غنیمت کا حصہ دیا گیا،صلح حدیبیہ میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے مکہ معظّمہ گئے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے خود ان کی طرف سے بیعت کی اور یکم محرم ۲۴ھ میں تخت خلافت پر جلوہ گر ہوئے،۱۲ سال خلافت کی بیاسی ۸۲ سال کی عمر پا کر اسود تجیبی مصری کے ہاتھ سے مدینہ منورہ میں قرآن پڑھتے ہوئے شہید ہوئے،جنت البقیع میں آپ کی قبر انور زیارت گاہ مخلوق ہے،فقیر نے وہاں حاضری دی ہے۔

۲؎ یعنی اگرچہ اس زبان سے اقرار کا بھی موقعہ نہ ملا کیونکہ زبانی اقرار تو احکام شرعیہ جاری کرنے کی شرط ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں لازم کرنے والی ہیں ۲؎ کسی نے عرض کیا یارسول اللہ لازم کرنے والی کیا ہیں فرمایا جو اللہ کا شریک مانتا ہوا مرگیا ۳؎ وہ آگ میں جائے گا ۴؎ اور جو اس طرح مرا کہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں مانتا تھا ۵؎ وہ جنت میں جائے گا ۶؎	

۱؎ آپ کا نام جابر ابن عبداللہ،کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،سلمی ہیں۔مشہور صحابی،بہت بڑے محدث ہیں،نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۸ غزووں میں شریک رہے،بدر میں بھی ساتھ تھے،آخر میں شام اور مصر میں قیام رہا نابینا ہوگئے تھے،۹۴ سال عمر پاکر ۷۴ھ میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں مزار پر انوار ہے،آپ مدینہ کے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ اللہ تعالٰی کے اذن سے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک عمل بذات خود واجب نہیں کرتا بلکہ اللہ کا ارادہ یعنی انسان کی دو صفتیں بارادۂ الٰہی سزا و جزا واجب کرتی ہیں۔اس کا بیان آگے آتا ہے۔

۳؎ یعنی کفر کرتا ہوا جس کی ایک قسم شرک بھی ہے۔دیکھو دہریہ،موحد،ہندو،آریہ وغیرہ سب جہنمی ہیں اگرچہ مشرک نہیں،ایسے مقامات میں شرک سے مراد کفر ہوتا ہے،اس کا مقابل ایمان ہے نہ کہ توحید۔

۴؎ ہمیشہ کے لیے جیسے بھٹی میں کوئلہ۔

۵؎ یعنی مؤمن مسلمان ہو کر نہ کہ صرف موحد ہو کر ورنہ شیطان مشرک نہیں موحد ہے مگر جنتی نہیں۔

۶؎ یا اول ہی سے یا کچھ سزا بھگت کر۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس بیٹھے تھے۔ہمارے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے ۱؎ کہ اچانک ہمارے درمیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ گئے واپسی میں دیر لگائی ہم ڈر گئے کہ مبادا حضور کو ہماری غیر حاضری میں کوئی ایذا پہنچے ۲؎ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے گھبرانے والا پہلا میں تھا میں حضور کو ڈھونڈھنے نکل کھڑا ہوا یہاں تک کہ انصار بنی نجار کے ایک باغ میں پہنچا ۳؎ باغ کے اردگرد گھوما ۴؎ کہ کوئی دروازہ ملے مگر نہ ملا ۵؎ ایک نالی تھی جو بیرونی کنوئیں سے باغ میں جاتی تھی ۶؎ فرماتے ہیں کہ میں	

سکڑ کر نالی میں گھس کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۷ حضور نے فرمایا کیا ابوہریرہ ہیں ۸ میں نے کہا ہاں یارسول اللہ فرمایا تمہارا کیا حال ہے ۹ میں نے عرض کیا کہ حضور ہم میں تشریف فرما تھے اچانک اٹھ آئے اور واپسی میں دیر ہوئی ہم ڈر گئے کہ مبادا حضور کو ہماری غیر موجودگی میں ایذا پہنچے تو ہم گھبرا گئے پہلے میں ہی گھبرایا ۱۰ تو اس باغ میں آیا اور میں لومڑی کی طرح سکڑ گیا ۱۱ اور باقی یہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں ۱۲ حضور نے فرمایا اے ابوہریرہ اور مجھے اپنے نعلین شریف عطا کئے ۱۳ فرمایا ہمارے نعلین لے جاؤ جو تمہیں اس باغ کے پیچھے یقین دل سے یہ گواہی دیتا ملے ۱۴ کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دو ۱۵ پہلے جن سے ملاقات ہوئی وہ عمر تھے ۱۶ وہ بولے اے ابوہریرہ یہ جوتے کیسے ہیں میں نے کہا کہ یہ حضور کے نعلین پاک ہیں مجھے یہ دیکر حضور نے اس لیے بھیجا ہے کہ جو مجھے یقین دل سے گواہی دیتا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دوں جناب عمر نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا ۱۷ کہ میں چت گر گیا اور فرمایا لوٹ چلو ابوہریرہ ۱۸ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو رو کر فریاد کی ۱۹ اور مجھ پر عمر کی ہیبت سوار ہو گئی تھی ۲۰ دیکھا تو وہ میرے پیچھے ہی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہ کیا حال ہے میں نے کہا کہ میں جناب عُمر سے ملا اور انہیں وہ ہی پیغام سنایا جو دے کر حضور نے مجھے بھیجا تھا تو انہوں نے میرے سینے پر ایسا مارا کہ میں چت گر گیا اور فرمایا کہ لوٹو ۲۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر اس کام پر ۲۲ تمہیں کس خیال نے ابھارا وہ عرض کرنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان یارسول اللہ کیا آپ نے ابوہریرہ کو نعلین پاک دے کر اس لیے بھیجا ۲۳ کہ جو انہیں یقین دل سے یہ گواہی دیتا ملے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اسے جنت کی بشارت دے دیں فرمایا ہاں ۲۴ عرض کیا ایسا نہ کیجئے ۲۵ میں خوف کرتا ہوں کہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے ۲۶ انہیں چھوڑ دیں کہ عمل کرتے رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

	نے فرمایااچھاچھوڑ دو ۲۷ (مسلم)

۱؎ جماعت صحابہ میں یہ دونوں بزرگ ایسا درجہ رکھتے ہیں جیسے تاروں میں چاند و سورج اسی لیے اکثر جگہ ان کا ذکر خصوصیّت سے ہوتا ہے۔خیال رہے کہ صحابہ کے شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں،محدثین کے شیخین بخاری و مسلم،فقہاء کے شیخین امام ابوحنیفہ و ابو یوسف رضی اللہ عنہم،منطق کے شیخین بو علی سیناو فارابی ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ ہم خدمت میں حاضر نہ ہوں حضور کہیں اکیلے ہوں اور کوئی دشمن آپ کو ایذا پہنچائے کیونکہ عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دشمن ہیں،یہ گھبراہٹ اسباب کے لحاظ سے ہے،ورنہ اللہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

۳؎ بنی نجار انصار کا ایک بڑا قبیلہ ہے۔حائط وہ باغ کہلاتا ہے جس کے آس پاس دیوار ہو اور ایک دروازہ۔بستان ہر باغ کو کہہ سکتے ہیں دیوار سے گھرا ہو یا نہ ہو۔

۴؎ اس لیے کہ اندازے سے مجھے پتا لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں ہیں۔شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ نسیم جمال نے بوئے محبوب عاشق کے دماغ محبت میں پہنچائی،جیسے بوئے یوسفی مصر سے کنعان پہنچ گئی،مگر عشاق کے حال مختلف ہوتے ہیں کبھی قبض،کبھی بسط۔

۵؎ یعنی دروازہ موجود تھا مگر نظر نہ آیا وارفتگئی عشق محبوب کی وجہ سے۔

۶؎ وہ نظر آگئی پیاروں کے حال نیارے ہوتے ہیں،ان کی کیفیات عقل سے وراء ہیں،دیکھو رب کی شان کہ دروازہ نظر نہ آیا اور نالی سوجھ گئی،یہ واردات ان لوگوں پر گزرتی ہیں جنہیں عشق سے حصّہ ملا ہو۔

۷؎ معلوم ہوتا ہے کہ نالی بہت تنگ تھی جس میں حضرت ابوہریرہ بتکلف داخل ہوئے۔خیال رہے کہ بغیر اجازت نالیوں کے ذریعہ کسی کے گھر یا باغ میں چلا جانا ازروئے قانون ممنوع ہے،مگر یہ عشق کا کرشمہ تھا خود کو آتشِ نمرود میں ڈالنا،بے قصور فرزند کو ذبح کرنا سب عشق کی جلوہ گری ہے،قانون اس سے کوسوں دُور ہے۔

۸؎ یہ سوال تعجب کی بنا پر ہے کہ دروازہ ہوتے ہوئے نالی کے رستہ پہنچے یا دروازہ بند تھا اور آگئے۔

۹؎ یعنی پریشان کیوں ہو،ہانپ کیوں رہے ہو۔

۱۰؎ اس میں اللہ کی نعمت کا اظہار ہے نہ کہ فخر و ریا،یعنی مجھے اللہ نے حضور کا ایسا عشق دیا ہے کہ آپ کے بغیر صبر نہیں کرسکتا۔

۱۱؎ اس میں اظہار معذرت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھبراہٹ میں آداب دربار بجانہ لاسکا،بغیر اذن آگیا،سلام بھی کرنا بھول گیا،حالانکہ یہ دونوں حکم قرآنی ہیں مگر ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے۔

۱۲؎ یعنی شعر۔

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم　　　　ازیں مے ہمچو من بسار شد مست

ع　　　　ایک میں ہی نہیں عالم ہے طلبگار تیرا

۱۳؎ کیوں عطا کئے،عاقل تو یہ کہتے ہیں کہ نشانی کے طور پر تاکہ معلوم ہو کہ حضور کے بھیجے ہوئے ہیں۔عاشق کہتے ہیں نہیں صحابی سچے ہیں ان کی ہر بات بغیر نشانی مانی جاتی ہے۔منشاء یہ ہے کہ آگے صرف "لاالٰہ الااللہ" کا ذکر ہے،ابوہریرہ کو کفش بردار بنا کر یہ بتایا کہ کلمہ اور توحید اس کا معتبر ہے جو ہمارا کفش بردار ہو،اس میں تبلیغ قولی کے ساتھ تبلیغ عملی بھی ہے،عشق کی تفسیر سے حدیث پر کوئی اعتراض نہ رہا،کفش برداری میں سارے عقائد و اعمال آگئے،ان کا نعلین بردار یقینًا جنتی ہے۔

۱۴؎ سبحان اللہ! کیا لطیف اشارہ ہے یعنی یہ بشارت ہر شخص کو نہ دینا کہ ہر کوئی یہ راز سمجھے گا نہیں، صرف جناب عمر کو بتانا جو تمہیں اس باغ کے پیچھے ہی مل جائیں گے،جو ہمارے راز دار ہیں۔

۱۵؎ یعنی ان سے کہہ دو کہ تم جنتی ہو۔یقیناًاس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور کو یہ خبر تھی کہ حضرت ابوہریرہ کو پہلے حضرت عمر ہی ملیں گے۔دوسرے یہ کہ حضرت عمر یقینی لازمی جنتی ہیں۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی سعادت وشقاوت کی خبر ہے۔چوتھے یہ کہ مسلمان کو زبان سے کلمہ طیبہ پڑھنا ضروری ہے صرف عقیدے پر کفایت نہ کرے،زبان سے اقرار بھی کرے۔پانچویں یہ کہ اس قسم کی احادیث عوام تک بغیر شرح نہ پہنچائی جاویں،اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قید لگادی کہ جو تمہیں اس باغ کے پیچھے مسلمان ملے صرف اسے بشارت دو۔

۱۶؎ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ظہور ہے کہ فرمایا تھا جو تمہیں اس باغ کے پیچھے ملے،ملاقات حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تفسیر ہے۔

۱۷؎ یہاں تھوڑا مضمون پوشیدہ ہے،یعنی مجھ سے فرمایا لوٹ چلو،میں نہ مانا،تب آپ نے مجھے مارا کیونکہ بغیر کچھ کہے سنے مارنا عقل کے خلاف ہے۔(مرقاۃ)اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں مارنا مقصود نہ تھا بلکہ آگے جانے سے روکنا اور منہ پھیر کر مجبورًا واپس کرنا تھا۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کمزور تھے۔اس تھوڑی سی حرکت دینے سے گر پڑے اور اگر مارا ہی ہو تب بھی حرج نہیں کہ جناب عمر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے مثل استاد یا کم از کم بڑے بھائی کی طرح تھے۔

۱۸؎ خیال رہے کہ اس فرمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہیں،مقصد یہ ہے کہ اے ابوہریرہ! تم تعمیل کرچکے ہو،میں تمہیں مل گیا تم نے مجھے فرمان سنادیا۔حدیث اپنے انتہا کو پہنچ گئی،اس کی عام اشاعت کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ حدیث کا مبداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حدیث کا منتہی مجتہد ہیں۔عوام براہ راست حدیث رسول پر عمل نہ کریں بلکہ مجتہد سے سمجھ کر عمل کریں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَعَلِمَهُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ"حدیث وقرآن طب روحانی کی دوائیں ہیں۔کسی طبیب روحانی کے مشورہ سے استعمال کرو ورنہ مارے جاؤ گے۔یہ حدیث تقلید آئمہ کی قوی دلیل ہے۔

۱۹؎ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پناہ لی جیسے بچہ مادر مہربان کی۔خیال رہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہاں آکر روئے وہاں نہ روئے تھے کیونکہ مظلوم فریادرس کو دیکھ کر رویا کرتا ہے۔

۲۰؎ یہ عرب کا محاورہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں پر قرض سوار ہوگیا یعنی غالب آگیا۔

۲۱؎ یعنی اس کام کے لیے یہاں سے آگے نہ بڑھو خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس چلو یا اور کام کیلئے جاؤ۔

۲۲؎ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے پر نہ کہ انہیں مارنے پر،جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے۔اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ شکایات وغیرہ میں اکثر ایک کی خبر معتبر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ سے گواہی مانگی اور نہ جناب عمر سے اقرار کرایا صرف لوٹانے کی وجہ پوچھی۔

۲۳؎ یہ عرض معروض بارگاہ نبوی کے آداب میں سے ہے نہ کہ حضرت ابوہریرہ پر بدگمانی کی بنا پر کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں،ان کی خبریں معتبر،جب شاہی کارندے کے کسی کام پر بادشاہ سے عرض معروض کرنا ہو تو پہلے بادشاہ سے تصدیق کرلینی ادب دربار ہے۔

۲۴؎ خیال رہے کہ اس جگہ ایک چیز کا ذکر نہیں آیا یعنی اس باغ کے پیچھے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عمر راز دار پیغمبر ہیں دلی رازوں سے خبردار ہیں۔

۲۵؎ یعنی آیندہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو عام لوگوں سے یہ کلام کرنے کی اجازت نہ دیں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مشورہ کی پیش کش ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی۔رب فرماتا ہے "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ"اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عتاب نہ کیا بلکہ آپ کا مشورہ قبول کرلیا۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جناب عمر کی عقل و دانائی حضور سے زیادہ ہے۔اس حدیث کا راز کچھ اور ہی ہے جو ہم پہلے عرض کرچکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اپنے موقع پر پہنچ چکا،تعمیل ارشاد ہوچکی۔

۲۶؎ یعنی وہ نومسلم لوگ جو ابھی تک منشاء کلام سمجھنے کے لائق نہیں ہیں وہ ظاہر الفاظ سُن کر اعمال ہی چھوڑ بیٹھیں گے اور سمجھیں گے کہ نجات کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا کافی ہے،اس لئے موجودہ زمانے کے اہل حدیث حضرات کو عبرت پکڑنی چاہئیے جو ہر حدیث پر بلا سوچے سمجھے عمل کرنے کے مدعی ہیں۔آیات قرآنیہ پر بھی اندھا دھند گرنا حرام ہے،رب فرماتا ہے:"وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا"۔

۲۷؎ یعنی تمہاری رائے منظور ہے،بہت درست ہے۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے جناب حضرت ابوہریرہ کا نہ قصاص دلوایا نہ ان سے معافی دلوائی۔کیونکہ حضرت عمر مجتہد ہیں۔اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ محض محدّث،مجتہد استاد ہیں،محدث شاگرد،استاد پر شاگرد کا قصاص لازم نہیں اگرچہ غلطی سے سزا دیدے۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے خطاءً ہارون علیہ السلام کے بال پکڑ کر کھینچے مگر رب نے ان سے قصاص نہ دلوایا(قرآن حکیم)ہماری اس شرح سے حسب ذیل سوالات اٹھ گئے۔

(۱)حضرت ابوہریرہ کو باغ کا دروازہ نظر کیوں نہ آیا نالی کیوں نظر آئی(۲)آپ دوسرے کے باغ یا مکان میں بلا اجازت کیوں گئے(۳) آپ نے پہلے سلام کیوں نہ کیا(۴)حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نعلین شریف کیوں عطافرمائیں(۵)حضرت عمر نے اشاعت حدیث سے جناب ابوہریرہ کو کیوں روکا(۶)انہیں مارا کیوں(۷)حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کیوں کرائی(۸)حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمان کے اشاعت نہ کرنے کی رائے کیوں دی(۹)حضور نے ان کی رائے قبول کیوں کرلی(۱۰)حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس مار کا بدلہ کیوں نہ لیا گیا۔

40 [39] عن معاذ بن جبل رضي الله عنه.قال:" قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم:"مفاتيح الجنة شهادة أن لا إله إلا الله" رواه أحمد.	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی چابیاں؎ کلمہ شہادت ہے کہ رب کے سوا کوئی معبود نہیں۔اسے احمد نے روایت کیا۔

؎ یعنی بغیر درستیٔ عقیدہ کوئی شخص جنت میں نہیں جاسکتا اور درستیٔ عقائد خود جنت اور وہاں کے تمام مقامات کی چابی ہے اس لئے مفاتیح جمع فرمایا گیا یعنی وہاں کے ہر مقام کی چابی کلمہ طیّبہ ہے،ہم پہلے عرض کرچکے کہ کلمہ سے مراد سارے عقائد اسلامیہ ہیں،لہذا منافقین اور مرتدین اگرچہ عمر بھر کلمہ پڑھیں مگر جنتی نہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضور کے صحابہ میں سے بعض حضرات اس قدر غمگیں ہوئے کہ بیماری وہم میں مبتلا ہونے کے قریب ہوگئے ؎ حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں بھی

ان میں تھا ایک میں بیٹھا تھا کہ عمر فاروق گزرے مجھے سلام کہا لیکن مجھے مطلقًا شعور بھی نہ ہوا۲؎ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر سے میری شکایت کی۳؎ پھر وہ دونوں حضرات میرے پاس تشریف لائے اور دونوں نے مجھے سلام کیا۴؎ ابو بکر نے مجھ سے فرمایا کہ کیا باعث ہوا کہ تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب نہ دیا میں نے کہا میں نے تو ایسا نہ کیا عمر بولے۵؎ خدا کی قسم تم نے یہ کیا میں نے کہا خدا کی قسم مجھے نہ یہ خبر کہ تم گزرے نہ یہ کہ تم نے مجھے سلام کیا۔ابو بکر صدیق نے فرمایا عثمان سچے ہیں اے عثمان تمہیں کسی الجھن نے پھنسالیا۶؎ اس سے بے خبر کردیا میں نے کہا ہاں فرمایا وہ الجھن کیا ہے میں نے کہا کہ اللہ نے اس سے پہلے ہی اپنے نبی کو وفات دے دی کہ ہم حضور سے اس چیز کی نجات کے متعلق پوچھیں ۷؎ ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضور سے پوچھ لیا ہے ۸؎ میں آپ کی خدمت میں کھڑا ہو گیا۹؎ اور کہا اے ابو بکر تم پر میرے ماں باپ فدا یہ تمہارا ہی حق ہے ۱۰؎ ابو بکر نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس چیز کی نجات کیسے ہوگی ۱۱؎ حضور نے فرمایا جو میری وہ بات مان لے جو میں نے اپنے چچا پر پیش کی تھی ۱۲؎ انہوں نے رَد کردی تھی ۱۳؎ تو یہ بات اس کی نجات ہے۔(احمد)

۱؎ یعنی زیادتی غم کی وجہ سے وہم کی بیماری ہوگئی،مت کٹ گئی، عقل ٹھکانے نہ رہی یا یہ وسوسہ دل میں آنے لگا کہ اسلام کیسے باقی رہے گا اس کا والی چلا گیا، قافلہ سالار رخصت ہوگیا،اب یہ قافلہ کیسے سنبھلے گا۔یہ تمام خیالات غیر اختیاری تھے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر رنج و غم سنت صحابہ ہے، مگر پیٹنا ماتم کرنا ممنوع ہے۔

۲؎ یعنی عمر فاروق نے بآواز بلند سلام کیا مگر میرے کان میں ان کی آواز نہ پہنچی۔زیادتی غم میں سامنے رکھی چیز نظر نہیں آتی۔

۳؎ کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ شاید حضرت عثمان مجھ سے ناراض ہیں۔اس لئے انہوں نے سلام کا جواب اتنا آہستہ دیا کہ میں نہ سن سکا۔یہ خیال نہ کیا کہ جواب ہی نہ دیا کیونکہ جوابِ سلام فرض ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے کسی کی شکایت کرنا خصوصًا بغرض اصلاح غیبت نہیں،بلکہ سنت صحابہ ہے۔

۴؎ جناب عمر تو منانے کی نیت سے آئے اور حضرت صدیق اصلاح کے ارادے سے۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی شکایت سن کر دل پر نہ رکھ لے بلکہ دور کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ جماعت میں سے ایک کا سلام کرنا کافی ہوتا ہے۔لیکن یہاں موقع ہی ایسا تھا کہ دونوں نے الگ الگ سلام کیا یا یہ دونوں حضرات آگے پیچھے عثمان غنی کے پاس گئے ہوں گے۔

۵؎ یعنی نہ مجھ پر یہ گزرے،نہ مجھے سلام کیا،اور نہ میں نے ان کے جواب میں کوتاہی کی،یہ جھوٹ نہیں بلکہ اپنے علم کی بنا پر ہے۔

۶ یعنی تم کچھ سوچ رہے تھے جس کی وجہ سے نہ دیکھ سکے نہ سن سکے تم دونوں سچے ہو۔

۷ چیز سے مراد یا تو دین ہے یعنی دین اسلام میں دوزخ سے نجات کا مدار کس چیز پر ہے،اگرچہ عثمان غنی خود ہی روایت فرما چکے ہیں کہ نجات کا مدار کلمہ طیبہ ہے،اس رنج و غم میں اپنی روایت خود بھول گئے،یا چیز سے مراد وسوسۂ شیطانی ہے،کبھی ہمارے دلوں میں بڑے خراب خیالات آتے ہیں۔ایسا کون سا عمل کیا جائے گا جس کی برکت سے یا تو وسوسہ سے ہی نجات ملے یا اس کے نتیجہ سے یہی ظاہر ہے۔

۸ اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بھی یاد ہے۔

۹ یعنی خوشی کی وجہ سے معلوم ہوا کہ خوشی کی خبر سن کر کھڑا ہو جانا سنت عثمانی ہے۔بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا کو دیکھ کر خوشی میں کھڑے ہو جاتے تھے۔لہذا میلاد شریف میں ذکر ولادت پر کھڑا ہو جانا سنت سے ثابت ہے،یہ قیام فرحت و سرور ہے یہ اس کا مأخذ،اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔

۱۰ یعنی تم جیسے بزرگوں کے ہی لائق تھا کہ ایسی باتیں حضور سے پوچھ کر ہم تک پہنچاتے کیونکہ تم علم پر حریص ہو۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب اسرار ہو۔

۱۱ یعنی شیطانی وسوسہ یا اس کے نتیجہ سے ہم کیسے بچیں یا دینی چیزوں میں نجات کا مدار کس چیز پر ہے۔

۱۲ چچا ابو طالب پر ہمیشہ ہی کلمہ طیبہ پیش فرمایا،خصوصیّت سے ان کی وفات کے وقت حضور نے فرمایا چچا اب بھی پڑھ تو نجات پاؤ گے۔خیال رہے کہ ابو طالب حضور کی حقانیت کے قائل تھے۔انہوں نے حضور کی بڑی خدمتیں کیں مگر زبان سے کلمہ نہ پڑھا اس لیے انہیں شرعًا مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔

۱۳ یعنی زبان سے نہ پڑھا تھا۔اگرچہ دل سے اقرار تھا ابو طالب کا کلمہ نہ پڑھنا حضور کی حفاظت کی نیت سے تھا اس وجہ سے کہ کفار مکہ میرا لحاظ کریں اور میرے لحاظ سے حضور کو نہ ستائیں،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو طالب کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑنے پر مجبور نہ ہوئے،ان کی وفات کے بعد ہی ہجرت کرنا پڑی۔ایمان ابی طالب کی بحث ہماری کتاب تفسیر نعیمی میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت مقداد سے ۱ انہوں نے حضور کو فرماتے سنا کہ روئے زمین پر کوئی اونی خیمہ اور کچا گھر ۲ نہ رہے گا مگر اللہ اس میں اسلام کا کلمہ پہنچادے گا عزت والوں کی عزت اور ذلیلوں کی ذلت کے ساتھ ۳ یا تو اللہ انہیں عزت دے گا کہ انہیں کلمہ والا بنادے گا یا انہیں ذلیل کردے گا وہ دین کی اطاعت کریں گے میں نے دل میں کہا کہ پھر تو پیارا دین اللہ کا ہی ہوگا۔(احمد)

۱ آپ کا نام مقداد ابن عمرو ابن ثعلبہ کندی ہے مگر مشہور ہیں مقداد بن اسود کے نام سے،اس لئے کہ آپ اسود کی پرورش میں رہے،آپ جلیل القدر صحابی اور چھٹے مؤمن ہیں۔نوّے سال کی عمر پاکر ۳۳ھ میں مدینہ منورہ سے تین میل دور مقام جرف میں وفات پائی،لوگ آپ کی میت شریف کو کندھوں پر اٹھا کر لائے اور جنت البقیع میں دفن کیا۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ زمین سے مراد عرب کی زمین ہے۔اونی گھر سے مراد بدویوں کے خیمے ہیں اور کچے گھر سے مراد عام شہریوں کے مکانات یعنی عرب میں کوئی گاؤں یا شہر ایسا نہ رہے گا جہاں اسلام داخل نہ ہو جائے۔خدا کے فضل سے یہ پیش گوئی پوری ہو چکی اور اگر ساری دنیا مراد ہو تو اس حدیث کا ظہور قرب قیامت یعنی حضرت مسیح کے نزول اور امام مہدی کے ظہور پر ہوگا کہ سارے مسلمان ہو جائیں گے۔

۳؎ یعنی بعض لوگ بخوشی مسلمان ہوں گے،وہ عزت پائیں گے اور بعض مجبورًا زبان سے کلمہ پڑھیں گے،وہ ذلیل رہیں گے۔یا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ مسلمان ہو کر عزت پائیں گے اور بعض اسلام سے انکار کرکے مسلمانوں کے باجگزار بنیں گے،اس صورت میں پہلی جز کے کچھ اور معنی ہوں گے،اس کی تفسیریں اور بھی کی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت وہب ابن منبہ سے۱؎ کہ ان سے عرض کیا گیا کہ کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی چابی نہیں ۲؎ فرمایا ہاں ہے لیکن کوئی چابی دندانہ بغیر نہیں ہوتی ۳؎ تو اگر تم دندانہ والی چابی لے کر آؤ گے تو تمہارے لئے دروازہ کھلے گا ورنہ نہ کھلے گا ۴؎(بخاری ترجمہ باب)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،وطن فارس،قیام گاہ یمن کا علاقہ صنعاء ہے،آپ جلیل القدر تابعی ہیں،یمن کے قاضی تھے، ۱۱۴ھ میں وفات پائی،حضرت جابر اور ابن عباس سے ملاقات اور سماعت ثابت ہے۔

۲؎ مسلمانوں میں ایک فرقہ مرجیہ تھا جن کے نزدیک عمل کی کوئی ضرورت نہ تھی،اسلام لاکر بدترین گناہ بھی برانہ جانتے تھے۔سائل ان میں سے کوئی تھا۔منشاء سوال یہ ہے کہ جب کلمہ طیّبہ جنت کی چابی ہے تو نیک اعمال کی کیا ضرورت ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا نفیس مثال ہے،یعنی کلمہ طیبہ چابی کی ڈنڈی ہے اور ارکان اسلام روزہ نماز وغیرہ اس کے دندانے جیسے چابی میں دانتوں کی ضرورت ہے ایسے ہی مسلمان کے لئے ارکان اربعہ ضروری ہیں۔

۴؎ یعنی بدعمل مسلمان اوّلًا جنت میں نہ جائے گا۔"اِلَّا اِنۡ یَّشَاءَ اللّٰہُ"۔اس مسئلے کی تحقیق پہلے ہوچکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنا اسلام ٹھیک کرے ۱؎ تو جو نیکی بھی کرے گا وہ دس گناہ لکھی جاوے گی سات سو گناہ تک ۲؎ اور ہر برائی جو کر بیٹھے گا وہ ایک گناہ ہی لکھی جاوے گی ۳؎ یہاں تک کہ رب سے ملے۔(مسلم و بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ تمام عقائد اسلامیہ کا دل سے اعتقاد رکھے،زبان سے اقرار کرے،رب فرماتا ہے:"مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ"۔

۲؎ یعنی کم از کم دس گناہ،زیادہ سات سو گناہ،جیسا اخلاص اور موقع ویسا ثواب یہ قانون ہے،فضل کی حد نہیں۔اس حدیث میں دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے کہ ایک "فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا" دوسری "مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ" الخ۔خیال رہے کہ یہ ان نیکیوں کا ذکر ہے جو عام کی جائیں ورنہ مدینہ طیبہ کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار اور مکہ مکرمہ کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳؎ یہ بھی عام گناہوں کا بیان ہے ورنہ مکہ معظّمہ کا ایک گناہ ایک لاکھ ہے،ایسے ہی موجد گناہ پر تمام گناہگاروں کا عذاب۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے ۱؎ فرمایا کہ جب تمہیں اپنی نیکی	

خوش کرے اور اپنی برائی غمگیں کرے تو تم کامل مؤمن ہو ۲؎ عرض کیا کہ یارسول اللہ گناہ کیا ہے۔فرمایا جو چیز تمہیں دل میں چبھے اسے چھوڑ دو ۳؎(احمد)	

۱؎ یعنی مؤمن ہونے کی پہچان جس سے میں سمجھ سکوں کہ اب میں مؤمن ہوگیا۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا نفیس پہچان ہے ۳ قسم کے لوگ ہیں:(۱) غافل (۲) عاقل (۳) کامل۔غافل: وہ گناہوں پر خوش اور نیکی پر مغموم ہو، جیسے کفار یا بعض فساق۔عاقل: وہ جو نیکی کو اچھا اور گناہ کو اپنی عقل سے برا سمجھے مگر عملاً بے پرواہ ہو۔کامل: وہ جس کے قلب کا رنگ بدل گیا ہو نیکی پر ایسا خوش ہو جیسے بادشاہت مل گئی گناہ پر ایسا غمگیں ہو جیسے سب مال واولاد تباہ ہوگئے یہ درجہ بہت اعلیٰ ہے۔اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔

۳؎ یعنی مؤمن کامل کا دل ہی گناہ و ثواب میں فرق کرلیتا ہے۔جیسے نفس انسانی مکھی ہضم نہیں کرتا قے کرلیتا ہے ایسے ہی نفس ایمانی گناہ برداشت نہیں کرتا۔یہ حدیث ان لوگوں کے لیے ہے جوان صحابی جیسے کامل مؤمن ہوں ہم جیسے گنہگاروں کے لیے نہیں، ہم تو بہت دفعہ برائیوں کو نیکیاں سمجھ لیتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن عبسہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ حضور اسلام میں آپ کے ساتھ کون کون ہے فرمایا ایک غلام ایک آزاد ۲؎ میں نے عرض کیا اسلام کیا ہے ۳؎ فرمایا اچھی بات کرنا کھانا کھلانا ۴؎ میں نے پوچھا ایمان کیا ہے ۵؎ فرمایا صبر اور سخاوت ۶؎ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کون سا اسلام بہتر ہے فرمایا جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں فرماتے ہیں میں نے پوچھا کونسا ایمان افضل ہے فرمایا اچھے عادات ۷؎ فرماتے ہیں پوچھا نماز کونسی افضل ہے ۸؎ فرمایا لمبا قیام ۹؎ فرماتے ہیں میں نے پوچھا ہجرۃ کونسی بہتر ہے ۱۰؎ فرمایا یہ کہ جو رب کو ناپسند ہو اسے چھوڑ دو ۱۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ جہاد کونسا بہتر ہے فرمایا جس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے جاویں اور اس کا خون بہادیا جاوے ۱۲؎ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا گھڑی کون سی بہتر ہے ۱۳؎ فرمایا آخری رات کا درمیانی حصہ ۱۴؎(احمد)	

۱؎ آپ کی کنیت ابو شیخ ہے، قبیلہ بنی سلمہ سے ہیں، قدیم الاسلام صحابی ہیں، چنانچہ آپ چوتھے مسلمان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم بنی سلیم میں رہے۔خیبر کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہیں قیام کیا۔

۲؎ یعنی اب تک ابوبکر صدیق اور بلال ایمان لاچکے ہیں، چونکہ حضرت علی بچے تھے، حضرت خدیجہ بی بی تھیں۔اس لئے ان کا ذکر نہ فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ اسلام میں غلام وآزاد ہر قسم کے لوگ داخل ہیں یہی معنی زیادہ قوی ہیں۔

۳؎ یعنی مسلمان کی خصوصی خصلتیں کیا ہیں یا کمال اسلام کیا ہے۔

۴؎ یہ اسلامی اخلاق ہیں، اچھی بات میں کلمہ طیبہ، دین کی تبلیغ، لوگوں کو برائیوں سے سختی سے روکنا، نرم کلام سب شامل اور کھلانے میں مہمان نوازی، مسافروں اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا، بچوں کو پالنا سب داخل ہیں۔
۵؎ یعنی ایمان کا نتیجہ اور پھل اور مؤمن کی علامت۔
۶؎ صبر کی بہت قسمیں ہیں۔عبادت پر صبر، گناہ سے صبر، مصیبت میں صبر، یعنی ہمیشہ عبادت کرنا، کبھی گناہ نہ کرنا مصیبت میں گھبرا نہ جانا، ایسے ہی علم کی سخاوت، مال کی سخاوت، دین کی سخاوت سب اس میں شامل ہیں۔
۷؎ اچھے خلق اللہ کی بڑی نعمت ہیں یہ ہمارے حضور کو بطور معجزہ عطا ہوئے، رب فرماتا ہے: "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" خلق حسن وہ عادت ہے جس سے خالق بھی راضی رہے مخلوق بھی، یعنی نفس کے معاملے میں درگزر اور معافی دین کے معاملے میں سخت پکڑ۔
۸؎ یعنی نماز کا کون سا رکن یا کون سی صفت افضل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ارکان نماز آپس میں یکساں نہیں۔
۹؎ قنوت کے معنی اطاعت، عاجزی، نماز، دُعا، خاموشی اور قیام ہے۔یہاں یا عاجزی یا خشوع مراد ہے، یا قیام، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔خیال رہے کہ بعض کے نزدیک سجدہ افضل ہے اور بعض کے ہاں قیام افضل، بعض کے خیال میں رات کی نماز میں لمبا قیام افضل اور دن کی نماز میں زیادہ سجدے بہتر، مگر امام صاحب کے یہاں لمبا قیام بہتر ہے کیونکہ اس میں مشقت اور خدمت زیادہ ہے، یعنی اگر ایک گھنٹہ نوافل پڑھنے ہیں تو بجائے چھوٹی بیس رکعتوں کے لمبی چار رکعتیں پڑھے یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔جن روایتوں میں زیادتی سجدہ کو افضل کہا گیا ہے وہاں کوئی خاص سبب ہے۔
۱۰؎ ہجرتیں بہت سی قسم کی ہیں: مکّہ سے حبشہ کی طرف، مکّہ سے مدینہ کی طرف، کفرستان سے دارالاسلام کی طرف، جہالت کی جگہ سے علم کے مقام کی طرف، علم سیکھنے کے لیے گناہوں سے نیکیوں کی طرف، کفر سے اسلام کی طرف۔(مرقاۃ)
۱۱؎ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی سب سے بچو کہ یہ اعلیٰ ہجرت ہے۔خیال رہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہو خدا کو بھی پسند نہیں۔
۱۲؎ یعنی غازی میدان جہاد سے نہ جان سلامت لائے نہ مال، غنیمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔جہاد میں جس قدر مشقت زیادہ اسی قدر ثواب زیادہ۔
۱۳؎ یعنی نفل کے لیے کون سا وقت بہتر ہے۔فرائض کے اوقات کا سوال نہیں ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔
۱۴؎ یعنی آخری تہائی رات کے تین حصے کرو اس کے درمیانی حصے میں تہجد پڑھو گویا رات کے چھٹے حصے میں اس ہی وقت سحری کھانا دعائیں مانگنا بلکہ استغفار کرنا افضل ہے کیونکہ اس وقت رحمت الٰہی دنیا کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور اس وقت جاگنا نفس پر شاق ہے۔

پچھلی راتیں رحمت ربدی گھر گھر کرے آوازہ ۔ سونے والیو رب کرلو کھلا ہے دروازہ

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو۱؎ پانچوں نمازیں اور رمضان کے روزے ادا کرتا ہو وہ بخشا جاوے گا۲؎ میں نے کہا کہ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں فرمایا انہیں رہنے دو کہ عمل کرتے رہیں۳؎

۱؎ یعنی سارے عقائد اسلام کے رکھتا ہو نجات کے لیے صرف عقیدۂ توحید کافی نہیں ورنہ شیطان بھی موحّد ہے اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہو کہ ان جیسی نصوص میں شرک سے مراد کفر ہے۔

۲؎ اوّل ہی سے یا آخر کار چونکہ اس قت تک جہاد، زکوۃ، وحج فرض نہ ہوئے تھے۔ یا ہر شخص ان کے قابل نہیں لہٰذا اُن کا ذکر نہیں ہوا، بخشش سے مراد گناہ صغیرہ کی بخشش ہے ورنہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ اور حقوق العباد بغیر ادا معاف نہیں ہوتے "اِلَّا اَنۡ یَّشَاءَ رَبُّنَا "۔

۳؎ یعنی عوام میں مجمل حدیث مت پھیلاؤ کہ وہ اس کا مطلب سمجھیں گے نہیں اور عمل میں کوشش چھوڑ دیں گے۔ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ان احادیث کا بعد میں اشاعت فرمانا اس لئے تھا کہ علم دین چھپانے کا جرم نہ عائد ہو جائے، نیز ایسی حدیثیں مجتہدین کے ذریعہ عوام کے لیے مفید ہے۔

انہیں سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل ایمان کے متعلق ۱؎ پوچھافرمایا یہ ہے کہ تم اللہ کے لئے محبت و عداوت کرو اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو ۲؎ عرض کیا اور کیا یارسول اللہ؟ فرمایا کہ لوگوں کے لئے وہ ہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو اور ان کے لئے وہ ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔(احمد)	

۱؎ یعنی مؤمن کا کون سا حال اور کونسی خصلت بہتر ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔

۲؎ تاکہ ذکر کی برکت زبان تک پہنچے اور اس سے ایمان کی قوت حاصل ہو جو زبان ذکر اللہ سے تر رہے گی۔وہ ان شاء اللہ دوزخ کی آگ سے نہ جلے گی۔

باب الکبائر وعلامات النفاق

بڑے گناہوں اور نفاق کی علامتوں کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ گناہ کبیرہ یا تو وہ ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو،یا وہ جس پر شریعت نے کچھ سزا مقرر کی ہو،یا وہ جس سے دین کی توہین ہو،یا ہر گناہ چھوٹے گناہ کے لحاظ سے کبیرہ ہے،یا جس چھوٹے گناہ پر ہمیشگی کی جائے وہ کبیرہ ہے،یا ایک ہی گناہ ایک کے لئے صغیرہ اور دوسرے کے لیے کبیرہ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ"،یا ایک کے لحاظ سے صغیرہ دوسرے کے لحاظ سے کبیرہ۔مسلمان کی توہین گناہ صغیر ہے،علماء مشائخ کی توہین گناہ کبیرہ،نبی،یا قران،یا کعبہ کی توہین کفر،گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامت میں عموم مِنْ وَجْہٍ ہے۔

روایت ہے عبداللہ ابن مسعود سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا حضور کون سا گناہ ۲؎ بہت بڑا ہے اللہ کے ہاں فرمایا یہ کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراؤ۔حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا۳؎ عرض کیا پھر کون سا گناہ۔فرمایا یہ کہ اپنی اولاد اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے۴؎ عرض کیا پھر کون سا گناہ فرمایا یہ کہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو ۵؎ تب اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت اتاری اور وہ جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور نہ اس جان کو ناحق قتل کریں جسے اللہ نے حرام کیا ۶؎ اور نہ زنا کریں۔	

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور ابن امّ عبد ہے،قبیلہ بنی حزیل سے ہیں،قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابی ہیں۔عمر فاروق سے پہلے اسلام لائے،صاحبِ ہجرتین ہیں کہ اول حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ پاک کی جانب ہجرت کی،بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین بردار اور صاحب اسرار تھے،سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک اور پانی لوٹا آپ کے ساتھ رہتا تھا۔عہد فاروقی میں کوفہ کے قاضی رہے،عہد عثمانی میں مدینہ پاک آگئے،ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی ۳۲ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی،جنت بقیع میں دفن ہوئے،خلفاء راشدین کے بعد بڑے فقیہ اور عالم صحابی آپ ہیں،امام ابوحنیفہ اکثر آپ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ شرعًا بری چیز کا نام گناہ ہے۔اس کی چار قسمیں ہیں:ایک وہ جو بغیر توبہ معاف نہ ہو،جیسے کفر و شرک۔دوسرے وہ جو نیک اعمال کی برکت سے بھی معاف ہوجائے،جیسے گناہ صغائر۔تیسرے وہ کہ جن کے بغیر توبہ معاف ہونے کی بھی امید ہو،جیسے حقوق اللہ کے کبیرہ گناہ۔چوتھے وہ کہ جن کی معافی کیلئے توبہ کے ساتھ مخلوق کو بھی راضی کرنا پڑے جیسے حقوق العباد۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی شرک و کفرکہ یہ اکبرالکبائر ہے۔

۴؎ جیسا کہ عرب میں دستور تھا کہ غریب لوگ خرچ کے خوف سے بیٹے اور بیٹیوں دونوں کو قتل کردیتے تھے۔چونکہ اس میں بے قصور جان کو قتل کرنا اور اپنے قرابت دار پر ظلم کرنا اور خدا کی رزاقیت پر اعتقاد نہ کرنا تینوں باتیں جمع ہیں،اس لئے اس کا درجہ کفر و شرک کے بعد رکھا گیا۔

۵؎ کہ زنا خود گناہِ کبیرہ ہے اور اس میں پڑوسی کے حق کا برباد کرنا بھی ہے۔کیونکہ ہر شخص اپنے پڑوسی پر اعتماد کرتا ہے اورا س کے جان و مال آبرو کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔خیال رہے کہ یہاں گناہ کبیرہ صرف چار بیان فرمائے گئے۔ضرورت اور موقعہ کے لحاظ سےعبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ ۷۰ ہیں اور سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ ۷۰۰ ہیں۔(مرقاۃ)یعنی گناہ کبیرہ کی انواع ۷۰ اور افراد ۷۰۰۔

۶؎ اس آیت میں حَرَّمَ اللہُ سے مراد مؤمن،کافر،ذمی اور مستامن ہیں۔اِلا بالحق میں ان جرموں کی طرف اشارہ ہے جن کی سزا قتل ہے جیسے مرتد ہوجانا،یا زنا،یا ظلمًا قتل یعنی مؤمن ان تین میں سے کوئی جرم کرے گا قتل کیا جائے گا۔

	روایت ہے عبداللہ ابن عمر و سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شرک باللہ،ماں باپ کی نافرمانی ۱؎ جان کا قتل، جھوٹی قسم ۲؎ بڑے گناہ ہیں اسے بخاری نےروایت کیا۔

۱؎ یعنی ان کے حقوق ادا نہ کرنا،یا ان کے جائز حکموں کی مخالفت کرنا،ماں باپ کے حکم میں دادا و دادی اور نانا اور نانی بھی ہیں۔اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی نافرمانی بدترین جرم ہے کہ شرک کے بعد اس کا ذکر فرمایا گیا۔اسی لئے رب نے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ کی اطاعت کا ذکر کیا کہ فرمایا:"اَلَّا تَعْبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالْوٰلِدَیۡنِ اِحْسٰنًا "۔

۲؎ غموس قسم وہ ہے جو دیدہ ودانستہ گزشتہ واقعہ پر جھوٹی کھائی جائے اس میں گناہ ہے کفارہ نہیں،یہ قسم انسان کو گناہ میں ڈبو دیتی ہے اس لئے اس غموس کہتے ہیں۔چونکہ جھوٹ اور جھوٹی قسم ہزار ہا گناہوں کی جڑ ہے۔اس لیے یہ گناہ کبیرہ ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سائلین کے حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔

	حضرت انس کی روایت میں بجائے جھوٹی قسم کے جھوٹی گواہی ہے۔(بخاری،مسلم)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہلاکت کی چیزوں سے بچو۔لوگوں نے پوچھا حضور وہ کیا ہیں؟فرمایا اللہ کے ساتھ شرک ۱؎جادو ۲؎،اور ناحق اس جان کو ہلاک کرنا جو اللہ نے حرام کی،اور سود خوری ۳؎،یتیم کا مال کھانا ۴؎،جہاد کے دن پیٹھ دکھادینا ۵؎،پاکدامن مؤمنہ بے خبر بیبیوں کو بہتان لگانا ۶؎(بخاری،مسلم)

۱؎یعنی مطلقًا کفر کیونکہ کوئی کفر گناہ صغیرہ نہیں سب کبیرہ ہیں۔

۲؎یعنی جادو کرنا یا بلا ضرورت جادو سیکھنا۔خیال رہے کہ جادو اتارنے کے لیے جادو سیکھنا جائز بلکہ ضروری ہے۔اگر جادو میں الفاظ کفریہ ہیں تو جادوگر مرتد ہوجاتا ہے۔ورنہ فقط مفسد دونوں قسم کے جادوگر واجب القتل ہیں۔پہلا ارتداد اور فساد کی وجہ سے اور دوسرا فقط فساد کی بناء پر۔(ازاشعۃ اللمعات)

۳؎یعنی سود لینا خواہ کھائے خواہ پہنے یا کسی اور کام میں لائے۔اس سے معلوم ہوا کہ سود لینا گناہ کبیرہ ہے نہ کہ دینا۔

۴؎یعنی ظلمًا اس کا مال مارنا کیونکہ یتیم رحم کے قابل ہے اس پر ظلم بدترین گناہ ہے۔

۵؎یعنی کفار کے مقابلہ سے بھاگ جانا کیونکہ اس میں غازیو ں کو نقصان پہنچانا ہے اور اسلام کی توہین۔خیال رہے کہ جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ جب ہے کہ بزدلی سے ہو اگر کفار کا دباؤ بڑھ جانے سے مجبورًا مورچہ چھوڑنا پڑے تو اس کا یہ حکم نہیں ایسے موقعہ پر ڈٹ جانا اور شہید ہوجانا افضل ہے لیکن پیچھے پھرجانا گناہ کبیرہ نہیں تدبیر جنگی کی بنا پر پیچھے ہٹنا ثواب ہے۔

۶؎زناکا یعنی جو نیک بخت زنا کو جانتی بھی نہ ہوں انہیں تہمت لگانا گناہ ہے صراحۃً ضمناً لہذا کسی عورت کو غصّہ میں زانیہ یا بدمعاش کہنا بھی اسی میں داخل ہے۔خیال رہے کہ نیک مرد اور چالاک عورتوں کو بھی زنا کی تہمت لگانا گناہ ہے مگر غافلہ عورتوں کو تہمت لگانا بہت زیادہ گناہ ہے جس کی سزا دنیا میں اسی کوڑے اور آخرت میں سخت عذاب۔

تتمّہ

مرقاۃ میں ہے کہ ۱۷گناہ کبیرہ بہت سخت ہیں:چار دل کے:(۱)شرک و کفر(۲)گناہ پر اڑنے کی نیّت(۳)اللہ کی رحمت سے مایوسی(۴)عذاب پر امن۔چار زبان میں:(۱)جھوٹی گواہی(۲)پاک دامنوں کی تہمت(۳)جھوٹی قسم(۴)جادو۔تین پیٹ کے گناہ:(۱)یتیم کا کھانا(۲)شراب پینا(۳)سود کھانا۔دو شرم گاہ کے:(۱)زنا(۲) لواطت۔دو ہاتھ کے:(۱)چوری(۲)ناحق قتل۔ایک پاؤں کا(۱)میدان جہاد سے بھاگ جانا۔ایک سارے بدن کا:(۱)یعنی والدین کی نافرمانی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں ہوتا کہ زانی زنا کرنے کی حالت میں مؤمن ہو ۱؎اور نہ یہ کہ چور چوری کرنے کی حالت میں مؤمن ہو اور نہ یہ کہ شرابی شراب پینے کی حالت میں مؤمن ہو اور نہ یہ کہ ڈاکوڈکیتی

کرنے کی حالت میں مؤمن ہوکہ لوگ اپنے مال کو ترستی نگاہ اٹھا کر دیکھتے رہ جائیں۲ اور نہ یہ کہ خائن خیانت کرنے۳ کی حالت میں مؤمن ہولہٰذا ان سے بچو،ان سے بچو۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ ان تمام مقامات میں یا تو کمال ایمان مراد ہے یا نور ایمان،یعنی ان گناہوں کے وقت مجرم سے نور ایمان نکل جاتا ہے ورنہ یہ گناہ کفر نہیں نہ انکا مرتکب مرتد،اگر اسی حالت میں مارا جائے تو وہ کافر نہ مرے گا۔حدیث شریف میں ہے "وِانْ زَنٰی وِانْ سَرَقَ" یہی تفسیر اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

۲؎ اس ڈاکو کو یعنی ظاہر ظہور مال لوٹ لے اور مالک دفع پر قادر نہ ہوں یا اپنے مال کو یعنی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ جائیں کہ ہائے ہمارا مال چل دیا۔ڈکیتی میں تین جرم ہوئے:غیر کے مال پر ناجائز قبضہ ظاہر ظہور دوسرے کا مال چھین لینا،دل کی سختی کہ لوگوں کی حسرت اور آہ وبکا پر ترس نہ کھائے۔لہٰذا یہ گناہوں کا مجموعہ ہوئی،مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

۳؎ غلول مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔کبھی مطلقًا خیانت پر بول دیا جاتا ہے یہاں دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ قاتل قتل کرنے کی حالت میں مؤمن ہو ۱؎ حضرت عکرمہ ۲؎ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ ان سے ایمان کیونکر نکل جاتا ہے آپ نے فرمایاایسے اور اپنی انگلیوں کو گتھی کردیاپھر انگلیوں کو نکالا۳؎ کہ اگر توبہ کرے تو ایمان اس طرح لوٹ آتاہے۴؎ پھر انگلیاں گتھی کریں ابو عبداللہ فرماتے ہیں۵؎ کہ یہ لوگ کامل مؤمن نہیں رہتے اور نہ اُن میں نور ایمانی رہتاہے۔یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔	

۱؎ قتل سے مراد ظلمًا عمدًا قتل ہے۔لہٰذا حدیث واضح،ورنہ مجرم کو کبھی قتل کرنا عبادت ہے۔

۲؎ عکرمہ ابن(ابوجہل)نہیں ہیں،بلکہ عبداللہ ابن عباد کے آزاد کردہ غلام آپ کے خادم اور کاتب ہیں۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی نور ایمانی مؤمن کے رگ و ریشہ میں ایسے سرایت کیا ہوتا ہے جیسے گتھی ہوئی انگلیاں مگر ان گناہوں کے وقت وہ نور اور ایمانی حیا بالکل نکل جاتے ہیں۔

۴؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ ہر گناہ کی توبہ علیحدہ ہے۔لہٰذا حقوق العبد کی توبہ میں حق کا ادا کردینا شرط ہے۔حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مجرم اچھے القاب سے نہ پکارے جائیں"اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اور اَوۡلِیَآءَ الْمُؤۡمِنُوۡنَ" کے خطاب سے محروم ہیں۔اب ان کے خطاب چور،زانی اور فاسق ہیں۔(مرقاۃ)

۵؎ یعنی محمد بن اسمٰعیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین علامتیں ہیں۱؎ مسلم نے یہ زیادتی بھی بیان کی کہ اگر یہ روزہ رکھے،نماز پڑھے،اپنے کو مسلمان سمجھے۔پھر مسلم و بخاری متفق ہوگئے کہ جب بات کرے جھوٹ بولے،وعدہ کرے تو خلاف کرے،امانت دی جائے تو خیانت کرے۲؎	

۱؎ منافق سے اعتقادی منافق مراد ہیں،یعنی دل کے کافر زبان کے مسلم،یہ عیوب ان کی علامتیں ہیں مگر علامت کے ساتھ علامت والا پایا جانا ضروری نہیں۔کوّے کی علامت سیاہی ہے مگر ہر کالی چیز کوّا نہیں۔

۲؎ یعنی یہ منافقوں کے کام ہیں۔مسلمان کو اس سے بچنا چاہیئے یہ نہیں کہ یہ جرم خود نفاق ہیں۔یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ تینوں جرم کئے تھے مگر وہ نہ منافق ہوئے نہ کافر لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس میں۱؎ چار عیوب ہوں وہ نرا منافق ہے۲؎ اور جس میں ایک عیب ہو ان میں سے اس میں منافقت کا عیب ہوگا جب تک کہ اُسے چھوڑ نہ دے جب امانت دی جائے تو خیانت کرے،جب بات کرے تو جھوٹ بولے،جب وعدہ کرے تو خلاف کرے،جب لڑے تو گالیاں بکے۳؎	

۱؎ یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں ایک چیز کی بہت سی علامتیں ہوتی ہیں کبھی ساری بیان کردی جاتی ہیں کبھی کم و بیش لہذا وہ تین بھی نفاق کی علامتیں تھیں اور یہ چار بھی۔

۲؎ منافق عملی یعنی منافقوں کے سے کام کرنے والا جیسے رب فرماتا ہے:"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" یا حضور فرماتے ہیں۔"مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ" یعنی بے نمازی ہونا کفر عملی ہے۔(کافروں کا ساکام)

۳؎ اس سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جن کے ہاں تبرّا اور گلیاں بکنا عبادت بلکہ اصل ایمان ہے اسلام میں شیطان فرعون و ہامان کو بھی گالیاں دینا براہے کہ اس میں اپنی ہی زبان گندی ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق اس بکری کی طرح ہے جو دو بکروں کے درمیان گھومے۱؎ (چکر لگائے) کبھی	

	اس بکرے کے پاس پہنچ جائے کبھی اس بکرے کے پاس۔

۱؎ دونوں کو راضی کرنے اور دونوں سے لذّت اور نفع حاصل کرنے کے لیے جس سے اس کا بچہ ولدنا معلوم ہو۔خیال رہے کہ کافر ومؤمن سب کو راضی کرنے کی کوشش میں رہنا خطرناک بیماری ہے جس سے اس کا خود اپنا کوئی دین نہیں رہتا۔اسی لئے یہاں ایسی گندی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہو۔اس بیماری نفاق میں آجکل بہت سے صلح کلّی مسلمان مبتلا ہیں۔بعض عقلمندوں کے ہاں تقیہ کرکے کافر و مؤمن سب کو خوش کردینا اور ہر ایک سے نفع حاصل کرلینا عبادت ہے۔خدا ایسی شیطانی عبادت سے بچائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت صفوان ابن عسال سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ یہودی اپنے ساتھی سے بولا کہ مجھے ان نبی کے پاس لے چل ساتھی بولا کہ انہیں نبی نہ کہو۲؎ اگر وہ سن لیں گے تو انکی چار آنکھیں ہو جائیں گی ۳؎ پھر وہ دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کھلی نشانیوں کے بارے میں پوچھا۴؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی چیز کو اللہ تعالٰی کا شریک نہ ٹھہراؤ ۵؎ نہ چوری کرو،نہ زنا کرو،نہ ناحق کسی محترم جان کو قتل کرو،نہ کسی بے قصور کو حاکم کے پاس لے جاؤ تاکہ اسے قتل کردے ۶؎ اور نہ جادو کرو نہ سود کھاؤ ۷؎ نہ پاکدامن کو زنا کا بہتان لگاؤ،نہ جہاد کے دن بھاگنے کے لئے پیٹھ پھیرو ۸؎ اور اے یہودیو تم پر خصوصًا یہ بھی لازم ہے کہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نہ بڑھو ۹؎ راوی فرماتے ہیں کہ تب ان دونوں نے حضور کے ہاتھ پاؤں چومے ۱۰؎ اور بولے ہم گواہ ہیں کہ آپ سچے نبی ہیں ۱۱؎ حضور نے فرمایا پھر تمہیں میری پیروی سے کون چیز روکتی ہے ۱۲؎ وہ بولے کہ داؤد علیہ السلام نے رب سے دعا کی تھی کہ انکی اولاد میں نبوت رہے ۱۳؎ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم آپ کی پیروی کرلیں تو ہم کو یہودی مار ڈالیں گے۔(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،کوفے کے رہنے والے،قبیلہ بنی مراد سے ہیں،بارہ غزووں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی گواہی دیتے تھے مگر محض ضد سے انکاری تھے۔
۳؎ یعنی وہ خوش ہوجائیں گے اور یہود سے یہ کہہ سکیں گے کہ تمہارے لوگ بھی ہمیں نبی کہتے ہیں۔سبحان اللہ! عظمت وہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔
۴؎ کھلی نشانیوں سے مراد یا تو وہ نیک اعمال ہیں جو عامل کی نیک بختی کی علامت ہوں،اس صورت میں حضور کا یہ جواب سوال کے مطابق ہے،یا اس سے موسیٰ علیہ السلام کے کھلے ہوئے نو معجزے مراد ہیں۔رب فرماتا ہے:"وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ" اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حکیمانہ ہے یعنی وہ نہ پوچھو بلکہ اپنی فکر کرو اور کرنے والے اعمال پوچھو۔خیال رہے کہ انہوں نے نو چیزیں پوچھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بتائیں ۹ وہ جو ہر دین کے احکام ہیں اور دسویں وہ جو دین یہود کے ساتھ خاص ہیں،یعنی ہفتہ کو شکار نہ کرنا۔
۵؎ ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارۃً یہ بتایا گیا ہو کہ یہودی مشرک ہیں۔کیونکہ وہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔اور بیٹا باپ کا شریک ہوتا ہے۔
۶؎ کہ یہ ڈبل جرم ہے حاکم کو دھوکہ دینا اور بے قصور کی جان لینا یہ بھی عام دینوں میں حرام رہا۔
۷؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ یہ ان اعما ل کی فہرست ہے جو تمام دینوں میں مروّج تھے۔
۸؎ یہ حکم بھی تمام دینوں میں رہا جن میں جہاد فرض تھا جن میں جہاد ہی نہ تھا وہاں یہ حکم بھی نہ تھا۔
۹؎ اس دن شکار نہ کرو یعنی ہفتہ کو شکار نہ کرنا تمہاری توریت کا حکم ہے یہ تمہارے لئے آیت بیّنہ تھی اَب توریت منسوخ ہوچکی یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری آسمانی کتب سے واقف ہیں اور یہ واقفیّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اسی لیئے وہ سائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر گئے۔
۱۰؎ ظاہر یہ ہے کہ پاؤں شریف پر بھی منہ لگا کر بوسہ دیا۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کے قدم چومنا جائز ہیں۔اور پابوسی کے لیے جھکنا نہ سجدہ ہے نہ ممنوع ورنہ حضور علیہ السلام انہیں منع فرمادیتے۔خیال رہے کہ قرآن کریم،سنگ اسود،بزرگوں کے ہاتھ پاؤں،والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا ثواب بھی ہے اور باعث برکت بھی۔بعض بزرگ تو اپنے مشائخ کے تبرّکات چومتے ہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر چومتے تھے بوسہ کی بحث اور اُس کی قسمیں ہماری"جاء الحق وزھق الباطل"میں دیکھو۔
۱۱؎ کیونکہ امّی کا یہ علم کھلا معجزہ ہے۔خیال رہے کہ یہ گواہی جاننے پہچاننے کے معنی میں ہے یعنی ہم نے پہچان لیا کہ آپ نبی ہیں لہٰذا وہ اس لفظ سے مؤمن نہ بنے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا سوال بھی درست ہوا۔
۱۲؎ یعنی جب تم نے مجھے نبی جان لیا پھر مان کیوں نہیں لیتے اور مسلمان کیوں نہیں ہوجاتے۔
۱۳؎ ان کی یہ دعا قبول ہے اور آپ ان کے اولاد میں نہیں کہ وہ بنی اسرائیل تھے آپ بنی اسمٰعیل،یہ ان کا خالص افتراء تھا سارے نبیوں نے ہمارے حضور کی پیش گوئی کی۔داؤد علیہ السلام یہ دعا کیسے مانگ سکتے تھے۔تعجب ہے کہ یہ دونوں ابھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر چکے اور اب یہ بہتان باندھ رہے ہیں۔بعض یہود یہ بھی کہتے تھے کہ حضور فقط مشرکین

عرب کے نبی ہیں، ہمارے نہیں۔شاید ان کا یہ مقصد ہو۔اور یہ بھی غلط تھا۔توریت و زبور میں خبر تھی کہ محمد مصطفٰی سارے عالم کے نبی ہوں گے،تمام شریعتوں کے ناسخ۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں ۱؎ جو لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ کہے اس سے زبان روکنا ۲؎ یعنی محض گناہ سے اُسے کافر نہ کہے ۳؎ اور نہ اسے اسلام سے خارج جانے محض کسی عمل سے ۴؎ اور جہاد جاری ہے جب سے مجھے رب نے بھیجا یہاں تک ۵؎ کہ اس امت کی آخری جماعت دجال سے جہاد کرے ۶؎ جہاد کو ظالم کا ظلم،منصف کا انصاف باطل نہیں کرسکتا ۷؎ اور تقدیروں پر ایمان ۸؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی جس پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔جن کے بغیر انسان مؤمن نہیں ہوسکتا۔

۲؎ اسے کافر نہ کہنا۔کلمہ پڑھنے سے مراد سارے اسلامی عقائد کا ماننا ہے جیسا کہ ہم بارہا عرض کرچکے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے اس کا بھی یہی مطلب ہے محض کلمہ پڑھ لینا،کعبہ کی طرف منہ کرلینا ایمان کے لئے کافی نہیں،منافقین یہ دونوں کام کرتے تھے مگر کافر تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت کے ۷۳ فرقے ہوں گے ایک کے سوا سب جہنمی خوارج کی خبر دی کہ بڑے نمازی اور قرآن خوان ہوں گے مگر دین سے ایسے دور ہوں گے جیسے چھوٹا ہوا تیر کمان سے اس تفسیر کی تائید اگلے مضمون سے ہورہی ہے۔

۳؎ اس میں خوارج کی تردید ہے جو گناہ کبیرہ کو کفر اورگنہگار کو کافر کہتے ہیں۔یہ جملہ پچھلے مضمون کی تفسیر ہے یعنی گناہ بدعملی ہے کفر نہیں۔خیال رہے کہ بعض گناہ علامت کفر ہے،اس لئے فقہاء انہیں کفر قرار دیتے ہیں۔جیسے زنّار باندھنا،بت کو سجدہ کرنا،قرآن کریم کو گندگی میں پھینکنا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کا مذاق اڑانا،بے ادبی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنا رب فرماتا ہے:" لَاتَعۡتَذِرُوۡا قَدۡکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمٰنِکُمۡ" اور فرماتاہے:"فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ "الخ،نیز فرماتا ہے:"اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ"الخ۔یہ گناہ اس لئے کفر ہیں کہ کفر کی علامتیں ہیں۔لہذا حدیث قرآن متعارض نہیں۔

۴؎ اس میں معتزلہ کا ردہے۔جوکہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ والا نہ مؤمن ہے نہ کافربلکہ فاسق ہے۔حالانکہ کفرواسلام کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔

۵؎ مدینہ طیّبہ کی طرف کیونکہ ہجرت سے پہلے جہاد فرض نہ تھا۔

۶؎ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی مسلمانوں کے ساتھ دجّال اور اس کی جماعت پر تلوار کا جہاد کریں گے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں گے۔چونکہ دجّال کے بعد تمام دنیا مسلمان ہوجائے گی،کوئی کافر نہ رہے

گا اور حضرت عیسیٰ و امام مہدی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد دنیا میں کفر ہی ہوگا کوئی مؤمن نہ رہے گا اس لیے یہ جہاد آخری ہوگا اس کے بعد کوئی جہاد نہ ہوگا۔خیال رہے کہ اگرچہ بعض پچھلی شریعتوں میں بھی جہاد تھا مگر اسلامی جہاد اور اس کے قوانین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوکر قتلِ دجّال تک رہیں گے۔لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۷؎ یعنی ہر منصف اور ظالم بادشاہ کے ساتھ مل کر کفّار پر جہاد کرو اس میں اشارۃً دو مسئلے بتائے گئے:ایک یہ کہ جہاد کے لیے سلطان اسلام یا **امیر المسلمین** شرط وجوب ہے۔دوسرے یہ کہ فاسق فاجر بادشاہ کے ماتحت بھی کفّار سے جہاد لازم ہے۔صحابہ کرام نے حجاج ابن یوسف جیسے فاسق حاکم کے ساتھ کفار پر جہاد کیے ہیں۔اس میں قادیانیوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے جہاد منسوخ کردیا۔جہاد نماز کی طرح محکم اور ناقابل نسخ عبادت ہے۔جہاد کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔رب فرماتا ہے:"وَلَكُمۡ فِي الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ"۔

۸؎ تقدیر کی پوری بحث ہماری کتاب"تفسیر نعیمی"پارہ سوم میں ملاحظہ کرو۔یہاں صرف اتنا ہی سمجھ لو کہ جو کچھ ہورہا ہے وہ اللہ کے علم اور اس کے ارادہ سے ہے ہم اپنے اعمال کے کاسِب ہیں،خالق نہیں۔لہٰذا ہم کسب میں مختار اور خلق میں مجبور ہیں نہ قادر مطلق نہ مجبور محض یہی مذہبِ اہلسنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اس کے سر پر شامیانہ کی طرح ہوجاتا ہے۱؎ پھر جب بندہ اس بدعمل سے علیحدہ ہوجاتا ہے تو ایمان بھی اس کی طرف لوٹ آتا ہے۲؎	

۱؎ اس کی تفسیر پہلے گزرچکی ہے کہ یہاں نورایمان یا غیرت ایمانی نکلنا مراد ہے نہ کہ اصل ایمان کا نکل جانا۔

۲؎ یعنی جب توبہ کرلیتا ہے تو توبہ کی برکت سے ایمان کا نور اور غیرت لوٹ آتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں کی وصیّت فرمائی۱؎ فرمایا رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانو اگرچہ ماردیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ۲؎ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے گھر بار اور مال سے نکل جانے کا حکم کریں۳؎ فرض نماز عمدًا ہر گز نہ چھوڑو کیونکہ جو کوئی دانستہ نماز چھوڑ دے اس سے اللہ کا ذمہ و ضمان جاتا رہا۴؎ شراب ہرگز نہ پیو کہ یہ ہر	

	بدکاری کا سر ہے ۵؎گناہ سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضی نازل ہوتی ہے ۶؎جہاد سے بھاگ جانے سے بچو اگرچہ لوگ ہلاک ہوجائیں ۷؎ اور جب لوگوں کو وبائی موت پہنچے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہو۸؎اپنے بال بچوں پر اپنی کمائی سے خرچ کرو ۹؎اپنی تربیت کی قمچی ان سے نہ ہٹاؤ۱۰؎انہیں اللہ سے ڈراتے رہو۔(احمد)

۱؎یعنی تاکیدی حکم دیا عربی میں تاکیدی حکم کو وصیت کہا جاتا ہے۔رب فرماتا ہے:"یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوۡلٰدِکُمۡ"۔

۲؎خطرۂ جان کے وقت جان دے دو مگر دل سے کفر و شرک نہ کرو یہ کسی حال میں جائز نہیں،خطرۂ جان کے وقت زبان سے کفربک دینا بشرطیکہ دل میں ایمان ہو جائز ہے۔رب فرماتاہے:"اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمٰنِ"یہاں دلی کفر مراد ہے۔لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں،نیز جو کوئی جان دے دے اور کلمۂ کفریہ نہ کہے تو اجر کا مستحق ہے۔جان دے دینا عزیمت ہے اور جان بچانا رخصت اگر حدیث کا یہ مطلب ہو تو حضور نے حضرت معاذکو عزیمت کا حکم دیا۔

۳؎یہ حکم استحبابی ہے۔والدین کے حکم پر بیوی کو طلاق دے دینا مستحب ہے،اسمٰعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اشارہ پاکر طلاق دے دی یہ مستحب پر عمل تھا مگر باپ کے حکم سے بیوی یا بچوں پر ظلم نہ کرے کہ ظلم سے بچنا اللہ ورسول کا حکم ہے،انکا حکم ماں باپ کے حکم پر مقدم ہے،ایسے ہی اگر ماں باپ کفر یا معصیت کا حکم دیں تو نہ مانے۔رب فرماتاہے:"وَ اِنۡ جٰہَدٰکَ عَلٰۤی اَنۡ تُشْرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْہُمَا"۔

۴؎یعنی بے نمازی اللہ کی امن میں نہیں رہتا۔نماز کی برکت سے انسان دنیا میں آفتوں سے،مرتے وقت خرابی خاتمہ سے،قبر میں فیل ہونے سے،حشر میں مصیبتوں سے بفضلہٖ تعالٰی امن میں رہتا ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ وظیفے،عملیات،تعویذوں کے فائدے حاصل کرنے کیلئے پابندی نماز ضروری ہے۔شیخ و مرید دونوں کو۔

۵؎شراب سے مراد ہرنشہ والی چیز ہےکیونکہ نشہ سے عقل ہی جاتی رہی تو برائی بھلائی کون بتائے،شرابی نشہ میں پیشاب پاخانہ تک کھا پی لیتے ہیں۔خیال رہے کہ ہر پتلی نشہ والی چیز مطلقًا حرام ہے۔شراب انگوری قطعی حرام اور دیگر شرابیں ظنی افیون،بھنگ،تمباکو نشہ دے تو حرام ہے۔

۶؎خیال رہے کہ چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرلو۔چھوٹی نیکی کو حقیر جان کر چھوڑ مت دو،چھوٹا گناہ چنگاری کی طرح ہے جو کبھی مکان جلا دیتی ہے۔معمولی نیکی تھوڑے پانی کی طرح ہے جو کبھی جان بچالیتا ہے شیطان پہلے چھوٹے گناہ کراتا ہے،پھر بڑے،پھر کفر شرک،چھوٹا گناہ بھی ہیشگی سے بڑا بن جاتا ہے۔لہٰذا حدیث بالکل صحیح ہے یہاں ہر گناہ مراد ہے کہ وہ ناراضئ الٰہی کا سبب ہے بالواسطہ یابلاواسطہ۔

۷؎ یہ حکم بھی استحبابی ہے اگرکوئی غازی ایسے موقعہ پر ڈٹا رہے اورشہید ہوجائے تو ثواب پائے گا اور اگر بھاگ جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔رب فرماتاہے:"اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ"۔(مرقات)لہذا جنگ احد میں جن صحابی کے قدم اکھڑ گئے وہ گنہگار نہ تھے خطا ان سے ہوئی جو درّہ چھوڑ گئے۔قرآن نے ان کی معافی کا اعلان کردیا۔

۸؎ یعنی جہاں تم ہو وہاں طاعون وغیرہ کوئی بیماری پھیل جائے تو وہاں سے بھاگو مت تاکہ وہاں کے مردے بے گورو کفن اور بیمار بے یارو مددگار نہ رہ جائیں،اور جہاں نہیں ہو وہاں جاؤ مت،رب فرماتا ہے:"لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ "۔

۹؎ معلوم ہوا کہ زن و فرزند پالنے کے لیے کمائی کرنا بھی عبادت ہے۔اسلام ترک دنیا نہیں سکھاتا۔

۱۰؎ یعنی بیوی بچوں کے حالات پر نگاہ رکھو ان کی اصلاح کرتے رہو،چھوٹے بچوں کو تو مار سےاور بڑوں کی زبانی ڈانٹ ڈپٹ سے۔قیامت میں تم سے ان کا بھی سوال ہوگا،رب فرماتا ہے:"قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا"۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا لیکن آج یا کفر ہے یا ایمان ۲؎ (بخاری)	

۱؎ آپ کا نام شریف حذیفہ،کنیت ابو عبداللہ عبسی ہے،آپ کے والد حسیل،ان کا لقب یمان ہے،آپ حضور کے صاحب اسرا ر ہیں،۳۵ھ میں شہادت عثمان غنی کے چالیس دن بعد مدائن میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں آپ کا مزار پر انوار ہے۔

۲؎ یعنی حضور کے زمانہ میں وقتی مصلحتوں کے ماتحت منافقوں کو قتل نہ کیا گیا۔اگرچہ ان سے علاماتِ کفر ظاہر ہوئیں تاکہ کفّار ہماری خانہ جنگی سے فائدہ نہ اٹھائیں اس زمانہ میں تین قسم کے لوگ مانے گئے:کافر،مؤمن اور منافق۔حضور کے بعد نفاق کوئی چیز نہیں یاکفر ہے یا اسلام اگرکسی سے علامت کفر دیکھی گئیں قتل کیا جائے گا،کھلا کافر بھی قتل ہوگا چھپا بھی کیونکہ وہ مرتد ہے۔(لمعات وغیرہ)

باب الوسوسة

وسوسہ (برے خیالات) کا باب ۱

الفصل الأول

پہلی فصل

۱ وسوسہ کے لغوی معنی ہیں نرم آواز۔اصطلاح میں برے خیالات،فاسد فکر کو وسوسہ کہتے ہیں اور اچھے خیالات کو الہام۔وسوسہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے،الہام رب کی طرف سے۔حق یہ ہے کہ غیر نبی کا الہام شرعی حجت نہیں کیونکہ شبہ ہے کہ وہ شیطانی وسوسہ ہو۔(از مرقات واشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یقینًا اللہ تعالٰی نے میری امت سے ان کے دلی خطرات میں در گزر فرمادی ۱ جب تک کہ اس پر کام یا کلام نہ کرلیں ۲ (مسلم،بخاری)

۱ یعنی بُرے خیالات پر پکڑ نہیں یہ اس امت کی خصوصیّت ہے۔پچھلی اُمتوں میں اس پر بھی پکڑ تھی۔خیال رہے کہ بُرے خیالات اور ہیں،بُرا ارادہ کچھ اور،بُرے ارادے پر پکڑ ہے حتّٰی کہ ارادۂ کفر،کفر ہے۔شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ جو بُرا خیال دل میں بے اختیار اچانک آجاتا ہے اسے ہاجس کہتے ہیں یہ آنی فانی ہوتا ہے۔آیا اور گیا یہ پچھلی امتوں پر بھی معاف تھا ہم کو بھی معاف۔لیکن جو دل میں باقی رہ جائے وہ ہم پر معاف ہے اُن پر معاف نہ تھا اور اگر اس کے ساتھ دل میں لذت اور خوشی پیدا ہو اسے ھمّ کہا جاتا ہے۔اس پر بھی پکڑ نہیں اور اگر اس کے ساتھ کر گزرنے کا ارادہ بھی ہو تو وہ عزم ہے اس کی پکڑ ہے۔خیال رہے کہ ارادۂ گناہ اگرچہ گناہ ہے مگر اس پر حد نہیں۔ارادۂ زنا گناہ ہے،مگر زنا نہیں۔

۲ یعنی قولی گناہ میں کلام کا اعتبار ہے اور فعلی میں کام کا۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ حضور کے صحابہ میں سے کچھ حضرات حضور صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھنے لگے کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خیالات محسوس کرتے ہیں کہ انہیں بیان کرنا بہت بڑا گناہ معلوم ہوتا ہے ۱ فرمایا کہ کیا تم نے یہ بات پائی ہے ۲ عرض کیا ہاں فرمایا یہ کھلا ہوا ایمان ہے ۳ (مسلم)

۱ یہ صحابہ کے کمال ایمان کی دلیل ہے کہ وسوسہ پر عمل کرنا تو کیا معنی اسے زبان پر لاتے بھی گھبراتے ہیں۔

۲ وسوسہ آیا اُسے بڑا برا سمجھنا۔

۳؎ یعنی وسوسے آنا کمال ایمان کی دلیل ہے کیونکہ چور بھرے گھر میں ہی جاتا ہے اور شیطان مؤمن کی فکر میں زیادہ رہتا ہے۔حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں:کہ جونماز وسوسہ سے خالی ہو وہ نماز یہودونصارٰی کی ہے۔(مرقات)یا وسوسوں کو بُراسمجھنا عین ایمان ہے کیونکہ کافرتو انہیں اچھا سمجھ کر اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتاہے ۱؎ تو اس سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی فلاں کس نے؟یہاں تک کہ کہتا ہے تمہارے رب کوکس نے پیدا کیا ۲؎ جب اس حد کو پہنچے تو اعوذ باللہ پڑھ لو اور اس سے باز رہو ۳؎ (بخاری،مسلم)

۱؎ یا تو خود ابلیس کیونکہ وہ تمام دنیا پر نظر رکھتا ہے اور سب میں چکّرلگاتا رہتا ہے۔یا قرین جو ہر ایک انسان کا الگ الگ شیطان ہے اور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے یا بُرا انسان جو ایسی باتیں کرکے لوگوں کو بہکائے۔

۲؎ حالانکہ پیدا وہ چیز کی ہے جو ناپید بھی ہوسکے،رب تعالٰی واجب الوجود ہے اُسے کون پیدا کرے،عرضیات کی انتہا ذاتی پر ہے،تمام تارے سورج سے روشن ہیں،مگر سورج کسی سے روشن نہیں۔

۳؎ یعنی اس کا جواب سوچنے کی کوشش بھی مت کرو ورنہ شیطان سوال در سوال کرے گا۔"اَعُوْذُ" پڑھ کر اسے بھگا دو ہر سوال کا جواب نہیں دیا جاتا۔ربّ نے شیطان کے سجدہ نہ کرنے پر اس کے دلائل کا جواب نہ دیابلکہ فرمایا:"فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا"۔خیال رہے کہ"اَعُوْذُ بِاللہ"دفع شیطان کے لئے اکسیر ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جاوے گا کہ یہ مخلوق تو اللہ نے پیداکی تو اللہ کوکس نے پیدا کیا ۱؎ تو جوان میں سے کچھ پائے وہ کہے میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ۲؎ (بخاری،مسلم)

۱؎ جیسا کہ آج خدا کے منکر دہریئے کہتے ہیں۔قربان جاؤں اس عالم غیوب رسول کے جنہوں نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دے دی۔مجھ سے کراچی میں بعینہٖ یہ سوال ایک شخص نے کیا تھا میرے منہ سے نکلا"صَدَقَ رَسُوْلُ اللہ"۔

۲؎ یعنی بلا دلیل عقلی اس کی ذات وصفات کو مان لیا،اس حدیث کی بنا پر بعض علماء علم کلام پڑھنا اور پڑھانا ناپسند کرتے ہیں۔مگر بعض علماء نے حالاتِ زمانہ دیکھتے ہوئے اسے سیکھااور سکھایا مگر شبہات ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ شبہات نکالنے کے لیے دونوں اللہ کو پیارے ہیں۔خیال رہے کہ مسئول تو کافر نہ ہوگا مگر سائل اگر شبہ کی بنا پر یہ پوچھتا ہے تو کافرہے اوراگر جواب معلوم کرنے کے لیے پوچھتاہے تو نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ فرمایانبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں ایسا کوئی نہیں جس پر ایک ساتھی جن اور ایک ساتھی فرشتہ مقرر نہ ہو ۱؎لوگوں نےپوچھا یارسول اللہ آپ پر بھی فرمایا مجھ پر بھی ۲؎لیکن رب نے مجھے اس پر مدد دی جس سے وہ مسلمان ہوگیا اب وہ مجھے بھلائی ہی کا مشورہ دیتا ہے۳؎

۱؎یعنی ہر عاقل بالغ انسان کے ساتھ وسوسہ دلانے کےلیئے ایک شیطان اور الہام کے لیئے ایک فرشتہ ہر وقت رہتا ہے۔مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات میں ہے کہ جب کوئی انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ابلیس کے ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جسے فارسی میں ہمزاد عربی میں وسواس کہتے ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ ابلیس کے ہر ہر آن سیکڑوں بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں،مطابق تعداد اولاد انسان جیسے مچھلی،ناگن سانپ بیک وقت ہزار ہا انڈے دیتی ہے۔طاغوتی جراثیم ہر آن بچے دیتے رہتے ہیں۔

۲؎ایک فرشتہ مقررہےملہم اور ایک شیطان۔

۳؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد ایمان ہی ہے نہ کہ اطاعت اور یہ حضور کی اعلٰی درجہ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا شیطان جس کی فطرت میں کفر داخل ہے وہ بھی ایمان لے آیا۔معلوم ہوا کہ نگاہِ کرم سے فطرتیں بدل جاتی ہیں۔مرقاۃ میں ہے کہ ہامہ ابن ابلیس نےحضور کی خدمت میں عرض کیا کہ قتل ہابیل کے وقت میں موجود تھا،سارے انبیاء کے ساتھ رہا ہوں آپ مجھے کچھ قرآن سکھایئے آپ نے اسے سورۂ **واقعہ،مرسلات،نباء،اخلاص،فلق** اورناس سکھائیں۔جنات کا حضور پر ایمان لانا تو قرآن کی سورۂ جن میں مذکور ہے حالانکہ سارے جن ابلیس کی اولاد ہیں ربّ فرماتا ہے:"**كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ** "لہذا چکڑالوی اس حدیث پر اعتراض نہیں کرسکتے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کے خون کے ٹھکانوں میں گردش کرتا ہے ۱؎(بخاری،مسلم)

۱؎یا تو خود ابلیس اور قرین شیطان چونکہ وہ آتشی ہے۔اس لیے بلا تکلف انسان کے رگ و پے میں سرایت کرجاتا ہے اور تصرّف کرتا ہے یا اس کے وسوسے اور خیالات۔معلوم ہوا کہ کوئی شخص بغیر فضل الٰہی شیطان سے نہیں بچ سکتا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آدمی زادہ ایسا نہیں ۱؎جسے پیدائش کے وقت شیطان چھوتا نہ ہو وہ بچہ شیطان کے چھونے سے ہی چیختا ہے ۲؎سواء مریم اور ان کے

	فرزند کے ۳؎(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی حضرت آدم و حوا کو شیطان مس نہ کرسکا کیونکہ وہ آدمی زادہ نہیں ہیں۔
۲؎ اس سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ایسے مقام پر متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے۔تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور روتے ہوئے پیدا نہ ہوئے۔(از اشعۃ للمعات)
۳؎ عیسیٰ علیہ السلام یعنی ان دونوں بزرگوں کو شیطان نہ چھو سکا جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ پیدائش کے وقت شیطان بچے کی کوکھ میں انگلی مارتا ہے جس کی تکلیف سے بچہ چیختا ہے۔ان دونوں بزرگوں کی پیدائش کے وقت بھی شیطان نے یہ حرکت کی مگر اس کی انگلی حجاب میں لگی جو رب نے ان کے اور اس کے درمیان میں پیدا کردیا تھا۔اس حدیث کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے ہے۔:قَالَتْ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ "۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر گرتے وقت بچہ کی چیخ شیطان کی چوکھ سے ہے ۱؎

۱؎ کہ وہ بچہ کی کوکھ میں انگلی مارتا ہے اور اس کی تکلیف سے بچہ روتا ہے۔اسی لیئے سنت ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کو غسل دے کر داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی جائے تاکہ شیطان دفعہ ہو کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتاہے۔بعض کٹھ بگڑے ان احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ان کی ناقص عقل میں نہیں آتی شاید وہ بچے کے کان میں اذان کا بھی انکار کرتے ہوں گے۔تعجب ہے کہ گرم سرد ہوا بچے پر اثر کرسکے اور بچہ اس کی تکلیف سے رو سکے مگر شیطان جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اس کا اثر ان کی سمجھ میں نہ آئے۔یہ جھوٹے ان کی عقلیں کھوٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے۔خیال رہے کہ شیطان کی یہ حرکتیں بچے پر ابھی سے قبضہ جمانے کے لیئے ہیں(اس کے اپنے خیال میں)ورنہ بہکانا ہوش سنبھالنے کے بعد شروع ہوتاہے۔

	روایت ہے حضرت جابرسےفرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے ۱؎ پھر اپنے مختلف لشکر کو لوگوں میں فتنہ میں ڈالنے کے لیئے بھیجتا ہے ۲؎ ان میں قریب تر درجہ والا وہ ہوتا ہے جو بڑا فتنہ گرہو ۳؎ ان میں سے آکر ایک کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں فتنہ پھیلایاابلیس کہتا ہے کچھ نہیں پھر اور دوسرا آکر کہتاہے کہ میں نے فلاں کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہ ڈال دی ۴؎ فرمایا ابلیس اسے پاس بٹھاتا ہے اور کہتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے اعمش فرماتے ہیں مجھے خیال ہے کہ فرمایا اسے چمٹا لیتا ہے ۵؎ (مسلم)

۱؎روزانہ صبح کے وقت سمندر پر جب اپنا کاروبار شروع کرتا ہے مگر اس کا تخت سمندر میں ڈوبتا نہیں کہ وہ خود بھی آتشی ہے اس کا تخت بھی آتشی۔آج کشتیاں اور جہاز ڈوبنے سے محفوظ ہیں۔
۲؎سرایا سریہ کی جمع ہے بمعنی چھوٹی فوج جن کی تعداد پانچ افراد سے چارسو تک ہو۔ذرّیتِ شیطان کی مختلف جماعتیں ہیں ان کے نام اور کام الگ الگ ہیں۔چنانچہ وضوء میں بہکانے والی جماعت کا نام **ولہان** ہے،اور نماز میں ورغلانے والی جماعت کا نام **خنزب** ہے۔ایسے ہی مسجدوں میں،بازاروں میں،شراب خانوں میں،اس کی الگ الگ فوجیں رہتی ہیں۔
۳؎یعنی ابلیس اپنی ذریّت میں سے اُسے اپنا قربِ خصوصی بخشتا ہے جو لوگوں میں بڑی گمراہی یا فتنہ پھیلا کر آئے۔
۴؎اس طرح کہ طلاق واقع کرادی۔طلاق اگرچہ مباح چیز ہے مگر اکثر بہت فسادات کی جڑ بن جاتی ہے۔اس لیئے ابلیس اس پر خوش ہوتا ہے،اسی لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "**اَبْغَضُ الحلالِ الطلاقُ**" حتّٰی الامکان اس سے بچنا بہتر ہے۔یا مطلب یہ ہے کہ میں نے خاوند بیوی میں جدائی کرادی کہ خاوند کی عورت کو معلقہ کردیا نہ چھوڑے نہ بسائے یہ سخت جرم ہے۔رب نے فرمایا:"**فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ**" اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔
۵؎ اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جو شخص ناحق زوجین میں جدائی کی کوشش کرے وہ ابلیس کی طرح مجرم ہے،اس سے وہ عامل لوگ عبرت حاصل کریں جو تفریق زوجین کے لیئے تعویذوعملیات کرتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے ابلیس وغیرہ کوئی چیز چھپی نہیں۔کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حضور مشاہدہ و ملاحظہ فرما کر یہ سب کچھ فرمارہے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان اس سے تو مایوس ہوچکا کہ عرب کے نمازی اسے پوجیں ۱؎لیکن انہیں آپس میں بھڑکانے میں مشغول ہے ۲؎(مسلم)

۱؎یعنی عرب کے عام مسلمان اعمال شرکیہ نہ کریں گے یا علی العموم مرتد نہ ہوں گے،ایک آدھ آدمی کا مرتد ہوجانا اس کے خلاف نہیں۔عرب کو جزیرہ اس لیئے فرمایا کہ اسے بحر فارس و روم اور دجلہ وفرات نے گھیرا ہے،عرب کی لمبائی عدن سے شام تک ہے،چوڑائی جدہ سے ریف عراق تک۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام اور مولود شریف،عرس،فاتحہ،ختم،حضور سے مدد مانگنا وغیرہ شرک نہیں کیونکہ یہ تمام چیزیں عام مسلمانان عرب کا ہمیشہ سے دستور ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز شرک ہوتی تو عرب شریف کے مسلمانوں میں کبھی مروج نہ ہوتی۔یہ بھی معلوم ہوا کہ عجم کبھی عرب کی طرح محترم نہیں ہوسکتا۔ہر جگہ مسلمان علی العموم مرتد ہوسکتے ہیں وہاں کے مسلمان نہیں ہوسکتے۔خیال رہے کہ اگرچہ مسلیمہ کذاب نے عرب کے بہت مسلمانوں کو مرتد کرلیا مگر اس ارتداد کا **بفضلہٖ تعالٰی** بقانہ رہا ایک وقتی چیز تھی جو ختم ہوگئی جس کا اعتبار نہیں۔
۲؎یعنی عرب کو آپس میں لڑاتا بھڑاتا رہے گا۔چنانچہ آخر زمانۂ عثمانی سے جو اختلاف شروع ہوا وہ آج تک ختم ہونے میں نہیں آتا اگرچہ اتحاد عرب کے نعرے لگائے جارہے ہیں مگر اس کی حقیقت مفقود ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے ابن عباس سے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور بولا کہ میں اپنے دل میں ایسے خیالات محسوس کرتا ہوں کہ وہ بولنے سے جل کر کوئلہ ہو جانا زیادہ پسند ہے ۱؎ فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے ان خیالات کو وسوسہ بنادیا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی عقائد اسلامیہ، ذات و صفات الٰہی، یا محامد مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ مجھے ان کا قبول کرنا تو کیا اتنا برا معلوم ہوتا ہے کہ جل کر کوئلہ ہونا منظور ہے۔ مگر ان کا بولنا منظور نہیں۔ سبحان اللہ! یہ ہے وہ خوفِ الٰہی جو حضور کی صحبت کی برکت سے صحابہ کو نصیب ہوا یہ خوف ایمانی کی دلیل ہے۔

۲؎ یعنی رب نے ایسے خیالات کو وسوسہ میں داخل فرمایا جن پر کوئی پکڑ نہ رکھی وہ کریم بندے کی مجبوری و معذوری جانتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان میں شیطان کا بھی اثر ہے ۱؎ اور فرشتہ کا بھی شیطان کا اثر تو مصیبت سے ڈرانا اور حق کا جھٹلانا ہے ۲؎ لیکن فرشتہ کا اثر خیر کا وعدہ کرنا اور حق کی تصدیق کرنا ہے ۳؎ جو یہ آخری بات محسوس کرے وہ جان لے کہ یہ رب کی طرف سے ہے خدا کا شکر کرے ۴؎ اور جو وہ دوسری چیز محسوس کرے وہ مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے ۵؎ پھر یہ تلاوت کی کہ شیطان تمہیں فقیری سے ڈراتا اور بے حیائی کا مشورہ دیتا ہے۔ ترمذی نے روایت کی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یہاں شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا انسان کا قرین جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے اس کا اثر قریبًا سارے انسانوں پر ہوتا ہے کسی پر کم کسی پر زیادہ۔

۲؎ اس طرح کہ وہ خبیث برائیوں کو خوبیاں اور نیکیوں کو مصیبت بنا کر دکھاتا ہے۔ خیرات کے ارادہ پر فقر سے ڈراتا ہے، ناجائز خرچوں کے موقعہ پر ناموری کا لالچ دیتا ہے۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مسلمان حج و خیرات سے گھبراتے ہیں، لیکن شادی بیاہ کے حرام رسوم پر خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ یہ اسی کا اثر ہے۔ رب فرماتا ہے: "اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ" اس کا یہی مطلب ہے۔

۳؎ اس طرح کہ اگر صدقہ اور خیرات سے نفس گھبرائے اور شیطان فقر سے ڈرائے تو یہ فرشتہ دل میں آواز دیتا ہے کہ مت ڈر صدقہ سے مال بڑھتا ہے، گھٹتا نہیں اور فورًا یہ آیت سامنے آتی ہے۔" یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ"یہ اس فرشتہ کا ہی کام ہے جو شخص جس آواز پر کان دھرتا رہے گا وہی آواز قوی ہوتی رہے گی اور دوسری آواز مدہم۔بعض اولیاء سے شیطان مایوس ہوکر انہیں بہکانا ہی چھوڑ دیتا ہے۔

۴؎ کیونکہ نیک ارادہ اور اچھے خیالات بھی اللہ کی نعمت ہیں، شکر سے نعمت بڑھتی ہے، نیز نیک ارادہ کو جلد پورا کرے کہ پتہ نہیں پھر موقعہ ملے یا نہ۔

۵؎ کیونکہ اعوذ اور لاحول سے شیطان بھاگتا ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو کوئی صبح شام ۲۱ بار لاحول شریف پانی پر دم کرکے پی لیا کرے تو ان شاء اللہ وسوسۂ شیطانی سے بہت حد تک امن میں رہے گا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا لوگ پوچھ گچھ کرتے رہیں گے حتی کہ یہ کہا جاوے گا کہ مخلوق کو خدا نے پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا ۱؎ جب یہ کہیں تو تم کہہ دینا اللہ ایک ہے،بے نیاز ہے،نہ جنا،نہ جنا گیا، اور نہ کوئی اس کے برابر کا ۲؎ ہے پھر اپنے بائیں طرف تین بار تھتکار دے۔اور مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے ۳؎ یہ ابوداؤد نے روایت کی ہم عمرو ابن احوص کی حدیث ان شاءاللہ تعالٰی بقرعید کے خطبہ کے باب میں ذکر کریں گے۔	

۱؎ یعنی ہر موجود کا کوئی موجد چاہیئے اور اللہ بھی موجود ہے لہٰذا اس کا موجد بھی ہونا چاہیئے۔یہ شیطانی وسوسہ ہے۔خیال رہے کہ شیطان عالموں کے دل میں عالمانہ وسوسے،اور صوفیوں کے دل میں عاشقانہ وسوسے،عوام کے دل میں عامیانہ وسوسے ڈالتا ہے۔"جیسا شکار ویسا جال"بہت دفعہ انسان گناہ کو عبادت سمجھ لیتا ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کتنے نفیس منطقی دلائل ہیں اولاد کے لیئے ۳ شرطیں:ہیں ایک یہ کہ صاحبِ اولاد میں دوئی ہوسکے۔کیونکہ اولاد باپ کے ساتھ جنسًا ایک،اور شخصًا دوسری ہوتی ہے۔رب تعالٰی جنسیت اور شخصیت وغیرہ سے پاک ہے اَحد میں ادھر اشارہ ہے۔دوسرے صاحبِ اولاد اولاد کا حاجت مند ہوتا ہے،اپنی وراثت یا زور بازو کے لیئے اولاد چاہتا ہے۔پروردگار بے نیاز،سے صَمَد ہیں یہ فرمایا گیا۔تیسرے یہ کہ ہر ممکن موجود موجد کا حاجت مند ہے پروردگار واجب ہے،نیز بیٹا باپ کی مثل ہونا چاہیئے ربّ کی مثل کوئی نہیں۔"لَمۡ یَلِدۡ"الخ میں اس طرف اشارہ ہے۔

۳؎ یہ تھوک شیطان کے منہ پر پڑے گا جس سے وہ ذلیل ہوکر بھاگے گا کیونکہ شیطان اکثر بائیں طرف سے آتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کبھی تُھوک سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔بعض صوفیاء دم کرکے تھتکار بھی دیتے ہیں،اُنکی دلیل یہ حدیث ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ پوچھتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ یہ کہہ بیٹھیں گے کہ اللہ نے ہرچیز پیدا کی تو اللہ کو کس نے پیدا کیا یہ بخاری کی روایت ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمای کہ یقیناً تمہاری امت ۱؎ کہتی رہے گی یہ کیسا یہ کیسا ۲؎ یہاں تک کہ یہ کہہ دیں گے کہ اللہ نے مخلوق پیدا کی اللہ کو کس نے پیدا کیا

۱؎ یعنی امتِ دعوت دہریے کفّار وغیرہ نہ کہ امت اجابت مؤمن ین۔ یا کہنے سے مراد دلی وسوسہ ہے، تو امت اجابت بھی داخل ہے۔
۲؎ یعنی ہر حکم کی وجہ، ہر چیز کی کُنہہ پوچھیں گے۔ قیل قال زیادہ حال سے خالی۔ خیال رہے کہ ہمارے پاس "کیوں" ہے ان کے پاس کیا تھا۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن ابی العاص ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ شیطان مجھ میں اور میری نماز اور تلاوت میں حائل ہوگیا نماز مشتبہ کردی ۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شیطان کو خنزب کہا جاتا ہے ۳؎ جب کبھی تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین بار دھتکار دو ۴؎ میں نے یہ ہی کیا تو اللہ نے اسے دفع فرمادیا ۵؎ (مسلم)

۱؎ آپ قبیلہ بنی ثقیف کے ہیں، آپ کی والدہ حضور کی پیدائش کے وقت آمنہ خاتون کے پاس تھیں، حضور نے آپ کو طائف کا حاکم بنایا۔ چنانچہ آپ عہد فاروقی تک وہیں کے حاکم رہے، پھر حضرت فاروق اعظم نے اپنی خلافت کے تیسرے سال وہاں کی حکومت معزول کرکے عمّان اور بحرین کا حاکم بنایا، ۱۰ھ ہجری میں جب وفد بنی ثقیف حضور کی خدمت میں ایمان لانے کے لیئے حاضرہوا تو اس میں آپ بھی تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۹ سال تھی، آخری عمر میں بصرہ قیام گاہ رہا، ۵۱ھ میں وہیں وفات پائی۔ ۷۰سال عمرشریف ہوئی، حضور کی وفات کے بعد جب بنی ثقیف مرتد ہونے لگے توآپ نے فرمایا: اے قوم! تم آخری مؤمنین ہو، اب اولین مرتدین کیوں بنتے ہو؟

۲؎ اس طرح کہ نہ مجھے پڑھی ہوئی رکعتیں یاد رہیں اور نہ یہ کہ رکعت اوّل میں کیا پڑھا تھا۔ معلوم ہوا کہ نماز میں وسوسے بزرگوں کو بھی ہوجاتے ہیں۔

۳؎ خنزب خ کے کسرہ یا فتح سے اور ز کے فتح سے بمعنے سڑا ہوا گوشت یا دائمی جرم۔ (قاموس) یہ شیطان کی اُس ذریت کا نام ہے جو نمازیوں پر نماز مشتبہ کرتی ہے۔

۴؎ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ سے قبل تجربہ ہے کہ جو تحریمہ سے پہلے اس طرح تھتکار کر لاحول شریف پڑھ لے پھر تحریمہ کرے دورانِ نماز میں نگاہ کی حفاظت کرے کہ قیام میں سجدہ گاہ،رکوع میں پشتِ قدم،سجدہ میں ناک کے بانسے،جلسہ اور قعدہ میں گود میں رکھے تو ان شاءاللہ نماز میں حضور نصیب ہوگا۔

۵؎ یعنی یہ حدیث میری مجرب بھی ہے،محدثین کے نزدیک تجربہ کی تائید سے حدیث قوی ہوجاتی ہے۔دیکھو ہماری کتاب "**جاء الحق**"حصہ دوم۔

	روایت ہے حضرت قاسم ابن محمد سے ۱؎ کہ ان سے کسی شخص نے پوچھا(عرض کیا)میں اپنی نماز میں وہم کیا کرتاہوں اور یہ واردات مجھ پر بہت ہوتی رہتی ہے فرمایا اپنی نماز پڑھگزرو کیونکہ یہ وہم تو جائے گا نہیں حتی کہ تم یہ کہتے ہوئے نماز ختم کرو گے کہ میری نماز مکمل نہ ہوئی ۲؎(مالک)

۱؎ آپ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،مدینہ منوّرہ کے سات قاریوں میں سے ایک ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی ہیں،زین العابدین آپ کے خالہ زاد بھائی اور امام محمد باقر کے آپ خُسر،امام جعفر صادق کے آپ نانا ہیں،چونکہ آپ یتیم رہ گئے تھے اس لیئے عائشہ صدیقہ نے آپ کی پرورش کی،آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ و امیر معاویہ سے روایتیں کیں اور آپ سے ایک خلقِ خدا نے،۸۰ سال عمر پائی، ۳۲ھ میں وفات ہوئی۔(اشعۃ و مرقاۃ)

۲؎ سبحان اللہ! کیا عجیب تعلیم ہے یعنی ان خطرات کی وجہ سے ہر نماز چھوڑو نہ لوٹاؤ یہ آتے ہی رہیں گے جب نفس شیطان اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو تم نماز کیوں چھوڑتے ہو،مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہیں چھوڑا جاتا،تم اللہ کے بندے ہو،دل کے بندے نہیں،دل لگے یا نہ لگے نماز پڑھے جاؤ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز مکمل نہ ہونے کا وہم کافی نہیں،ان وہمیات کا خیال نہ کرے،نماز پڑھے جائے۔

باب الایمان بالقدر

تقدیر پر ایمان لانے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] عام کے بعد خاص کا ذکر ہے،ایمان میں اگرچہ تقدیر بھی آگئی تھی لیکن چونکہ مسئلۂ تقدیر بہت نازک ہے اور اس میں جبریہ اور قدریہ کے بہت اختلافات رہے ہیں اور یہ مسئلہ عوام کی عقل سے وراء ہے اسی لئے اس کا علیحدہ باب باندھا گیا۔تقدیر کے لغوی معنی اندازہ لگانا ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ "کبھی بمعنی قضاء اور فیصلہ بھی آتی ہے۔اصطلاح میں اس اندازے اور فیصلہ کا نام تقدیر ہے جو رب کی طرف سے اپنی مخلوق کے متعلق تحریر میں آچکا۔تقدیر تین قسم کی ہے:(ا) مبرم،(۲) مشابہہ مبرم،(۳) معلق۔پہلی قسم میں تبدیلی ناممکن ہے،دوسری خاص محبوبوں کی دعا سے بدل جاتی ہے اور تیسری عام دعاؤں اور نیک اعمال سے بدلتی رہتی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ"ابراہیم علیہ السلام کو قوم لوط کیلئے دعا کرنے سے روک دیا گیا کیونکہ ان پر دنیوی عذاب کا فیصلہ مبرم ہوچکا تھا۔آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ کے سو سال ہوگئی،وہ قضاء مبرم تھی یہ معلق۔خیال رہے کہ تقدیر کی وجہ سے انسان پتھر کی طرح مجبور نہ ہوگیا ورنہ قاتل پھانسی نہ پاتا اور چور کے ہاتھ نہ کٹتے کیونکہ رب تعالٰی کے علم میں یہ آچکا کہ فلاں اپنے اختیار سے یہ حرکت کرے گا،دعائیں،دوائیں،ہماری تدبیریں اور اختیارات سب تقدیر میں داخل ہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری"تفسیر نعیمی"پارہ سوم میں دیکھو۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مخلوق کی تقدیریں آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے لکھیں[1] فرماتے ہیں کہ اس کا عرش پانی پر تھا[2](مسلم)	

[1] یعنی قلم نے لوح محفوظ پر بحکم الٰہی واقعات عالم ازلی سے ابدتک ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ لکھ دیا۔خیال رہے کہ یہ تحریر اس لئے نہ تھی کہ ربّ کو بُھول جانے کا خطرہ تھا بلکہ اس کا منشاء فرشتوں اور بعض محبوب انسانوں کو اس پر مطلع کرنا تھا۔(ازمرقاۃ)اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے بعض بندے سارے واقعاتِ عالم پر خبر رکھتے ہیں ورنہ یہ تحریر بے کار جاتی،لوح محفوظ کو قرآن کریم نے کتاب مبین فرمایا یعنی ظاہر کرنے والی کتاب،اگر لوح محفوظ سب کی نگاہوں سے چھپی ہوتی تو مبین نہ ہوتی۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی آسمان و زمین وغیرہ سے پہلے پیدا ہوا عرش کے پانی پر ہونے کا۔۔یہ مطلب ہے کہ ان دونوں کے بیچ میں کوئی آڑ نہ تھی نہ یہ کہ پانی پر رکھا ہوا تھا۔ورنہ عرش تمام اجسام سے بہت بڑا ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز اندازے سے ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی ۱؎(مسلم)	

۱؎ اس حدیث کی تفسیروہ آیت ہے"كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ"یعنی انسان کا بس اور بےبسی علم وجہالت سب پہلے مقرر ہوچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم و موسیٰ نے اپنے رب کے نزدیک ۱؎مناظرہ کیا تو آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ آپ وہ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی ۲؎اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا ۳؎آپ کو جنت میں رکھا۴؎ پھر آپ نے اپنی لغزش کی وجہ سے لوگوں کو نیچے اتاردیا ۵؎حضرت آدم نے فرمایا کہ آپ ہی وہ موسیٰ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے لیئے چنا ۶؎اور آپ کو تختیاں بخشیں جن میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے ۷؎اور ایک کو خصوصی ہمکلامی سے قرب بخشا فرمایئے کہ آپ نے میری پیدائش سے کتنے پہلے توریت کو پایا کہ رب نے لکھ دیا تھا۸؎حضرت موسیٰ نے فرمایا چالیس سال پہلے۹؎حضرت آدم نے فرمایا تو کیا آپ نے توریت میں یہ بھی دیکھا ۱۰؎کہ آدم نے اپنے رب کی فرمانبرداری سےلغزش کی تو کامیاب نہ ہوئے فرمایا ہاں آپ نے فرمایا کیا آپ اس لغزش پر ملامت کرتے ہیں ۱۱؎جس کا کرلینا میرے مقدر میں میری پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھا جاچکا تھا ۱۲؎فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب رہے۱۳؎(مسلم)	

۱؎یا تو عالم ارواح میں،یا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آدم علیہ السلام کو زندہ فرما کر اور ان سے ملاقات کرا کے،یا اس طرح کہ حضائرقدس میں اُن کی ملاقات ہوئی۔مرقات میں ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے

ہیں۔دیکھو ہمارے حضور نے معراج میں تمام نبیوں سے ملاقات کی اور انہیں نماز پڑھائی۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ عالم ارواح پر بھی ہے کہ وہاں کے حالات ملاحظہ فرماتے اور لوگوں کو سناتے ہیں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ حضور یہ دیکھا ہوا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔

۲؎ یعنی آپ کا جسم شریف بلاواسطہ فرشتہ اور بغیرتوسل ماں باپ دستِ قدرت سے بنایا اور اپنے تمام کمالات کا مظہر کیا اور اپنی پیدا کی ہوئی روح آپ کے جسم میں جاری فرمائی۔یہاں اضافت شرافت کی ہے ورنہ خدائے تعالٰی خود روح سے پاک ہے،حقیقتِ روح رب ہی جانے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھونکنے کے قابل چیز ہے کیونکہ ہر جگہ اس کے لیئے پھونکنے کا لفظ ہی آتا ہے۔اولیاء اللہ کا جھاڑ پھونک ان جیسی احادیث اور آیات سے ماخوذ ہے۔

۳؎ سارے فرشتوں سے مقربین ہوں،یا مدبّراتِ امر،زمین کے ہوں یا آسمان کے،تعظیمی سجدہ زمین پر پیشانی رکھ کر نہ فقط رکوع اور نہ صرف جھکنا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ "یہ سجدۂ عبادت نہ تھا کہ خدا کو ہوتا اور آدم علیہ السلام قبلہ ہوتے جیسا کہ لَكَ کے لام سے معلوم ہوا،ورنہ شیطان کبھی اس سے انکار نہ کرتا۔

۴؎ عارضی طور پر تربیت دینے کے لئے تاکہ زمین کو اس طرح آباد کریں ورنہ آپ کی پیدائش زمین کی خلافت کے لیئے تھی اس کی تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھو۔

۵؎ یعنی خطاء اجتہادی اور بُھول سے گندم کھالیا جس کی وجہ سے آپ زمین پر تشریف لائے۔اور نسل یہاں چلی،اگر آپ وہیں رہتے تو ہم سب وہیں پیدا ہوتے۔

لطیفہ: ایک گستاخ نے کسی عالم سے کہا کہ دادا کا گناہ ہم بھگت رہے ہیں،گندم انہوں نے کھایا سزا ہمیں ملی،وہ ہمیں نیچے اتار لائے،عالم نے کہا غلط،بلکہ تجھ جیسے مردودوں نے انہیں نیچے اتارا،رب جانتا تھا کہ ان کی پشت میں تجھ جیسے بے ایمان بھی ہیں حکم دیا کہ اے آدم ان خبیثوں کو زمین پر پھینک آؤ،پھر واپس آجانا۔موسیٰ علیہ السلام کی یہ عرض و معروض گستاخی کے طور پرنہیں،انبیاء جدّ امجد کی گستاخی سے معصوم ہیں۔

۶؎ زمین پر رہ کر بلاواسطۂ فرشتہ رب تعالٰی سے کلام کرنا موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیّت ہے،اسی لیئے آپ کا لقب کلیم اللہ ہے،لامکان میں پہنچ کر ربّ کا دیدار اور اس سے کلام ہمارے حضور کی خصوصیّت ہے کیونکہ آپ حبیب اللہ ہیں۔

۷؎ یعنی توریت شریف جو زبرجد کی تختیوں پر لکھی ہوئی عطا فرمائی گئی اس میں احکام شرعیہ اور سارے علوم غیبیہ کا کھلا بیان تھا۔خیال رہے کہ بوقتِ عطا توریت میں ہدایت بھی تھی اور ہر چیز کا بیان بھی مگر جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قوم کی بچھڑا پرستی پر غصّہ کی وجہ سے زمیں پر گرگئیں۔توہدایت و رحمت تو رہ گئی "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"اس میں سے اٹھالی گئی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ "۔دیکھو یہاں تبیان کا ذکر نہیں۔ خلاصہ یہ کہ توریت میں سارے علوم غیبیہ تھے مگر باقی نہ رہے لیکن قرآن شریف میں سارے علوم غیبیہ تھے بھی اور باقی بھی رہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کا علم ہمارے حضور کے برابر نہیں ہوسکتا۔

۸؎ یعنی آپ کو تو خبر ہے کہ میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے توریت شریف لوح محفوظ میں،یا فرشتوں کے صحائف میں،یا ان تختیوں میں لکھی جاچکی تھی۔تیسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نگاہ اس عالم کی پیدائش سے پہلے واقعات کو بھی دیکھتی ہے کہ جو واقعہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہوچکا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ میں ہے جیسا کہ وَجَدتَّ سے معلوم ہوتا ہے۔

۹؎ اگر تختیوں میں لکھنا مراد ہے تو سال سے اس دنیا کے سال مراد ہوں گے،اور اگر لوح محفوظ میں لکھنا مراد ہے تو رب تعالٰی کے سال مراد ہوں گے جو ایک سال یہاں کے ہزار سال سے بھی زیادہ ہے،لہذا یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف نہیں کہ لوح محفوظ کی تحریر آسمان زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہوئی(ازاشعہ و مرقاۃ)۔خیال رہے کہ توریت کلام الٰہی قدیم ہے اس کے نقوش کا لکھنا حادث اسی کا یہاں ذکر ہے۔

۱۰؎ یعنی غلط فہمی سے جس مقصد کے لیئے گندم کھایا تھا انہیں وہ حاصل نہ ہوا ہمیشگی اور موت سے بچ کر جانا۔خیال رہے کہ انبیائے کرام نبوت سے پہلے اور بعد گناہ صغیرہ اور کبیرہ سب سے معصوم ہیں۔(مرقاۃ)ہاں خطاء لغزش اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے اور عتاب الٰہی جو اُن کی لغزشوں پر آتا ہے اس میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں لہذا "**عصیٰ**"اور"**غویٰ**" کے وہی معنٰے ہیں جو فقیر نے عرض کیے۔

۱۱؎ یعنی ملامت کے انداز میں گفتگو کررہے ہو ورنہ موسیٰ علیہ السلام آپ کو نہ ملامت کرسکتے تھے نہ کی۔بیٹے کو باپ پر خصوصًا نبی باپ پر شاگرد کو استاد پر ملامت کرنے کا حق نہیں۔

۱۲؎ اور رب تعالٰی نے بھی اس کی معافی کا اعلان فرمادیا۔خیال رہے کہ یہاں موسیٰ علیہ السلام کی نظر ظاہر پر تھی اور آدم علیہ السلام کا جواب حقیقت پر مبنی ہے آج ہم جیسے گنہگار تقدیر کی آڑ لے کر اپنے گناہوں سے بری نہیں ہوسکتے،یعنی اے موسیٰ! میری یہ خطا اور جنت سے زمین پر آنا،یہاں یہ باغ و بہار لگانا سب رب تعالٰی کے ارادہ اور اسکی مرضی سے تھا جس میں ہزاروں اسرار تھے تم صاحبِ اسرار ہو کر مجھ سے یہ سوال کیوں کرتے ہو؟۔

۱۳؎ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال شریعت پر اور حضرت آدم کا جواب حقیقت پر مبنی ہے حقیقت غالب رہتی ہے،حقیقت والے خضر علیہ السلام نے بچے کو بلاگناہ قتل کردیا اور ان پر کوئی فتویٰ جاری نہ ہوا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ سچے مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردی ۱؎ کہ تم میں سے ہر ایک کا مادہ پیدائش ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ رہتاہے پھراسی قدرخون کی پھٹک پھر اسی قدر لوتھڑا ۲؎ پھر اللہ تعالٰی ایک فرشتہ چار باتیں بتا کر بھیجتاہے ۳؎ تو وہ فرشتہ اس کے کام اس کی موت اس کا رزق اور بدبخت ہے نیک بخت ہے سب کچھ لکھ لیتا ہے ۴؎ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں بعض جنتیوں	

	کے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ فاصلہ رہ جاتا ہے ۵؎ کہ اچانک نوشتہ تقدیر اس کے سامنے آتا ہے اور دوزخیوں کے کام کرلیتا ہے ۶؎ پھر وہاں ہی پہنچتاہے اورتم میں بعض دوزخیوں کے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں صرف ایک ہاتھ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ سامنے آتا ہے اور جنتیوں کے کام کرتا ہے پھر اس میں داخل ہوجاتا ہے ۷؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ صادق وہ جس کے سارے اقوال سچے ہوں،مصدوق وہ جس کے سارے اعمال سچے ہوں یا صادق وہ جوہوش سنبھال کر سچ بولے،اور مصدوق وہ جو پہلے ہی سے سچا ہو،یا صادق وہ جو واقع کے مطابق خبردے اور مصدوق وہ کہ جو وہ اپنی زبان مبارک سے کہہ دے واقعہ اُس کے مطابق ہوجائے حضور میں یہ سارے اوصاف جمع ہیں۔

۲؎ یعنی ماں کے رحم میں منی چالیس دن تک اسی حالت میں سفید رنگ کی رہتی ہے،پھر سُرخ رنگ کا خون بن جاتی ہے،پھر چالیس روز کے بعد جم کر گوشت۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں:چونکہ آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال اورموسیٰ علیہ السلام کا قیام طور پر چالیس دن رہا،اس لیئے نطفہ پر ہرچلہ کے بعد انقلاب آتا ہے،پھر بعد پیدائش نفاس کی مدت چالیس دن ہے،کمال عقل چالیس سال میں ہوتا ہے۔یہ حدیث صوفیاء کے چلوں کی دلیل ہے۔اہلِ سنت میّت کا چالیسواں اسی بنا پر کرتے ہیں کہ چالیس میں انقلاب ہے۔

۳؎ یعنی کاتبِ تقدیر فرشتہ جو رحموں پر معین ہے ایک ہی فرشتہ جو سارے عالم کی حاملہ عورتوں کا نگران ہے۔معلوم ہوا کہ وہ حاضروناظرہے۔

۴؎ کہ یہ کیا کرے گا،کب اور کہاں مرے گا،کیا کیا کھائے گا اور کیا پیئے گا،اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا،یا ایمان پر۔خیال رہے کہ یہ چیزیں وہ علوم خمسہ ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا"وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیۡبِ"یہ فرشتہ بتعلیم الٰہی سارے انسانوں کی یہ ساری چیزیں جانتا ہے۔مرقاۃ میں ہے کہ یہ باتیں ایک تختی پرلکھ کر بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَکُلَّ اِنۡسٰنٍ اَلْزَمْنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ"غور کرو جب اُس فرشتے کا اس قدر علم ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلم الخلق ہیں ان کا علم تو ہمارے خیالات سے ورا ہے اور یہ تختی پر لکھنا اور گلے میں ڈالنا اسی لیئے ہے کہ حقیقت میں نگاہیں اسے پڑھ سکیں۔خیال رہے کہ تحریر لوح محفوظ میں بھی ہوتی ہے اور شب قدر میں فرشتوں کے صحائف میں بھی ہے اور بچے کی پیشانی یا گلے کی تختی یا ہاتھ میں بھی ہے مگر یہ تحریر مختلف ہیں۔

۵؎ یعنی صرف موت کا کہ مرے اور وہاں پہنچ جائے ایک ہاتھ تشبیہ کے لیئے فرمایا۔

۶؎ یعنی کافر بن جاتا ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ رب بدعملی کے بغیر کسی کو دوزخ میں نہیں بھیجتا لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ کفّار کے بچے جہنمی نہیں۔واللہ اعلم!

ے یعنی ایمان لاکر متقی بن کے مرتا ہے لہٰذا کوئی بدکار رب تعالٰی سے مایوس نہ ہو اور کوئی نیک کار اپنے تقویٰ پرفخر نہ کرے،اللہ تعالٰی حسن خاتمہ نصیب کرے۔خیال رہے کہ جنت کسبًا،عطاءً اور وہبًا ملے گی یہاں کسی جنت کا ذکر ہے ورنہ مسلمان کے بچے جنتی ہیں،رب فرماتاہے:"اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ "۔

روایت ہے سہل ابن سعد سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض بندے کرتوت تو دوزخیوں کے سے کرتے ہیں لیکن ہوتے ہیں جنتی اور بعض عمل توجنتیوں کے سے کرتے ہیں لیکن ہوتے ہیں دوزخی اعمال کا اعتبار صرف انجام سے ہے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ ساعدی ہیں،انصاری ہیں،آپ کا نام پہلے حزن تھا،حضور نے سہل رکھا،کنیت ابوالعباس یا ابویحیٰی ہے،خود بھی صحابی اور والد ماجد بھی صحابی ہیں،حضورکی وفات کے وقت آپ کی عمرپندرہ سال تھی،
سنہ ۹۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،مدینہ طیبہ میں سب سے آخری صحابی آپ ہی ہیں کہ ان کی وفات سے مدینہ طیّبہ صحابہ سے خالی ہوگیا۔
۲؎ یعنی مرتے وقت جیسا کام ہوگا ویسا ہی انجام ہوگا لہٰذا چاہیئے کہ بندہ ہروقت ہی نیک کام کرے کہ شاید وہی اس کا آخری وقت ہو۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچہ کے جنازے کی دعوت دی گئی میں نے عرض کیا اسے خوشخبری ہوکہ وہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیاہے ۲؎ جس نے نہ توگناہ کیا نہ گناہ کا وقت پایا فرمایا اسے عائشہ اس کے سوابھی ہوسکتا ہے ۳؎ اللہ نے کچھ جنت والے پیدا کیئے ہیں جنہیں ان کے باپ کی پیٹھوں میں جنت کے لیئے بنایاکچھ آگ والے پیدا کیئے جنہیں ان کے باپ کی پیٹھوں میں دوزخ کے لیئے بنایا ۴؎ (مسلم)	

۱؎ اُمُّ المؤمنین ہیں،ابوبکر صدیق کی صاحبزادی،آپ کی والدہ امّ رومان بنت عامر ابن عویمر ہیں،نبوّت کے دسویں سال شوال کے مہینہ میں ہجرت سے تین سال قبل حضور کی زوجیت میں آئیں،سات برس کی عمر میں ہجرت سے ۱۸ ماہ کے بعد شوال کے مہینہ میں نو سال کی عمر میں رخصت ہوئیں،نو سال تک حضور کے ساتھ رہیں،حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔حضور نے آپ کے سوا کسی کنواری بیوی سے نکاح نہیں فرمایا،آپ فقیہہ،فصیحہ،حدیث کی

حافظہ،قرآن کی بہترین مفسّرہ تھیں۔حضور نے آپ کے سینہ پر وفات پائی اور آپ کے حجرہ میں دفن ہوئے،جب آپ کو تہمت لگائی گئی تو آپ کی برّیت میں ۱۹ آیات اُتریں شعر یعنی:

ہے سورۂ نور جن کی گواہ   اُن کی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام

آپ سے ۱۲۱۰ احادیث مروی ہیں،آپ نے ۱۷ رمضان منگل کی شب ۵۷ھ ہجری میں ۵۳ سال کی عمر پاکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ امارت میں وفات پائی۔حضرت ابوہریرہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی،جنت البقیع میں دفن ہیں۔فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ کہ جہاں چاہے وہاں کے باغات میں سیر کرے شہداء کی طرح۔

۳؎ یعنی اس کی جنّتی ہونے کا یقین نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ کسی اور چیز کے لیئے پیدا کیا گیا ہو۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہے۔"اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ"الایہ۔مسلمانوں کے بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہیں گے کفار کے بچوں میں اختلاف ہے اس کی تحقیق کے لیئے ہمارا حاشیۂ القرآن دیکھو۔

۴؎ یعنی جو جہاں کے لیئے بنایا گیا ہے وہیں پہنچے گا عمل کرے یا نہ کرے اس کے متعلق ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ بغیر عمل جنت عطائی یا وہبی طریقہ سے بھی مل جائے گی مگر اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے یہ بعید ہے کہ بغیرگناہ کسی کو جہنم میں بھیجے۔فرماتا ہے:"وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" ابن حجر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے بچوں کے جنّتی ہونے پر اجماع ہے اور کفّار کے بچوں کا جنّتی ہونا قول جمہور ہے۔اور یہ حدیث منسوخ ہے۔

روایت ہے حضرت علی۱؎ سے فرماتے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں۲؎ اور ایک ٹھکانہ جنت میں نہ لکھا جاچکا ہو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اپنی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کرلیں اور عمل چھوڑدیں ۳؎ فرمایا عمل کیئے جاؤ ہر ایک کو وہی اعمال آسان ہوں گے جس کے لیئے پیدا ہوا ۴؎ اگر خوش نصیبوں سے ہے تو اسے خوش نصیبی کے اعمال آسان ہوں گے اور اگر بدنصیبوں سے ہے تو اسے بدنصیبی کے اعمال میسر ہوں گے ۵؎ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی لیکن جو خیرات کرے اور پرہیزگار اور ایماندار ہو الایہ ۶؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ کا نام شریف علی ابن ابی طالب،کنیت ابوالحسن اور ابو تراب،لقب حیدر کرّار ہے،قرشی ہیں،ہاشمی ہیں،مطلبی ہیں،اسلام کے خلیفہ چہارم ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے کہ آٹھ یا دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔حضور کے ساتھ سواء غزوۂ تبوک کے باقی تمام غزووں میں شریک رہے،آپ کے فضائل حدّو شمار سے زیادہ ہیں،آپ ہی نسل جناب

مصطفے کی اصل ہیں،اخی الرسول،زوج بتول ہیں،یعنی آپ کا ایک ہاتھ چار یار میں ہے،دوسرا پنجتن پاک میں شاہ خیبر شکن ہیں شعر۔

شیر شمشیر زن شاہ خیبر شکن   پرتودستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

آپ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ یعنی عین شہادت عثمان کے دن خلیفہ ہوئے،چار سال نو مہینہ خلافت کی اور ۶۳ سال کی عمر پاکر ۱۷ رمضان ۴۰ھ جمعہ کے دن کوفہ کی جامع مسجد میں شہید کیئے گئے۔عبدالرحمٰن ابن مُلجم مرادی نے ایک عورت قطام کے عشق میں مبتلا ہو کر اسی کے کہنے پر شہید کیا۔شہادت سے تیسرے دن وفات پائی،امام حسن و حسین و عبداللہ ابن جعفر نے آپ کو غسل دیا،امام حسن نے نماز پڑھائی،کوفہ کے قبرستان نجف میں دفن ہوئے،قبر انور زیارت گاہِ خلق ہے فقیر نے بھی زیارت کی ہے۔آپ کی نو بیویاں ہوئیں:(۱)فاطمہ زہرا،(۲)ام بنین،(۳)لیلیٰ بنت مسعود،(۴)اسماء بنت عمیس،(۵)امامہ بنت ابی العاص،(۶)خولہ بن جعفر،(۷)صہبا بنت ربیعہ،(۸)اُم سعید بنت عروہ،(۹)محیاء بنت امرؤ القیس ان بیویوں سے ۱۲ بیٹے اور نولڑکیاں ہوئیں۔جن میں سے حسن،حسین،زینب،اُم کلثوم حضرت فاطمہ زہرا سے ہیں۔

۲؎ یہاں"و"بمعنی"اَوْ"ہے یعنی لوح محفوظ میں ہر شخص کے متعلق پہلے ہی لکھا جاچکا ہے کہ جنتی ہی،یا دوزخی،جنتی ہے توکسی درجہ کا،اور دوزخی ہے توکسی طبقہ کا،یہاں یہی مرادہے جیساکہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔

۳؎ کیونکہ ہوگا وہی جو لکھا جاچکا عمل خواہ کیسے ہی کرے فیصلہ الٰہی نہیں بدلتا۔

۴؎ یعنی دنیا میں اعمال عموماً انجام کی علامتیں ہیں۔جنّتی کو نیکیاں آسان اور گناہ بھاری معلوم ہوتے ہیں۔دوزخی کو اس کا اُلٹا،مگر یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلّیہ نہیں،کبھی عمر بھر کا مجرم جنتی ہوکرمرتا ہے اور کبھی اس کے برعکس بھی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیثِ سہل ابن سعد کے خلاف نہیں۔

۵؎ یعنی لوح محفوظ میں کام اور انجام دونوں لکھے جاچکے ہیں کہ فلاں نیکیاں کرے گا اور جنت میں جائے گا اور فلاں کفر وغیرہ کرے گا لہذا جہنمی ہوگا۔بندوں پر رب تعالٰی کی اطاعت فرض ہے،نیز کوئی شخص دوزخی اور جنتی ہونے پر مجبور نہیں۔

۶؎ یہ آیت اگرچہ ابوبکر صدیق کے ایمان اور سخاوت کے متعلق نازل ہوئی لیکن چونکہ عبارت عام ہے اس لئے ہر جگہ منطبق ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے ہر آدمی پر اس کا زنا کا حصہ لکھا ہے ۱؎ جسے وہ یقینًا پائے گا لہذا آنکھ کا زنا نظر بد ہے ۲؎ اور زبان کا زنا گفتگو ۳؎ ہے دل تمنا اور خواہش کرتا ہے شرمگاہ اس خواہش کو سچا جھوٹا کردیتی ہے۔(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اولاد آدم پر زنا کا حصہ لکھا جاچکا ہے جسے وہ یقینًا پائے گا آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ۴؎

	اور زبان کا زنا گفتگو ہے،ہاتھ کا زنا چھونا،پکڑنا،پاؤں کا زنا قدم سے چلنا ۵؎ دل چاہتا ہے اور تمنا کرتا ہے شرمگاہ اسے سچا جھوٹا کردیتی ہے ۶؎

۱؎ یہاں ہر آدمی سے عام انسان مراد ہے جس سے بچپن میں فوت ہوجانے والے بچے،خاص اولیاء سارے انبیائے کرام خصوصًا یحیٰی و عیسیٰ علیہم السلام علیحدہ ہیں،جو حضرات انبیاء کو اس میں داخل مانے وہ بے دین ہے۔مطلب یہ ہے کہ عمومًا انسان زنا یا مقدماتِ زنا میں پھنستے ہیں۔رب تعالٰی کا فضل ہے کہ اعضاء کی غیر اختیاری حرکتوں اور گندے خیالات پر پکڑ نہیں فرماتا۔حضرت شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ زنا کے حصے سے مراد اسباب زنا ہیں اس طرح کہ انسان میں شہوت اور عورتوں کی طرف میلان قدرتی طور پر پیدا کیا گیا ہے مگر جسے اللہ چاہے اس سے بچائے۔خیال رہے کہ یوسف علیہ السلام کے قلب پاک میں اس خاص موقعہ پر زلیخا کی طرف میلان بھی نہ پیدا ہوا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ"یعنی وہ بھی مائل ہوجاتے اگر رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔

۲؎ غیر عورتوں پر شہوت سے۔خیال رہے کہ اچانک نگاہ معاف ہے عمدًا دیکھنے پر پکڑ ہے،یہاں دوسری نظر مراد ہے۔

۳؎ اجنبی عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف زبان کا زنا ہے،اسے شوق سے سننا لذت کے لیے کان کا زنا ہے،بعض عورتیں اپنے خاوندوں سے دوسری عورتوں کا حسن بیان کرتی ہیں یہ سخت جرم ہے۔

۴؎ کان لگا کر توجہ سے اسی لیے یہاں"استماع"باب"افتعال"سے فرمایا گیا۔

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ ایک زنا بہت سے چھوٹے چھوٹے زناؤں کا مجموعہ ہے۔ہر عضو کا زنا علیحدہ ہے،زانی بوقتِ زنا آنکھ،کان،زبان،ہاتھ،پاؤں،شرمگاہ سب ہی کا زنا کرتا ہے اسی لیے سنگسار کیا جاتا ہے،صرف خصّی نہیں کیا جاتا۔

۶؎ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ مقدماتِ زنا سے بھی بچے،سینما،مروجہ ریڈیو پر فلمی گیتوں کی نشرو اشاعت کا انجام دیکھا جارہا ہے۔مرقات میں ہے کہ اجنبیہ عورتوں کو ناجائز خطوط لکھنا یا پہنچانا اُدھر کنکر پھینکنا اشارے کرنا سب ہاتھ کے زنا ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے ۱؎ کہ مزینہ کے دوشخصوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ فرمایئے تو کہ جو کچھ لوگ آج عمل کررہے ہیں اور جن میں مشغول ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ ہوچکا ہے اور جس چیز کی تقدیر ان میں گزر چکی ہے یا اس میں ہے جسے آیندہ کریں گے جو ان کے پاس پیغمبر لائے جو دلیل ان پر قائم ہوچکی ۲؎ حضور نے فرمایا نہیں بلکہ عمل وہ چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ ہوچکا اور تقدیر گزر چکی ۳؎ اس کی تائید اللہ کی کتاب میں بھی موجود ہے۔قسم جان کی اور

	اس کے درست فرمانے کی اور اس کی کہ اس کے دل میں ڈال دی بدکاری و پرہیزگاری ہے۴(مسلم)

۱آپ کی کنیت ابونجید ہے،خزاعی ہیں،کعبی ہیں،خیبر کے سال حضرت ابوہریرہ کے ساتھ ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا، ۵۲ ھ میں وہیں انتقال ہوا،جلیل القدرصحابی ہیں،آپ ۳۰ سال بیمار رہے،اس زمانے میں آپ کو فرشتے سلام کرنے آتے تھے۔(مرقات واشعہ)

۲خلاصۂ سوال یہ ہے کہ آیا تحریر پہلے ہے اورتقصیر بعد میں یا اس کا عکس کہ پہلے ہم خود کام کرلیتے ہیں پھر آیندہ لکھا جاتا ہے،تحریر سے مراد تحریر تقدیر ہے نہ کہ نامۂ اعمال کی تحریر،کہ یہ لکھائی تو یقینًا عمل کرلینے کے بعد ہی ہوتی ہے۔خیال رہے کہ قدریہ کاعقیدہ یہ ہے کہ قضاوقدر کچھ چیزنہیں،نہ پہلے کچھ لکھا گیا ہے۔ہم مستقلًا قادرمطلق ہوکر اعمال کرتے ہیں پھر ان کی تحریر ہوتی ہے یہ سخت بے دینی ہے۔

۳یعنی ہمارے اعمال اس تحریروتقدیر کے بعداس کے مطابق ہیں اس کا عکس نہیں یہی مذہب اہلسنت ہے۔

۴وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں"اَلْهَمَ"ماضی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہام عملی سے کہیں پہلے ہوچکا ہے۔

	روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں جوان آدمی ہوں اور اپنے نفس پر زنا سے ڈرتا ہوں اور نکاح کرنے کی قدرت نہیں پاتا۱ہوں شاید وہ حضور سے خصی ہونے کی اجازت چاہتے تھے ۲فرماتے ہیں کہ حضور خاموش رہے میں نے پھر وہی کہا آپ پھر خاموش رہے میں نے پھر وہی کہا پھر سرکار خاموش رہے ۳میں نے پھر اسی طرح کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ قلم قدرت وہ چیز لکھ کر سوکھ بھی چکا جو تم پانے والے ہوخواہ اب خصی ہو یا رہنے دو۴ (بخاری)

۱یعنی بیوی کے نان نفقہ اورمہر پر بھی قادرنہیں ہوں چہ جائیکہ لونڈی خرید سکوں۔**مسئلہ:** جوشخص حقوق زوجین ادا کرنے پر قادر نہ ہو اسے نکاح ممنوع ہے حقوق میں قوت اور قدرتِ مال سبھی داخل ہیں۔

۲یہ کسی راوی کا قول ہے یعنی ابوہریرہ کی یہ عرض و معروض اس لیئے تھی کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم ان کو خصّی ہوجانے کی اجازت دے دیں تاکہ زنا کا احتمال ہی باقی نہ رہے،صحابہ کرام کا یہ انتہائی تقویٰ ہے کہ معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہیں خصی ہوکر اپنے کو ناقص و فاسد کرلینا منظور ہے مگر فاسق بننا منظور نہیں۔

۳یہ بار بار خاموشی یا تو اہتمامِ مسئلہ کے لیئے تھی تاکہ ابوہریرہ اسی کا جواب غور سے سنیں یا انہیں سوال سے روکنے کے لیے یعنی خصی ہونا تو کیا اس کا ذکر بھی نہ کرو۔

۴؎ یعنی اگر تمہاری تقدیر میں زنا لکھا جاچکا ہے تو خصی ہونے کے بعد بھی کرلو گے ورنہ بغیر خصی ہوئے بھی نہ کر پاؤ گے اس کلام میں خصی ہونے کی اجازت نہیں دی جارہی،بلکہ اچھے طریقے سے روکا جارہا ہے کیونکہ انسان کا خصی ہونا مثلہ ہے یعنی بدن بگاڑنا اور مُثلہ اسلام میں حرام ہے یعنی بے کار چیز کے لیے حرام کا ارتکاب کیوں کرتے ہو؟۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں کے سارے دل ۱؎ اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں ۲؎ ایک دل کی طرح جیسے چاہتا ہے انہیں پھیر تا ہے ۳؎ پھر فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے ۴؎ (مسلم)	

۱؎ اس میں انبیاء،و اولیاء مؤمنین،کفار سبھی داخل ہیں کوئی بھی رب کے قبضہ سے خارج نہیں چونکہ عام احکام شرعیہ کے مکلّف صرف انسان ہیں اس لیے خصوصیت سے انسانوں کے دل کا ذکر ہوا،ورنہ فرشتوں اور جنات وغیرہم کے دل بھی رب کے قبضہ میں ہیں۔

۲؎ یہ عبارت متشابہات میں سے ہے کیونکہ رب تعالٰی انگلیوں،ہاتھوں وغیرہ اعضاء سے پاک ہے،مقصد یہ ہے کہ تمام کے دل اللہ کے قبضہ میں ہیں کہ نہایت آسانی سے پھیر دیتا ہے،جیسے کہا جاتا ہے تمہارا کام میری انگلیوں میں ہے،یا میں سوالات کا جواب چٹکیوں سے دے سکتا ہوں۔متشابہات کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی کے تیسرے پارے میں دیکھو۔

۳؎ برائی یا بھلائی کی طرف کہ بندہ اپنے ارادہ سے اچھے یا بُرے کام کرنے لگتا ہے۔لہذا بندہ مجبور نہیں کام ارادہ سے ہیں،ارادہ رب کی طرف سے،ورنہ سزا،جزا کا مستحق نہ ہوتا اور اختیاری اور غیراختیاری افعال میں فرق نہ ہوتا،رعشہ میں ہاتھ بے اختیار ہلتاہے اور لکھتے وقت اختیار سے،کُتے کو پتھر مارو تو کتا تمہیں کاٹتا ہے نہ کہ پتھر کو،حالانکہ لگتا پتھر ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پتھر غیر مختار ہے،مارنے والا مختارہے،اگر ہم اپنے کو پتھر کی طرح مجبور سمجھیں تو جانور سے بڑھ کر بے وقوف ہیں،بہرحال اس حدیث سے جبر ثابت نہیں ہوتا۔

۴؎ یہ دعا کفار ومؤمن،نیک کارو بد کار سب ہی کے لیئے ہے یعنی بدکاروں کے دل نیکی کی طرف پھیر دے اور نیک کاروں کے دل نیکی پر قائم رکھ۔خیال رہے کہ یہ دعا درحقیقت دوسروں کے لئے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المعصومین ہیں ان سے گناہ ناممکن ہے،ان کے لیئے ہدایت رب تعالٰی نے ایسی لازم کردی ہے جیسے سورج کے لیے روشنی یا آگ کے لیے گرمی،اُن کی شان تو بہت بلند ہے۔ان کے خاص غلاموں سے ہدایت اور تقویٰ لازم ہے،رب تعالٰی صحابہ کرام کے بارے میں فرماتا ہے: " وَ اَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ التَّقۡوٰى "۔عصمتِ انبیاء کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق"اورعظمت صحابہ کی بحث ہماری کتاب "امیر معاویہ" میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بچہ دین فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۱؎ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۲؎ جیسے جانور بے عیب بچہ جنتا ہے کیا تم اس میں کوئی ناک کان کٹا پاتے ہو۳؎ پھر فرماتے تھے کہ اللہ کی پیدائش ہے جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا اللہ کی خلق میں تبدیلی نہیں۴؎ یہ ہی سیدھا دین ہے۔(مسلم وبخاری)

۱؎ بچے سے مراد انسان کا بچہ ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے،فطرت کے لفظی معنی ہیں چیرنا اور ایجاد کرنا،یہاں اصلی اور پیدائشی حالت مراد ہے یعنی ہر انسان ایمان پر پیدا ہوتا ہے،عالم ارواح میں رب تعالٰی نے تمام روحوں سے اپنی ربوبیت کا قرار کرایا سب نے بَلٰی کہہ کر اقرار کیا اس اقرار پر قائم رہتے ہوئے دنیا میں آئے یہ اقرار و ایمان سب کا فطری اور پیدائشی دین ہے۔

۲؎ یعنی بچہ ہوش سنبھالنے تک دین فطرت،توحیدوایمان پر قائم رہتا ہے ہوش سنبھالنے پر جیسا اپنے ماں باپ اور ساتھیوں کو دیکھتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے،ماں باپ بچے کے پہلے استاد ہیں،ان کی صحبت بچے کی طبیعت کے لیے سانچہ ہے۔اسی لیے ضروری ہے کہ اپنی لڑکیوں کے لیے اچھے خاوند اور لڑکوں کے لئے دیندار نیک بیویاں تلاش کرو تاکہ بچے نیک ہوں،اس لیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر ہوئی کہ حضور بت پرستوں اور بے علموں میں رہے مگر انہیں سنبھالاخود نہ بگڑے،معلوم ہوا کہ طبیعت محمدیہ ڈھلی ڈھلائی پیدا ہوئی تھی۔خیال رہے کہ یہاں یہودیت اور نصرانیت سے مراد یہ بگڑے ہوئے دین ہیں نہ کہ اصلی،وہ تو اپنے وقت میں عین ہدایت تھے۔

۳؎ روحانیت کو جسمانیت سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیاہے کہ جیسے عام طور پرجانوروں کے بچے صحیح الاعضاء پیدا ہوتے ہیں پھر جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں،ایسے انسانی ارواح کا حال ہے۔

۴؎ یعنی قانون یہ ہے کہ ہر انسان ایمان اورعقیدۂ توحید پر پیدا ہو،یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی بچہ میثاق کے اقرار کو توڑ کر کافر ہو کر پیدا ہو لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ وہ میثاقی ایمان شرعًا معتبر نہیں۔اسی لیے کافر کا بچہ کافر مانا جاتا ہے کہ نہ اس کی نماز جنازہ ہو نہ اسلامی کفن و دفن اور نہ اسے بعد میں مرتد کہا جائے جس بچہ کو خضرعلیہ السلام نے قتل کیا اور فرمایا"اِنَّہٗ طُبِعَ کَافِرًا"وہاں مراد ہے"قُدِّرَوَجُبِلَ"یعنی ہوش سنبھال کر کافر ہونا اس کے مقدر میں آچکا ہے۔لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اور نہ آیات میں تعارض ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ چیزیں بتانے کو قیام فرمایا۱؎ کہ یقینًا اللہ تعالٰی نہ سوتا ہے نہ سونا اس کے لائق ہے ۲؎ پلہ یا رزق جھکاتا یا اٹھاتاہے۳؎ اس

کی بارگاہ میں رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پیش ہوجاتے ہیں۴؎ اس کا پردہ نور ہے ۵؎ اگر پردہ کھول دے تو اس کی ذات کی شعاعیں(تجلیات) تاحدِ نظر مخلوق کو جلادیں۶؎(مسلم)	

۱؎ یعنی آپ وعظ کے لیے کھڑے ہوئے اور وعظ میں یہ پانچ چیزیں بیان فرمائیں۔وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر کہنا سنت ہے۔خطبہ خواہ جمعہ کا ہو یا نکاح کا یا کوئی اور۔(کتب فقہ)

۲؎ کیونکہ نیند ایک قسم کی موت ہے اسی لیے جنت دوزخ میں نیند نہ ہوگی رب تعالٰی موت سے پاک ہے،نیز نیند تھکن اتارنے اور آرام کے لئے ہوتی ہے۔پروردگار تھکن سے پاک ہے ارشاد فرماتا ہے:"وَّ مَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ"اس میں ان مشرکین کا رد ہے جو کہتے تھے کہ اللہ تعالٰی دنیا بنا کر تھک گیا اب دنیا کا کام ہمارے بُت چلا رہے ہیں۔معاذ اللہ!

۳؎ قسط کے لغوی معنے ہیں حصہ۔اب رزق کو بھی قسط کہتے ہیں اور ترازو کے پلے کو بھی،کیونکہ رزق حصے سے ملتا ہے اور ترازو بھی حصے کرتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ"یعنی کسی کو زیادہ روزی دیتا ہے اورکسی کو کم یا ایک ہی شخص کبھی غریب ہوتا ہے کبھی امیر،کبھی مؤمن،کبھی کافر،کبھی متقی،کبھی فاجر ایسے ہی ایک قوم کبھی غالب کبھی مغلوب۔

۴؎ کہ اعمال لکھنے والے فرشتے دنیا بھر کے اعمال دو وقتہ پیش کرتے رہتے ہیں۔یہ پیشی رب تعالٰی کی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسے حضور پر امت کے درود فرشتے پیش کرتے ہیں اس لیئے نہیں کہ حضور بے خبر ہیں۔

۵؎ یعنی اللہ تعالٰی نور ہے مخلوق کثیف،اس لیے مخلوق اسے نہیں دیکھ سکتی۔مرقاۃ میں ہے کہ ہمارے حضور نے اپنے رب کو دنیا میں اس لیئے دیکھ لیا کہ حضور خود نور ہوگئے تھے نیز حضور نے دعا مانگی تھی۔"وَاجۡعَلۡنِیۡ نُوۡرًا"خدایا مجھے نور بنادے حضور کی دعا قبول ہوئی اور آپ نور ہوگئے۔

۶؎ فرشتوں کو بھی اور دیگر مخلوقات کو بھی نہیں یہ طاقت تو ہمارے حضور کی تھی کہ معراج میں عین ذات کو بغیر حجاب دیکھا اورپلک بھی نہ جھپکایارب تعالٰی فرماتاہے:"مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی"۔

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دستِ کرم بھرا ہے ۱؎ جسے خرچ کم نہیں کرسکتا اس کی عطا پاشی دن رات جاری ہے ۲؎ غور تو کرو جب سے آسمان اور زمین بنا ہے تب سے کتنا خرچ فرمایا لیکن اس خرچ نے اس کے دستِ کرم میں کوئی کمی نہ کی اس کا عرش پانی پر تھا ۳؎ اس کے قبضہ میں ترازو ہے جسے بلندوپست	

	فرماتا ہے۴؎(مسلم وبخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اللہ کا دستِ کرم بھرا ہوا ہے ابن نمیر نے مَلاٗ فرمایا اور فرمایا سحاء سے رات و دن کی کوئی چیز کم نہیں کرتی۔

۱؎یعنی اللہ بڑا غنی ہے اس کی تائید میں وہ آیت ہے"وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ "ورنہ اللہ تعالٰی ہاتھ سے بھی پاک ہے اور اس کے بھرنے سے بھی۔

۲؎اس کی مثال اس نے اپنی بعض مخلوق میں قائم فرمادی ہے سمندر کا پانی،سورج کا پانی،سورج کی روشنی،ہمارا علم خرچ کرنے سے نہیں گھٹتے،جنت کے رزق کا بھی یہی حال ہوگا۔پھر رب تعالٰی کے خزانوں کا کیا پوچھنا۔لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۳؎اس کی تفسیر پہلے گزرچکی کہ عرش و پانی کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔

۴؎یعنی لوگوں کا رزق اور ان کے اعمال اللہ تعالٰی کے قبضہ میں ہیں جن میں زیادتی کمی فرماتا رہتا ہے یا قوموں کی تقادیر اس کے قبضہ میں ہیں کسی کو گراتا ہے کسی کو اٹھاتا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے بچوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ رب جانے وہ کیا اعمال کرتے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی اگر وہ جوان ہو کر کافر ہوتے تو وہ جہنمی ہیں اور اگر مؤمن ہوتے تو جنتی ہیں۔خیال رہے کہ کفار کے فوت شدہ بچوں کے متعلق علماء کرام کے چند اقوال ہیں:(۱)وہ جنتی ہیں کیونکہ فطرت پر پیدا ہوئے(۲)وہ جہنمی ہیں اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر(۳)وہ اعراف میں رہیں گے کیونکہ ان کے پاس شرعی ایمان یا کفر نہیں(۴)ان میں توقف کرو کیونکہ دلائل مختلف ہیں(۵)وہ بڑے ہو کر جیسے ہوتے ان پر وہی حکم جاری ہے یعنی چونکہ کافر ہوتے لہذا وہ جہنمی ہیں یا مؤمن ہوتے لہذا جنتی ہیں۔یہ حدیث آخری قول کی دلیل ہے۔مرقات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ جنتی ہیں اور حضور کا یہ فرمان ان آیات کے نزول سے قبل ہے جن میں فرمایا گیا کہ بغیر قصور ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے،بعض نے یہ بھی فرمایا کہ یہ جنتی تو ہیں مگر مؤمن جنتیوں کے خدّام۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب نے جو چیز پہلے پیدا کی وہ قلم تھا ۱؎ پھر فرمایا اس کو لکھ بولا کیا لکھوں ۲؎ فرمایا تقدیر لکھ تب اس نے جو کچھ ہوچکا اور جو ہمیشہ تک ہوگا لکھ دیا ۳؎(ترمذی)ترمذی نے

	فرمایا یہ حدیث مسنداً غریب ہے۔

۱؎ یہ اولیّت اضافی ہے یعنی عرش، پانی ہوا اور لوح محفوظ کی پیدائش کے بعد جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ قلم ہے۔ مرقاۃ میں اس جگہ ہے کہ سب سے پہلے نور محمدی پیدا ہوا، وہاں اولیّت حقیقیہ مراد ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حقیقت محمد یہ ہی قلم ہے اس صورت میں یہاں اولیت حقیقی ہے۔

۲؎ اس عبارت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں، ہر چیز میں رب سے عرض معروض کرنے کی طاقت ہے قرآن کریم فرماتا ہے: "اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ" حضور کے فراق میں لکڑیاں روئی ہیں اور آپ سے لکڑی اور پتھروں نے گفتگو کی ہے۔

۳؎ ہوچکا فرمانا اپنے زمانۂ پاک کے لحاظ سے ہے، تحریر کے وقت کوئی نہ ہوچکا تھا، ہر چیز مستقبل تھی۔ ہمیشہ سے مراد قیامت تک کے واقعات ہیں جو متناہی ہیں مابعد قیامت غیر متناہی، جیسا کہ عبداللہ ابن عباس کی روایت میں ہے یہ تحریر لوح محفوظ پر "ن" دوات سے ہوئی، اس قلم دوات کی حقیقت رب العزت ہی جانتا ہے، یہ لکھنا رب کے اپنے یاد رکھنے کے لیے نہ تھا، بلکہ ان مقبولوں کو بتانے کے لیے تھا جن کی نگاہ لوح محفوظ پر ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں اس سے اولیاء اورانبیاء کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔

	روایت ہے مسلم ابن یسار سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ عمر ابن الخطاب سے آیت کے متعلق پوچھا گیا جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذریت نکالی ۲؎ الایہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ سے یہ ہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ کو اپنے ہاتھ سے ملا ۳؎ تو اس سے ان کی اولاد نکلی ۴؎ تو فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کی لیئے بنایا یہ جنتیوں کے کام کریں گے ۵؎ پھر ان کی پشت ملی تو اس سے اولاد نکلی ۶؎ تو فرمایا انہیں میں نے آگ کے لیئے بنایا یہ لو گ دوزخیوں کے کام کریں گے ۷؎ ایک شخص بولا پھر عمل کا ہے میں رہا یارسول اللہ ۸؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقینًا اللہ جس بندے کو جنت کے لیئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں کے کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے اس بنا پر اسے داخل فرماتا ہے جنت میں ۹؎ اور جب بندے کو دوزخ کے لیئے پیدا فرماتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے کام لیتا ہے ۱۰؎ تاآنکہ وہ دوزخیوں کے

	کاموں میں سے کسی کام پر مرتا ہے جس کی وجہ سے اسے دوزخ میں داخل فرماتا ہے ۱۱؎(مالک ترمذی،ابوداؤد)

۱؎آپ جُہَنِّی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،اولیائے کاملین میں سے ہیں، ۱۰۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا،حضرت عمر فاروق سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی،آپ تک یہ حدیث پہنچی ہے۔

۲؎کہ اس کا مطلب کیا ہے اور اس نکالنے کی نوعیت کیا تھی۔

۳؎یہ عبارت متشابہات میں سے ہے یعنی ان کی پشت مبارک پر توجہ قدرت فرمائی ورنہ رب ہاتھ کے ظاہری معنے اور داہنے بائیں سے پاک ہے،نطفہ مرد کی پیٹھ میں رہتا ہے،اس لیے توجہ پشت پر فرمائی گئی۔

۴؎اس طرح کہ ہر رونگٹے کی جڑ سے پسینہ کے قطروں کی طرح ظاہر ہوئی،یہ واقعہ آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے سے پہلے نعمان پہاڑ پر قریب عرفات شریف یا مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان ہوا،بعض نے فرمایا کہ جنت سے تشریف لانے کے بعد ہوا اور یہ روحیں سفید رنگ کی تھیں۔

۵؎یعنی اپنی خوشی وارادے سے نیکیاں کریں گے،ایمان پر مریں گے،جنت میں جائیں گے۔لہذا وہ لوگ ان اعمال میں مجبور نہیں۔خیال رہے کہ یہاں جنت کسبی مراد ہے،وہبی،عطائی طور پر بغیر اعمال بھی جنت ملے گی،جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے یا مرتے وقت ایمان قبول کرنے والا۔

۶؎سیاہ رنگ والی یہ کفار کی روحیں تھیں۔

۷؎اس طرح کہ کفر پر مریں گے زندگی خواہ کفر پر گزری ہو یا ایمان پر۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اور حاضرین فرشتوں کو تمام جنتی اور دوزخی دکھائے گئے،بتادیئے گئے،انہی کو بتانے کے لیے یہ واقعہ کیا گیا ہمارے حضور کا علم آدم علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے لہذا حضور بھی ہر ایک کا انجام اور سعادت شقاوت جانتے ہیں،علوم خمسہ رب نے آپ کو بخشے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی پشت میں اپنی تمام اولاد کی روحیں اور ان کے اجزاءاصلیہ موجود تھے۔بعض روایات میں ہے کہ مؤمنوں کی روحیں سفید تھیں انبیاء کی روحیں نہایت چمکدار۔

۸؎کیونکہ اگر ہم جنتیوں میں سے ہیں تو کچھ بھی کریں جنت ہی پائیں گے،جنتی دوزخی ہونا جبری چیز ہوئی نا کہ اختیاری۔

۹؎یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔پہلے گزر چکا کہ بعض لوگ عمر بھر دوزخیوں کے کام کرتے ہیں،مرتے وقت نیک اعمال کرکے مرتے ہیں۔

۱۰؎کام لینے کے معنی یہ ہیں کہ بندے کے دل کا رجحان برائیوں کی طرف ہوتا ہے جس سے وہ اپنی خوشی اور اختیار سے بدکاریاں کرتا ہے لہذا بندہ خلق میں مجبور ہے کسب میں مختار اور مستحق عذاب نار۔

۱۱؎لہذا ہمیشہ نیکیاں کرنے کی کوشش کرو۔

	روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ دستِ اقدس میں دو کتابیں تھیں۱؎فرمایا کہ کیا جانتے ہو یہ کیا کتابیں ہیں۲؎ہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کے بغیر

	بتائے نہیں جانتے ۳؎ تو داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ یہ کتاب رب العلمین کے پاس سے آئی ہے ۴؎ جس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر تک کاٹوٹل لگادیا گیا ہے ۵؎ لہذا ان میں کبھی زیادتی کمی نہیں ہوسکتی ۶؎ پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ یہ کتاب اللہ رب العلمین کی طرف سے آئی ہے ۷؎ اس میں دوزخیوں اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر تک کا ٹوٹل لگادیا گیا اب ان میں کبھی زیادتی اور کمی نہیں ہوسکتی ۸؎ صحابہ نے عرض کیا عمل کا ہے میں رہا یارسول اللہ اگر اس معاملہ سے فراغت ہوچکی ۹؎ فرمایا سیدھے رہو قرب الٰہی حاصل کرو ۱۰؎ کیونکہ جنتی کا خاتمہ جنتیوں کے عمل پر ہوتا ہے اگرچہ پہلے کوئی بھی کام کرے اور یقینًا دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے کام پر ہوتا ہے اگرچہ پہلے کوئی عمل کرے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر انہیں جھاڑ دیا ۱۱؎ پھر فرمایا کہ تمہارا رب بندوں سے فارغ ہوچکا ایک ٹولہ جنتی اور دوسرا ٹولہ دوزخی ہے ۱۲؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی ایک دائیں ہاتھ میں اور دوسری بائیں میں،حق یہی ہے کہ کتابیں حسی تھیں جنہیں صحابہ کرام دیکھ رہے تھے نہ کہ فقط خیالی اور وہمی جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے۔(مرقاۃ واشعۃ اللمعات)اگلی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی یہ دونوں کتابیں جو تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو کس مضمون کی ہیں اور ان میں کیا لکھا ہے،اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں نظر آرہی تھیں ورنہ ھذان سے اشارہ نہ فرمایا جاتا۔نیز پھر صحابہ پوچھتے کہ حضور کون سی کتابیں اور وہ کہاں ہیں؟

۳؎ یعنی کتابیں تو دیکھ رہے ہیں مگر اس کے مضمون سے بے خبر ہیں اگر آپ اطلاع بخشیں توخبردار ہوجائیں،معلوم ہوا کہ حضور کتابوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اور ان کتابوں کے تفصیلی عالم بھی ہیں اور لوگوں کو وہ کتابیں پڑھا اور بتا بھی سکتے ہیں یہی صحابہ کا عقیدہ تھا۔

۴؎ جس میں ربِّ تعالٰی کے خصوصی علم کا اظہار ہے۔

۵؎ اس طرح کہ ساری کتاب میں جنتیوں کے نام،پتے،کام تو فہرست میں ہیں اور آخر میں ٹوٹل کہ کل اتنے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جنتی و دوزخی کا تفصیلی علم بخشا ان کے باپ،دادوں،قبیلوں اور اعمال پر مطلع کیا،یہ حدیث حضور کے علم کی تابندہ دلیل ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

۶؎ یعنی رب نے اس میں تقدیر مبرم کی تفصیل فرمائی ہے اور مجھے اس کا علم بخشا ہے،تقدیر معلق اور مشابہ معلق میں زیادتی کمی ممکن ہے۔خیال رہے کہ لوح محفوظ میں محوواثبات کی تحریر بھی ہے اور اُمّ الکتاب میں صرف قضائے مبرم کی۔لوح محفوظ تک ملائکہ کا علم پہنچتا ہے مگر میرے حضور کا علم اُمّ الکتاب تک ہے۔(ازمرقات)یہاں صحابہ کرام کو اجمالی طور پر بتایا گیا۔

۷؎ بلاواسطۂ فرشتہ یا بواسطۂ فرشتہ ام الکتاب سے نقل ہوکر جہاں کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں کیونکہ یہ قضاء مبرم ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے۔

۸؎ اس سے پتہ لگا کہ اللہ نے اپنی قضاء مبرم پر حضور کو مطلع فرمایا۔

۹؎ یعنی انجام کا دارو مدار رب کی تحریر پر ہے نہ کہ ہمارے عمل پر،پھر اعمال کی ضرورت ہی کیا رہی۔

۱۰؎ یعنی اعمال نیک اور عقائد صحیح اختیارکرو تاکہ تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہو۔

۱۱؎ یعنی ہاتھوں کو جھٹکا دیا جس سے دونوں کتابیں غائب ہوگئیں یا کتابوں کو عالمِ غیب کی طرف پھینکا،یہ پھینکنا ان کی اہانت کے لیے نہ تھا نہ اس سے وہ کتابیں زمین پر گریں۔

۱۲؎ یہ قرآن پاک کی آیت سے اقتباس ہے اور بندوں سے مراد انسان ہیں کیونکہ جنت میں ثواب کے لیے انسانوں کے سوا کوئی نہ جائے گا یہ آدم علیہ السلام کی میراث ہے انہی کی اولاد کو ملیگی۔

	روایت ہے ابو خزامہ سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں میں نےعرض کیا یارسول اللہ مطلع فرمایئے کہ جو منتر ہم کرتے ہیں۲؎ جو دوائیں اور پرہیز ہمارے استعمال میں آتے ہیں ۳؎ کیا یہ اللہ کی تقدیر پلٹ دیتے ہیں فرمایا یہ خود اللہ کی تقدیر سے ہیں ۴؎(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے غالباان کا نام **یَعْمُر** ہے جو بنی حارث ابن سعد قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ ابوخزامہ خود تابعی ہیں،ابو خزامہ صحابی دوسرے ہیں۔

۲؎ یعنی تعویذ گنڈے دم درود جھاڑ پھونک اگر قرآنی آیات یا حدیث کی دعاؤں یا بزرگوں کے اعمال سے ہوں تو جائز،ورنہ ممنوع۔اس کی پوری بحث انشاء اللہ کِتَابُ الطّبّ وَالرُّقیٰ میں آئے گی۔

۳؎ یعنی بیماری میں دوائیں استعمال کرتے ہیں اور مضر چیز سے بچتے ہیں یا جنگ میں ڈھال وغیرہ سے دشمن کا حملہ دفع کرتے ہیں۔

۴؎ یعنی ان کا استعمال جائز ہے اور تقدیر میں یہی لکھا جاچکا ہے کہ فلاں بیماری،فلاں دوایا تعویذ سے جائے گی اور فلاں مصیبت اس جھاڑ پھونک یا اس پرہیز سے دفع ہوگی،یعنی مصیبتوں کا آنا اور ان تدابیر سے جانا سب مقدر میں شامل ہے،تدبیر تقدیر کے خلاف نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ گنڈا تعویذ جھاڑ پھونک مثل دوا کے علاج ہیں اور جائز ہیں کہ سنتِ صحابہ اور سنّتِ رسول اللہ ہیں،اس کا پورا ایک باب آنے والا ہے۔

	روایت ہے ابوہریرہ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے حالانکہ ہم مسئلہ تقدیر پر جھگڑ رہے تھے ۱؎ تو آپ ناراض ہوئے حتی کہ چہرہ انور سرخ ہوگیا گویا کہ رخساروں میں انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں ۲؎ اور فرمایا کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ۳؎ تم سے پہلے لوگوں نے جب اس مسئلہ میں جھگڑے کیئے تو ہلاک ہی ہوگئے ۴؎ میں تم پر لازم کرتا ہوں لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں نہ جھگڑو ۵؎(ترمذی)

۱؎ کہ جب جو کچھ ہم کرتے ہیں ارادۂ الٰہی سے کرتے ہیں،توہم مجبور ہوئے،پھر اس پر ثواب اور عذاب کیسا؟ وغیرہ جیسے آج کل کی عام گفتگوئیں۔

۲؎ یعنی غضب کے آثار چہرے پرنمودار ہوگئے۔حضور علیہ السلام کا یہ غصّہ نفس کے لئے نہ تھا بلکہ اللہ تعالٰی کے لئے اورصحابہ کو تعلیم دینے کی غرض سے تھا،یہ غصہ عبادت ہے جس پر بڑا ثواب۔اس سے معلوم ہوا کہ استاد شاگردوں پر اور پیرمریدوں پر ناراض ہوسکتا ہے۔

۳؎ یعنی جن چیزوں کی تمہیں ضرورت ہےاور جن کا سوال تم سے قبر و حشر میں ہوگاان کے حاصل کرنے کی کوشش کرو،مسئلہ تقدیر میں بحث کرنے کے تم مکلّف نہیں،نہ تم سے اس کا سوال ہوگا۔

۴؎ یہود و نصارٰی کی بعض جماعتیں یا دیگر انبیاء کی امتیں جو مسئلۂ قضاء قدر میں کج بحثیاں کر کے ایمان کھو بیٹھے اور عذاب الٰہی آگیا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسئلۂ تقدیر میں بے سمجھے بوجھے کج بحثیاں کرنا اور عوام کے دل میں اس کے متعلق شبہات پیدا کرنا حرام ہے،ایسے ہی نا سمجھ لوگوں کا اس میں زیادہ غور و فکر کرنا بھی منع،لیکن اس مسئلے کی حقانیت پر دلائل قائم کرنا،معترضین کے شبہات دور کرنا منازعت نہیں بلکہ تبلیغ ہے،مگر یہ علماء کا کام ہے عوام کا نہیں،لہٰذا علم کلام میں مسئلۂ تقدیر کی بحث اس زد میں نہیں آتی۔

	اس کی مثل ابن ماجہ نے عمرو ابن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا ۱؎

۱؎ خیال رہے کہ ان کی اسناد میں اِرْسال ہے کیونکہ ان کا نسب یہ ہے،عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص۔عبداللہ ابن عمرو صحابی ہیں،شعیب نے ان سے ملاقات نہیں کی،جَدِّہٖ کی ضمیر شعیب کی طرف لوٹتی ہے،بعض نے فرمایا کہ اس میں ارسال نہیں ہے،اور شعیب نے اپنے دادا عمر ابن عاص سے ملاقات کی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی سے پیدا کیا جو تمام روئے زمین سے لی گئی ۱؎ لہٰذا اولاد آدم زمین کے اندازے پر آئی ۲؎ ان میں سرخ سفید اور کالے اور درمیانے ۳؎ اور نرم وسخت پلید و پاک ہیں ۴؎ اسے احمد وترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔	

۱؎ اس طرح کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے ہرقسم کی زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی حاصل کی اور اس کو ہر قسم کے پانی میں گوندھا چونکہ حضرت عزرائیل نے ہی یہ مٹی اٹھائی تھی،اس لیے جان نکالنے کا کام بھی انہیں کے سپرد کیا،تاکہ زمین کی امانت وہی واپس کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کے بندوں کے کام رب کی طرف منسوب ہوتے ہیں،دیکھو مٹی جمع کرنے والے حضرت ملک الموت ہیں مگر فرمایا گیا رب تعالٰی نے جمع فرمائی۔اس کی پوری تحقیق ہماری"تفسیر نعیمی"میں دیکھئے۔

۲؎ یعنی چونکہ مٹیاں مختلف تھیں لہٰذا انسانوں کی صورتیں اورسیرتیں بھی مختلف ہوئیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کے اجزائے اصلیہ آدم علیہ السلام میں موجود تھے،جیسے تمام کی روحیں آپ کی پشت میں تھیں،انبیائے کرام کے اصلی اجزاء نورانی تھے دوسروں کے ظلمانی،حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو نوراللہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ آپ کی روح بھی نور ہے اورجسم بھی نورانی،ورنہ صرف روح تو سب کی نور ہے۔

۳؎ یعنی سانولے یا سفیدی سرخی سے مخلوط یعنی جن کی خلقت میں سفید مٹی کے اجزاء غالب آگئے وہ سفید ہوگئے،کالی مٹی کے اجزاء جن میں غالب آئے وہ کالے،جہاں دونوں برابر رہے وہ سانولے یا سرخ سفید۔

۴؎ یعنی جیسے انسانوں کی مختلف صورتیں مختلف مٹیوں کی وجہ سے ہیں ایسے ہی ان کی سیرتیں بھی مختلف مٹیوں کے اثرات سے مختلف ہیں کہ جن میں نرم مٹی کے اجزاءغالب ہیں ان کی طبیعت نرم ہے،اور سخت مٹی والوں کی طبیعت بھی سخت،جو گندی مٹی سے بنے وہ طبیعت کے گندے ہیں،پاک مٹی والے طبیعت کے پاک صاف۔خیال رہے کہ جیسے جسم کا اصلی رنگ نہیں بدلتا ایسے ہی انسان کی اصلی فطرت نہیں بدلتی،اور جیسے پوڈر یا سیاہی کا عارضی رنگ اترجاتا ہے،ایسے ہی طبیعت کی عارضی حالتیں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ابوجہل کا کفر اصلی تھا نہ دُھل سکا،عمر فاروق کا عارضی،ایک نگاہِ مصطفٰے نے دھوکر پھینک دیا۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ نے اپنی	

	مخلوق اندھیرے میں پیدا کی۱؎ پھر ان پر اپنی شعاع نور ڈالی۲؎ جسے اس نور سے کچھ پہنچا وہ ہدایت پا گیا۳؎ جو اس سے رہ گیا گمراہ ہوگیا۴؎ اسی لیئے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر سوکھ چکا ۵؎(احمدوترمذی)

۱؎ یعنی جن وانس نہ کہ فرشتے یہ دونوں فریق پیدائش کے وقت نفسانی اورشہوانی اندھیریوں میں تھے۔

۲؎ یعنی ایمان اورمعرفت کی روشنی معلوم ہوا کہ تاریکی ہماری اصلی حالت ہے،روشنی رب کا کرم،گناہ ہم خود کرتے ہیں،نیکی وہ کرالیتا ہے مٹی کے ڈھیلے کی طرح کیجیے ہم خود گرتے ہیں،اپنے کرم سے اوراوپروہ اٹھالیتا ہے۔

۳؎ جنّت کے راستہ کی جن پر گہراچھینٹا پڑا وہ انبیاء یا اولیاء ہوئے جن پر ہلکا پڑا وہ مؤمن ہوئے۔

۴؎ یعنی کافر رہا،خیال رہے کہ تاریکی میں پیدائش میثاق والے اقرار سے پہلے ہے،سب لوگ پہلے ہی تقسیم ہوچکے تھے،معاہدے کے وقت مؤمنوں نے خوشی سے بلٰی کہا تھا اور کافروں نے ناخوشی سے،اسی اقرار پرماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے،وہاں فطرت سے مراد یہ اقرار ہے۔

۵؎ یعنی جو لکھنا تھا وہ لکھ دیا۔خیال رہے کہ اس سے انسان کا جبر لازم نہیں آتا کیونکہ وہاں یہی لکھا جاچکا ہے،کہ یہ بندہ اپنی خوشی سے یہ کام کرے گا کام بھی تحریر میں آچکے اور اس کا ارادہ اور خوشی بھی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ فرماتے تھے اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر ثابت رکھ ۱؎ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم آپ پراورآپ کی تمام لائی ہوئی چیزوں پر ایمان لاچکے تو کیا اب بھی آپ ہم پر اندیشناک ہیں۲؎ فرمایا ہاں لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے بیچ میں جدھر چاہے پھیر دے۳؎(ترمذی وابن ماجہ)

۱؎ یہ دعاتعلیم امّت کے لیے ہے تاکہ لوگ سن کرسیکھ لیں ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دینِ حق سے ہٹ جانا ایسے ہی ناممکن ہے جیسے خدا کا شریک بلکہ جس پر وہ نگاہِ کرم کردیں وہ نہیں پھسل سکتا عثمان غنی سے فرمادیا کہ جو چاہوکرو مگر وہ گناہ نہ کرسکے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! یہ ہے صحابہ کرام کا ایمان وہ دعا سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ دعا ہمارے لیے ہے نہ کہ خود حضور کے اپنے لیے۔خیال رہے کہ عَلَیْنَا سے مرادتاقیامت عام مسلمان ہیں ورنہ بعض صحابہ حضور کے کرم سے اس سے مستثنٰے ہیں۔فرماتے ہیں کہ عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے،حضور کی نگاہ سے ڈگمگاتے جم جاتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیۡہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوۡنَ "۔

۳؎ یعنی جن و انس کے دل اس کی تفسیر پہلے بارہا گرچکی۔

روایت ہے ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی مثال اس پر کی سی ہے جو میدانی زمین میں ہو جسے ہوائیں ظاہر و باطن الٹیں پلٹیں۱؎ (احمد)	

۱؎ دل گویا پتّہ ہے دنیا بڑا میدان اور صحبتیں تیز ہوائیں اگر یہ پتہ کسی بھاری پتھر کے نیچے آجائے تو ہواؤں کی زد سے محفوظ رہتا ہے اگر ہم گنہگار کسی شیخ کی پناہ میں آجائیں تو ان شاءاللہ بے دینی سے محفوظ رہیں گے بیعت مرشد کا یہ ہی منشاء ہے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک بندہ مؤمن نہیں ہوتا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے گواہی دے کے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں مجھے اللہ نے حق کے ساتھ بھیجا اور مرنے اور مرے بعد اٹھنے ۱؎ اور تقدیر پر ایمان لائے۲؎ (ترمذی، وابن ماجہ)	

۱؎ موت میں دہریوں کا رد ہے کہ وہ شخصی موت کے تو قائل ہیں مگر عالم کی مجموعی موت کے قائل نہیں اور اٹھنے میں منکرین قیامت کا رد ہے یعنی یہ بھی مانیں کہ سارے عالم کو فنا ہے اور یہ بھی کہ بعد موت سزاو جزا کے لیے اٹھنا ہے اور ممکن ہے کہ موت سے مراد شخصی موت ہو اوراٹھنے سے قبر میں اٹھنا۔

۲؎ کہ نہ جبریہ بن کر انسان کو مجبور محض مانے اور نہ قدریہ بن کر تقدیر کا انکار کرے،اوراپنے کو قادرِ مطلق جانے۔

روایت ہے حضرت عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کے دو گروہ ہیں۱؎ جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں مرجیہ اور قدریہ ۲؎ اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ اُمت سے مراد یا تو اُمت دعوت ہے جس میں کافر بھی شامل ہیں یا امت اجابت یعنی کلمہ گو،جنہیں قومی حیثیت سے مسلمان کہا جاتا ہے دیکھو مسلمانوں کے ۷۲ ناری فرقے قومی مسلمان ہیں،اور ایک فرقہ ناجیہ قومًا بھی مسلمان اور مذہبًا بھی،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان کافر گروہوں کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُمت کیوں فرمایا۔

۲؎ مرجیہ کہتے ہیں کہ جیسے کافر کو کوئی نیکی مفید نہیں ایسے ہی مسلمان کو کوئی گناہ مضر نہیں جو چاہے کرے،اس زمانہ کے دِتہ شاہی فقیر اور بعض روافض ان کی یادگار ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ دتّہ شاہ کو مان لیا،یا محرم میں رو پیٹ لیے،پھر جو چاہو کرو،قدریہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہم اپنے اعمال کے خالق اور مختار ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

دونوں فرقے بالکل کافر ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ ان کا کفر لزومی ہے،نہ کہ التزامی،لہذا انکی تکفیر میں احتیاط چاہیے کیونکہ ثبوت کفر کے لیے دلیل قطعی چاہیے،یہ حدیث قطعی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں دھنسنا اور صورتیں بگڑنا ہوگا اور یہ تقدیر کے منکروں پر ہوگا ۱؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ترمذی کی روایت اس کی مثل ہے۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں **خسف** اور **مسخ** کے حقیقی معنے ہی مراد ہیں اور واقعی آخر زمانہ میں بعض منکرین تقدیر قارون کی طرح زمین میں دھنسائے جائیں گے اور بعض ایلہ والوں کی طرح بندر اورسور بنیں گے۔خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریف آوری کے بعد اس قسم کے عام عذاب تا قیامت بند ہوگئے خصوصی عذاب آئیں گے،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "**مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ**" کہ وہاں عمومی عذاب کی نفی ہے اور یہاں خصوصی کا ثبوت،بعض نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میری اُمّت میں مسخ اور خسف ہوتا تو قدریوں میں ہوتا۔(اللمعات)بعض نے فرمایا کہ قدریوں کو یہ عذاب قیامت میں ہوگا،کہ میدانِ محشر میں ان کے منہ کالے ہوں گے اور پلصراط سے گراکر جہنم میں دھنسائے جائیں گے(مرقاۃ)مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قدریہ فرقہ اس امت کا مجوسی ٹولہ ہے ۱؎ اگر بیمار پڑیں تو ان کی مزاج پرسی نہ کرو اور اگر مرجائیں تو ان کے جنازوں میں نہ جاؤ ۲؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ اُمت سے مراد اُمتِ اجابت یعنی کلمہ گو ہیں(قومی مسلمان)۔مجوس کا عقیدہ ہے کہ عالم کے خالق دو ہیں:خیر کا خالق یزدان اور شر کا اہرمن یعنی شیطان۔ایسے ہی قدر یہ اپنے کو اپنے اعمال کا خالق مانتے ہیں،لہذا مجوس سے بدتر ہوئے کہ وہ صرف دو خالق مانیں اور یہ لاکھوں۔

۲؎ یعنی ان کا مکمل بائیکاٹ کرو تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلیں،بائیکاٹ بڑا مکمل علاج ہے رب تعالٰی نافرمان بیویوں کے بارے میں فرماتا ہے:"**وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ**"۔خیال رہے کہ مؤمن کو بے دین سے ایسی ہی علیحدگی چاہیے کہ موت زندگی میں ان سے الگ رہے جان بچانا ہے تو سانپ سے بھاگو،ایمان بچاناہے تو بے دینوں سے بھاگو،قدریہ یا تو کافر ہیں یا گمراہ،بہرحال ان کی صحبت زہر قاتل ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو[1] نہ ان سے کلام کی ابتداء کرو[2]۔ (ابوداؤد)

[1] محبت اور میل ملاپ کے طور پر تبلیغ یا مناظرہ کے لیے ٹھوس علماء کا اُن کے پاس جانا جائز ہے،پلپلے مسلمان بہرحال ان سے بچیں۔فی زمانہ قادیانیوں،وہابیوں،روافض سب کا یہی حکم ہے اگر مسلمان اس حدیث پر عمل کرتے تو یہ دین پھیلتے ہی نہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ"۔

[2] لَاتُفَاتِحُوۡا،فَتۡح سے بنا بمعنی ابتداء یا فیصلہ "رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا" یہ یعنی انہیں حاکم یا پنچ نہ بناؤ،یا ان سے بات چیت اور مناظرہ وغیرہ کی ابتداء نہ کرو تاکہ فتنہ نہ ہو،اس سے پتہ لگاکہ بدینوں کے جلسوں میں جانا،ان کی کتب کا مطالعہ کرنا،انہیں دعوتیں کھلانا سب ناجائز ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ آدمی وہ ہیں جن پر میں نے اور اللہ نے لعنت کی[1] اور ہر نبی مقبول الدعاء ہے[2] اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا[3] اللہ کی تقدیر کا انکاری،جبرًا قبضہ جمانے والا تاکہ انہیں ذلیل کرے جنہیں اللہ نے عزت دی اور انہیں عزت دے جنہیں اللہ نے ذلیل کیا[4] اور اللہ کے حرام کو حلال سمجھنے والا[5] اور میری آل کے متعلق وہ باتیں حلال سمجھنے والا جنہیں اللہ نے حرام کیا[6] اور میری سنت کو چھوڑنے والا[7]۔

[1] لعنت کے معنی ہیں دُوری جب اس کا فاعل بندہ ہو تو معنٰے ہوتے ہیں دُوریٔ رحمت کی بددعا کرنا،اور اگر فاعل ربّ ہو تو معنٰے ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا،کسی مسلمان پر نام لے کر لعنت جائز نہیں،وصفِ اجمالی سے لعنت جائز جیسے جھوٹوں اور زانیوں پر خدا کی لعنت،نیز اُن کفار پر بھی لعنت جائز ہے جن کا کفر پر مرنا یقینی ہوچکا جیسے ابوجہل و ابولہب وغیرہ۔لعان میں لعنت وصف ہی پر ہے اس حدیث میں بھی یہی لعنت ہے۔

[2] یعنی ہر نبی کی ہر دعا قبول اگر ان کی کوئی دعا خلاف قضاء وقدر ہوجائے تو ان کو دعا مانگنے سے روک دیا جاتاہے ردّ وہ بھی نہیں ہوتی،رب نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا"یٰۤـاِبۡرٰهِیۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا"۔

[3] قرآن ہو یا کوئی آسمانی کتاب لفظی زیادتی کرے یا معنوی۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جنہوں نے آج قرآن کی تفسیر کو کھیل سمجھ رکھا ہے اور آیات کے وہ معانی کررہے ہیں جو آج تک کسی مؤمن کے خیال میں بھی نہ تھے،علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی شاذ قراتیں حدیث کے حکم میں ہیں وہ قرآن نہیں نہ اس کی تلاوت جائز۔(مرقاۃ)

۴؎ یعنی لوگوں کے خلاف مرضی اُن کا ناجائز حاکم بن جانے والا جیسا آج کل علی العموم ہورہا ہے۔خیال رہے کہ قوم یا ملک کے بگڑنے کی صورت میں اس کو سنبھالنے کے لیے زمامِ حکومت ہاتھ میں لے لینا سنت یوسف علیہ السلام ہے۔یہاں وہ حکام مراد ہیں جو دین و ملک کو بگاڑنے کے لیے حاکم بنیں،فاسقوں کو مرتبے دیں،علماء واولیاء کو ذلیل کرنے کی کوشش کریں۔

۵؎ یعنی مکہ مکرمہ کے حدود میں فتنہ،فساد،شکار اور قطع اشجار وغیرہ وہ کام کرنے والا جو شریعت نے علی العموم یا وہاں حرام کیے۔

۶؎ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی بے حرمتی،اُن پر ظلم و ستم کرنے والا،عترت رسول اللہ اولادِ فاطمہ زہرا ہے ان کی تعظیم داخل فی الدین ہے،جب قرب کعبہ کی وجہ سے حرم کی زمین کا احترام ہے تو قرابت ِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سادات کرام کا احترام یقینًالازم ہے،یا اس جملے کے معنے یہ ہیں کہ جو میری اولاد ہو اور اللہ کے حرام کو حلال جانے اس پر لعنت ہے۔(اشعۃ اللمعات)کہ اگرچہ جرم سب کے لیے بُرا مگر سادات کے لیے زیادہ بُرا،اس سے سید حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے وہ اپنے باپ دادوں کا نمونہ بنیں صرف سیّد ہونے پر فخر نہ کریں۔

۷؎ حقیر جان کر سنتِ رسول اللہ مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ زائدہ ہو یا ھُدٰی اس کو حقیر جاننا،مذاق اُڑانا قطعًا کفر ہے۔سنت ھُدٰی کا ہمیشہ چھوڑنے والا حضور کی ایک شفاعت سے محروم رہے۔

روایت ہے مطربن عکاس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے کے متعلق کسی زمین میں مرنے کا فیصلہ فرمادیتا ہے تو اس کے لئے وہاں ضروری کام ڈال دیتا ہے ۲؎(احمدوترمذی)	

۱؎ آپ سلمی ہیں،اہلِ کوفہ سے آپ کا شمار ہے،آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،حق یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں،صحابیت کے لیے ایک آن صحبت پاک کافی ہے۔

۲؎ دنیوی یادینی چنانچہ بعض لوگ زیارتِ روضہ کے لیے یا حج کے لیئے مدینہ پاک یا مکّہ مکرمہ جاتے ہیں اور وہاں انتقال ہوجاتا ہے ایسی حاجت بھی مبارک اورموت بھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہاسے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مسلمانوں کے بچے ۱؎ (کہاں جائیں گے)فرمایا وہ اپنے باپ دادوں سے ہیں ۲؎ تو میں بولی یارسول اللہ بغیر عمل فرمایا اللہ جانتا ہے وہ کیا کرتے ۳؎ میں نے عرض کیا تو کفار کے بچے،فرمایا وہ اپنے باپ دادوں سے ہیں ۴؎ میں بولی بغیر کچھ کیئے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ۵؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی جو ہوش سے قبل فوت ہوجائیں وہ کہاں جائیں گے۔

۲؎ یعنی جنتی ہیں اور جنت میں جو درجہ ان کے باپ دادوں کا ہوگا وہی ان کا لہٰذا حضرت قاسم،ابراہیم وغیرہم حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے،اولاد تو بہت اعلیٰ قرب رکھتی ہے۔ان شاءاللہ حضور کو چاہنے والے حضور کے ہمراہ ہوں گے،گلدستہ کی گھاس بھی پھول کے طفیل بادشاہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے۔

۳؎ یعنی جنت کے داخلے کے لیے بالفعل عمل ہی شرط نہیں،تقدیری عمل بھی کافی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو مسلمان کے بچے تھے،اچھے ہی کام کرتے،اس بنا پر جنت میں جائیں گے بلکہ بعض گنہگار نیک کاروں کے طفیل جنتی ہیں جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔

۴؎ یعنی اُن کے ساتھ دوزخ میں۔

۵؎ کہ اگر وہ زندہ رہتے تو کافر کے بچے تھے،کفر ہی کرتے۔جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ جزو اُن آیات سے منسوخ ہے جن میں فرمایا کہ بلا جُرم دوزخ نہ دی جائے گی یہ بارہا عرض کیا جاچکا ہے۔رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَاكُنَّا مُعَذِّبِيْنَ "الآیہ۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ دفن کرنے والی ماں اور زندہ دفن کی ہوئی بچی دونوں دوزخ میں ہیں ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ مالدار کفارِ عرب اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ دیتے تھے،حدیث کے ظاہری معنٰے یہ ہیں کہ یہ ماں اور بچی دونوں جہنمی۔ماں کفر حقیقی کی وجہ سے اور بچی کفر حکمی کی بنا پر،تب تو اس کی تحقیق وہ ہے جو پہلے گزر چکی۔ایک احتمال یہ ہے کہ **وائدہ** سے مراد وہ جنا نے والی دائی جو بچی کو دفن کراتی تھی اور **موؤدہ** سے مراد وہ ماں جس کی بچی دفن کی گئی،تو یہ حدیث بالکل ظاہر ہے کہ دونوں عورتیں اپنے اپنے کفر کی بنا پر جہنم میں گئیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے ابوالدرداء سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا اللہ تعالٰی اپنی مخلوق میں ہر بندہ کے متعلق پانچ چیزوں سے فارغ ہوچکا ہے ۲؎ اس کی موت سے،اس کے عمل سے ۳؎ ہر حرکت وسکون سے ۴؎ اور اس کے رزق سے۔(احمد)

۱؎ آپ کا نام شریف عویمر ابن عامر ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں۔درداء ان کی بیٹی کا نام ہے یہ اپنے گھر والوں میں سب سے پیچھے ایمان لائے،فقیہ،عابد صحابی ہیں،شام میں قیام فرمایا، ۳۲ھ میں دمشق میں وفات پائی،وہیں مدفون ہیں۔

۲؎ یعنی اٹل فیصلہ فرماچکا ورنہ رب تعالٰی شغولیت اور فراغت سے پاک ہے اگرچہ رب تعالٰی کا فیصلہ ہر قسم کا ہوچکا ہے مگر خصوصیت سے ان پانچوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان کو ان کی فکر زیادہ رہتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ تم ان فکروں میں زندگی برباد کیوں کرتے ہو جو فیصلہ ہوچکا وہ ہوکر رہے گا۔

۳؎ کہ کیا کرے گا وہ کہاں اور کب مرے گا۔

۴؎ **مضجع** کے معنی ہیں پہلو رکھنے کی جگہ یعنی خوابگاہ،اثر،نشان،قدم کو کہتے ہیں یعنی کہاں رہے گا اور کہاں پھرے گا کہاں کہاں جائے گا اور کہاں دفن ہوگا یا دفن بھی نہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسئلۂ تقدیر میں بحث کرے گا اس سے قیامت میں اس کی باز پرس ہوگی ۱؎ اور جو اس میں بحث نہ کرے گا اس سے پرسش نہ ہوگی ۲؎ (ابن ماجہ)

۱؎ بطور عتاب کہ تو نے اس میں اپنا وقت ضائع کیوں کیا اور اس میں بحث کیوں کی؟خیال رہے کہ لوگوں کو گمراہ کرنے یا ان کے دلوں میں شک ڈالنے کے لئے یا جو لوگ کم عقل ہوں اُن کے سامنے مسئلۂ تقدیر چھیڑنا جرم ہے وہی یہاں مراد ہے مگر اس مسئلے کی تحقیق کرنے،شک دفع کرنے کے لیے بحث کرنا حق اور باعثِ ثواب ہے۔لہٰذا وہ صحابہ یا علماء معتوب نہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر گمراہوں سے مناظرے کیے یا کتابیں تصنیف کیں۔

۲؎ عوام کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مانیں بحث نہ کریں،ہم ماننے کے مکلّف ہیں نہ کہ بحث کے،یہی حکم رب تعالٰی کے ذات و صفات کے مسئلے کا بھی ہے۔شعر

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

	روایت ہے ابن دیلمی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں ابی ابن کعب ۲؎ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شکوک پڑ گئے ۳؎ مجھے کوئی حدیث سنایئے شاید اللہ میرے دل سے وہ دور فرمادے ۴؎ فرمایا اگر اللہ تعالٰی اپنے آسمانی اور زمینی بندوں کو عذاب دے تو وہ ان پر ظالم نہیں ۵؎ اور اگر ان پر رحم فرمادے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے ۶؎ اور اگر تم احد برابر سونا اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ قبول نہ کرے گا،جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ ۷؎ اور یہ نہ جان لو کہ جو تمہیں پہنچا وہ تم سے بچ سکتا نہ تھا اور جو تم سے بچ گیا وہ تمہیں پہنچ سکتا

	نہ تھا۸؎ اور اگر تم اس کے سواکسی اور عقیدے پر مرے تو دوزخ میں جاؤ گے فرماتے ہیں پھر میں عبداللہ ابن مسعود کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہ ہی فرمایا پھر میں حذیفہ ابن یمان کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہ ہی فرمایا پھر میں زید ابن ثابت ۹؎ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی۱۰؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام ابوعبداللہ یاابوعبدالرحمان ہے،ابن فیروز دیلمی حمیری فارسی النسل ہیں،آپ کے والد فیروز نے اسودعنسی کو قتل کیا جو مدعی نبوت تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرضِ وفات شریف میں جب اس قتل کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ اسے نیک بندے نے قتل کیا،امیرمعاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۵۰ھ میں انتقال ہوا،دیلمی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے ابوعبدالرحمٰن تابعی،دیلم ایک پہاڑ کانام ہے۔

۲؎ آپ قراء صحابہ میں سے ہیں،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،کاتبِ وحی رہے ہیں،ان چھ صحابہ میں سے ہیں جو حضور کے زمانہ پاک میں حافظِ قرآن تھے۔اور حضور نے آپ کی کنیت ابوالمنذر رکھی تھی اور عمر فاروق نے ابوطفیل،حضورآپ کوسیدالانصار اور حضرت عمر سیّدالمسلمین کہتے تھے،مدینہ منورہ میں خلافت فاروقی ۱۹ھ میں وفات پائی۔

۳؎ کہ جب ہر چیز لکھی جاچکی اور وہ ہو کے رہے گی تو شریعت کے احکام کس لیے ہیں اور سزا جزا کیوں ہے شاید یہ شبہات قدریوں کی صحبت سے پیش آئے ہوں۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی خدمت میں،جانا اُن سے مسائل پوچھنا،اپنے شکوک نکالنا سنت صحابہ ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔

۵؎ یعنی کیوں اور کیسے میں غور نہ کرو بلکہ یہ ایمان رکھو کہ رب مالک حقیقی ہے اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے۔ہم بکری ذبح کرلیتے ہیں،درختوں کو کاٹ کر جلا لیتے ہیں،کمہار ایک مٹی کو پیالہ بناتا ہے جو پانی میں رہے،دوسری کو ہانڈی جو آگ پر جلے،جب یہ کوئی ظالم نہیں،تو اگر رب تعالٰی ہمیں بے قصور جہنم میں ڈال دے تو ظالم کیوں ہو؟خیال رہے کہ یہ فرضی گفتگو ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ "ورنہ انبیائے کرام اور جن سے جنت کا وعدہ ہوچکا اُن کا عذاب پانا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا رب کا شریک،رب تعالٰی جھوٹ سے پاک ہے،یہاں صرف یہ فرمایا گیا کہ بفرضِ محال اگر انہیں عذاب دے تو بھی ظالم نہیں کہ ظالم وہ جو دوسرے کی ملک میں بلا وجہ تصرف کرے۔

۶؎ یعنی اگر سارے بندوں کفارمرتدین وغیرہم کوبخش دے تو یہ اس کا رحم ہے،یہ کلام بھی فرضی ہے ورنہ ابلیس،اس فرعون،ابوجہل وغیرہ کا جنتی ہونا ناممکن ہے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ"۔

۷؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تقدیر کا انکار کفر ہے اور منکر کافراسی لیےبعض علماء نے قدریوں کو کافر کہا ہے۔دوسرے یہ کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں جیسے بے وضو کی نماز درست نہیں۔تیسرے یہ کہ زمانۂ صحابہ میں اس قسم کے مسائل چھڑ گئے تھے جن کی تردید صحابۂ کبار کرتے تھے۔

۸؎ یعنی ہر مصیبت اور راحت رب تعالٰی کے ارادہ سے ہے اسباب کچھ بھی ہوں لہذا یہ نہ کہو کہ اگر اسے بخار نہ آتا تو نہ مرتا،یا اگر میں فلاں کام کرلیتا تو بیمار نہ ہوتا،موت بھی رب کی طرف سے ہے اور بخار بھی،بیماری بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہے اور وہ کام بھی۔

۹؎ آپ انصاری ہیں،کاتبِ وحی ہیں،علمِ فرائض کے بڑے عالم ہیں،صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن کے جامع،عہد عثمانی میں مصحفوں میں قرآن کے ناقلین میں آپ بھی ہیں،۵۶ سال کی عمر پا کر ۴۵ھ میں مدینہ پاک میں وفات پائی۔

۱۰؎ لہذا یہ حدیث مرفوع ہے اگرچہ ان تین صحابہ نے اس رفع کا اظہار نہ فرمایا۔

روایت ہے حضرت نافع سے ۱؎ کہ ایک شخص حضرت ابن عمر کے پاس آیا بولا کہ فلاں آپ کو سلام کہتا ہے ۲؎ فرمایا میں نے سنا ہے وہ بدعتی ہوگیا ۳؎ اگر واقعی وہ بدعتی ہوگیا تو اسے میرا سلام نہ کہنا ۴؎ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں یا اسی امت میں دھنسنا،صورت بدلنا،پتھر برسنا ہوگا قدریوں میں اسے ترمذی،ابوداؤد،اور ابن ماجہ نے نقل کیا ترمذی نے فرمایا:یہ حدیث حسن غریب ہے ۵؎

۱؎ آپ نافع ابن سرجس دیلمی ہیں،سیدنا عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام،جلیل القدر تابعی ہیں۔امام مالک اور دیگر آئمہ نے آپ سے روایتیں کیں،بڑے زاہد،عالم،متقی ہیں۔عبداللہ ابن عمر کی اکثر روایتوں کے آپ ہی راوی ہیں، ۱۱۷ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ معلوم ہوا کہ کسی کے ذریعے سلام کہلا کر بھیجناجائز ہے اب بھی بعض لوگ حاجیوں کے ذریعہ حضور علیہ السلام کے روضۂ انور پر سلام کہلواتے ہیں۔

۳؎ یعنی اس نے دین میں نیا عقیدہ ایجادیا اختیار کیا ہے کہ تقدیر کا منکر ہوگیا ہے اور قدریہ بن گیا۔معلوم ہوا کہ قدریہ مذہب بڑاپرانا ہے زمانۂ صحابہ میں پیداہوچکا تھا۔

۴؎ یعنی میری طرف سے جواب سلام نہ پہنچانا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بدعت سیئہ اُن بُرے عقائد کا نام ہے جواسلام میں ایجادکیے جائیں،جس بدعت یا بدعتی کی سخت برائیاں آئی ہیں اس سے یہی مراد ہے،دیکھو حضرت ابن عمر نے انکار تقدیر کے عقیدے کو بدعت فرمایا۔دوسرے یہ کہ عہد صحابہ میں جو بدعقیدگیاں ایجاد ہوئیں وہ بھی بدعت ہیں کہ قدریہ مذہب اگرچہ اس خیرالقرون میں نمودارہوا مگر بدعت ہوا بدعت کے لئے خیرالقرون کے بعدہوناشرط نہیں،حضرت عمر فاروق نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو جو آپ نے ایجاد فرمائی تھی بدعت حسنہ فرمایا۔تیسرے یہ کہ بدعتی بے دین کو نہ سلام کیا جائے نہ جواب سلام۔

۵؎ یعنی چند اسنادوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے،دوسری سے صحیح،تیسری سے غریب۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ بی بی خدیجہ نے ۱؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بچوں کے متعلق پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں فوت ہوچکے تھے ۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دونوں آگ میں ہیں ۳؎ فرماتے ہیں جب حضور علیہ السلام نے ان کے چہرے میں غم کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ اگر تم ان کا ٹھکانہ دیکھتیں تو ان سے نفرت کرتیں ۴؎ انہوں نے عرض کیا اچھا آپ سے جو میرے بچے ۵؎ ہیں فرمایا وہ جنت میں ہیں،پھرحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اور انکی اولاد جنت میں ہے ۶؎ اور کفار اور ان کی اولاد دوزخ میں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد ان کے تابع ہے ۷؎(احمد)	

۱؎ آپ مسلمانوں کی پہلی ماں ہیں،نام شریف خدیجہ بنتِ خویلد ابن اسد ہے،قرشیہ ہیں،قصی ابن کلاب میں حضور سے مل جاتی ہیں،اولًا ہالہ ابن زرارہ کے نکاح میں تھیں،پھر عتیق ابن عائز سے نکاح کیا،پھر چالیس سال کی عمر میں حضور کے نکاح میں آئیں،حضور نے سب سے پہلے انہیں سے نکاح کیا اور ان کی موجودگی میں کسی بیوی سے نکاح نہ فرمایا،سب سے پہلے آپ ہی حضور پر ایمان لائیں،حضور کی ساری اولاد بجز حضرت ابراہیم آپ ہی سے ہے۔۲۵ سال حضور کے نکاح میں رہیں ۶۵ سال کی عمر پاکر ہجرت سے چار سال پہلے مکہ معظّمہ میں وفات پائی،جنت معلٰے کے دوسرے حصے میں دفن کی گئیں،قبر شریف زیارت گاہ خلق ہے،فقیر نے حاضری دی ہے۔

۲؎ گزشتہ خاوندوں سے ظہور اسلام سے پہلے۔

۳؎ کیونکہ ان کے باپ بھی مشرک تھے اور اے خدیجہ!اس وقت تم بھی مشرکہ تھیں لہذا نہ وہ خود مؤمن ہوسکے نہ ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی۔اس مسئلہ کی تحقیق اسی باب میں بارہا کی جاچکی۔خیال رہے کہ یہ خبر نہیں ہے بلکہ بیانِ قانون

ہے یعنی قانونًا تمہارے وہ بیٹے جہنمی ہونے چاہئیں لہٰذا یہ حدیث ان آیات سے منسوخ ہے جن میں فرمایا گیا کہ ہم بغیر جرم کسی کو عذاب نہیں دیتے۔

۴؎ یعنی تمہیں ان سے مادری محبت اور ان کے عذاب پر غم جبھی تک ہے جب تک تم نے اُن کا ٹھکانا دیکھا نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جنتی ماں باپ اور دوزخی اولاد میں قطعًا محبت نہ ہوگی،وہاں محبت رشتۂ ایمان سے ہوگی نہ کہ رشتہ جان سے۔

۵؎ طیّب وطاہر و قاسم جو بچپن میں فوت ہوگئے،ظہور اسلام سے قبل۔

۶؎ یہ حدیث اس حدیث کی ناسخ ہے جس میں فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے اپنے مقدرہ اعمال کے مطابق جنتی یا دوزخی ہیں۔

۷؎ اس آیت سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اگر ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو تو بچہ مؤمن ہوگا۔دوسرے یہ کہ بچہ ماں باپ کے ساتھ رہے گا،ماں باپ کو کمی نہ دی جائے گی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے تاقیامت ان کی اولاد کی روحیں نکلیں جنہیں اللہ پیدافرمانے والا ہےاور ان میں سے ہرانسان کی دو آنکھوں کے بیچ نور کی چمک دی۱؎ پھر انہیں آدم پر پیش فرمایا وہ بولے اے رب یہ کون ہیں فرمایاتمہاری اولاد۲؎ ان میں ایک شخص کو دیکھاتو ان کی آنکھوں کے درمیان کی چمک پسند آئی ۳؎ بولے اے رب یہ کون ہے فرمایا حضرت داؤد بولے اے رب ان کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے فرمایا ساٹھ سال۴؎ عرض کیا مولا میری عمر میں سے چالیس سال انہیں بڑھادے۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم کی عمر ماسوائے چالیس سال پوری ہوئی تو ان کی خدمت میں فرشتہ موت حاضر ہوا۶؎ آدم بولے کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں فرمایا کہ وہ تم اپنے فرزند داؤد کو نہ دے چکے ۷؎ حضرت آدم انکاری ہوئے اس لئے انکی اولاد انکار کرنے لگی۸؎ حضرت آدم بھول کر درخت سے کھا گئے لہٰذا ان کی اولاد بھولنے لگی حضرت آدم نے خطا کی تو انکی اولاد خطائیں کرنے لگی ۹؎(ترمذی)	

۱؎ فطری نور یعنی فطرۃ سلیمہ کا نور چہرے پر نمودار ہوا،خیال رہے کہ سقط یعنی گرا ہوا حمل اس میں داخل نہیں کیونکہ اس میں روح پھونکی ہی نہ گئی،جس بچہ میں روح پھونکی جائے وہ دکھایا گیا،یہ تمام کارروائی حضرت آدم کو مطلع فرمانے کے لئے کی گئی،رب تعالٰی تو ہمیشہ سے علیم وخبیر ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے اپنی ساری اولاد کو دیکھ بھی لیا،پہچان بھی لیا اور ان کے انجام سے اطلاع بھی پالی کہ فلاں جنتی ہے فلاں دزوخی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی چمکیں مختلف تھیں اور حضرت آدم کو داؤد علیہ السلام کی چمک پسند آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی چمک ہمارے حضور کی چمک سے زیادہ یا افضل ہو،حسن واقعی اور چیز ہے۔پسند آنا کچھ اور لیلےٰ سے بڑھ کر حسینہ اور عورتیں موجودگی تھیں مگر عاشق کی آنکھ میں وہی مرغوب تھی۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎ معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی اپنے مقبولوں کو اپنے خاص علوم عطا فرماتا ہے کیونکہ مقدار عمر علوم خمسہ میں سے ہے جو رب العالمین نے سیدنا آدم کے پوچھنے پر بتادی۔

۵؎ آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزارسال تھی،آپ نے عرض کیا کہ میری عمر نو سو ساٹھ سال کردے اورداؤد علیہ السلام کی عمر پورے سو۱۰۰ سال،یہ دعا رب نے قبول فرمالی۔معلوم ہوا کہ نبی کی دعا سے عمریں گھٹ بڑھ جاتی ہیں،ان کی شان تو بہت ارفع ہے شیطان کی دعا سے اس کی عمر بڑھ گئی کہ اُس نے عرض کیا تھا" اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ "رب تعالٰی نے اس کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:"فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ "الآیہ"فَاِنَّکَ" کی ف سے معلوم ہوتاہے کہ یہ زیادتی عمر اس کی دعا سے ہوئی،رہی وہی آیت کریمہ"اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ "وہ اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ آیت میں تقدیر مبرم یعنی علمِ الٰہی کا ذکر ہے،اور یہاں تقدیر معلق کی تحریر کا ذکر یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار سے اپنی عمر کم و بیش نہیں کرسکتا،اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کی دعا سے عمریں رب گھٹا بڑھا دیتا ہے۔آخر عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرماتے تھے انہیں آپ کی دعا سے نئی عمریں مل جاتی تھیں سچ ہے دعا سے تقدیر پلٹ جاتی ہے۔

۶؎ یعنی جب آپ کے نو سو ساٹھ سال پورے ہوئے تو حضرت عزرائیل نے حاضر ہو کر آپ کو موت کا پیغام سنایا،معلوم ہوا کہ انبیاء کی وفات ہماری طرح جبرًا نہیں ہوتی،بلکہ فرشتۂ موت ظاہر ظہور خدمت میں حاضر ہوتےہیں اور ان کی اجازت سے جان قبض کرتے ہیں ان کی وفات اختیاری ہے۔

۷؎ معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اپنی عمر معلوم تھی کہ کل اتنی ہوگی یہ علوم خمسہ میں سے ہے یہ بھی معلوم ہوا انبیائے کرام کی وفات ان کی رضا سے سمجھا بجھا کر ہوتی ہے۔ہم سے ملک الموت کبھی حساب کتاب نہیں کرتے۔

۸؎ یعنی آدم علیہ السلام اپنا یہ عطیہ بھول گئے اس بنا پر کہا کہ مجھے اپنا یہ عطیہ دینا یاد نہیں،یاد کا انکار ہے نہ کہ دینے کا،رب کی خبر کا انکار کفر ہوجاتاہے لہٰذاحدیث پر کوئی اعتراض نہیں،انبیائے کرام کی بھول بھی رب کی طرف سے ہوتی ہے جس میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔

۹؎یعنی آدم علیہ السلام سے درخت کی تعیین میں اجتہادی خطا ہوئیں اور سمجھے کہ رب نے خاص اس درخت کے پھل سے منع فرمایا ہے اور میں دوسرے درخت سے پھل کھارہا ہوں حالانکہ ممانعت جنس درخت سے تھی۔(مرقاۃ)یا وہ سمجھے کہ مجھے کھانے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ قریب جانے سے کچھ بھی ہو،ہوا دھوکہ ہی،وہی خطا اورنسیان آج تک انسانوں میں چلی آرہی ہے۔اس حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ پھر فیصلہ کیا ہوا ظاہر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو بھی ہزار سال عمر دی گئی اور داؤد علیہ السلام کو بھی سو۱۰۰ برس،آپ کی زبان خالی نہ گئی،اگر آدم علیہ السلام ویسے ہی فرمادیتے کہ مجھے ہزار سال دنیا میں اور رہنا ہے تو آپ کی بات مان لی جاتی،جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے واقعہ سے معلوم ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابودرداء سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو انکے داہنے کندھے پر دستِ قدرت لگایا جس سے سفید رنگ کی اولاد چیونٹیوں کی طرح نکالی اور ان کے بائیں کندھے پر مارا تو کالی اولاد کوئلے کی طرح نکالی ا؎پھر داہنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ جنت کی طرف ہیں مجھے پرواہ نہیں بائیں کندھے والوں کے متعلق فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں مجھے پرواہ نہیں۔۲؎(احمد)	

ا؎یہ واقعہ کئی بار ہوا ایک بار میں ساری ذریت کی پیشانی میں نو ر فطری کی چمک تھی اس بار کفار بالکل سیاہ تھے اورمؤمن سفید،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقاۃ)ان کے دل کا حال چہروں پر نمودار تھا ایسا ہی قیامت میں ہوگا کہ کفار کالے اور مؤمن سفید ہوں گے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ آدم علیہ السلام کی پشت میں تمام انسانوں کی روحیں اور اجزاءاصلیہ موجود تھے۔داہنی طرف مؤمن وں کے اور بائیں طرف کافروں کے۔دوسرے یہ کہ آدم علیہ السلام کو تمام جنتیوں اور دوزخیوں کا علم دیا گیا۔

۲؎یعنی مخلوق کے جنتی ہونے سے ہمارا کچھ نفع نہیں اور جہنمی ہونے سے کچھ نقصان نہیں خود ان کا ہی نفع نقصان ہے۔نیز اللہ تعالٰی پر کوئی چیز واجب نہیں نہ اس سے کوئی پوچھ گچھ کرسکتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابی نضرہ سے ا؎کہ حضور کے صحابہ میں سے ایک صاحب جنہیں ابوعبداللہ کہا جاتا تھا ان کی بیمار پُرسی کے لیئے ان کے دوست گئے وہ رو رہے تھے ۲؎تو یہ حضرات بولے کیوں روتے ہو؟کیا تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا تھا اپنی مونچھیں کٹواؤ پھر اس کے پابند رہو یہاں تک کہ مجھے ملو ۳؎وہ بولے ہاں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک مٹھی لی	

	اور دوسری دوسرے ہاتھ میں۴؎ اور فرمایا کہ یہ اس کے لیئے ہے اور یہ اس کے لیئے۵؎ اور مجھے پروا ہ نہیں اور مجھے خبر نہیں کہ میں کون سی مٹھی میں تھا۶؎(احمد)

۱؎ آپ نضرہ ابن منذر ابن مالک جوہدی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،خواجہ حسن بصری سے کچھ پہلے بصرہ میں ہوئے،۱۰۷ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲؎ موت کے خوف یا بیماری کی تکلیف سے نہیں بلکہ خوفِ خدا سے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اس وقت یہ حالت اللہ کی خاص رحمت ہے ان صحابی کا نام معلوم نہ ہوسکا،ظاہر ہے کہ عیادت کرنے والے حضرات صحابہ کرام بھی تھے اور تابعین بھی۔

۳؎ یعنی اے صحابی رسول تمہیں آیندہ کا کیا کھٹکا ہے،تمہیں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دو خوشخبریاں دے دی ہیں ایک یہ کہ تم جنتی ہو،دوسرے یہ کہ تم جنت میں حضور کے قرب کے مستحق ہو۔خیال رہے کہ داڑھی بڑھانا اور مونچھ کتروانااتنا کہ اوپر کے ہونٹ کا سارا کنارہ کھل جائے سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے اور اس کی پابندی جنتی ہونے اور حضور کے قرب ملنے کا ذریعہ ہے جیسے کہ ترک سُنت کی عادت حضور علیہ السلام سے دوری کا سبب ہے۔

۴؎ دستِ قدرت کی ان مٹھیوں میں انسانوں کی روحیں تھیں،یہ حدیث متشابہات میں سے ہے،رب تعالٰی مٹھی کے ظاہر معنے سے پاک ہے۔

۵؎ یعنی داہنی مٹھی والے جنت کے لیے ہیں،اور بائیں والے دوزخ کے لیے۔

۶؎ داہنی میں یا بائیں میں لہذا میں جنتی ہوں یا دوزخی،یہاں علم کی نفی نہیں،بلکہ درایت کی نفی ہے۔درایت اٹکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔حضور کی بشارت سے ان کو اپنے جنتی ہونے کا علم یقینی حاصل ہوچکا تھا۔آج صدیق اور فاروق کے جنتی ہونے پر ہمارا ایمان ہے،جو ان کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ بے ایمان ہے۔آپ کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ اس مٹھیوں والی حدیث میرے سامنے ہونے کی وجہ سے میری نظر اس بشارت پر رہی ہی نہ تھی اس لیے میں رو رہا تھا۔خیال رہے کہ ان صحابہ کا یا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف،خوفِ جلال ہے نہ کہ خوفِ عتاب،انہیں خدا کے وعدوں پر بے اعتباری نہ تھی جیسے وزیر اعظم کو دربارِ شاہی کی ہیبت ہوتی ہے،جو خدا کے وعدوں پر اعتماد نہ کرے وہ کافر ہے خوفِ جلال قوتِ ایمان کی دلیل ہے،موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے ایذاء کا خوف تھا اگرچہ رب نے اُن کی حفاظت کا وعدہ فرمالیا تھا لہذا اس حدیث سے مسئلۂ امکانِ کذب ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے پشت آدم سے نعمان یعنی عرفات میں عہد لیا۱؎ اس طرح کہ ان کی پشت سے ساری اولاد نکالی انہیں حضرت آدم کے ساتھ چیونٹیوں کی طرح بکھیردیا ۲؎ پھر ان کے آمنے سامنے گفتگو فرمائی فرمایا کیا میں تمہارا رب

	نہیں ہوں؟ سب بولے ہاں ہم گواہ ہیں۳؎ کہ کہیں قیامت کے دن یہ کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے یا کہہ دو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادوں نے کیا ہم تو ان کے بعد کی پیداوار تھے تو کیا تو ہم کو جھوٹوں کے جرموں سے ہلاک فرماتا ہے۴؎(احمد)

۱؎نعمان پہاڑ مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان سے شروع ہوکر عرفات تک پہنچتا ہے اس پہاڑ پر یہ واقعہ ہوا لہٰذا یہ حدیث بھی درست ہے کہ عرفات میں یہ عہد لیا گیا اور یہ بھی کہ طائف کے قریب لیا گیا۔

۲؎تاکہ آدم علیہ السلام سب کو جان پہچان لیں اور یہ معاہدہ سن لیں اور دیکھ لیں۔

۳؎رب اور بندوں کی یہ گفتگو بلاواسطہ اس طرح ہوئی کہ بندوں نے رب کو دیکھا جیسا کہ "قُبُلًا" سے معلوم ہوا،یہ اقرارِ ربوبیت سارے بندوں سے لیا گیا جن میں انبیاء،اولیاء،مؤمنین،کفار سب شامل تھے۔حضور علیہ السلام کی اتباع کا عہد صرف انبیاء سے لیا گیا اور تبلیغ کا معاہدہ علمائے بنی اسرائیل سے،یہ تینوں عہد قرآن حکیم میں موجود ہیں۔

۴؎یعنی توحید سے تمہیں یہاں خبردار کردیا گیا تم سے اس کا اقرار لیا گیا،اس کی یاددہانی کے لئے انبیاء اور کتابیں بھیجی جائیں گی،لہٰذا اب کوئی بھی معذور نہ ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ توحید ہر شخص پر لازم ہے اور کفّار کے چھوٹے فوت شدہ بچے دوزخی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے رب تعالٰی کے اس فرمان کے متعلق جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی فرمایا انہیں جمع کیا انہیں جوڑے بنایا۱؎ پھر انہیں صورت وگویائی دی ۲؎تو وہ وہ بولے پھر ان سے عہد میثاق لیا اور انہیں خود انکی ذات پر گواہ بنایا۳؎ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں بولے ہاں فرمایا میں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں کو اور تمہارے والد آدم کو گواہ بناتا ہوں ۴؎کہیں قیامت میں کہہ دو کہ ہم کو خبر نہ تھی جان لو میرے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرانا ۵؎عنقریب تم تک اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد میثاق یاد دلائیں گے ۶؎اور تم پر اپنی کتابیں اتاروں گا ۷؎بولے ہم اس کے گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب ہمارا معبود ہے تیرے سوا نہ کوئی ہمارا رب ہے نہ معبود ۸؎پھر سب نے اس کا اقرار کیا ان پر آدم علیہ

السلام کو انہیں دیکھنے کے لیے اٹھایا گیا ۹؎ تو آپ نے امیر فقیر حسین وغیرہ دیکھے ۱۰؎ تو عرض کیا اے رب تو نے اپنے بندوں میں برابری کیوں نہ کی فرمایا میں نے چاہا کہ شکر کیا جاؤں ۱۱؎ ان میں نبیوں کو چراغوں کی طرح دیکھا جن پر نور تھا ۱۲؎ ان سے دوسرا خصوصی عہد رسالت اور نبوت کے متعلق لیا گیا وہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا الخ عیسیٰ ابن مریم کے قول تک ۱۳؎ حضرت عیسیٰ بھی ان روحوں میں تھے انہیں بی بی مریم کی طرف بھیجا ابی سے خبر ملی کہ آپ حضرت مریم کے منہ سے داخل ہوئے ۱۴؎ (احمد)	

۱؎ یعنی نر اور مادہ یا ان کی علیحدہ قسمیں کیں کافر،مؤمن،منافق سب الگ الگ۔

۲؎ یعنی جس شکل و صورت پر دنیا میں ہوں گے وہی شکل انہیں دی گئی یا کافر کالے مؤمن سفید اور انبیاء نورانی بنائے گئے آدم علیہ السلام کی پہچان کے لیے۔

۳؎ ایک کو دوسرے پر گواہ یا ہر ایک کے اعضا کو اس کے نفس پر گواہ۔

۴؎ یعنی آسمان و زمین کی مخلوق کو یا خود آسمان و زمین کو دوسرے معنے زیادہ قوی ہیں کیونکہ اُن میں سے ہر چیز میں سمجھ بوجھ ہے۔اب دریاؤں کے قطرے،زمین کے ذرے نیک و بد کو پہچانتے ہیں،قیامت میں زمین لوگوں کے اعمال کی گواہی دے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ سارے انبیاء خصوصًا آدم علیہ السلام اپنی اولاد کے اعمال کی قیامت میں گواہی دیں گے،پتہ لگا کہ وہ حضرات ہماری ہر حرکت پر مطلع ہیں اس حدیث کی تفسیر وہ آیت ہے:"وَیَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا"۔

۵؎ یعنی تمہارے لیے قیامت میں کوئی عذر باقی نہ چھوڑا تمہارے اس اقرار کے بھی صدہا گواہ ہیں اور دنیا کے سارے اعمال کے بھی بہت گواہ ہوں گے اب تم نہ یہ کرسکو گے کہ ہمیں یہ اقرار یاد نہ رہا تھا،نہ یہ کہ ہمیں خبر نہ تھی کہ ہماری ڈائری لکھی جارہی ہے اور انبیائے کرام زمین آسمان ہمارے اعمال کو دیکھ کر ہمارے گواہ بن رہے ہیں۔

۶؎ رب نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا کہ از آدم علیہ السلام تا روزِقیامت دنیا ایک آن نبوت سے خالی نہ رہی۔خیال رہے کہ زمانۂ نبی اور ہے زمانۂ نبوت کچھ اور پیغمبر کی ظاہری زندگی کا زمانہ،زمانۂ نبی ہے اور ان کے دین کی بقاء کازمانہ،زمانۂ نبوت ہے چنانچہ قیامت تک ہمارے حضور علیہ السلام کا زمانہ ہے۔

۷؎ انبیائے کرام کے ذریعے سے،یہاں کتب سے مراد کلامِ الٰہی ہے خواہ صحیفے ہوں یا باقاعدہ کتابیں،چنانچہ آسمان سے سو۱۰۰صحیفے آئے اور چار کتابیں اور کوئی زمانہ کلام الٰہی سے بھی خالی نہ رہا،کس نبی پر کتنے صحیفے نازل ہوئے،یہ ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھیئے۔

۸؎ مرقات میں فرمایا کہ یہاں شہادت بمعنے علم ہے یعنی ہم نے مشاہدے سے تیری ربوبیت اور معبودیت جان پہچان لی یا بمعنے گواہی یعنی ہم ایک دوسرے کے اس اقرارِ توحید پر گواہ بن گئے۔

۹؎ اس طرح کی آدم علیہ السلام نے اونچے مقام پر کھڑے ہوکر ان سب کو جھانک کر دیکھا اور ایک ایک کو پہچان لیا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام اپنی ساری اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں،پھر ہمارے حضور کے علم کا کیا پوچھنا،حضرت آدم کا علم علمِ مصطفوی کے سمندر کا قطرہ ہے۔

۱۰؎ غنی و فقیر سے مال،اعمال،ایمان سب کے غنی فقیر مراد ہیں یعنی آپ نے دل کے غنی و فقیر، کافر، متقی فاجر اور مال کے غنی و فقیر،مالدار و محتاج،شاہ و گدا،ایسے ہی خوبصورت اور بدصورت دیکھ لیئے۔(مرقاۃ)خیال رہے کہ غنا اور فقر دل کے اوصاف ہیں،حسن و جمال صورت کے حالات،اللہ تعالٰی نے اس دن تمام کی صورتوں پر ظاہری و باطنی حالات نمودار کردیئے تھے جس سے آدم علیہ السلام بے تکلف ہر شخص کے ہر حال کو ملاحظہ فرمارہے تھے۔خیال رہے کہ حضور اس سے پہلے ہی یہ سب کچھ مشاہدہ فرماچکے تھے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔کیوں نہ ہوتا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالٰی کے گواہ اعظم اور ساری مخلوق کے شاہد اکبر ہیں۔

۱۱؎ یعنی لوگوں کے حالات کا اختلاف ان کی شاکریت اور میری شکوریت کا ذریعہ ہے اس طرح کہ ہر شخص کو اپنے سے ادنی کو دیکھ کر میرا شکر کرے کہ خدایا تیرا شکر ہے میں اس سے بہتر ہوں،مثلًا غنی فقیر کی محتاجی کو دیکھ کر سجدہ شکر کرے اور فقیر غنی کے الجھاوے زیادتی حساب میں غور کرے توشکر کرے۔ایسے ہی حسین بدصورت کی قباحت کو دیکھ کر شکرکرے اور بدصورت حسن کی بلاؤں کو دیکھ کر حسن نہ ملنے پر شکر کرے،بادشاہ رعایا کی دست نگری کو دیکھے شکر کرے۔اور رعایا بادشاہ کی فکروں،محنتوں وغیرہ مصائب کو دیکھ کر شکر کرے،شکر اعلٰی درجے کی عبادت بلکہ ساری عبادات کی اصل ہے۔

۱۲؎ نبی رسول سے عام ہے جس پر وحی آئے وہ نبی اور جن کو تبلیغ کا بھی حکم ہو وہ رسول،جو نبی شریعت بھی رکھتے ہوں وہ مرسل،نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں،رسول ۳۱۳،مرسل ۴ ہر رسول نبی ہے اس کا عکس نہیں،آدم علیہ السلام نے تمام انبیاء کو ان کی شانوں اور کمالوں کے ساتھ دیکھا،بعض مثل چراغوں کے،بعض لالٹین،بعض گیس،بعض بجلی،بعض چاند اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی طرح تھے،کسی کی روشنی چاند کی طرح جمالی تھی اور کسی کی دھوپ کی طرح جلالی،سُوْرج ان سب کو شامل ہے۔

۱۳؎ انبیائے کرام سے خصوصی عہد دولیے گئے تھے:ایک ادائے رسالت اور تبلیغ نبوت کا عہد،اس عہد میں ہمارے حضور بھی شامل تھے اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔اور دوسرا نبی آخر الزمان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا،اس میں ہمارے حضور شامل نہ تھے سب سے پہلے ہمارے حضور پر ایمان لانے کا معاہدہ لیا گیا اس کا ذکر اس آیت میں ہے "ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ "الایہ۔

۱۴؎ یعنی تمام روحیں اپنے باپوں کی پشتوں میں واپس گئیں مگر عیسٰی علیہ السلام کی روح حضرت مریم کے شکم میں آپ کی منہ شریف کے راستے داخل ہوئی کیونکہ آپ کی ولادت بغیر والد کے ہونے والی تھی۔

	روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور

	صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کا تذکرہ کررہے تھے ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو مان لو اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی جبلی عادت سے بدل گیا تو نہ مانو وہ پھر اسی طرف لوٹ جائے گا جس پر پیدا ہوا ۲؎ (احمد)

۱؎ کہ واقعاتِ عالم گزشتہ فیصلے کے مطابق ہورہے ہیں یا اتفاقًا مگر یہ تذکرہ مناظرانہ رنگ میں نہ تھا بلکہ تحقیق کے لیئے اسی لیئے حضور اکرم سنتے رہے منع نہ فرمایا بلکہ ایک مسئلے کی وہ تحقیق فرمادی۔معلوم ہو اکہ علمِ کلام پڑھنا ممنوع نہیں،مسئلۂ تقدیر میں جھگڑنا منع ہے جیساکہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

۲؎ خلاصۂ مسئلہ یہ ہوا کہ واقعاتِ عالم گزشتہ فیصلے کے مطابق ہو رہے ہیں،اور وہ فیصلے اٹل ہیں جن کی تبدیلی ناممکن ہے۔خیال رہے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں ذاتی اور وصفی،وصفی حالات دن رات دن بدلتے رہتے ہیں۔کافر مؤمن بن جاتے ہیں،فاسق متقی،بخیل سخی ہو جاتے ہیں،بزدل بہادر،کبھی بزرگوں کی صحبت سے،کبھی علم کی برکت سے،کبھی یوں ہی محض رب کی قدرت سے،مگر اصلی حالت کبھی نہیں بدل سکتی اگر کبھی عارضی طور پر بدل بھی گئی تو اسے بقانہ ہوگا آگ پر پانی گرم ہو جاتا ہے مگر وہاں سے ہٹتے ہی پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے یہاں اصلی حالت کا ذکر ہے۔اور جبلّت سے وہ خصلت مراد ہے جو علم الٰہی میں آچکی جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔

.	روایت ہے حضرت اُم سلمہ سے ۱؎ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کو ہر سال اس زہریلی بکری کی تکلیف ہوتی ہے جو آپ نے (خیبر میں) کھالی تھی ۲؎ فرمایا مجھے اس کے سوا کچھ نہیں پہنچی جو میرے مقدر میں اس وقت لکھ دی گئی جب حضرت آدم اپنے خمیر میں تھے ۳؎ (ابن ماجہ)

۱؎ آپ کا نام ہند بنتِ ابی اُمیہ ہے،پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں، ۴ھ میں بیوہ ہوئیں اسی ۴ھ اواخرماہ شوال میں حضور کے نکاح میں آئیں، ۵۹ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں دفن ہوئیں،۸۴سال عمر ہوئی،بہت صحابہ اور تابعین نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

۲؎ کہ ایک یہودیہ نے خیبر میں دھوکہ سے بکری کا زہر آلودہ گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلادیا تھا بعض صحابہ نے بھی کھالیا جو شہید ہوگئے،خدا کے فضل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے مگر ہر سال زہر کی تکلیف عود کرتی تھی حتّٰی کہ وفات کے وقت بھی اس زہر کا اثر نمودار ہوگیا تھا۔ان شاءاللہ اس کا مفصل ذکر "باب المعجزات" میں آئے گا۔

۳؎ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر ہم خیبر نہ جاتے تو زہر نہ کھاتے خیبر جانا وہاں زہر کھالینا سب کچھ لکھا جاچکا تھا۔

باب اثبات عذاب القبر

عذاب قبر کا ثبوت[1]

الفصل الاوّل

پہلی فصل

[1] عذاب قبر کے متعلق چند مسائل یاد رکھنے چاہئیں: (۱) یہاں قبر سے مراد عالم برزخ ہے جس کی ابتداء ہر شخص کی موت سے ہے انتہا قیامت پر، عرفی قبر مراد نہیں، لہذا جو مردہ دفن نہ ہوا بلکہ جلا دیا گیا، یا ڈبو دیا گیا، یا اُسے شیر کھا گیا اُسے بھی قبر کا حساب و عذاب ہے۔ (۲) عذابِ قبر کا ثبوت بہت سی آیات اور بے شمار احادیث سے ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ" الآیہ۔ فرماتا ہے: "اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا" اور فرماتا ہے: "اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا" یہ سب آیتیں عذابِ قبر کے متعلق ہیں۔ دیکھو ہماری فہرست القرآن اور فتاوٰی نعیمیہ لہذا عذاب قبر کا منکر گمراہ ہے۔ (۳) قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے حشر میں ایمان و اعمال دونوں کا۔ (۴) حساب قبر ہمارے حضور کے زمانہ سے شروع ہوا پچھلی اُمتوں میں نہ تھا نہ اُن سے اپنے نبی کی پہچان کرائی جاتی تھی۔ (۵) حسابِ قبر آٹھ شخصوں سے نہیں ہوتا: نبی، شہید، جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون میں مرنے والا، طاعون میں صابر، چھوٹے بچے، جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والا، ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا، مرض موت میں "قُلۡ هُوَ اللّٰهُ" پڑھنے والا۔ (شامی) (۶) حسابِ قبر اور ہے، عذاب قبر کچھ اور، بعض لوگ حسابِ قبر میں کامیاب ہوں گے، مگر بعض گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا، جیسے چغل خور اور گندا (۷) کافر کو عذابِ قبر دائمی ہوگا گنہگار کو عارضی حتی کہ بعض کا عذاب جمعہ کی شب آتے ہی ختم ہو جاتا ہے، اسی لیئے بعد دفن سے شبِ جمعہ تک قبر پر تلاوتِ قرآن کرائی جاتی ہے۔ (۸) حشر کے بعد بندوں کو جنت یا دوزخ میں داخل فرما کر ثواب یا عذاب دیا جاوے گا، برزخ میں جنت دوزخ کا ثواب و عذاب قبر میں پہنچتا ہے جسم میت وہاں نہیں پہنچتا، لہذا دونوں عذابوں ثوابوں میں فرق ہے۔ (۹) عذابِ قبر روح کو ہے جسم اُس کے تابع مگر حشر کے بعد والا عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کو ہوگا

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے [1] وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا مسلمان سے جب قبر میں پوچھ گچھ ہوتی ہے تو وہ گواہی دے اٹھتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں[2] تو یہ ہی رب کا فرمان ہے کہ اللہ مؤمنوں کو مضبوط بات پر قائم رکھتا ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں[3] اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت یہ ہے کہ فرمایا کہ یہ آیت عذابِ قبر کے متعلق نازل ہوئی[4] مردے سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون تو وہ کہتا ہے میرا رب اللہ

	اور میرے نبی محمد ہیں۵؎(مسلم و بخاری)

۱؎ آپ کا نام براءکنیت ابو عمارہ ہے،انصاری حارثی ہیں،خندق اورغزوۂ احد وغیرہ ۱۵غزووں میں حضور کے ساتھ رہے۔عہدفاروقی میں کوفہ میں قیام فرمایا، ۲۴ھ؁ میں "رے" آپ ہی نے فتح کیا،عہد مرتضوی میں جنگِ جمل صفین اور نہروان میں حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ تھے،کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ پوچھنے والے منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو توحید و رسالت اور دین کا امتحان لیتے ہیں یہ جواب عام مؤمنوں کا ہے جو یہاں ارشاد ہوا،بعض عاشق جمالِ مصطفوی دیکھتے ہی اُٹھ کر فدا ہوجاتے ہیں اور ایسا طواف کرتے ہیں جیسا پروانہ شمع کا یا حاجی کعبہ کا جیساکہ بزرگوں کی تواریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے خواب میں لوگوں کو اپنے سوال کی تفصیل وجد انگیز طریقہ سے بتائی۔

۳؎ یہاں آخرت سے مراد قبر ہے یعنی قبر میں کوئی شخص اپنی کوشش سے کامیاب نہیں ہوسکتا محض رب کے کرم سے کامیابی ملے گی۔یعنی مؤمنوں کو زندگی اور قبر میں کلمۂ شہادت پر اللہ تعالٰی ہی ثابت قدم رکھتا ہے ورنہ دنیا کے بہت سے حالات اور قبر کے سخت سوالات اُسے پھسلانے والے ہیں۔قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے چونکہ قبر میں صرف عقائد کا امتحان ہے اس لئے اعمال کا ذکر نہ ہوا۔

۴؎ یعنی قبر کے عذاب و ثواب کے ثبوت میں ورنہ یہ آیت مؤمنوں کے بارے میں آئی ہے جو عذابِ قبر سے محفوظ ہیں لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵؎ دنیا میں امتحان کے سوالات پہلے چھپائے جاتے ہیں تاکہ کوئی جواب سوچ نہ لائے۔ہمارے حضور نے اس امتحان کے سوالات بھی آؤٹ کردیئے،ان کے جوابات بھی بتادیئے،خدا کرے اس وقت اَوسان ٹھکانے رہیں اور یہ بتائے ہوئے صحیح جوابات یاد آجائیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے ۱؎ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں ۲؎ پھر کہتے ہیں کہ تو ان صاحب کے متعلق کیا کہتا تھا یعنی محمد ۳؎ تو مؤمن کہہ دیتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۴؎ تب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنا دوزخ کا ٹھکانا دیکھ جسے اللہ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ۵؎ تو وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے ۶؎ لیکن منافق اور کافر اس سے کہا جاتا ہے کہ ان صاحب کے بارے میں کہتا تھا ؟ ۷؎ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے تھے

	وہی میں کہتا تھا ۸؎ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے نہ پہچانا قرآن نہ پڑھا ۹؎ اور لوہے کے ہتھوڑوں سے مار ماری جاتی ہے جس سے وہ ایسی چیخیں مارتا ہے کہ سواء جن و انس تمام قریبی چیزیں سنتی ہیں ۱۰؎ (مسلم وبخاری)الفاظ بخاری کے ہیں۔

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مردے سنتے ہیں،مردوں کا سُننا قرآنی آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔حضرت شعیب وصالح علیہما السلام نے عذاب یافتہ قوم کی نعشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا:" یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ "الآیہ۔رب فرماتا ہے:"وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ "یعنی اے محبوب! پچھلے پیغمبروں سے پوچھو،بلکہ ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا گیا:"ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا"ذبح کیے ہوئے جانوروں کو پکارو دوڑتے ہوئے آجائیں گے،یہ حدیث سماع موتٰی کے لیے نصِّ صریح ہے،ہمارے حضور علیہ السلام نے بدر میں مقتول کفار کی لاشوں پر کھڑے ہو کر ان سے کلام کیا۔خیال رہے کہ مردے کا یہ سننا ہمیشہ رہتا ہے،اس لئے حکم ہے کہ قبرستان میں جاکر مردوں کو سلام کرو،حالانکہ نہ سننے والوں کو سلام کیسا ؟ جن آیتوں میں سماع موتٰی کی نفی ہے وہاں مردوں سے مراد دل کے مردے یعنی کافر ہیں،اور سننے سے مراد قبول کرنا ہے اسی لیئے جہاں قرآن نے یہ فرمایا:"اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى"تم مردوں کو سُنا نہیں سکتے،وہاں ساتھ میں یہ بھی فرمادیا:"اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا"یعنی تم صرف مؤمنوں کو ہی سُناسکتے ہوجس سے معلوم ہوا کہ وہاں مردوں سے مراد کافر تھے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ میت اپنے دینے والوں،نماز پڑھنے والوں،اٹھانے والوں اور دفن کرنے والوں کو جانتا پہچانتا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ گنبدِ خضریٰ میں حضرت عمر کے دفن ہونے کے بعد پردے کے ساتھ اندر جاتی تھیں،اور فرماتی تھیں کہ میں عمر سے حیا کرتی ہوں،معلوم ہوا کہ میت دیکھتی بھی ہے،امام صاحب نے میت کے سننے میں توقف نہیں کیا بلکہ سننے کی نوعیت میں جیسا کہ اسی جگہ مرقاۃ میں ہے۔دوسرے یہ کہ بعد موت قوتیں بڑھ جاتی ہیں کہ ہزار ہا من مٹی میں دفن ہونے کے باوجود میت لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن لیتی ہے تو جو انبیاء اور اولیاء زندگی میں مشرق و مغرب دیکھتے ہوں وہ بعد وفات فرش و عرش کی یقینًا خبر رکھتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ ہر جمعرات کو میت کی روح اپنے عزیزوں کے گھر پہنچ کر اُن سے ایصال ثواب کی درخواست کرتی ہے(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور) معراج کی رات سارے نبی بیت المقدس میں اور پھر آنًا فانًا آسمانوں پر موجود تھے یہ ہے رُوح میت کی رفتار۔

۲؎ اس عبارت سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حسابِ قبر سب لوگوں کے لوٹ آنے کے بعد شروع ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص قبر پر ہی رہے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ میت سے حساب نہ ہوگا اسی لیے بعض لوگ بعد دفن سے جمعہ کی شب تک قبر پر حافظ قرآن بٹھالیتے ہیں کہ شاید ان کی موجودگی کی وجہ سے حساب اور تلاوتِ قرآن کی برکت سے عذاب نہ ہو۔دوسرے یہ کہ منکر نکیر فرشتوں میں یہ طاقت ہے کہ بیک وقت ہزاروں جگہ جاسکتے ہیں،ہزار ہا قبر وں میں

ایک آن میں موجود ہو کر سب مردوں سے حساب کرلیتے ہیں اسی کو حاضر ناظر کہا جاتا ہے،لہٰذا اگر انبیاء اولیاء بیک وقت چند جگہ موجود ہوں تو کوئی قباحت نہیں اور نہ یہ عقیدہ شرک ہے۔خیال رہے کہ منکرنکیرمردے میں روح ڈالتے ہیں جس سے وہ زندہ ہو کر بیٹھتا ہے اور کلام کرتا ہے مگر یہ زندگی ہمیں محسوس نہیں ہوسکتی اور جنہیں جلا دیا گیا یا شیر کھا گیا ان کے اجزاءاصلیہ سے روح متعلق کردی جاتی ہے اور اس سے حساب ہوجاتا ہے۔حدیث میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ماں کے پیٹ میں فرشتہ بچہ بنا جاتا ہے،تقدیر لکھ جاتا ہے ماں کو خبر نہیں ہوتی عالمِ امر کی چیزیں اِن آنکھوں سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔

۳؎ یہ "هٰذَا الرَّجُل"کی تفسیرہے جو حضور نے خود فرمائی کسی راوی کی تفسیر نہیں ورنہ وہ رسول اللہ یا نبی اللہ فرماتے۔(مرقاۃ)اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حسابِ قبر حضور سے نہیں لیا گیا کیونکہ حضور ہی کی پہچان کا تو حساب ہے پھر آپ سے کیسے ہوتا۔دوسرے یہ کہ قبر میں ہر مردے کو قریب سے حضور کی زیارت کرائی جاتی ہے۔جیسا کہ ھذا سے معلوم ہوا،ھذا وہاں بولتے ہیں جہاں چیز نظر بھی آرہی ہو اور قریب بھی ہو۔تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت سب کی قبور میں پہنچ سکتے ہیں،یا بیک وقت نظر آسکتے ہیں جیسے سورج کی شعاعیں بیک وقت لاکھوں جگہ موجوداور بیک وقت خود ہر جگہ سے نظر آتا ہے اس سے حاضر ناظر کا مسئلہ حل ہوا۔چوتھے یہ کہ فرشتے خود حضور ہی کی زیارت کراتے ہیں نہ کہ آپ کے فوٹو کی کیونکہ فوٹو نہ رَجُل ہے،نہ اس فوٹو کا نام محمد ہے،نہ وہ فوٹونبی ہے جیسے پتھر کو خدا کہنا شرک ہے ایسے ہی کسی فوٹو کو نبی بتانا بھی کفر ہے،عشاق اس دیدار قبر کی بنا پر موت کی تمنا کرتے ہیں اور عاشقوں کی موت کو عرس کہا جاتا ہے یعنی برات کا دن یا دولہا کی دید کی عید کا دن۔

۴؎ یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا اس نے حضور کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو نورِ ایمانی سے پہچان لیتا ہے اور تڑپ کر پکارتا ہے کہ یہی وہ ہیں جن کا میں نے کلمہ پڑھا تھا۔بعض عشاق کہہ بیٹھتے ہیں کہ میں نے عمر بھر ان کو رسول اللہ مانا،اب اُن سے پوچھو مجھے اپنا اُمتی کہتے ہیں یانہیں جیسا کہ بعض صوفیاء کے کشف سے ثابت ہے۔

۵؎ اللہ نے ہر بندے کے دو ٹھکانے رکھے ہیں،ایک جنت میں ایک دوزخ میں کافر اپنے ٹھکانے پر بھی قبضہ کرتا ہے اور مؤمن کے دوزخی ٹھکانے پر بھی اورمؤمن جنت میں اپنا اور کافر کاجنتی ٹھکانہ سنبھالتا ہے رب فرماتا ہے:"وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ"اور فرماتا ہے:"اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ"۔یہاں زمین سے جنت کی زمین مراد ہے اور وراثت سے کافر کے حصہ کی ملکیت مراد ہے وہی اس حدیث کا مقصد ہے یعنی اگر تو جناب مصطفے کو یہاں نہ پہچانتا تو دوزخ میں یہاں رہتا،یہ اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ مؤمن کی خوشی دوبالا ہوجائے۔

۶؎ یعنی میت اپنے قبر میں سے دوزخ و جنت کو آنکھوں سے دیکھتا ہے حالانکہ یہ دونوں اس کی قبر سے کروڑوں میل دور ہیں جب مردے کی دور بینی کا یہ عالم ہے تو اگر وہ ساری زمین اور زمین والوں کو دیکھے تو کیا بعید ہے،آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہراُمّتی کے ہرحال کو دیکھ رہے ہیں۔اور ان کی ہر بات سُن رہے ہیں اسی لئے ہر نمازی ہر جگہ سے انہیں نماز میں سلام کرتا ہے کہتاہے"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ"۔

۷؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں یہ اشارہ حسّیہ ہوتا ہے نہ کہ عقلیہ اور وہمیہ یعنی فرشتے جمالِ محمدی دکھا کر پوچھتے ہیں محض ذہنی،وہمی چیز کی طرف اشارہ نہیں کرتے کیونکہ کافر حضور سے خالی الذہن ہے اگر اس کے سامنے جمال محمدی نہ ہوتا تو وہ تعجب سے کہتا کسے پوچھتے ہو؟ یہاں تو کوئی بھی نہیں یہ حدیث حضور کے حاضرناظر ہونے کی ایسی قوی دلیل ہے کہ منکرین سے ان شاءاللہ اس کا جواب نہ بنے گا،سورج بیک وقت لاکھوں آئینوں میں جلوہ گری کرسکتا ہے تو نبوت کا سورج بھی لاکھوں قبروں کو بیک وقت چمکا سکتا ہے۔

۸؎ اگرچہ کافر نے عمر بھر حضور کو دیکھا ہو مگر قبر میں نہ پہچان سکے گا جیسے ابوجہل،ابولہب وغیرہ کیونکہ وہاں حضور کی پہچان رشتۂ ایمانی سے ہے،لطف تو یہ ہے کہ کافر وہاں اپنا کفر بھی بھول جائے گا،یہ نہ کہہ سکے گا کہ میں انہیں اپنے جیسا بشر یا بڑا بھائی یا جادو گر و مجنوں کہتا تھا،بلکہ گھبرا کر کہے گا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے انہیں کیا کہا تھا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں نے بھی کہا ہوگا۔

۹؎ "تَلَیْتَ" اصل میں تَلَوْتَ تھا دَرَیْتَ کی وجہ سے اس کی "وَ" بھی "یَ" سے بدل گئی یعنی ان کی نبوت پر تو عقلی دلائل بھی قائم تھے،ان کے معجزات وغیرہ اور نقلی دلائل بھی آیاتِ قرآنیہ۔تو نے زندگی میں نہ تو انہیں عقل سے پہچانا،نہ قرآن کے ذریعہ مانا،نہ علماء کی پیروی کی۔ظاہر یہ ہے کہ گفتگو سارے ہی کافروں اور منافقوں سے ہے،اس میں کسی تاویل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

۱۰؎ یعنی چونکہ جن و انس ایمان اورشرعی احکام کے مکلّف ہیں اور ایمان بالغیب چاہیئے اس لیئے قبر کا عذاب اور کافر مردے کی چیخ و پکار ان دونوں سے مخفی رکھی گئی تاکہ یہ غیب شہادت نہ بن جائے۔ان کے علاوہ باقی تمام قریبی حیوانات بلکہ درخت و پتھر وغیرہ بھی یہ آواز سنتے ہیں۔خیال رہے کہ ہر قبر میں سوال و جواب کرنے والے دو فرشتے جاتے ہیں تاکہ یہ گواہ بھی بن جائیں مگر ہتھوڑوں سے مارنے والے دوسرے فرشتے۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جب کوئی مرجاتا ہے تو صبح شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا رہتا ہے ۱؎ اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانہ اور اگر دوزخیوں میں سے ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ ۲؎ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تاآنکہ قیامت کے دن اللہ تجھے ادھر بھیجے گا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں صبح و شام سے مراد ہمیشگی ہے یعنی میت قبر سے ہر وقت اپنے جنتی یا دوزخی ٹھکانے کو دیکھتا رہتا ہے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اس کی تائید اس آیت سے ہے "اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا"۔(ازمرقاۃ)

۲؎ دیکھتا رہتا ہے اور قبر میں جنت کی خوشبوئیں،وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں بلکہ وہاں کے پھل بھی آتے رہتے ہیں۔ایسے ہی کافر کی قبر میں کہ دوزخ کی لُو،وہاں کی بدبو اور سانپ بچھو قبر میں پہنچتے رہتے ہیں۔خیال رہے کہ قبر میں جنت کا آرام یا دوزخ کی تکلیف پہنچ جاتی ہے مگر جسم کا جنت میں ثواب کے لیئے پہنچنا بعد قیامت ہوگا۔ہاں شہداء کی رُوحیں مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہیں جسمانی داخلہ ان کا بھی بعد قیامت ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ مؤمن کی روح قبر میں یا کسی اور مقام پر قید نہیں ہوتی بلکہ بعض ارواح تو تمام عالم میں چکر لگاتی ہیں جیساکہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے مگر ہیڈ کوارٹر قبر ہی ہوتی ہے اور تعلق وہاں سے ہر وقت رہتا ہے۔جیسے سونے کی حالت میں سیلانی روح کا تعلق جسم سے،اسی لیئے زیارت قبور کی جاتی ہے اور وہاں میت کو ایصالِ ثواب اور عرض و معروض کیا جاتا ہے۔"هٰذَا مَقْعَدُكَ" سے یہی مراد ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی ۱؎ اور اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا ۲؎ اور آپ سے عرض کیا اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے تب حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عذابِ قبر کے متعلق پوچھا ۳؎ آپ نے فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے ۴؎ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی نہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذاب قبر سے رب کی پناہ نہ مانگی ہو ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ملنے یا کسی اور کام کے لیئے نہ کہ محبت وغیرہ کی بنا پر مسلمہ عورت کا بدکار عورتوں سے پردہ لازم ہے نہ کہ کافرہ عورتوں سے لہٰذا قولِ فقہاء اس حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ کیونکہ توریت شریف میں پڑھا تھا یا اپنے پادریوں سے سُنا تھا۔معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ بھی عذاب قبر کے قائل ہیں جو مسلمان اسلام کا دعویٰ کرکے اس کا انکار کرے وہ ان سے بھی بدتر ہے تمام آسمانی کتب میں اس کا ذکر تھا معتزلہ روافض اور اس زمانہ کے بعض نئی روشنی کے دلدادہ اس کے انکاری ہیں۔

۳؎ کیونکہ اب تک آپ کو اس کی خبر نہ تھی اور یہود کی بات پر اعتبار نہ کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی بتائی بات پر اعتبار نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی تصدیق علماء اسلام سے نہ ہوجائے۔

۴؎ کہ تمام آسمانی دین اس کے قائل ہیں۔خیال رہے کہ کفار کا عذابِ قبر کسی صورت سے دفع نہیں ہوسکتا۔مگر گنہگار مؤمن وں کا یہ عذاب سبزہ کی تسبیح،بزرگوں کی دعا،ایصال ثواب وغیرہ سے ختم یا کم ہوجاتا ہے۔جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر کھجور کی ترشاخیں گاڑدیں،اب قبروں پر پھول ڈالنے گھاس اگانے کا بھی یہی منشاء ہے۔

۵؎ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے،اس سے پہلے آہستہ دعا مانگتے تھے،یہ دعا امت کی تعلیم کے لیئے ہے تاکہ لوگ سیکھ لیں ورنہ انبیائے کرام سے نہ سوالِ قبر ہے نہ عذاب ان کی برکت سے لوگوں کے عذاب دور ہوتے ہیں۔

روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے ۲؎ اور ہم حضور کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خچر بدکا ۳؎ قریب تھا کہ آپ کو گرادیتا ناگاہ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں حضور نے فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی پہچانتا ہے ؟۴؎ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں حضور نے فرمایا یہ کب مرے عرض کیا زمانہ شرک میں ۵؎ تب حضور نے فرمایا کہ یہ گروہ ۶؎ اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں ۷؎ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ اس عذاب سے کچھ تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں ۸؎ پھر ہماری طرف چہرہ کرکے فرمایا کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو سب نے کہا ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں فرمایا عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۹؎ فرمایا کھلے چھپے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے ہم کھلے چھپے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۱۰؎ فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو سب بولے کہ ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۱۱؎ (مسلم)

۱؎ آپ انصاری ہیں، مدنی ہیں، کاتب وحی، علم فرائض کے امام ہیں، آپ کے حالات پہلے ذکر کیئے جاچکے۔

۲؎ بنی نجار انصار کا ایک بڑا قبیلہ ہے، انہی کی چھوٹی بچیاں ہجرت کے دن حضور کی تشریف آوری پر دف بجاتی اور گا گا کر خوشیاں مناتی تھیں۔

۳؎ عذاب قبر دیکھ کر معلوم ہوا کہ جس خچر پر حضور سوار ہو جائیں اس کی آنکھ سے غیبی حجاب اٹھ جاتے ہیں کہ وہ قبر کے اندر کا عذاب دیکھ لیتا ہے، تو جس ولی پر حضور کا دستِ کرم پڑ جائے وہ عرش و فرش دیکھ لیتا ہے، خیال رہے کہ جانور قبر والونکی چیخ و پکار سن لیتے ہیں جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزر چکا، مگر عذابِ قبر کا دیکھنا حضور کی برکت سے تھا ورنہ ہمارے گھوڑے دن رات قبروں پر گزرتے ہیں نہ بدکتے ہیں نہ اچھلتے ہیں۔

۴؎ یہ سوال اپنی بے علمی کی بنا پر نہیں کہ بلکہ دوسرے کی زبان سے یہ حالات سنوانے کیلیئے ہیں، حضور اپنے صحابہ اور انکی قبروں کو پہچانتے ہیں، ہر ایک کے دفن میں شرکت فرماتے تھے، رب تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ؟ حالانکہ رب تعالٰی علیم و خبیر ہے حضور تو قبر کا عذاب ملاحظہ فرما رہے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ان سے بے خبر ہوں

۵؎ آپ کی تشریف آوری سے پہلے یا بعد آپ کا انکار کرکے ،اس سے معلوم ہوا کہ ظہورِاسلام سے پہلے جو مشرک ہوکر مرا اسے بھی عذابِ قبر ہوگا اور کفار کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوتا نہ اس کے لیئے دعائے مغفرت کی جائے ،نہ ایصال ثواب وغیرہ ،مردے کو کوئی دوا مفید نہیں ،کافر کو کوئی دعا فائدہ مند نہیں۔اسی لیئے حضور نے ان کے لیئے دعا بھی نہ فرمائی اور سبزہ وغیرہ بھی نہ ڈالا جیسا کہ گنہگاروں کی قبر پر کھجور کی شاخ گاڑی تھی جس کا ذکر آگے آوئے گا۔ بعض مسلمان مشرکوں کو خوش کرنے کے لیئے گاندھی کی سمادھ پر پھول ڈالتے ہیں ،سخت ناجائز ہے

٦؎ مشرکین وکفار کا امت یعنی جماعت جو دین یا زمانہ یا جگہ میں جمع ہو (مرقاۃ)

ے؎ پہلے گزر چکا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے مشرکین ہند کے مردے جلادیئے جاتے ہیں انہیں بھی عذاب برزخ ہوتا ہے۔

۸؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صرف صحابہ سے بعض صحابہ اور اولیاء اللہ تو عذاب قبر کو سنتے اور دیکھتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ عذاب قبرایسی دہشتناک چیزہے کہ اگر عوام اسے دیکھ لیں تو دہشت سے دیوانے ہوجائیں،اور اپنے مردوں کو دفن کرنا بھول جائیں،یہ مطلب نہیں کہ دفن نہ کرنے سے عذاب نہیں ہوتا،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،کوئٹہ کا زلزلہ دیکھ کر لوگوں کے ہوش اڑ گئے تھے اور بہت سے دیوانے ہوگئے تھے۔

۹؎ اگرچہ عذاب قبر پہلے ہے اور عذابِ دوزخ بعد میں،لیکن چونکہ عذابِ دوزخ سخت ہے اور عذاب قبر ہلکا کہ دوزخ میں آگ ہے اور قبر میں آگ کا اثر اس لیئے دوزخ کا ذکر پہلے فرمایا اور قبر کا بعد میں۔

۱۰؎ کھلے فتنے بداعمالیاں ہیں یعنی جسم کے گناہ اور چھپے فتنے بدعقیدگیاں،حسد،کینہ وغیرہ ہیں یعنی دل کے گناہ۔مطلب یہ ہے کہ ان تمام برائیوں سے پناہ مانگو جو عذابِ دوزخ یا عذابِ قبر کا سبب ہیں چونکہ بظاہر یہ تکلیف دہ نہیں ہوتے اس لیئے ان کا ذکر بعد میں کیا گیا۔

۱۱؎ یہ دعا آیندہ نسلوں کی تعلیم کے لیئے اور صحابہ کرام کے دلوں میں فتنۂ دجال کی ہیبت قائم کرنے کے لیئے ہے،ورنہ حضور کو علم تھا کہ صحابہ کے زمانہ میں نہ دجال آئے گا نہ اس کے فتنے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میت دفن کی جاتی ہے ۱؎ تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں ۲؎ ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے ۳؎ وہ کہتے ہیں کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ ۴؎ تو میت کہتا ہے یہ ا للہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقینًا محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۵؎ تب وہ کہتے ہیں ہم تو جانتے تھے کہ یہ تو یہ کہے گا ٦؎ پھر اس کی قبر میں فراخی دی جاتی ہے	

	ستر ستر گز میں ۷؎ پھر اس کے لیے وہاں روشنی کردی جاتی ہے ۸؎ پھر اسے کہا جاتا ہے سو جا وہ کہتا ہے میں اپنے گھر جاؤں تاکہ انہیں یہ خبر دوں ۹؎ تو وہ کہتے ہیں دلہن کی طرح سوجا جسے اس کے پیارے خاوند کے سوا گھر کا کوئی نہیں جگاتا ۱۰؎ تاآنکہ اللہ اسے اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر مردہ منافق ہو تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں سے کچھ کہتے سنا تھا اسی طرح میں بھی کہہ دیتا تھا میں نہیں پہچانتا ۱۱؎ تب وہ کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا ۱۲؎ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس پر تنگ ہوجاؤ اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ مردے کی پسلیاں ادھر ادھر ہوجاتی ہیں ۱۳؎ پھر وہ قبر کے عذاب میں ہی رہتا ہے تاآنکہ اللہ اسے اس ٹھکانے سے اٹھائے ۱۴؎ (ترمذی)

۱؎ دفن کا ذکر اتفاقی ہے۔چونکہ عرب میں عام مردے دفن ہی ہوتے تھے اس لیئے فرمایا گیا ورنہ جو مردہ دفن نہ بھی ہو بلکہ اسے جلا کر خاک کیا گیا ہو یا شیرو مچھلیاں کھا گئیں ہوں اس کے اجزائے اصلیہ سے روح متعلق کردی جاتی ہے۔اورسوال جواب ہوجاتے ہیں اگرچہ وہ اجزاء دنیا میں بکھرے ہوں۔(مرقات ولمعات وغیرہ)

۲؎ یہ دونوں فرشتے وہ ہیں جو حساب قبر پر مقرر ہیں یہ انسانی شکل بنا کر اس رنگ میں اس لیئے آتے ہیں تاکہ ان کی ہیبت سے کفار تو گھبرا جائیں اور حیرانی سے جواب نہ دے سکیں اورمؤمن مطمئن رہیں اور با آسانی جواب دیں یہ گھبراہٹ اور اطمینان کافر و مؤمن میں فرق کرنے کے لیئے ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نورانی مخلوق میں بیک وقت ہزار ہا جگہ موجود ہوجانے کی طاقت ہے،دو فرشتے ایک آن میں ہزار قبروں میں پہنچ جاتے ہیں،لہذا بعض اولیاء کا بیک وقت چند جگہ پایا جانا ممکن ہے۔دوسرے یہ کہ جب نور شکل انسانی میں آئے تو جسم انسانی کے لوازمات اس میں پائے جائیں گے،فرشتے نور ہیں اور نورنہ کالا ہو نہ نیلا مگر جب شکل انسانی میں آئے تو ان کے چہرے کا رنگ کالا بھی ہوگیا،آنکھیں نیلی بھی۔موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جب سانپ بنتی تو کھاتی پیتی بھی تھی"تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ "ہاروت فرشتے جب شکل انسانی میں آئے تو کھاتے پیتے بلکہ صحبت بھی کرسکتے تھے،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ اگر حضور نور تھے تو کھاتے پیتے کیوں تھے؟۔

۳؎ ان لفظوں کے معنے ہیں اجنبی جس کو دیکھ کر گھبراہٹ ہو چونکہ میت نے انہیں کبھی دیکھا نہیں ہوتا ان کی شکل ہیبت ناک بھی ہوتی ہے اسیلئے ان کا یہ نام ہے۔شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ کافروں کے سوال کرنے والے فرشتوں کا یہ نام ہے۔اورمؤمن وں کے ممتحنوں کا نام مبشر اور بشیر ہے مگر ناموں کا فرق ہے ذات ایک ہی ہے۔

۴؎ مرقاۃ میں فرمایا کہ شکلِ پاک مصطفےٰ ہر قبر میں جلوہ گر ہوتی ہے جیسے ہر آئینہ میں سورج۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبر سے روضۂ اطہر تک کے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں،جس سے میت بے تکلف جمالِ جہاں آرا کا نظارہ کرتا ہے۔بعض نے فرمایا کہ مؤمن سے پھر یہ جمال تا قیامت غائب نہیں ہوتا،اسی لیئے بعض عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں حضور نے حضرت فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں پہلے تم مجھ سے ملو گی یا ازواج پاک سے فرمایا کہ تم میں جو زیادہ سخی ہوگی وہ مجھ سے پہلے ملے گی اس کا یہی مطلب ہے۔خیال رہے کہ ان فرشتوں کا حضور انور کو رجل فرمانا توہین کے لیے نہیں کہ یہ کفر ہے بلکہ امتحان کی تکمیل کے لیئے ہے کہ اگر وہ نبی یا رسول کہہ دیتے تو امتحان ہی کیا ہوتا۔

۵؎ قبر میں سوال بھی تین ہوتے ہیں اور جواب بھی تین،مگر یہاں سوال تو ایک فرمایا گیا جو سب کو جامع تھا۔اور جواب تینوں کا توحید کا بھی،دین کا،اور رسالت کا بھی۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ بندہ حضور ہی کو دیکھتا ہے نہ کہ آپ کے فوٹو کو ورنہ یہ جواب عین کفر ہوتا۔کیونکہ حضور کے فوٹو کو نبی کہنا ایسے ہی کفر ہے جیسے رب کے نام کا پتھر گھڑکر اسے خدا کہنا۔

۶؎ یعنی یہ سوال جواب قانونی طور پر ہے ہم تیرے ایمان سے بے خبر نہ تھے۔معلوم ہوا کہ فرشتے ہر شخص کی سعادت اور شقاوت،کفر و ایمان سے خبردار ہیں۔ہمارے حضور جو اعلم الخلق ہیں ان کے علم کا کیا پوچھنا،مرقات میں فرمایا کہ فرشتے مؤمن میت کی پیشانی میں نور ایمان کی شعاع عبادت کا اثر اور سعادت کی علامتیں دیکھتے ہیں۔جیسے قیامت میں ہر شخص مؤمن و کافر کو پہچان لے گا رب فرماتا ہے:"یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ"۔

۷؎ یعنی چار ہزار نوسوگز جو ستر کی ضرب ستر میں دینے سے حاصل ہے،یعنی ستر گز لمبی ستر گز چوڑی کل رقبہ چار ہزار نوسو،یہ بیان وسعت کے لیئے ہے نہ کہ حصر کے لیئے۔بعض روایتوں میں ہے تاحد بصر وہ اس کی تفسیر ہے۔

۸؎ یہ روشنی چاند سورج وغیرہ کی نہیں ہوتی بلکہ نورِ الٰہی یا نور مصطفوی کی جگمگاہٹ ہوتی ہے ممکن ہے کہ ایمان قلبی کا نور ہو تب بھی وہی ہے۔

۹؎ کہ میں کامیاب ہوگیا اور نہایت آرام سے ہوں۔معلوم ہوا کہ میت اپنے گھروالوں کو پہچانتا ہے اور وہاں پہنچنے کی بھی طاقت رکھتاہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتا کہ تم مجھے لے چلو یا سواری لاؤ بلکہ کہتا ہے میں جاتا ہوں اگرچہ اس کے گھر والے صدہا کوس ہوں۔

۱۰؎ مرقات میں فرمایا کہ یہاں سونے سے مراد آرام کرنا ہے یعنی یہ برزخی زندگی آرام سے گزار کہ تجھ تک سوا خدا کی رحمت کے کوئی آفت یا بلا نہیں پہنچ سکے گی جیسے کہ عروس دلہن کے پاس دلہا کے سوا کوئی نہیں پہنچتا یہ نیند غفلت والی مراد نہیں،رب فرماتا ہے۔:"یُرۡزَقُوۡنَ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىہُمُ اللہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ"۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول قبر میں جنتی روزی کھاتے ہیں،خوش و خرم رہتے ہیں اور دنیا کے لوگوں کی خبر رکھتے ہیں،اگر وہ سوگئے ہوتے تو پھل کیسے کھاتے،یہاں کی خبر کیسے رکھتے،نیز قبرستان میں پہنچ کر سلام کرنا سنت نہ ہوتا کیونکہ سوتوں کو سلام کرنا منع ہے لہذا اس حدیث سے وہابی دلیل نہیں پکڑسکتے،یہ حدیث بزرگوں کے عرس کا ماخذ ہے

چونکہ فرشتوں نے اس دن صاحبِ قبر کو عروس کہا ہے لہٰذا اس دن کا نام روزِ عرس ہے موت مؤمن کی شادی کا اور کافر کی گرفتاری کا دن ہے۔

۱۱؎ معلوم ہوا کہ دلی ایمان قبر میں ساتھ جائے گا نہ کہ زبانی اسلام۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی۔

۱۲؎کیونکہ لوح محفوظ ہمارے سامنے ہے،تیرا کفر پر مرنا ہمیں معلوم ہے،تیری پیشانی میں کفر کی تاریکی دیکھ رہے ہیں،یہ سوال جواب محض قانون کے لیئے ہیں۔

۱۳؎یعنی دائیں پسلیاں بائیں اور بائیں پسلیاں دائیں طرف لیکن اس کی یہ حالت ہماری حس سے بالا ہے اگر ہم کافر کی لاش دیکھیں تو ویسی ہی صحیح معلوم ہوگی۔خیال رہے کہ اگر ایک ہی قبر میں کافر و مؤمن دفن ہوگئے تو وہ ہی قبر مؤمن کے لیئے فراخ ہوگی اور کافر کے لیئے تنگ،مؤمن کے لیئے روشن اور کافر کے لیئے اندھیری،مؤمن کے لیئے ٹھنڈی کافر کے لیئے گرم،اور مؤمن کے لیئے مہکی ہوئی،کافر کے لیئے بدبودار جیسے ایک بستر میں دو آدمی سو رہے ہوں ایک اچھی اور دل خوش کن خواب دیکھے،دوسرا پریشان کن اور ہیبت ناک خواب دیکھے،بستر ایک ہے مگر دونوں کی حالتیں مختلف،خواب برزخ کی ایک تمثیل ہے،خواب اکثر خیال ہوتی ہے۔برزخ میں حقیقت ہوگی،پسلیاں فرمانا سمجھانے کے لیئے ورنہ جن کفار کی پسلیاں راکھ بنادی گئیں یا جانوروں نے ہضم کر لیں ان کی روح پر بھی تنگی ایسی ہی ہوگی اس کے لیئے قبر ایک شکنجہ ہے۔

۱۴؎یعنی قیامت تک معلوم ہوا کہ کافر کا عذاب کسی تدبیر سے بھی ختم یا ہلکا نہیں ہوسکتا،گنہگار مؤمن کا عذاب قبر بزرگوں کے قدم،زندوں کے ایصالِ ثواب وغیرہ سے ہلکا ہوجاتا ہے۔

روایت ہے براء ابن عازب سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں۱؎ پھر اس سے کہتے ہیں تیرا رب کون؟وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۲؎ پھر وہ کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے تو وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں فرشتے کہتے ہیں۔تجھے یہ کیسے معلوم ہوا۳؎ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا،اسے سچا جانا۴؎ یہ ہی اس آیت کی تفسیر ہے۔"یُثَبِّتُ اللّٰہُ "الایہ۔فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے۵؎ لہٰذا اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو پس کھول دیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ اس تک جنت کی ہوا اور	

وہاں کی خوشبو آتی ہے ۶؎ اور تاحد نظر قبر میں فراخی کردی جاتی ہے ۷؎ رہا کافر حضور نے اس کی موت کا ذکر فرمایا ۸؎ فرمایا کہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر وہ اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۹؎ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا؟وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۱۰؎ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے ۱۱؎ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا ۱۲؎ تب پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے ۱۳؎ لہذا اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ آگ کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھول دو فرمایا پھر اس تک وہاں کی گرمی اور لو آتی ہے ۱۴؎ فرمایا اس پر اس کی قبر تنگ ہوجاتی ہے۔حتی کہ وہاں اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں ۱۵؎ پھر اس پر اندھے بہرے فرشتے مسلط ہوتے ہیں ۱۶؎ جن کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوتے ہیں اگر ان سے پہاڑ کو مارا جائے تو وہ بھی مٹی ہوجائے اس سے اسے مارتے ہیں ایسی مار جس سے جن و انس کے سوا پورب پچھم کی مخلوق سنتی ہے ۱۷؎ جس سے وہ مٹی ہوجاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے ۱۸؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ خیال رہے کہ لیٹے ہوئے کا بیٹھنا جلوس ہے اور کھڑے ہوئے بیٹھنا قعود کبھی مجازًا ایک کو دوسرے کے معنے میں استعمال کرلیتے ہیں یہاں حقیقی معنے میں ہے۔یہاں بٹھالنا بھی غیر حسی ہے،مردے خانہ میں کافر کی لاشیں ہمارے سامنے پڑی رہتی ہیں مگر فرشتے اسے بٹھال کر امتحان لے کر عذاب میں گرفتار کرجاتے ہیں اور ہمیں پتہ بھی نہیں لگتا ہمارے سامنے سونے والا بدخوابی میں تکلیف پارہا ہے گھبرا رہا ہے مگر ہمیں خبر نہیں۔

۲؎ یہ سوال جواب سب عربی زبان میں ہوتے ہیں بعد موت سب کی زبان عربی ہوجاتی ہے۔(مرقاۃ)لیکن مردہ اپنی زندگی کی زبان بھی سمجھتا ہے۔ہمارے حضور زندگی شریف میں تمام زبانیں جانتے ہیں حتی کہ لکڑی و پتھر کی زبانیں،جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریادیں کرتے تھے اور اب بھی ہر زبان سے واقف ہیں،حضور کے روضہ پر ہر فریادی اپنی زبان میں عرض و معروض کرتا ہے وہاں ترجمہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۳؎ یہ سوال خوشی کا ہے یعنی اے بندے! اس نازک موقعہ پر تو نے انہیں کیسے پہچان لیا اور تو امتحان میں کامیاب کیسے ہوگیا؟
۴؎ یعنی بلاواسطہ میں نے قرآن شریف خو د سیکھا یا علماء کے ذریعہ اس سے عقائد اور اعمال حاصل کیئے لہٰذا یہ جواب علماء کے لیئے بھی درست ہے اور جاہلوں کے لیے بھی،اس جواب سے معلوم ہوا کہ قبر میں حضور کی پہچان ایمانی رشتہ سے ہوگی خواہ حضور کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔خیال رہے کہ مؤمن ایک لحاظ سے حضور سے قرآن کو جانتا ہے اور دوسرے لحاظ سے قرآن سے حضور کو پہچانتا ہے۔
۵؎ عبدی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام رب کا ہے۔جسے بندہ آج پہلی بار اپنے کان سے سنتا ہے اس کلام کو سن کر جو خوشی بندے کو ہوتی ہے وہ بیان نہیں ہوسکتی،سچا ہے کہ یہ معنی ہیں کہ دنیا میں بھی سچا رہا اور آج بھی سچ بولا۔
۶؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ قبر میں جنت کی نعمتیں پہنچتی ہیں مگر بندہ وہاں نہیں پہنچا،بندے کا جنت میں پہنچنا حشر کے بعد ہوگا۔
۷؎ یہ حدیث ستر ۷۰ گز فراخی کی تفسیر ہے۔
۸؎ کہ کس مصیبت سے اس کی جان نکلتی ہے،نیز اسے دنیا چھوٹنے کا صدمہ،عذاب کے فرشتوں کی ہیبت،آیندہ عذاب کا ڈرسب جمع ہوجاتے ہیں۔مؤمن کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔
۹؎ معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے دنیا میں حضور سے رشتہ غلامی نہ جوڑا۔اگرچہ وہ توحید کے قائل رہے مگر قبر میں توحید وغیرہ سب کا سب بھول جائیں گے کیونکہ یہ جواب ہر کافر کا ہوگا۔دہریہ ہو یا مشرک ہو یا شیطانی توحید والا موحّد۔
۱۰؎ یعنی اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ دنیا میں میں نے اسلام کے سوا کون سا دین اختیار کیا تھا کیونکہ سارے کفر شیطانی دین ہیں،جن کی بنیاد نفسانی ہے،مرتے ہی شیطان ساتھ چھوڑ گیا نفس ٹوٹ گیا۔جب جڑ ہی کٹ گئی شاخیں کیسے باقی رہیں۔
۱۱؎ معلوم ہوا کہ کافر میت کو بھی حضور کا دیدار کرایا جاتا ہے مگر وہ پہچان نہیں سکتا کیونکہ ان کی پہچان بصارت سے نہیں ہوتی بلکہ د ل کی بصیرت سے ہوتی ہے۔نابینا صحابہ نے حضور کو دیکھ لیا آنکھ والے کافر حضور کو نہ دیکھ سکے،بصارت سرمہ سے تیز ہوتی ہے،بصیرت مقبولین کے آستانوں کی خاک سے۔
۱۲؎ اس جواب سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور بڑا بھائی کہنے کو ایمان سمجھتے ہیں اگر اس سے ایمان مل جاتا تو یہ کافر کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک بشر ہیں یا میرے بھائی ہیں،بشریت مصطفوی پہچاننے پر نجات نہیں نبوت کے پہچاننے پر نجات ہے بشریت تو ابوجہل بھی مانتا تھا۔
۱۳؎ کیونکہ یہ کہتا ہے کہ میں انہیں جانتا ہی نہیں حالانکہ زندگی میں انہیں جادوگر،شاعر،اپنے جیسا بشر،بڑا بھائی کہتا تھا اور یہاں کہتا ہے میں جانتا ہی نہیں جس کو واقعی حضور کی نبوت کی اطلاع نہ پہنچی ہو اس کے لیئے صر ف عقیدہ توحید کافی ہے اور اس سے یہ سوال جواب بھی نہیں،نیز حضور کی نبوت مشرق و مغرب میں پھیل چکی اب جو دانستہ اس سے غافل رہے وہ بھی مجرم ہے اور لا ادری کہنے میں جھوٹا ہے۔خیال رہے کہ یہاں عبدی نہ فرمایا کیونکہ یہ لفظ رحمت کا ہے اور کفر مستحق لعنت۔
۱۴؎ یعنی آگ کے شعلے دھواں بلکہ وہاں کے سانپ بچھو بھی اور گرم ہوا بھی بعض قبروں میں یہ چیزیں دیکھی بھی گئیں،اللہ کی پناہ۔

۱۵؎ یہ تنگی بھی تاقیامت رہتی ہے جیسے کہ گرمی اور آگ۔

۱۶؎ ان عذاب کے فرشتوں کا نام زبانیہ ہے اندھے بہرے سے مراد سخت دل بے رحمی اور لاپرواہی ہے کہ اس کی تکلیف دیکھ کر رحم نہیں کرتے آہ و بکاہ سن کر کان نہیں دھرتے۔(اشعۃ)ورنہ اندھا بہرہ ہونا عیب ہے جس سے فرشتے پاک ہیں۔رب قیامت میں کافر سے فرمائے گا"کَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی"حالانکہ رب بھول سے پاک ہے۔

۱۷؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں جن وانس سے عوام مراد ہیں مقبولین یہ آہ و بکا سنتے بھی ہیں بلکہ عذاب قبر دیکھتے بھی ہیں۔

۱۸؎ یعنی جیسے دنیا میں سخت تکلیف میں جان نکل جاتی تھی ایسے ہی وہاں بھی ہوگا کہ ہتھوڑے کی ہر چوٹ پر جان نکلے گی پھر ڈالی جائے گی اسی لیئے قیامت میں کافر عرض کریں گے"رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ"خدایا تو نے ہمیں بار بار موت و زندگی دی،اس آیت میں اثنتین سے باربار مراد ہے جیسے "ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ"۔غرض کہ یہ آیت اس حدیث کی تفسیر ہے اس آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان سے کہ آپ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہوجاتی ۱؎ عرض کیا گیا کہ آپ جنت دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اس سے روتے ہیں تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں سے پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پاگیا تو بعد والی منزلیں اس سے آسان تر ہیں۲؎ اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس سے سخت ہیں۳؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے کوئی منظر نہ دیکھا مگر قبر اس سے زیادہ وحشت ناک ہے۴؎ اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ مردے کی یاد میں نہیں بلکہ قبر کی ہیبت میں اور عذاب قبر کے خوف سے اگرچہ آپ ہر قسم کے عذاب سے محفوظ تھے،زبان مصطفوی سے جنت کی بشارت پاچکے تھے،لیکن ہیبت دل میں موجود تھی جو ایمان کا تقاضا ہے جب محفوظین کا یہ خوف ہے تو ہم گنہگاروں کو کتنا خوف چاہیئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں حضور کی بشارت پر یقین نہ تھا یارب تعالٰی کے جھوٹ کا احتمال تھا۔رب نے فرمایا تھا:"مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ "اس کے باوجود آندھی دیکھ کر حضور کے چہرۂ انور پر آثار خوف نمودار ہوتے تھے۔

۲؎ یعنی مرنے کے بعد قبر،حشر،میزان،پل صراط وغیرہ بہت سی منزلوں سے ہمیں گزرنا ہے لیکن تمام منزلوں کا پتہ قبر سے چل جاتا ہے۔یہاں بچ گیا تو ان شاءاللہ آگے بھی محفوظ رہے گا بلکہ گنہگار مؤمن کے لیئے قبر کا عارضی عذاب اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا جیسے کہ مرقاۃ میں ہے۔سبحان اللہ!مؤمن کے لیئے وہ سختی بھی رحمت۔

۳؎ یعنی قبر کا دائمی عذاب کفار کے لیئے ہے اس کے لیئے حشر و پل صراط قبر سے زیادہ خطرناک ہے۔

۴؎ یعنی دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت قبر کے معمولی عذاب سے بھی آسان ہے،عیش میں رہنے والے کافر کو قبر کی ایک گرم ہوا دے کر پوچھیں گے کہ کیا تو نے کبھی عیش دیکھا تھا وہ کہے گا میں جانتا بھی نہیں کہ عیش کیا چیز ہے۔دنیا میں مصیبت زدہ اپنے مال اولاد ساتھیوں کو دیکھ کر تسلی پالیتا ہے،قبر میں کسے دیکھے گا؟یا مٹی کو یا عذاب کے فرشتوں کو۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو پھر اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۱؎ کہ اس سے اب سوالات ہورہے ہیں۲؎(ابوداؤد)

۱؎ ہمارے ہاں رواج ہے کہ بعد دفن فورًا واپس نہیں ہوتے بلکہ قبر کے آس پاس حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے ہیں کچھ پڑھ کر بخشتے ہیں اور میت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ان سب کا ماخذ یہ حدیث ہے،یہ تمام فعل سنت ہیں،بعض جگہ بعد دفن قبر پر اذان بھی کہتے ہیں،یہ بھی اسی حدیث سے نکل سکتا ہے کہ اس میں مردے کو تلقین ہے اور اس کے ثبات قدمی کی کوشش ہے حدیث میں ہے:"لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ"۔

۲؎ یعنی ہونے ہی والے ہیں کیونکہ حساب قبر لوگوں کے لوٹنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے صدقات وخیرات میت کو مفید ہیں۔ابو امامہ کی روایت میں ہے کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں دفن کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ کہواے فلاں ابن فلاں اپنا وہ کلمہ یاد کر جسے تو دنیا میں پڑھتا تھا۔تیرا رب اللہ ہے،تیرا دین اسلام ہے،تیرے نبی محمد مصطفٰے ہیں۔(اشعۃ)مرقاۃ نے فرمایا کہ قبر پر ختم قرآن کرنا مستحب ہے،بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ بعد دفن سرہانۂ قبر پر سورہ بقر کا پہلا رکوع اور پائنتی پر آخری رکوع پڑھنا مستحب ہے۔شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنا بہت اعلٰی ہے۔اشعۃ میں ہے کہ اگر اس وقت دو چار فقہی مسائل بیان کرکے ثواب میت کو پہنچائے تو اچھا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر پر اس کی قبر میں ننانوے ۹۹ سانپ مسلط کیے جاتے ہیں۱؎ جو اسے قیامت تک نوچتے اور ڈستے رہیں گے ۲؎ اگر ان میں سے ایک سانپ زمین پر پھونک مار دے تو کبھی سبزہ نہ اگائے۳؎ اسے دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی اسی کی مثل روایت

	کی انہوں نے ننانوے کی بجائے ستر فرمائے۴؎

۱؎تنین زہر والے اژدھے کو کہتے ہیں چونکہ کافر اللہ کے ننانوے ناموں کا منکر تھا۔اسی لئےاس پر ننانوے سانپ مقرر ہوئے نیز اللہ کی سو رحمتیں ہیں ایک دنیا میں ننانوے مؤمنوں پر آخرت میں کافروں پر ان نعمتوں کے عوض سانپ مقرر ہوئے۔

۲؎گوشت نوچنا،زہر نہ پہنچانا نھس ہے اور دانت مار کر زہر چھوڑ دینالدغ یعنی کوئی نوچے گا کوئی ڈسے گا۔

۳؎اس طرح کہ اس کی گرمی اور زہر کی وجہ سے مٹی پک جائے اور سبزے کے قابل نہ رہے آج جہاں ایٹم بم پڑا ہے وہاں کا علاقہ ناقابل کاشت ہوگیا۔

۴؎ستر سے مراد بے شمار لینا یہ ننانوے کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں جب حضرت سعد ابن معاذ۱؎نے وفات پائی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی طرف گئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز پڑھ لی اور وہ اپنی قبر میں رکھے گئے اور ان پر مٹی برابر کردی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دراز تسبیح پڑھی ہم نے بھی تسبیح پڑھی پھر تکبیر کہی ہم نے بھی تکبیر کہی ۲؎عرض کیا گیا یارسول اللہ اولًا تسبیح پھر تکبیر کیوں کہی ؟ فرمایا اس نیک بندے پر ان کی قبر تنگ ہوگئی تھی حتی کہ اللہ نے کشادہ کردی۳؎(اسے احمد نے روایت کیا)

۱؎ آپ قبیلہ انصار میں اوس کے سردار ہیں، بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں ایمان لائے،آپ کے ایمان سے عبد اشھل بھی ایمان لائے، حضور نے ان کا نام سید الانصار رکھا، جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضور کے ساتھ بدر و احد میں شریک رہے، خندق کے دن کندھے میں تیر لگا جس سے خون جاری ہوااور نہ ٹھہرا ایک ماہ کے بعد ذیقعد ۵ھ میں وفات ہوئی، ۳۷ سال عمر ہوئی، حضور کے ہاتھوں جنت بقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎ اس سے معلوم ہواکہ بعد دفن قبر پر تسبیح و تکبیر پڑھنا سنت ہے کہ اس سے غضب الٰہی دفع ہوتا ہے، لگی ہوئی آگ بجھ جاتی ہے. اس سے قبر پر اذان کا مسئلہ ماخوذ ہے کہ اس میں تکبیر بھی ہے اور تلقین بھی اور یہ دونوں سنت ہیں۔

۳؎یہ تنگئ قبر عذاب نہ تھی بلکہ قبر کا پیار تھا، قبر مؤمن کو ایسے دباتی ہے جیسے ماں بچے کو گود میں لے کر، مگر میت اس سے ایسی گھبراتی ہے جیسے ماں کے دبانے پر بچہ روتا ہے،اسی لیئے حضور نے عبد صالح فرمایا، عذاب قبر کافریا گنہگار کو ہوتا ہے،اگلی حدیث اس کی شرح ہے حضور کی برکت اور

تکبیر و تہلیل کے ذریعہ یہ تنگی بھی دور ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر تسبیح و تکبیر میت کو مفید ہے،نیز پتہ لگا کہ حضور کی نگاہ اوپر سے قبر کے اندر کا حال دیکھ لیتی ہے،آپ کے لیئے کوئی شے آڑ نہیں۔خیال رہے کہ حضور کے قدم کی برکت سے قبر کی مصیبتیں دور ہوتی ہیں،یہ تکبیر فرمانا ہم کو تعلیم دینے کے لیئے ہے،کوئی گستاخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور کے ہوتے ہوئے عذاب کیوں ہوا کیونکہ یہ عذاب تھا ہی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ وہ ہیں جن کے لیئے عرش ہل گیا،اور ان کے لیئے آسمان کے دروازے کھولے گئے ۱؎ اور ان پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے ۲؎ بے شک چپٹائے گئے چپٹایا جاتا پھر اللہ نے ان کے لیے آسانی کردی ۳؎(نسائی)

۱؎ یعنی سعد ابن معاذ کے لیئے آسمان کے دروازے کھلے،وہاں کے فرشتوں نے ان کی روح کا استقبال کیا اور ان کی روح کے پہنچنے پر عرش اعظم خوشی میں ہلا آسمان سے فرشتے اور رحمتیں اتریں۔مرقاۃ میں فرمایا کہ مؤمنین کی ارواح جنت میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان کے اوپر ہیں۔

۲؎ اللہ کی رحمتیں لےکر یا ان کے جنازے میں شرکت کرنے کے لیئے۔

۳؎ یہ عبارت گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے جس سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ تنگی عذاب قبر نہ تھی بلکہ قبر کی رحمت تھی اور ان کے لیئے وحشت،بلی اپنے بچے کو بھی منہ میں دباتی ہے اور چوہے کو بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔

	روایت ہے اسماء بنت ابوبکر سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کے لیے کھڑے ہوئے ۲؎ تو آپ نے فتنۂ قبر کا ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے ۳؎ تو جب یہ ذکر کیا تو مسلمانوں نے چیخ ماری ۴؎ بخاری نے اسی طرح روایت کی نسائی نے یہ اور زیادہ کیا کہ ان کے درمیان چیخ حائل ہوگئی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ سکوں جب شو تھما تو میں نے اپنے نزدیکی آدمی سے کہا کہ اللہ تجھے برکتیں دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کلام شریف میں کیا فرمایا؟ ۵؎ وہ بولے کہ حضور نے یہ فرمایا کہ مجھے وحی ہوئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں فتنۂ دجال کے قریب فتنہ میں مبتلا کیے جاؤ گے ۶؎

۱؎ آپ کا لقب **ذات النطاقین** ہے،عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن،زبیر ابن عوام کی زوجہ،عبداللہ ابن زبیر کی والدہ،ابوبکر صدیق کی صاحبزادی ہیں،آپ اٹھارھویں مؤمنہ ہیں،مکہ معظمہ میں ایمان لائیں،عائشہ صدیقہ سے دس سال بڑی تھیں،آپ کے

صاحبزادے عبداللہ ابن زبیر کو حجاج ابن یوسف نے سولی دی تھی۔چوب سے آپ کی لاش اتارنے کے دس روز بعد حضرت اسماء کا انتقال ہوا مکہ معظّمہ میں دفن ہوئیں،یہ واقعہ ۷۳ ھ میں ہوا۔

۲؎ مسجد نبوی شریف میں جہاں مردوں اورعورتوں کا اجتماع تھا مرد آگے تھے عورتیں پردے کے ساتھ پیچھے جیسا کہ اس زمانہ میں عام مروج تھا بلکہ عورتوں کو حکم تھا کہ وعظ کی مجالس میں شرکت کیا کریں تاکہ انہیں اپنے احکام و مسائل معلوم ہوں۔خیال رہے کہ خطبہ اور وعظ کھڑے ہو کر کہنا سنت ہے۔شامی میں ہے کہ خطبۂ نکاح بھی کھڑے ہوکر پڑھاجائے۔

۳؎ فتنۂ قبر سے مراد وہاں کا امتحان ہے۔اَلْمَرْءُ سے معلوم ہوا کہ حساب قبرصرف انسانوں سے ہے جنات یا جانوروں سے نہیں کیونکہ ان کے لیئے نہ جنت ہے،نہ وہاں کی نعمتیں۔کفار جن کے لیئے صرف جہنم ہے جانوروں کے لیئے دونوں میں کچھ نہیں،بلکہ مظالم کا بدلہ کرا کر انہیں مٹی کردیا جائے گا اس کی تحقیق ہمارے فتویٰ میں دیکھو۔

۴؎ ہیبت سے گھبرا کر رو پڑے اور بے اختیاری چیخ نکل گئی،اس میں ریاء کی گنجائش نہ تھی۔خیال رہے کہ خوفِ الٰہی میں صرف آنسوؤں سے رونا بہت بہترہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"تَرٰۤی اَعْیُنَہُمْ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمْعِ "لیکن اگر بے اختیاری میں لوگوں کے سامنے چیخ نکل جائے تو بھی عبادت۔

۵؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ عورت اجنبی مرد سے ضرورتًا پردے میں رہ کر کلام کرسکتی ہے،بشرطیکہ سادی گفتگو کرے آواز میں شیرینی اور لوچ نہ ہو،رب فرماتاہے:"وَ اِذَا سَاَلْتُمُوۡہُنَّ مَتٰعًا فَسْـَٔلُوۡہُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ"اورفرماتا ہے:"فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ"۔دوسرے یہ کہ دعائیں دےکر کوئی بات پوچھنا بہتر ہے تاکہ مخاطب کو خوشی ہو،مؤمن کو خوش کرنا بھی عبادت ہے۔تیسرے یہ کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر بھی قبول ہے گواہیوں کی ضرورت نہیں۔

۶؎ یعنی فتنۂ قبرفتنۂ دجال کی طرح بڑا ہی خطرناک ہے جیسے دجال کی شر سے وہی بچے گا جسے اللہ بچائے،ایسے ہی حساب قبر میں وہی کامیاب ہوگاجسے اللہ کامیاب کرے،ان دونوں جگہ ثابت قدمی اپنی بہادری سے نہیں،دجال دعوئے خدائی کرے گا اور بہت لوگ اس کا اقرار کرلیں گے،قبر میں شیطان سامنے آجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں،مجھے رب مان لے کامیاب ہوجائے گا،اس کی ذریت میت کے مرے ہوئے عزیزوں کی شکل میں آکر کہتی ہے کہ بیٹے اسے خدا مان لے،دیکھو اعلیٰحضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی کتاب ایذان الاجر اور ہماری کتاب "جاء الحق"اسی لیئے قبر پر اذان کہہ دیتے ہیں تاکہ شیاطین دفع ہوں۔

	روایت ہے حضرت جابررضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب میت قبر میں داخل کی جاتی ہے تو اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوتاہے۱؎ تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ و میں نماز پڑھ لوں ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎ یہ احساس منکر نکیر کے جگانے پر ہوتا ہے۔خواہ دفن کسی وقت ہو چونکہ نماز عصر کی زیادہ تاکید ہے اور آفتاب کا ڈوبنا اس کا وقت جاتے رہنے کی دلیل ہے،اسی لئے یہ وقت دکھایا جاتا ہے۔

۲؎ یعنی اے فرشتو سوالات بعد میں کرنا عصر کا وقت جارہا ہے مجھے نماز پڑھ لینے دو۔یہ وہی کہے گا جو دنیا میں نماز عصر کا پابند تھا،اللہ نصیب کرے اسی لیئے رب فرماتا ہے:"حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی"تمام نمازوں کی خصوصًا عصر کی بہت نگہبانی کرو۔صوفیاءفرماتے ہیں جیسے جیوگے ویسے ہی مرو گے اور جیسےمرو گے ویسے ہی اٹھو گے۔خیال رہے کہ مؤمن کو اس وقت ایسا معلوم ہوگا جیسے میں سوکر اٹھا ہوں نزع وغیرہ سب بھول جائے گا ممکن ہے کہ اس عرض پر سوال جواب ہی نہ ہوں اور ہوں تو نہایت آسان کیونکہ اس کی یہ گفتگو تمام سوالوں کا جواب ہوچکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ مردہ قبر میں پہنچتا ہے پھر اپنی قبر میں بٹھایا جاتا ہے نہ گھبرایا ہوا نہ پریشان۱؎ پھر اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین میں تھا ؟وہ کہتا ہے اسلام میں تھا۲؎ پھر کہا جاتا ہے یہ کون صاحب ہیں؟وہ کہتاہے محمدرسول اللہ ہیں جو ہمارے پاس رب کی طرف سے نشانیاں لائے ہم نے ان کی تصدیق کی۳؎ تب کہا جاتا ہے کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے ؟۴؎ وہ کہتا ہے کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۵؎ پھر دوزخ کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ ادھر دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو کچل رہی ہے ۶؎ پھر اس سے کہاجاتا ہے کہ ادھر دیکھو جس سے تجھے اللہ نے بچالیا ۷؎ پھر جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس کی ترو تازگی کی طرف اور جو اس میں ہے دیکھتا ہے۸؎ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تو یقین پر تھا اسی پر مرا اور ان شاءاللہ اسی پر اٹھے گا۹؎ برا آدمی اپنی قبر میں بٹھالا جاتا ہے حیران پریشان۱۰؎ اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین میں تھا؟وہ کہتا ہے مجھے نہیں خبر پھرکہا جاتا ہے یہ صاحب کون ہیں؟وہ کہتا ہے میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا وہ میں نے بھی کہا تھا۱۱؎ تب اس کے سامنے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ وہاں کی ترو تازگی	

اور جو کچھ اس میں ہے دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے وہ دیکھ جو اللہ نے تجھ سے پھیر دیا پھر دوزخ کی طرف کھڑکی کھولی جاتی ہے دیکھتا ہے کہ بعض بعض کو کچل رہا ہے پھر کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانہ۱۲ تو شک پر تھااس پر مرا اسی پر ان شاءاللہ اٹھے گا۱۳(ابن ماجہ)	

۱؎یہ مؤمن کا حال ہوگا اسی اطمینان کی وجہ سے سوالات کا جواب آسانی سے دے گا وہ دنیا میں کافی گھبرا اور ڈرچکا اب اس کے اطمینان کا زمانہ آگیا۔

۲؎یعنی زندگی میں بھی اسلام پر تھا اور اب بھی لیکن چونکہ سزاوجزا کا دارومدار زندگی کے ایمان و اعمال پر ہے اس لیئے یہاں اسی کا ذکر کیا گیا،بعض صالحین قبر میں تلاوت قرآن،بلکہ نماز بھی اداکرتے ہیں مگر انہیں اس کا کوئی ثواب نہیں،لذات روحانی ہے،اسی لیئے بزرگوں کی ارواح کو بھی نیکیوں کا ثواب بخشاجاتاہے لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کُنْتُ کیوں فرمایا۔

۳؎خیال رہے کہ اگرچہ اسلام میں توحید،رسالت اور سارے عقائد آگئے تھے لیکن پھر بھی آخری سوال حضور کے بارے میں ہوتا ہے۔کلمہ ختم ہو تو ان کے نام پر،نمازختم ہو تو ان کے سلام پر،امتحان قبر ختم ہو تو ان کی پہچان پر،خاتمیت کا سہرا انہی کے سر ہے،ہر جگہ نجات انہی کے سہارے ہے۔

۴؎یعنی تو جو کہتا ہے وہ اللہ کے پاس سے نشانیاں لائے کیا تونے خدا کو انہیں نبی بناکر بھیجتے،نشانیاں دیتے دیکھا تھا ؟ وہ کہتا ہے کہ خود تو نہیں دیکھا،دیکھنے والے محبوب سے سنا تھا،مجھے ان کے کلام پر اپنی آنکھوں سے زیادہ اعتماد ہے،میری آنکھیں جھوٹی ہوسکتی ہیں ان کا کلام غلط نہیں ہوسکتا۔خیال رہے کہ یہ گفتگو امتحان کے علاوہ ہے۔فرشتے خوش ہو کر اس سے یہ باتیں کرتے ہیں۔

۵؎دنیا میں ان آنکھوں سے۔سبحان اللہ!جاہل مسلمان بھی مرتے ہی عقائد کا عالم بن جاتا ہے۔

۶؎خیال رہے کہ مؤمن کو اس وقت دوزخ کی آگ نظر آتی ہے تکلیف بالکل نہیں پہنچاتی،کچلنے کا یہ مطلب ہے کہ اس قدر زیادہ آگ ہے گویا آگوں کی بھیڑہوگئی ہے کہ بعض بعض کو کچلے دیتی ہے۔

۷؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دوزخ سے بچنا محض اپنے عمل سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے فضل سے ہے کہ اسی کے کرم سے قبر میں کامیابی ہوتی ہے۔دوسرے یہ کہ ہر شخص کی جگہ جنت میں بھی ہے اور دوزخ میں بھی،مؤمن جنت میں اپنی جگہ بھی سنبھالتاہے اور کافر کی بھی،مؤمن کو دوزخ کی جگہ پہلے دکھانا اسے زیادہ خوش کرنے کے لیئے ہے۔

۸؎صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ اس سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے اور دوزخ کی کھڑکی فورًا بندکردی جاتی ہے مگر یہ کھڑکی تا قیامت کھلی رہتی ہے۔

۹؎یعنی دنیا میں تجھے اپنے عقائد کا علم الیقین تھا جو سن کر حاصل ہوا،قبر میں ان سب چیزوں کو دیکھ کر عین الیقین حاصل ہوا۔اور بعد حشر وہاں پہنچ کر حق الیقین نصیب ہوگا،یقین دائمی رہا اس کے مرتبوں میں ترقی ہوتی رہی یاد رکھو کہ جیسے جیو

گے ویسے ہی مرو گے ان شآءاللہ فرمانا برکت کے لیے ہے نہ کہ شک کے لیئے رب تعالٰی نے فرمایا:"لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ "۔

۱۰؎ کیونکہ کافر دنیا میں خدا سے بے خو ف رہا اب اس کا خو ف شروع ہوگیا۔

۱۱؎ منافق نے فقط زبان سے لوگوں کی دیکھا دیکھی رسول اللہ کہہ دیا تھا،کافر اپنے دوستوں سے سن کر انہیں جادو گر وغیرہ کہتے تھے،غرض تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا۔

۱۲؎ یہاں بھی گزشتہ تقریر یاد رہے کہ کافر جنت کو صرف دیکھتا ہے اس سے فائدہ بالکل نہیں اٹھاتا اور جنت کی کھڑکی فورًا بند بھی کردی جاتی ہے یہ دکھانا زیادتی حسرت کے لیئے ہے دوزخ کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی گرمی سے تکلیف بھی پاتا ہے اور یہ کھڑکی کبھی بند بھی نہیں ہوتی۔

۱۳؎ عام کافروں کو اپنے دین پر جزم نہیں ہوتا،ذرا سی مصیبت میں دین چھوڑ دیتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ"ہم نے ہندوؤں کو مسجدوں کے دروازہ پر نمازیوں کے جوتوں کی خاک چومتے دیکھا ہے،مشائخ کرام کے تلوؤں کو چومتے دیکھا ہے،اور جن خاص کافروں کو اپنے مذہب پر جزم اوراعتماد ہے وہ بھی یقین نہیں کہلاتا بلکہ جہل مرکب یعنی جھوٹی بات کو سچاجان لینا،نیز اس کا یہ اعتماد مرتے ہی ختم ہوجاتا ہے،اب اسے مرنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ دین برحق کیا ہے لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بہت سے کافرو ں کو اپنے مذہب پر یقین ہوتا ہے پھرحدیث کیونکہ صحیح ہوئی۔

باب الاعتصام بالکتاب والسنة

قرآن وسنّت مضبوطی سے پکڑنے کا باب[1]

الفصل الاوّل

پہلی فصل

[1] اعتصام عَصْمٌ سے بنا معنے منع اور روک۔پاک دامنی کو اسی لیئے عصمت کہتے ہیں کہ وہ گناہوں سے روک دیتی ہے۔اس کے لغوی معنے ہیں مضبوط پکڑنا چھوٹنے اور بھاگنے سے روک لینا۔اصطلاح شریعت میں حقانیت پر اعتقاد اور اس پر ہمیشہ عمل کرنے کو اعتصام کہا جاتا ہے۔کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اور سنت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فرمان اور وہ افعال اور احوال ہیں جو مسلمانوں کے لیئے قابل عمل ہیں،حضور کے یہ افعال شریعت کہلاتے ہیں اور احوال شریف طریقت۔صوفیاء کے نزدیک حضور کے جسم شریف کے حالات شریعت ہیں،قلب کے حالات طریقت،روح کے احوال حقیقت،اور سر کے حالات معرفت،سنت ان سب کو شامل ہے۔خیال رہے کہ حضور کی خصوصیات سنت نہیں لہذا نو بیویاں نکاح میں رکھنا،اونٹ پر طواف کرنا،منبر پر نماز پڑھانا وغیرہ اگرچہ حضور کے افعال کریمہ ہیں،لیکن ہمارے واسطے ناقابل عمل۔ہر سنت حدیث ہے ہر حدیث سنت نہیں،اسی لیئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سنت فرمایا حدیث نہ فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"عَلَیۡکُمۡ بِسُنَّتِي"یہ نہ فرمایا بِحَدِیۡثِي،نیز ہمارا نام بحمدہٖ تعالٰی اہل سنت یعنی ساری سنتوں پر عامل اہل حدیث نہیں،کیونکہ ساری حدیثوں پر کوئی عمل نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی اہلِ حدیث ہوسکتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ شریعت کے دلائل چار ہیں قرآن،سنت،اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہد،لیکن کتاب و سنت اصل اصول ہیں اور اجماع و قیاس ان کے بعد کہ اگر کوئی مسئلہ ان دونوں میں نہ مل سکے تو ادھر رجوع کرو،نیز قیاس قرآن و سنت کا مظہر ہے۔اس لیئے مصنف نے صرف کتاب و سنت کا ذکر کیا ان دونوں کا ذکر نہیں کیا ورنہ وہ دونوں بھی اشد ضروری ہیں۔خلافت صدیقی اور فاروقی اجماع امت سے ہی ثابت ہے اور ان کا انکار کفر۔باجرہ اور چاولوں میں سود حرام ہے مگر کتاب و سنت میں اس کا ذکر نہیں،قیاس سے حرمت ثابت ہے اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول و دوم[2] میں دیکھو۔کتاب و سنت سمندر ہے کسی امام کے جہاز میں بیٹھ کر اس کو طے کرو۔کتاب و سنت طب ایمانی کی دوائیں ہیں کسی طبیب روحانی یعنی امام مجتہد کے مشورے سے انہیں استعمال کرو۔

روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایجاد کرے ہمارے دین میں وہ طریقہ جو اس دین سے نہیں وہ مردود ہے[1]	

۱؎ یعنی وہ ایجاد کرنے والا مردود ہے یا اس کی یہ ایجاد مردود ہے۔ خیال رہے کہ اَمر سے مراد دین اسلام ہے اور مَا سے مراد عقائد، یعنی جو شخص اسلام میں خلافِ اسلام عقیدے ایجاد کرے وہ شخص بھی مردود اور وہ عقائد بھی باطل۔ لہذا روافض، قادیانی، وہابی وغیرہ بہتر ۷۲ فرقے جن کے عقائد خلافِ اسلام ہیں باطل ہیں۔ یا اَمر سے مراد دین ہے اور مَا سے مراد اعمال ہیں اور لَیسَ مِنهُ سے مراد قرآن و حدیث کے مخالف، یعنی جو کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین، یعنی کتاب وسنت کے مخالف ہوں جس سے سنّت اٹھ جاتی ہو وہ ایجاد کرنے والا بھی مردود ایسے عمل بھی باطل جیسے اردو میں خطبہ و نماز پڑھنا، فارسی میں اذان دینا وغیرہ۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے کہ جو کوئی بدعت ایجاد کرے تو اللہ سنت کو اٹھالیتا ہے۔ ہماری اس تفسیر کی بناپر یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اس میں کوئی قید لگانے کی ضرورت نہیں۔ مرقاۃ نے فرمایا لَیسَ مِنهُ سے معلوم ہوا کہ دین میں ایسے کام کی ایجاد جو کتاب و سنّت کے خلاف نہ ہو بُری نہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حمد و صلوۃ کے بعد یقینًا بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد مصطفٰے کا طریقہ ہے ۱؎ اور بدترین چیز دین کی بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے ۲؎ (مسلم)

۱؎ یہ کلام حضور نے وعظ میں خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا اسی لیئے فرمایا اَمَّا بَعْدُ! حدیث کے معنی مطلقًا بات اور کلام ہے، لہذا اس معنے سے قرآن بھی حدیث ہے اور لوگوں کے کلام بھی، مگر اصطلاح میں صرف حضور کے فرمان اور کام کو حدیث کہا جاتا ہے، یہاں لغوی معنے میں ہے۔ اللہ کا کلام تمام کلاموں پر ایسا ہی بزرگ ہے جیسے خود پروردگار اپنی مخلوق پر۔ ھدی کے معنے ہیں اچھی خصلت، حضور کی سیرت اچھی ہے کیونکہ رب کی طرف سے ہے، ہمارے کام اور کلام نفسانی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں حضور کا ہر قول و فعل رحمانی ہے اسی لیئے حضور کے کسی فعل پر اعتراض کفر ہے کہ وہ رب پر اعتراض ہے، لوگوں نے آپ کے ایک نکاح پر اعتراض کیا تو رب نے فرمایا: "زَوَّجْنٰكَهَا" ہم نے تمہارا نکاح کرایا۔

۲؎ مُحْدَثٌ کے معنے ہیں جدید اور نوپید چیز، یہاں وہ عقائد یا برے اعمال مراد ہیں جو حضور کی وفات کے بعد دین میں پیدا کیے جائیں۔ بدعت کے لغوی معنے ہیں نئی چیز، رب فرماتا ہے: "بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ"۔ اصطلاح میں اس کے تین معنے ہیں: (۱) نئے عقیدے اسے بدعت اعتقادی کہتے ہیں۔ (۲) وہ نئے اعمال جو قرآن و حدیث کے خلاف ہوں اور حضور کے بعد ایجاد ہوں۔ (۳) ہر نیا عمل جو حضور کے بعد ایجاد ہوا۔ پہلے دو معنے سے ہر بدعت بری ہے کوئی اچھی نہیں، تیسرے معنی کے لحاظ سے بعض بدعتیں اچھی ہیں بعض بری ہے، یہاں بدعت کے پہلے معنی مراد ہیں، یعنی برے عقیدے، کیونکہ حضور نے اسے ضلالت یعنی گمراہی فرمایا۔ گمراہی عقیدے سے ہوتی ہے عمل سے نہیں، بے نماز گنہگار ہے گمراہ نہیں، اور رب کو جھوٹا یا حضور کو اپنی مثل بشر سمجھنا بدعقیدگی اور گمراہی ہے، اور اگر دوسرے معنی مراد ہوں تب بھی یہ حدیث اپنے اطلاق پر ہے کسی قید لگانے کی ضرورت نہیں، اور اگر تیسرے معنی مراد ہوں یعنی نیا کام تو یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے کیونکہ یہ بدعت دو قسم کی ہے: بدعت حسنہ اور سیئہ۔ یہاں بدعت سیئہ مراد ہے۔ بدعت حسنہ کے لیئے کتاب العلم کی وہ حدیث ہے جو آگے آرہی

ہے۔"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً"الحدیث،یعنی جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے وہ بڑے ثواب کا مستحق ہے،بدعت حسنہ کبھی جائز،کبھی واجب،کبھی فرض ہوتی ہے۔اس کی نہایت نفیس تحقیق اسی جگہ مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات میں دیکھو،نیزشامی اور ہماری کتاب "جاء الحق"میں بھی ملاحظہ کرو۔بعض لوگ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جو کام حضور کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی،مگر یہ معنی بالکل فاسد ہیں،کیونکہ تمام دینی چیزیں،چھ کلمے،قرآن شریف کے ۳۰ پارے،علم حدیث اور حدیث کی اقسام اور کتب،شریعت وطریقت کے چارسلسلے،حنفی،شافعی،یا قادری،چشتی وغیرہ،زبان سے نماز کی نیت،ہوائی جہاز کے ذریعہ حج کا سفر اور جدید سائنسی ہتھیاروں سے جہاد وغیرہ،اور دنیا کی تمام چیزیں پلاؤ،زردے،ڈاک خانہ،ریلوے وغیرہ سب بدعتیں ہیں جوحضور کے بعدایجاد ہوئیں حرام ہونی چاہیے حالانکہ انہیں کوئی حرام نہیں کہتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں تین شخص ناپسند ترین ہیں حرم میں بے دینی کرنے والا[1] اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی[2] مسلمانوں کے خون ناحق کا جویاں تاکہ اس کی خونریزی کرے[3] (بخاری)	

[1] الحاد کے معنی ہیں میلان اور جھکنا۔شریعت میں باطل کی طرف جھکنے والے کو ملحد کہتے ہیں۔بدعقیدہ اور گنہگار دونوں ملحد ہیں،یعنی حدود مکہ مکرمہ میں گناہ کرنے والا یا گناہ پھیلانے والا یا بدعقیدگی اختیار کرنے والا یا رائج کرنے والا کہ اگرچہ یہ حرکتیں ہر جگہ ہی بری ہیں مگر حرم شریف میں بہت زیادہ بری کہ اس مقام کی عظمت کے بھی خلاف ہے اور جیسے حرم میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ایسے ہی ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ ہےاسی لیئےحضرت ابن عباس نے مکہ چھوڑکر طائف میں قیام کیا۔

[2] یعنی مسلمان ہو کر مشرکانہ رسوم کو پسند کرے اور پھیلائے جیسے نوحہ،سینہ کوبی،فال نکالنا وغیرہ اس سے روافض کو عبرت چاہیئے کہ انہوں نے جاہلیت کی رسموں کو عبادت سمجھ رکھا ہے۔

[3] یعنی مسلمان کو ظلمًا قتل کرنا تو بڑاگناہ ہے قتل کی کوشش بھی بدترین جرم ہے۔اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو بے قصور کو قتل کریں،کرائیں،مشورہ دیں اورقتل کے بعد قاتل کو ناحق چھڑانے کی کوشش کریں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منکر کے سوا میری ساری امت جنت میں جائے گی[1] عرض کیا گیا منکرکون ہے؟ فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی بہشت میں گیا جس نے میری نافرمانی کی منکرہوا[2] (بخاری)	

۱؎ یہاں امت سے مراد امت اجابت ہے جنہوں نے حضور کی تبلیغ کو قبول کرکے کلمہ پڑھ لیا ورنہ حضور کی امت دعوت تو ساری خلقت ہے۔

۲؎ انکار سے مراد عملی انکار ہے اور اس میں گنہگار مسلمان داخل ہیں اور جنت میں داخلے سے مراد اوّلی داخلہ ہے،یعنی متقی مؤمن اوّلی داخلہ کے مستحق ہیں،فاسق اس کے مستحق نہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے اور اگر انکار سے اعتقادی انکار مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان جنت کا مستحق ہے کافر نہیں،مگر پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ حضور کی بارگاہ میں فرشتے حاضر ہوئے جب کہ آپ سو رہے تھے ۱؎ تو بولے کہ تمہارے ان صاحب کی ایک کہاوت ہے ان سے بیان کردو ۲؎ تو بعض بولے کہ وہ سورہے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں اور دل شریف بیدار ہے ۳؎ تو بولے تمہارے ان محبوب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گھر بنائے وہاں دستر خوان رکھے اور بلانے والے کو بھیج دے تو جو اس بلانے والے کی بات مان لے وہ گھر میں آئے گا دستر خوان سے کھائے گا اور جو نہ مانے وہ نہ آئے نہ اس کے دستر خوان سے کچھ کھاسکے ۴؎ پھر بولے کہ اس کا مطلب بھی عرض کردو تاکہ خوب سمجھ لیں ۵؎ تو بعض بولے کہ وہ تو سو رہے ہیں بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں اور دل جاگتا ہے ۶؎ تو بولے کہ گھر تو ہے جنت اور بلانے والے ہیں محمد مصطفے ۷؎ جو حضور کی اطاعت کرے وہ اللہ کا مطیع ہے اور جس نے حضور کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی ۸؎ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں میں طرۂ امتیاز ہیں ۹؎ (بخاری)	

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت جابر سے خود حضور نے بیان فرمایا جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے۔ملائکہ سے مراد فرشتوں کی بعض جماعت ہے جن میں حضرت جبریئل و میکائیل بھی داخل ہیں۔حضرت جبریل آپ کے سرہانے تھے اور میکائیل پائینتی،جیساکہ اسی ترمذی میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ حضرت جابر نے خود یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور یہ گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہو جیساکہ اسی ترمذی میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے ثابت ہے۔صحابہ فرشتوں کو کبھی دیکھتے بھی تھے اور ان کا کلام بھی سنتے تھے۔(مرقاۃ)

۲؎ تاکہ وہ سن کر اپنی امت کو پہنچادیں کیونکہ نبی کی خواب بھی وحی ہے۔

۳؎ یعنی بعض فرشتوں نے تو کہا کہ سوتے ہوئے کے سامنے گفتگو بیکار ہے۔جاگنے کے بعد بیان کرنا مگر بعض نے جواب دیا کہ ان کی نیند اوروں کی سی نہیں۔یہ سوتے میں بھی دوسرے جاگنے والوں سے زیادہ ہوش رکھتے ہیں۔خیال رہے کہ فرشتوں کی یہ گفتگو بھی ہمیں سنانے کے لیئے ہے تاکہ ہم نبی کی نیند کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں ورنہ اس مسئلے سے سارے فرشتے واقف ہیں۔مرقاۃ نے فرمایا کہ قوت قدسیہ والے سونے میں زیادہ قوی احساس رکھتے ہیں اسی لیئے انبیاء کرام کی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا کہ وہ بے خبر نہیں ہوتے،تعریس کی رات حضور کا فجر کے وقت نہ اٹھنا اور نماز قضا ہوجانا غفلت سے نہ تھا۔بلکہ رب تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرکے نماز قضاء کرادی تاکہ امت کو قضائے نماز کا احکام معلوم ہوں۔

۴؎ مادبہ اَدَبٌ سے بنا،بمعنی کھانے کی دعوت جیسے معتبہ عَتَبٌ سے۔اصطلاح میں عام کھانے کو مادبہ کہا جاتا ہے جیسے ولیمہ وغیرہ۔اس تمثیل سے معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر عبادتیں کرنے والا نہ جنت میں جاسکتا ہے،نہ وہاں کی نعمتیں کھاسکتا ہے،نہ رب تعالٰی اس سے راضی،کیونکہ "داعی الی اللہ" حضور علیہ السلام ہی ہیں۔اس کی مثالیں تو ملتی ہیں کہ صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو مان کر بغیر اعمال لوگ جنتی ہوگئے،شروع اسلام میں معراج سے پہلے تیرہ برس تک کوئی عبادت نہ تھی صرف حضور علیہ السلام کو ماننا عبادت تھا اس وقت فوت ہونے والے مؤمن سب جنتی تھے،بارہا ایسا ہوا کہ برسوں کا کافر ایمان قبول کرتے ہی مرگیا جنتی ہوا،مگر ایسی مثال نہ ملے گی کہ حضور علیہ السلام کا انکار کرکے بقیہ عبادتیں کرکے کوئی جنتی ہوگیا ہو۔

۵؎ یعنی یہ خواب بھی وحی ہو،اور خواب کی تعبیر بھی وحی سے سمجھائی جائے ورنہ حضور کا سمجھنا اس بیان پر موقوف نہ تھا۔

۶؎ ان کا دوبارہ یہ گفتگو فرمانا تاکید کے لیئے ہے تاکہ کوئی مسلمان اس میں شک نہ کرے کہ نبی کی نیند غفلت کا باعث نہیں۔

۷؎ حضور مخلوق کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ" مگر چونکہ دیدار الٰہی جنت ہی میں ہوگا اس لیئے حضور کو یہاں جنت کا داعی کہا گیا۔لہذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں

۸؎ اس کی تفسیر وہ آیت ہے:"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ" سبحان اللہ!عجیب معمّہ ہے فقط اللہ کا مطیع حضور کا مطیع نہیں بلکہ حقیقتًا خدا کا بھی مطیع نہیں،مگر حضور کا مطیع اللہ کا مطیع ہے۔شیطان اللہ کا مطیع تو تھا نبوت کے انکار سے خدا کا مطیع نہ رہا۔

۹؎ یعنی کفر و ایمان،کافرو مؤمن میں فرق صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات سے ہے کہ ان ہی کا ماننے والا مؤمن ہے ان کا منکر کافر۔توحید،جنت،دوزخ کا اعتقاد،فرشتوں کو مان لینا ایمان نہیں کہ شیطان ان سب کو مانتا تھا مگر کافر ہوا۔اسی طرح قومیت برادری کا ایک یا الگ ہونا حضور کے دم سے ہے۔حضور کا ماننے والا ہمارا ہم قوم ہے بھائی ہے،ہماری برادری ہے،اگرچہ کسی ملک کا ہو۔حضور کا منکر نہ ہماری قوم نہ ہماری برادری نہ ہم وطن اگرچہ رشتہ میں سگا بھائی ہو۔جس کا رشتہ حضور سے ٹوٹا اس کا رشتہ خلقت سے بھی ٹوٹا،خالق سے بھی،توریت شریف میں حضور کا نام "فارقلیط" ہے۔حضرت مسیح نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ میرے بعد فارقلیط آئے گا،یوحنا کی انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح نے فرمایا کہ جب تک میں نہ جاؤں فارقلیط نہ آئے وہ آکر تمہیں غیب کی خبریں دے گا چھپے راز بتائے گا۔(اشعۃ اللمعات وکتاب الوفاء باخبار المصطفٰی)

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ تین ٹولے

	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی خدمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے۱؎ جب انہیں عبادات کی خبر دی گئی تو غالبًا انہوں نے اسے کچھ کم سمجھا ۲؎ تو بولے کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیانسبت رب تعالیٰ نے ان کی اگلی پچھلی سب لغزشیں بخش دیں۳؎ لہذا ان میں ایک بولا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۴؎ دوسرا بولا میں ہمیشہ روزہ دار رہوں گا کبھی افطار نہ کروں گا۵؎ تیسرا بولا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا۶؎ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا خبردار رہو کہ خدا کی قسم میں تم سب میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور خوف کرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۷؎ جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۸؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ رھط دس سے کم کی جماعت کو کہا جاتا ہے،یہاں غالبًا بمعنی فرد ہے،یعنی ۳ صحابہ حضرت علی،عثمان ابن مظعون اور عبداللہ ابن رواحہ یا مقداد ابن اسود حضور کی رات کی عبادتوں کو معلوم کرنے کے لیئے کسی بیوی پاک کے پاس حاضر ہوئے ورنہ دن کی عبادات تو وہ جانتے ہی تھے۔(مرقاۃ)

۲؎ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضور ساری رات جاگتے ہی ہوں گے اور سوا عبادت کے کوئی کام نہ کرتے ہوں گے مگر بتایا یہ گیا کہ شب میں سوتے بھی ہیں،جاگتے بھی ہیں،اور جاگتے میں عبادت بھی کرتے ہیں،دنیاوی کام بھی تب انہیں یہ خیال گزرا۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا ادب ہے کہ اس کمی عبادت کو حضور کی عظمت شان کی دلیل بنایا اور یہ توجیہ کی کہ عبادت کی زیادتی گناہ معاف کرانے کے لیئے چاہیئے،حضور بے گناہ ہیں اگر بالکل عبادت نہ کریں تو بھی درست ہے۔خیال رہے کہ کہ یہ کلام قرآن کریم سے ماخوذ ہے:"لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ"اس آیت کی بہت توجیہیں کی گئی ہیں،مگر قوی بات یہ ہے کہ ذَنْب سے مراد لغزش ہے نہ کہ گناہ۔عشق کہتا ہے کہ "ذَنْۢبِكَ"سے مراد امت کے گناہ ہیں،جن کا بخشوانا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذمہ ہے،جیسے پیروی کرنے والا وکیل کہتا ہے کہ آج میرا مقدمہ ہے۔

۴؎ یعنی ہر رات تمام شب بیدار رہ کر۔

۵؎ سوا ممانعت کے پانچ دنوں کے شوال کی پہلی اور بقر عید کی دسویں،گیارھویں،بارھویں،تیرھویں تاریخ کہ ان میں روزے رکھنا حرام ہیں۔

۶؎ کہ نکاح ہی رب سے غفلت،دنیا میں پھنسنے کا ذریعہ ہے،اسی وجہ سے طلب معاش کی فکر ہوتی ہے۔

۷؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہم کو عیسائیوں اور سادھوؤں کی طرح تارک الدنیا نہ بنایا بلکہ دنیا کو دین بنایا کیونکہ حضور کا ہر کام سنت۔لہذا افطار بھی سنت،رات کو تہجد پڑھنا اور سونا بھی سنت،نکاح کرنا،اولاد حاصل کرنا،دنیوی کاروبار کرنا سبھی سنت اور عبادت ہے جس پر ثواب ملتا ہے۔ان شاءاللہ !مؤمن کو ان سب کاموں پر ثواب ہے۔اس جگہ مرقاۃ نے خوف صحابہ کا بہت بڑا قصہ بیان کیا ہے۔

۸؎ یعنی جو کسی سنت کو برا جانے وہ اسلام سے خارج ہے یا جو بلا عذر ترک سنت کا عادی ہوجائے وہ میرے پرہیزگاروں کی جماعت سے خارج ہے۔لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ نکاح اکثر سنت ہے کبھی فرض اور کبھی حرام بھی ہوجاتا ہے۔چنانچہ نامرد کو نکاح منع ہے حضور علیہا لصلوۃ والسلام کی ہرسنت پر عمل کی کوشش کرنی چاہیئے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی کام کیا پھر اس کی اجازت ہوگئی ۱؎ مگر ایک گروہ نے اس سے پرہیز کیا ۲؎ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی حمد کی پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان چیزوں سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں اللہ کی قسم میں ان سب سے اللہ کو زیادہ جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے خوف والا ہوں ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کوئی مباح دنیوی کام کیا جس کی وجہ سے لوگوں کے لیئے مباح ہی نہیں بلکہ سنت بن گیا۔حدیث میں ذکر نہ ہوا کہ وہ کون سا کام تھا شاید روزے دار کے لیئے بیوی کو بوسہ تھا یا سفرمیں روزۂ رمضان کا چھوڑنا۔(مرقاۃ)

۲؎ یہ سمجھ کر کہ اگرچہ جائز یہ بھی ہے مگر اس کا نہ کرنا تقویٰ ہےحضور کا یہ فعل فقط بیان جواز کے لیئے ہے۔

۳؎ کہنا کہ نہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میری اطاعت میں ملے گی جیسے رات کو خوف خدا میں رونا سنت اور عبادت ہے،ایسے ہی آرام سے سونا بھی سنت اور عبادت ہے کیونکہ دونوں میرے طریقے ہیں۔

	روایت ہے رافع ابن خدیج سے ۱؎ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اہلِ مدینہ کھجوروں کی شادی کرتے تھے ۲؎ تو فرمایا تم یہ کیا کرتے ہو وہ بولے ہم پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں فرمایا ممکن ہے کہ تم یہ نہ کرو تو اچھا ہو ۳؎ لوگوں نے یہ شادی چھوڑ

	دی پھل کم ہوگئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ واقعہ آپ سے عرض کیا ۴؎ تو فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں جب تم کو کسی دینی کام کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں بشرہی ہوں ۵؎ (مسلم)

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،حارثی ہیں،انصاری ہیں،غزوۂ احد میں تیر لگا تھا،مگر زخم مہلک نہیں ہوا بھر گیا تھا۔عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں وہ زخم پھر بہا،اسی سے آپ کی وفات ہوئی،سواغزوۂ بدر کے کہ اس وقت آپ بچے تھے باقی تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رہے۔چھیاسی سال کی عمر پا کر ۷۳ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

۲؎ اس طرح کہ نرکھجور کی شاخ مادہ کھجور میں پیوندکردیتے تھے جس سے پھل زیادہ اور اچھے ہوتے تھے ہمارے ہاں اسے درخت یا باغ کی شادی کہا جاتا ہے اس موقع پر باغ والے بڑی خوشی مناتے ہیں۔خیال رہے کہ درختوں میں بھی نر اور مادہ ہیں بعض کو لوگ جانتے ہیں،بعض کو نہیں،نر درخت سے ہوا مس کرکے جب مادہ میں لگتی ہے تواس سے پھل آتے ہیں۔مرقاۃ میں فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی بچی مٹی سے کھجور کا درخت پیدا ہوگیا اس لیئے اس میں نرمادہ کا اجتماع ضروری ہے۔

۳؎ کہ تم اس مشقت سے بچ جاؤ اور پھل بھی جو مقدر میں ہیں ملیں اور تمہیں توکل کا درجہ نصیب ہو۔

۴؎ بعض علماء نے فرمایا کہ ان حضرات نے صبر سے کام نہ لیا بلکہ جلد ہی شکایت کردی اگر توکل کرکے کچھ روز نقصان برداشت کرتے تو بڑی برکت دیکھتے۔حضور کی رائے بھی مبارک ہے۔خیال رہے کہ حضور باغ کے اس رمز سے بے خبر نہ تھے بلکہ انہیں توکل کا سبق دیا تھا بے خبری کیسے ہوسکتی ہے حضور **اعلم الاولین والاخرین** ہیں،کیسے ہوسکتا ہے کہ باغ والے تو اس چیز کو جانیں اور حضور نہ جانیں۔یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی مگر بادشاہ مصر سے فرمایا:"**فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ**" گندم بھوسہ سے الگ نہ کرو تاکہ خراب نہ ہو اور قحط میں کام آئے۔نیز آپ نے کبھی سلطنت نہ کی تھی مگر بادشاہ مصر سے فرمایا کہ مجھے خزانوں کا حاکم بنادے" **اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ** "میں سب کچھ جانتا ہوں،سب قحط والوں کو سنبھال لوں گا۔جب یوسف علیہ السلام کے علم کا یہ عالم ہے تو ہمارے حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس معمولی بات سے کیسے بے خبر ہو سکتے ہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"**جاء الحق**"میں دیکھو۔

۵؎ یعنی ہمارے فرمان دوقسم کے ہیں:شرعی احکام اور دنیوی رائے شریف۔شرعی احکام لازم العمل ہیں کیونکہ وہاں نبوت اور نورانیت کا لحاظ ہے مگر رائے مبارک کا قبول کرنا مستحب ہے نہ ماننے کا بھی اختیار ہے لیکن بڑا یا حقیر جاننا اس کا بھی کفر ہوگا۔یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ میرا کلام قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتا،یعنی رائے اور مشورے کیونکہ رائے میں حضور کی بشریت کی جلوہ گری ہے۔خیال رہے کہ حضور کا اپنے کو بشر فرمانا آپ کا کمال ہے۔ہم اگر یہ لفظ اہانت یا برابری کے دعویٰ سے کہیں تو کافر ہوجائیں گے۔شیطان نبی کی حقارت کرکے اور انہیں بشر کہہ کر ہی

کافر ہوا کہ کہا"مَا كُنْتُ لِاَسْجُدَ لِبَشَرٍ"یونس علیہ السلام نے اپنے کو ظالم کہا:"اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ"کوئی اور شخص نبی کو ظالم کہے تو خود ظالم ہوجائے،بادشاہ کہے میں آپ کا خادم ہوں اس کا کمال ہے لیکن اور کوئی کہے تو سزا پائے گا۔خیال رہے کہ حکم اور مشورے کافرق قرآن کریم میں موجود ہے فرماتا ہے:"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ "(نماز قائم کرو)یہ حکم ہے جس کا تارک گنہگار ہے اور فرماتا ہے:"اِذَا تَدَایَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوۡہُ"جب کسی کو وقت مقرر تک قرض دو تو لکھ لو،یہ قرآن کا مشورہ ہے جس پر عمل نہ کرنا گناہ نہیں،دنیاوی سلاطین بھی اپنی رعایا کوکبھی حکم دیتے ہیں کبھی مشورہ۔احکام قرآنیہ میں رب تعالٰی کی سلطنت اورقدرت کاظہور ہے اور اس کے مشوروں میں رب کی رحمانیت کی جلوہ گری۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اورجو کچھ مجھے اللہ نے دے کر بھیجا اس کی کہاوت اس شخص کی سی ہے جس نے کسی قوم کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے۱ میں کھلا ڈرانے والاہوں۲ بچو بچو کہ اس کی قوم سے ایک ٹولہ نے اس کی بات مان لی اور اندھیرے منہ اٹھے اور بروقت نکل گئے تو بچ گئے۳ اور ان کے ایک ٹولہ نے جھٹلا دیا وہ اسی جگہ رہے پھر سویرے ہی لشکر ان پرٹوٹ پڑا انہیں ہلاک کرکے تہس نہس کردیا۴ یہ ہی اس کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی تو میرے لائے ہوئے کی اتباع کی اور اس کی جس نے میری نافرمانی کی اورمیرے لائے ہوئے حق کو جھٹلادیا۔(مسلم وبخاری)	

۱؎ یہ تشبیہ مرکب ہے پورے واقعہ کو پورے واقعہ کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔اس شخص سے مراد وہ امین اورسچا آدمی ہے جس کی بات پر لوگوں کو اعتماد ہو۔حضور کی سچائی ظہورنبوت سے پہلے ہی عام خاص میں مشہور ہوچکی تھی۔اس تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہردنیوی اخروی آنے والے عذابوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایااورآپ کی بشارت یا ڈرانا مشاہدے سے ہے۔رب فرماتا ہے:"اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شٰہِدًا"۔

۲؎ عرب میں دستور تھا کہ خطرناک دشمن کی اطلاع دینے والا اپنا کرتہ لاٹھی پر ٹانگ کر لوگوں میں اعلان کرتا تھا کہ ہوشیار ہوجاؤ اسے نذیر عریاں کہا جاتا تھا یعنی ننگا ڈرانے والا۔

۳؎ یعنی سننے والے دو ٹولہ بن گئے۔ایک ٹولہ نے اس نذیر کا اعتبارکیا اور دشمن لشکر کے حملے سے قبل اندھیرے ہی بھاگ گئے یہ نفع میں رہے۔

۴؎ تو جیسے نجات و ہلاکت کا دارومدار اس اعلان کرنے والے کی تصدیق یا تکذیب ہے ایسے ہی آخرت کے عذاب سے بچنے نہ بچنے کا مدار حضور کے ماننے اور نہ ماننے پر ہے۔عذابِ الٰہی گویا لشکر ہے،موت سے پہلے توبہ کرلینا گویا بروقت خطرناک جگہ سے نکل جانا ہے اور آخر تک گناہوں میں ڈٹا رہنا اور حضور کو جھٹلانا گویا خطرناک جگہ میں رہ کر دشمن کے ہاتھوں مارا جانا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کہاوت اس شخص کی سی ہے۱؎ جس نے آگ روشن کی جب آگ نے ارد گرد کو چمکا دیا تو پتنگے اور یہ جو آگ میں گرا کرتے ہیں(جانور)اس میں گرنے لگے۲؎ اور انہیں روکنے لگا اور وہ جانور اس پر غالب آئے جاتے ہیں آگ میں گرے جاتے ہیں۳؎ چنانچہ میں تمہاری کمر پکڑکر آگ سے بچاتا ہوں اور تم اس میں گرے جاتے ہو۴؎ یہ بخاری کی روایت ہے مسلم کی روایت اسی طرح ہے مگر اس کے آخر میں فرمایا کہ حضور نے فرمایا یہ میری تمہاری مثال ہے میں تمہیں کمر سے پکڑکر آگ سے بچارہا ہوں آگ سے بھاگ آؤ مگر تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہو اور اس میں گرے جاتے ہو۔(مسلم و بخاری)

۱؎ یہ بھی تشبیہ مرکب ہے کہ ایک پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔اللہ تعالٰی نے دنیا اور یہاں کی الجھنوں کو دین کا ذریعہ بنانے کے لیئے پیدا فرمایا مگر لوگوں نے انہیں غلط استعمال کرکے ہلاکت کا ذریعہ بنالیا جیسے کوئی جنگل میں مسافروں کی ہدایت اور روشنی کے لیئےآگ جلائے مگر پتنگے اسی آگ کو اپنی ہلاکت کا سامان بنالیں،اور ہلاکت کو اپنی نجات سمجھیں۔

۲؎ چنانچہ دنیا کی لذتیں آگ ہیں اور ہم ناسمجھ بندے پتنگے کہ اس کو غلط استعمال کرکے اپنے کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ تشبیہ میں آگ جلانے والا اور ہے اور بچانے والا اور۔جن دونوں کو لفظ رجل شامل ہےایسے ہی یہاں دنیا بنانے والا رب ہے اور اس کے غلط استعمال سے بچانے والے حضور ہیں۔

۴؎ حضور کا اپنی امت کو نرمی گرمی سے سمجھانا بجھانا گویا ان کی کمر پکڑ کر آگ سے روکنا ہے یہ روکنا تاقیامت رہے گا،علماء مشائخ کی تبلیغیں،غازیوں کے جہاد،حضور ہی کی تبلیغ ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنی دانائی یا اپنی تجویز کردہ عقلی عبادتوں کے ذریعہ دوزخ سے نہیں بچ سکتا جب تک کہ حضور کی ہدایت کو قبول نہ کرے ورنہ ہندو،سادھو اور عیسائی راہب ترک دنیا کرکے عمر بھر عبادتیں کرتے ہیں مگر دوزخی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس ہدایت و علم کی مثال جو رب نے مجھے دے کر بھیجا ۱؎ اس بہت سی بارش کی طرح ہے ۲؎ جوکسی زمین میں پہنچی اس کا کچھ حصہ اچھا تھا جس نے پانی چوسا اور گھاس اور بہت چارہ اگادیا اور بعض حصہ سخت تھا ۳؎ جس نے پانی جمع کرلیا جس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا کہ انہوں نے خود پیا پلایا اور کھیتی کی اور ایک دوسرے حصہ میں پہنچا جو چیٹل تھا کہ نہ پانی جمع کرے اور نہ گھاس اگائے ۴؎ یہ اس کی مثال ہے جو دینی عالم ہوا اور اسے اس چیز نے نفع دیا جو مجھے رب نے دے کر بھیجا اس نے سیکھا اور سکھایا ۵؎ اور اس کی مثال ہے جس نے اس پر سر نہ اٹھایا اور اللہ کی وہ ہدایت قبول نہ کی جو مجھے دے کر بھیجا گیا ۶؎ (بخاری و مسلم)	

۱؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ علم اور ہدایت ایک نہیں کبھی علم ہوتا ہے،ہدایت نہیں ہوتی جیسے اس امت کے بے دین علماء،کبھی ہدایت نصیب ہوجاتی ہے بہت ساعلم نہیں ہوتا جیسے وہ عوام جو بے علم ہیں مگر ایمان دار ہیں کبھی علم اور ہدایت دونوں جمع ہوجاتے ہیں،جیسے علمائے دین ہیں۔ہدایت علم سے افضل ہے،اسی لیئے اس کا ذکر پہلے ہوا،علم کتابوں سے ملتا ہے ہدایت کسی کی نظر سے۔

۲؎ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ حضور کے یہاں علم اور فیضان کی کمی نہیں تمام دنیا فیض لے لے تو گھٹتا نہیں کوئی نہ لے تو بیکار بچتا نہیں جیسے سورج کی روشنی اور بادلوں کا پانی۔

۳؎ "اَجَادِبُ" اَجْدَبُ کی جمع ہے،بمعنی وہ سخت زمین جوپانی کو چوس کر ختم نہ کردے اسی لیئے قحط کو جدب کہتے ہیں،یہاں مراد نشیبی زمینیں ہیں تالاب بن جاتے ہیں۔

۴؎ اس تشبیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورگویا رحمت کا بادل ہیں حضور کا ظاہری اور باطنی فیض اور نورانی کلام بارش۔انسانوں کے دل مختلف قسم کی زمین۔چنانچہ مؤمن کا دل قابلِ کاشت زمین ہے،جہاں عمل اور تقویٰ کے پودے اُگتے ہیں،علماء اور مشائخ کے سینے گویا تالاب ہیں اور اس خزینہ کے گنجینے ہیں جس سے تاقیامت مسلمانوں کے ایمان کی کھیتیاں سیراب ہوتی رہیں گی۔منافقین اور کفار کے سینے کھاری زمین ہیں نہ فائدہ اٹھائیں نہ پہنچائیں۔

۵؎ اس تشبیہ سے دو فائدے حاصل ہوئے:ایک یہ کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہوسکتا،زمین کیسی اعلیٰ ہو اور کتنا ہی اچھا تخم بویا جائے،مگر بارش کی محتاج ہے،دین و دنیا کی ساری بہاریں حضور کے دم سے ہیں۔شعر

شکر فیض تو چمن چوں کندائے ابر بہار
کہ اگر خاور گرگل ہمہ پروردۂ تست

دوسرے یہ کہ تاقیامت مسلمان علماء کے حاجت مند ہیں کہ ان کی کھیتیوں کو پانی انہیں تالابوں سے ملے گا حضور کی رحمت انہی کے ذریعہ نصیب ہوگی۔

۶؎ اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ اگر بفرض محال کسی کو حضور کی نبوت کی خبر ہی نہ پہنچے تو اسے عقیدۂ توحید کافی ہے،خیال رہے کہ مشبہ بہ میں زمین کے تین حصے بیان فرمائے گئے مگر مشبہ میں انسان کی صرف دو جماعتوں کا ذکر ہوا کیونکہ علماء ہدایت میں عالی ہیں اور کفار گمراہی میں عالی،درمیانی لوگ یعنی صالح مؤمن خود سمجھ میں آجاتے ہیں اسی لئے ان کا ذکر نہ ہوا۔خیال رہے کہ تالاب بہت سی قسم کے ہیں بڑے چھوٹے،بہت نافع کم نافع،بعض تالابوں سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں جیسے بھوپال کا تالاب،ایسے ہی علماء کے مختلف مراتب ہیں بعض مجتہدین ہیں جیسے چاروں امام،بعض کاملین ہیں،بعض راسخین ہیں،پھر ان میں بعض محدثین ہیں اور بعض مفسرین،یہ تشبیہ ان سب کو شامل ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ سرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تلاوت کی کہ وہ رب وہ ہے جس نے تم پر کتاب اتاری جس میں واضح آیات ہیں ۱؎ اور مایذکر الآیہ تک پڑھی فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم(اور مسلم میں ہے)لوگ انہیں دیکھو جو متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ان سے بچو ۲؎(مسلم وبخاری)	

۱؎ یہاں محکم سے صریح اور واضح آیات مراد ہیں جیسا کہ متشابہ کے تقابل سے معلوم ہورہا ہے۔اصطلاح اصول میں محکم وہ ہیں جن میں نہ تاویل کا احتمال ہو نہ نسخ کا اندیشہ جیسے ذات و صفات اور حضور کی نعت و صحابہ کے مناقب کی آیت۔

۲؎ یعنی جو آیتوں کی تاویلات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور فتنہ پھیلانے کے لیئے ان کے فاسد معانی بیان کرتے ہیں ان کے دلوں میں کجی ہے ان سے دور بھاگو۔خیال رہے کہ متشابہ آیات دو قسم کی ہیں:ایک مشتبہ المعنی جیسے "الٓمّٓ،الر"وغیرہ مقطعات قرآنیہ جن کی معنے ہی سمجھ میں نہیں آتے۔دوسرے مشتبہ المراد جیسے "فَثَمَّ وَجۡہُ اللہ"وغیرہ آیاتِ صفات ان دونوں قسم کی متشابہات میں جرح و قدح اور فتنے کے لیئے تاویلیں کرنا حرام ہیں لیکن مناسب تاویلیں اس زمانہ میں گناہ نہیں تاکہ لوگ غلط تاویلوں سے بچیں۔حدیث میں پہلی قسم کے لوگ مراد ہیں اسی لیئے قرآن کریم نے فرمایا:"ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ"۔یقین رکھوکہ اللہ تعالٰی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی طفیل بعض مقبولوں کو متشابہات کا علم دیا،رب فرماتاہے:"اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ"اپنے محبوب کو رحمان نے قرآن سکھایا ظاہر ہے کہ سارا ہی قرآن سکھایا جس میں متشابہات بھی ہیں۔

روایت ہے عبداللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں ایک دن دوپہری میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں	

	حاضر ہوا تو آپ نے دو شخصوں کی آوازیں سنیں جو کسی آیت میں جھگڑ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے کہ چہرہ میں غصہ معلوم ہوتا تھا فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ میں جھگڑوں کی وجہ سے ہی ہلاک ہوگئے [1] (مسلم)

[1] کتاب میں اختلاف کی تین صورتیں ہیں: (۱)قرآن کو اپنی رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا جیسے آج کل دیکھا جارہا ہے۔(۲)خود قرآن کی آیت میں اختلاف کہ یہ آیت کتاب اللہ ہے یا نہیں۔(۳)قرآن کریم سے مسائل نکالنے میں اختلاف،پہلے [2] دوقسم کے اختلاف حرام بلکہ کفر ہیں،تیسری قسم کا اختلاف عبادت ہے جوصحابہ کرام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔یہ اختلاف آئمہ مجتہدین میں ہوسکتا ہے،یہاں پہلی دو قسم کے اختلاف مراد ہیں۔اہل کتاب نے بھی آسمانی کتب میں اسی قسم کے اختلاف کیئے تھے۔

	روایت ہے حضرت سعدابن ابی وقاص سے [1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جو کسی غیر حرام چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کرے [2] اس کی پوچھ گچھ کی وجہ سے وہ چیزیں حرام کردی جاوے [3] (بخاری و مسلم)

[1] آپ کا اسم شریف سعد ابن ابی وقاص اور کنیت ابو اسحاق ہے،آپ کے والد کا نام مالک ابن وھیب ہے،اور کنیت ابووقاص آپ زہری ہیں،قرشی ہیں،عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں،قدیم الاسلام ہیں۔چنانچہ آپ تیسرے مسلمان ہیں،بوقت اسلام آپ کی عمرشریف سترہ برس تھی،بہت شاندارصحابی ہیں کہ حضور نے ان کے لیئےفرمایا تم پر میرے ماں باپ فدا،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،بہت بڑے مقبول الدعاء تھے،لوگ آپ کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے،عہدفاروقی اورعثمانی میں کوفہ کے گورنر رہے،ستربرس سے زیادہ عمر پائی، ۵۵ھ میں مدینہ منورہ سے قریب مقام عقیق میں وصال ہوا،وہاں سے آپ کی میت شریف مدینہ منورہ لائی گئی،مروان ابن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ پاک کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

[2] یہاں روئے سخن ان قیل قال والوں کی طرف ہے جنہیں بلاضرورت ہر بات کرید کرنے کی عادت ہوتی ہے ورنہ مسائل سیکھنے کے سوال اچھی چیز ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" لہٰذا یہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں اور پوچھ گچھ سے مراد نبی سے پوچھنا ہے کیونکہ حرام و حلال کے احکام اسی بارگاہ سے جاری ہوتے ہیں،جیسے حضور نے فرمایا کہ تم پر حج فرض ہے ایک صحابی نے پوچھا کیا ہر سال؟ فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال ہی فرض ہوجاتا۔یہ ہیں مضر سوالات۔

۳؎ اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس سے شریعت میں خاموشی ہووہ حلال ہے۔حرام وہی ہے جسے شریعت منع کرے جیساکہ لَمۡ یُحَرَّمۡ سے معلوم ہوا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا"۔ معلوم ہوا جس کی حرمت نہ ملے وہ حلال ہے مگر اس زمانہ میں بعض جہلاء بلا دلیل ہرچیز کو حرام کہہ دیتے ہیں اور حلال ہونے کے لیئے ثبوت مانگتے ہیں بتاؤ کہاں لکھا ہے،میلادشریف اور گیارھویں شریف حلال ہے خود نہیں بتاتے کہ حرام کہاں لکھا ہے انہیں اس حدیث اور آیت سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔دوسرے یہ کہ کبھی زیادہ پوچھ گچھ پر رب کی طرف سے سختی ہوجاتی ہے۔دیکھو بنی اسرائیل گائے کے متعلق پوچھ گچھ کرتے رہے پابندیاں بڑھتی رہیں۔تیسرے یہ کہ وظیفوں اوراحکام میں خود پابندی نہ لگوائے،بلکہ ان کے اطلاق سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری زمانہ میں جھوٹے دجال ہوں گے ۱؎ جو تمہارے میں وہ احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادوں نے ۲؎ ان کو اپنے سے اپنے کو ان سے دور رکھو وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں فتنہ میں نہ ڈال دیں ۳؎ (مسلم)	

۱؎ دجّال دجل سے بنا،بمعنی فریب اور دھوکا،دجال بڑا فریبی مکار و دھوکہ باز آخر زمانہ میں بڑا دجّال نکلے گا اس سے پہلے چھوٹے دجّال بہت ہوں گے۔

۲؎ اس میں اشارہ حدیث گھڑنے والوں کی طرف ہورہا ہے۔یہاں خطاب یاصرف صحابہ سے ہے یاقیامت تک کے علماء سے جنہیں حدیث کی واقفیت ہو اگر کوئی جاہل کسی مشہور حدیث کو نہ سنے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اعلان فرمایا تھا کہ ہم وہی حدیث قبول کریں گے جو زمانۂ فاروقی میں شائع ہوچکی کیونکہ آپ کے زمانہ میں بعض چھپے منافقوں نے حضرت علی کے فضائل میں اور بعض نے ان کے خلاف بہت حدیثیں گھڑ لی تھیں جب ہی سے رفض و خروج کی بیماریاں مسلمانوں میں پھیلیں۔معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا سخت جرم ہے اور گھڑنے والا سخت مجرم کہ حضور نے اسے دجّال و کذاب فرمایا۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بدمذہبوں سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ان کی صحبت دین و ایمان کے لیئے خطرہ ہے۔

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ اہل کتاب مسلمانوں کے سامنے عبرانی زبان میں توریت پڑھ کر عربی میں ترجمہ کرتے تھے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا ۱؎ یہ کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا ہے ۲؎ (بخاری)	

۱؎یہاں توریت کی وہ آیتیں مراد ہیں جن کا سچ اور جھوٹ ظاہر نہ ہو ورنہ اگر اہل کتاب حضرت مسیح یاحضرت عزیر کی الوہیت کی آیتیں پیش کریں تو یقینًا جھوٹی کہی جائیں گی۔منشائے حدیث یہ ہے کہ توریت و انجیل کچھ صحیح بھی تھیں،کچھ ملاوٹی بھی لہذا ہر آیت میں سچ جھوٹ کا احتمال تھا،اسی لئےاحتیاطًا یہ حکم دیا گیا۔خیال رہے کہ اب ان کتابوں کی ایک بھی اصلی آیت موجود نہیں یہ ترجمے کلام الٰہی نہیں ہیں۔

۲؎تاکہ اصل کتاب کا انکار نہ ہوجائے اور نہ غیر کتاب کا اقرار۔خیال رہے کہ یہ حکم اولًا تھا بعد میں تو حضور نے عمر فاروق جیسے صحابہ کو توریت پڑھنے سننے سے ہی منع فرمادیا اور فرمایا کہ میرے پاس کیا نہیں ہے جو تم توریت میں ڈھونڈتے ہو اگر موسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو میری پیروی کرتے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کو یہ ہی کافی ہے کہ ہر سنی بات بیان کردے۱؎(مسلم)

۱؎یعنی ہر ایرے غیرے کی ہر بات بغیر تحقیق کیے بیان کردے۔خصوصًا احادیث شریفہ ورنہ محدثین،فقہاء،علماء ان کی ہر بات پر عوام کو اعتماد کرنا پڑے گا۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا" لہذا یہ حدیث فقہاء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ دینی باتوں میں ایک کی خبر معتبر ہے،محدثین خبرواحد کا اعتبار کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے مجھ سے پہلے ایسا کوئی نبی نہ بھیجاجس کی امت میں سے کچھ لوگ ان کے خاص صاحب اسرار۱؎اور وہ صحابہ نہ ہوں جو ان کی سنت کولیں اور ان کے احکام کی پیروی کریں ۲؎پھر ان کے بعد ایسے ناخلف ہوتے تھےجو کہتے وہ تھے جو کرتے نہ تھے اور کرتے وہ تھےجس کا انہیں حکم نہ تھا۳؎تو جوان پر ہاتھ سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن اور جو زبان سے جہادکرے وہ بھی مؤمن اور جو ان پر اپنے دل سے جہادکرے وہ بھی مؤمن ہے۴؎اور اس کے سوارائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۵؎(مسلم)

۱؎حواری حور سے بنا ہے،بمعنی صفائی،خلوص،مدد چونکہ ان مخصوصین کے دل صاف تھے،خالص مؤمن تھے اوران کے دین کے مددگار تھے،اسی لئے انہیں حواری کہا جاتا تھا،نیزعیسیٰ علیہ السلام کے حواری کپڑا صاف کرنے والے دھوبی تھے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہاں شریعت اور تبلیغ والے نبی مراد ہیں جن کی باقاعدہ اُمّتیں تھیں اور یہ اصحاب حواریوں کے علاوہ جماعت ہیں۔مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب شریعت پیغمبر کو اللہ نے عام صحابی بھی بخشے اور خاص صاحب اسرار بھی ایسے ہی ہمارے حضور کے صحابہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں بعض خاص صاحب اسرار ہیں،جیسے خلفائے راشدین وغیرہم۔لہذا

اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض نبی وہ بھی ہیں جن کی بات کسی نے نہ مانی اور بعض وہ جن کی ایک دو آدمیوں نے ہی اطاعت کی۔

۳؎ یعنی ان صحابہ کے بعد ایسے بدعقیدہ اور بدعمل لوگ پیدا ہوتے تھے،ایسے ہی میرے صحابہ کے بعد بھی ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالٰی حضور کے صحابہ بدعملی اور بدعقیدگی سے پاک رہے۔

۴؎ یعنی ایسے بدعقیدہ اور بدعمل لوگوں کی اصلاح تین جماعتیں تین طرح کریں:حکام طاقت سے کہ مجرموں کو سزائیں دیں،اہل علم زبان سے کہ انہیں وعظ کریں،عوام مؤمن دل سے کہ ان سے نفرت کریں اور دور رہیں تا قیامت یہ احکام جاری رہیں۔

۵؎ یعنی جو انہیں دل سے برا بھی نہ جانے ان کے عقیدوں سے راضی ہو وہ انہیں کی طرح بے ایمان ہے۔اسی لیئے علماء پر فرض ہے کہ اپنی زبان اور قلم سے مسلمانوں کو بیدینوں سے نفرت دلائیں،ان کے عقائد بتائیں اور تردید کریں۔خیال رہے کہ ضعیف ایمان کو رائی کے دانہ سے مثال دینا بیان کیفیت کے لیے ہے نہ کہ بیان مقدار کے لیئے،کیونکہ ایمان مقدارًا کم و بیش نہیں ہوتا،ہر مؤمن پورا مسلمان ہے آدھا اور چوتھائی مسلمان نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت کی طرف بلائے اس کو تمام عاملین کی طرح ثواب ملے گا،اور اس سے ان کے اپنے ثوابوں سے کچھ کم نہ ہوگا۱؎ اور جو گمراہی کی طرف بلائے تو اس پر تمام پیروی کرنے والے گمراہوں کے برابر گناہ ہوگا اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا ۲؎(مسلم)

۱؎ یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صدقہ سے تمام صحابہ،آئمہ مجتہدین،علماء متقدمین و متاخرین سب کو شامل ہے،مثلًا اگر کسی کی تبلیغ سے ایک لاکھ نمازی بنیں تو اس مبلغ کو ہر وقت ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہوگا۔اور ان نمازیوں کو اپنی اپنی نمازوں کا ثواب۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا ثواب مخلوق کے اندازے سے وراء ہے،رب فرماتا ہے:"وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ"ایسے ہی وہ مصنفین جن کی کتابوں سے لوگ ہدایت پارہے ہیں قیامت تک لاکھوں کا ثواب انہیں پہنچتا رہے گا۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسٰنِ اِلَّا مَا سَعٰی"کیونکہ یہ ثوابوں کی زیادتی اس کے عملِ تبلیغ کا نتیجہ ہے۔

۲؎ اس میں گمراہیوں کے موجدین مبلغین سب شامل ہیں تاقیامت ان کو ہر وقت لاکھوں گناہ پہنچتے رہیں گے۔یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"وَعَلَیۡهَا مَا اکۡتَسَبَتۡ"کیونکہ یہ اس کے اپنے فعل یعنی تبلیغِ شر کی سزا ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

	اللہ علیہ وسلم نے اسلام غریبی سے شروع ہوا اور جیسا شروع ہوا تھا ویسا ہی پھر ہوجائے گا غربا کو خوشخبری ہوا(مسلم)

۱؎ غربت کے لفظی معنی ہیں تنہائی اور بیکسی،اسی لیئے مسافر اور تنگ دست کو غریب کہا جاتا ہے کہ مسافر سفر میں اکیلا ہوتا ہے اور تنگ دست بیکس،یعنی اسلام کو پہلے تھوڑے لوگوں نے قبول کیا اور آخر میں بھی تھوڑے ہی لوگوں میں رہ جائے گا،یہ دونوں جماعتیں بڑی مبارک ہیں۔الحمدﷲ!تھوڑے مسلمان بہتوں پر غالب آتے رہے اور آتے رہیں گے،تھوڑا سونا بہت سے لوہے پر اور تھوڑا مشک بہت سی مٹی پر غالب ہے۔یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ غریب مسکین لوگ اسلام پر قائم رہتے ہیں اکثر مالدار بھٹک جاتے ہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا ایمان مدینہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف ۱؎(مسلم وبخاری)اور ہم حضرت ابوہریرہ کی حدیث ذرونی الخ کتاب الحج میں اورحضرت معاویہ وجابر کی حدیثیں لایزال من امتی الخ اور لایزال طائفۃ من امتی ان شاءاللہ باب ثواب ھذہ الامۃ میں بیان کریں گے ۲؎

۱؎ یہ آخر زمانہ میں ہوگا کہ مسلمان کو دنیا میں کہیں امن نہ ملے گا تو وہ اپنا ایمان بچانے کے لیئے مدینے کی طرف بھاگیں گے،مدینہ پہلے بھی مسلمانوں کا جائے امن بنا اور آیندہ بھی بنے گا کیوں نہ ہو کہ یہاں دونوں عالم کے پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں غالبًا یہ واقعہ دجّال کے قریب ہوگا۔سانپ سے تشبیہ دینے میں ادھر اشارہ ہے کہ جیسے سانپ کو کوئی پناہ نہیں دیتا ایسے ہی آخر زمانہ میں لوگ اسلام کو سانپ کی طرح تکلیف دہ سمجھیں گے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ مدینہ پاک اسلام سے کبھی خالی نہ ہوگا۔

۲؎ یعنی وہ تینوں حدیثیں مصابیح میں یہاں ہی تھیں لیکن ہم نے مناسبت کی وجہ سے ان بابوں میں ذکر کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ربیعہ جرشی سے ۱؎ فرماتے ہیں حضور کی خدمت میں آنے والا آیا اور حضور سے کہا گیا کہ مناسب ہے کہ آپ کی آنکھیں تو سو جائیں آپ کے کان سنتے اور دل سمجھتا رہے ۲؎ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سو گئیں اور کان سنتے رہے دل سمجھتا رہا ۳؎ فرماتے ہیں مجھ سے کہا گیا کہ سردار نے گھر بنایا وہاں خوان

	تیار کیااور بلانے والا بھیجاتوجس نے بلانے والے کی دعوت قبول کی وہ گھر میں آیاخوان سے کھایااس سے سردار راضی ہوا ۴؎ اور جس نے منادی کی نہ مانی وہ نہ گھر میں آیانہ اس نے خوان سے کھایا آقااس پر ناراض ہوئے ۵؎ فرمایاکہ اللہ سید ہے اور محمد بلانے والے گھراسلام ہے اور خوان جنت ۶؎ (دارمی)

۱؎ آپ کا نام ربیعہ ابن عمرو ہے۔یمن کے علاقہ میں مقام جرش کے رہنے والے ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں ناسک کے مفتی رہے ہیں،ان کی صحابیت میں اختلاف ہے،مگر صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی حضور بیدار تھے،ایک فرشتہ نے آکر یہ عرض کیاان کلمات سے حضور پر نیند طاری ہوگئی،پھر خواب میں وہ کلام ہواجو آگے آرہاہے۔اس سے معلوم ہواکہ فرشتوں کے بعض کلمے ہم کو سلادیتے ہیں،بعض کلمے ہم کو موت دیتے ہیں،صور کی آواز سب کو زندہ کرے گی۔حدیث اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،یہ بھی معلوم ہواکہ حضو کی نیند غفلت نہیں پیدا کرتی اسی لیئے سونے سے آپ کا وضو نہیں جاتااور آپ کی خواب وحی الٰہی ہے،فرشتہ نے سلاکر یہ گفتگو اسی لیئے کی تاکہ پتہ لگے اور لوگ حضور کی خواب پر ایمان لائیں۔

۳؎ یعنی فرشتے کی اس گفتگو کا مجھ پر یہ اثر ہواکہ میں سوگیا جیسے ماں کی لوری سے بچے کو نیند آتی ہے یا بعض چیزوں کو دیکھنے سے غشی طاری ہوجاتی ہے۔

۴؎ یعنی منادی کی بات مان لینے سے تین فائدے ہوئے:گھر کی سیر،نعمتیں کھانا،بادشاہ کی خوشنودی،یہ ساری بہار اس منادی کے دم سے ہے۔

۵؎ یعنی نہ ماننے والے کا دین بھی تباہ،دنیا بر باد،کھانے سے محرومی رہی،بادشاہ کی مخالفت گلے پڑی۔

۶؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ کو سید کہہ سکتے ہیں بمعنی مالک،مولیٰ۔دوسرے یہ کہ کوئی شخص صرف اعمال سے خدا کو راضی نہیں کرسکتاجب تک کہ حضور کی غلامی نہ کرے۔تیسرے یہ کہ صرف اسلام ہی ذریعہ نجات ہے۔بعض جاہلوں نے کہاہے کہ جس دین میں رہ کر نیکیاں کرلی جائیں نجات ہوجائے گی،وہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلٰمِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ"کیونکہ اس حدیث میں جنت کو اسلام میں دکھایا گیاہے۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کو مسہری پر تکیہ لگائے نہ پاؤں ۲؎ کہ اس کے پاس میرے احکام میں سے جس کا میں نے حکم دیا جس سے میں نے منع کیا کوئی حکم پہنچے اور وہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے جو قرآن شریف میں پائیں گے ہم تو اس کی پیروی کریں گے ۳؎ اس حدیث کو احمد و ابوداؤد ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے دلائل نبوت میں۔

۱؎ آپ کا نام ابراہیم یا اسلم ہے،آپ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں،آپ نسلاً قبطی ہیں،حضرت عباس کی ملک میں تھے،انہوں نے بطور نذرانہ حضور کی ملک میں دے دیا۔جب حضرت عباس اسلام لائے تو انہوں نے ہی حضور کو آپ کے اسلام کی خبر دی،حضور نے اس خوشی میں ان کو آزاد کردیا۔آپ سوائے جنگ بدر کے باقی تمام غزووں میں حضور کے ساتھ رہے،خلافت مرتضوی میں وفات پائی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(مرقاۃ واشعۃ اللمعات)

۲؎ سبحان اللہ! یہ ہے میرے محبوب کی قوت نظر،انکار حدیث کے موقعوں پر یہ دو کلمے ہمیشہ فرمائے جاتے ہیں کیونکہ قرآنی فرقہ کا موجد عبداللہ چکرالوی ہے،جو چکرالہ ضلع میانوالی پنجاب میں پیدا ہوا،یہ بہت مالدار اور لنگڑا تھا۔مُتَکِّیًا فرماکر اس کے لنگڑا ہونے کی طرف اور"اَرِیْکَۃٌ"فرماکر اس کی مالداری کی طرف اشارہ کردیا گیا،یا یہ مطلب ہے کہ اس فرقہ کا موجد آرام طلب ہوگا،گھر میں رہے گا،علم دین حاصل کرنے کے لیئے سفر نہ کرے گا،صرف قرآن کے ترجمے دیکھ کر یہ کہے گا۔چنانچہ عبداللہ!چکرالوی اور اس کی ساری ذرّیت کا یہی حال ہے غرض کہ یہاں یا ظاہری عیوب کا ذکر ہے یا باطنی کا۔

۳؎ نہیں جانتے کا مقصد ہے نہیں مانتے یعنی ہم قرآن کے سوا حدیث وغیرہ کے قائل نہیں،قرآن میں سب کچھ ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔عبداللہ چکرالوی اور اس کی ذرّیت کے یہی الفاظ ہوتے ہیں۔سبحان اللہ! "مَا وَجَدْنَا"فرماکر کیسا نفیس اشارہ فرمایا کہ اگرچہ قرآن تو کامل ہے مگر انسان کا پانا ناقص،قرآن میں سب کچھ ہے مگر ملے گا اسے جسے میں نکال کردوں،ہر شخص سمندر سے موتی حاصل نہیں کرسکتا موتی نکلتے سمندر سے ہیں مگر ملتے جوہری کی دکان پر ہیں اس اَفْصَحُ الْفُصَحَاءِ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو لفظوں میں ان کے دلائل مع تردید بتادیئے۔

	روایت ہے حضرت مقدام ابن معد یکرب سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ ہو کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا مثل بھی ۲؎ خبردار قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا اپنی مسہری پر کہے ۳؎ کہ صرف قرآن کو تھام لو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۴؎ حالانکہ رسول اللہ کا حرام فرمایا ہوا ویسا ہی حرام ہے جیساکہ اللہ کا حرام فرمودہ ۵؎ دیکھو تمہارے لیے نہ تو پلاؤ گدھا حلال ہے اور نہ کوکیلی والا درندہ جانور نہ عہد والے کافر کی گمی ہوئی چیز مگر جب اس کا مالک اس سے لاپرواہ ہوجائے ۶؎ اور جو کسی قوم کے پاس مہمان جائے ان پر اس کی مہمانی ہے اگرمہمانداری نہ کریں تو وہ اپنی مہمانی کی بقدر ان سے وصول کرلے ۷؎ اسے ابوداؤد

	نے روایت کیا دارمی نے بھی اسی طرح اور ابن ماجہ نے حرم اللہ تک۔

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ بنی کندہ سے تعلق رکھتے ہیں،کندی وفد کے ساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، ۸۷ھ میں شام میں وفات پائی ۹۱سال عمر ہوئی۔

۲؎ یعنی حدیث شریف جو قرآن کی طرح وحی الٰہی ہے اور اسی کی طرح واجب الاتباع۔اس حدیث کی تائید قرآن شریف کی اس آیت سے ہے:"وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ"کتاب تو قرآن حکیم ہے اور حکمت حدیث شریف۔خیال رہے کہ قرآن شریف کی عبارت بھی وحی ہے اور مضامین بھی مگر حدیث شریف کا مضمون وحی ہے الفاظ حضور کے اپنےاسی لیئے الفاظ حدیث پر قرآن کے احکام جاری نہیں کہ اس کی تلاوت نماز میں نہیں ہوسکتی،بے وضو اسے چھوسکتا ہے۔اسی لیئے قرآن کو وحی متلو کہتے ہیں اور حدیث کو غیر متلو۔مرقاۃ میں ہے کہ جبریل امین حدیث کو بھی لےکر اترتے تھے،اس کی تحقیق کے لیئے ہماری کتاب "ایک اسلام"دیکھو۔

۳؎ یہ کلمہ"آلا منکرین"حدیث پر اظہار غضب کے لیئے ہےاسی لیئے ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف کے ہوتے ہوئے قیاس جائز نہیں،حدیث ضعیف کو قیاس قوی پر ترجیح ہے اگرچہ اس منکر حدیث کی پیدائش۱۳سو برس کے بعد ہوئی مگر حضور کی نگاہوں سے قریب تھااس لیئے یُوْشِكَ فرمایا،شَبْعَانٌ(پیٹ بھرا)میں اس کی مالداری اور مسہری میں اس کا لنگڑا ہونا بتایا گیا۔

۴؎ یعنی اپنی تحقیق پر اعتماد کرو،صاحب قرآن سے الگ ہوجاؤ یہ بکواس ہی تمام بے دینوں کی جڑ ہے۔

۵؎ یعنی حرام قطعی واجب الترک اسی لیئے صحابہ کرام حضور کے فرمان پر قرآن کی طرح عمل کرتے تھے ہم پر جیسے نماز فرض ہے ایسے ہی نماز کی تعداد اور مقدار یعنی پانچ نمازیں اور ہر نماز میں مقرر رکعات فرض ہیں ہم جو کبھی حدیث کو ظنی کہتے ہیں اس کی وجہ اسنادیں ہیں۔جنہوں نے خود حضور سے حدیثیں سنیں ان کے لیئے قرآن کی طرح قطعی تھیں،دیکھو صدیق اکبر نے حدیث کی بنا پر حضور کی میراث تقسیم نہیں کی حالانکہ تقسیم میراث حکم قرآنی ہے۔

۶؎ یعنی منکرین حدیث کو چاہیے کہ گدھا بھی کھائیں،کتے بلوں پر بھی ہاتھ صاف کریں،پڑی ہوئی چیز بھی قبضہ میں کرلیا کریں،کیونکہ انہیں قرآن نے حرام نہیں کیا بلکہ حدیث نے کیا ہے۔ان شاءاللہ اس کا جواب قیامت تک ان سے نہ بنے گا۔

مسئلہ: پڑی ہوئی چیز جو ملے اس کے مالک کو تلاش کرکے پہنچادی جائے مسلمان کی ہو یا کسی ذمہ والے کافر کی،حربی کافر کا مال جو بغیر دھوکہ دہی کے ملے حلال ہے جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہوجائے تو خیرات کردی جائے اور اگر اٹھانے والا غریب ہو تو خود استعمال کرے۔اس کے بقیہ مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔

۷؎ یعنی یہ مسئلہ بھی قرآن میں نہیں ہے حدیث میں ہے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں دیہاتی کفار سے یہ عہدلیا جاتا تھا کہ اگر لشکر اسلام یا کوئی مسلمان تمہارے گاؤں پر گزرے تو تم اسے ایک دو وقت کا راشن دینا۔اس معاہدے کے ماتحت لشکر اسلام کو اپنا راشن ان سے وصول کرنے کا حق تھا،حدیث میں اسی کا ذکر ہے اب بھی بعض ہنگامی حالات میں لشکر یا پولیس

کا خرچ اہل شہر پر ڈال دیا جاتا ہے۔اس جملے کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر زیادہ قوی ہے اس صورت میں یہ حدیث غیر منسوخ ہے اب بھی اگر کفار سے یہ معاہدہ ہوجائے تو ان پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔

روایت ہے حضرت عرباض ابن ساریہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرما کر فرمایا کیا تم میں سے کوئی چھپڑ کھٹ پر تکیہ لگا کر یہ گمان کرسکتا ہے ۲؎ کہ اللہ نے بجز ان چیزوں کے کوئی چیز حرام نہ کی جو قرآن میں ہیں آگاہ رہو کہ بخدا میں نے احکام دیئے وعظ فرمائے اور بہت چیزوں سے منع کیا جو قرآن کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہیں ۳؎ یقینًا اللہ نے تمہارے لیے یہ مباح نہ کیا کہ کتابیوں کے گھروں میں بلااجازت گھس جاؤ اور نہ ان کی عورتوں کو مار پیٹ اور نہ ان کے پھل کھانا جب وہ اپنے ذمہ کے حقوق تمہیں ادا کریں ۴؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اس حدیث کی اسناد میں اشعث ابن شعبہ مصیصی ہے جس میں کلام کیا گیا ہے۔	

۱؎ آپ صحابی ہیں،آپ کے والد ساریہ کی کنیت **ابو نجیح** تھی،حضرت عرباض اصحاب صفہ میں سے ہیں،شوقِ الٰہی اورخوفِ الٰہی اپنے دل میں بہت رکھتے تھے،شام میں قیام کیا اور ۷۵ھ میں وہیں وفات پائی،آپ سے ۳۱ احادیث مروی ہیں،حمّص میں آپ کا مزار ہے۔

۲؎ اس میں خطاب صرف صحابہ سے نہیں بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے،کیونکہ عہد صحابہ سے قریبًا ۱۳سو برس تک منکر حدیث کوئی نہیں ہوا یہ بیماری چودھویں صدی میں پھیلی،اور یہ سوال تعجب کے لیئے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم میں بعض ایسے بے وقوف بھی پیدا ہوں گے جو ایسے واہیات عقائد رکھیں گے۔

۳؎ یعنی میرے دیئے ہوئے احکام اور میری حلال و حرام کی ہوئی چیزیں،مقدار میں قرآنی احکام اور قرآنی حلال و حرام سے کہیں زیادہ ہیں،دیکھ لو قرآن کریم نے صرف سُور کا گوشت حرام کیا کہ فرمایا"**وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ**"سُور کی کلیجی،گردے،ہڈی،بھیجہ اس کے علاوہ کتا،بلا حدیث نے ہی حرام کیا اسی طرح تمام احکام کا حال ہے حدیث کا انکار کرکے ان چیزوں کی حرمت کہاں سے ثابت کی جائے گی۔

۴؎ یعنی جب ذمی اہل کتاب جزیہ(ٹیکس)ادا کردیں تو نہ تم ان کے گھروں میں جاسکتے ہو،نہ ان کا مال کھاسکتے ہو،نہ انہیں سزا دے سکتے ہو۔یہ مسئلہ بھی قرآن میں نہیں ہے،مَیں ارشاد فرما رہا ہوں اہل کتاب کی قید اس لیئے لگائی کہ مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا،انہیں مسلمان ہی ہونا پڑے گا۔خیال رہے کہ اگر ذمی جزیہ دینے سے انکار کردیں تو وہ حربی ہوجائیں گے،پھر ان کی جائداد،سامان حکومت اسلامیہ ضبط اور انہیں قید کرسکتی ہے اس لیئے جزیہ دینے کی قید لگائی گئی۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف چہرہ کیا اورنہایت ہی بلیغ وعظ فرمایا جس سے اشک رواں ہوگئے دل ڈر گئے ۱؎ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ شاید یہ الوداعی وعظ ہے۲؎لہذا کچھ وصیت فرمادیں حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے،سلطان کی سننے،فرماں برداری کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ حبشی غلام ہی ہو۳؎کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو جیئے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا۴؎لہذا تم میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت مضبوط پکڑو۵؎اسے دانت سے مضبوط پکڑلو نئی باتوں سے دور رہو کہ ہرنئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۶؎ اسے احمد،ابوداؤد اورترمذی وابن ماجہ نے رویات کیا لیکن ان دونوں نے نماز کا واقعہ ذکر نہ کیا۔

۱؎یوں توحضور کے تمام وعظ ہی مؤثر ہوتے تھےلیکن خصوصیت سے یہ وعظ بہت پرتاثیرتھا۔جس میں عشق خدا،خوف ذات کبریا کا دریا موجیں مار رہا تھا۔عشق سے آنسو بہے اورخوف سے دل ڈرے،بلیغ سے پرتاثیر مراد ہے۔

۲؎یعنی حضور کی وفات قریب ہے،اور آپ ایسی باتیں فرمارہے ہیں جیسی رخصت ہوتے وقت کی جاتی ہیں گویا آپ اپنی امت کو چھوڑ کر جارہے ہیں اور آخری نصیحتیں کررہے ہیں۔سبحان اللہ!صحابہ کرام کی ذکاوت کے قربان۔معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حضور کی وفات قریب تھی اس لیئے ان کے کلام کی تردید نہ فرمائی گئی بلکہ خواہش پوری کردی گئی،پتہ لگا کہ حضور اپنے وقت وفات کو جانتے ہیں اور یہ ایسا جامع کلام ہے کہ سارے احکام اس میں آگئے۔تَقْوَی اللہ میں سارے دینی احکام اور سلطان کی اطاعت میں سارے سیاسی احکام شامل ہیں۔

۳؎یعنی اگر تمہارا امیر کالا حبشی غلام ہو تب بھی اس کی اطاعت کرو اس کا نسب و شکل نہ دیکھو اس کا حکم سنو۔خیال رہے کہ خلافت قریش سے خاص ہے مگر امارت ہر مسلمان کو مل سکتی ہے،لہذا یہ حدیث کے خلاف نہیں"اَلْخِلَافَۃُ لِلْقُرَیْش"نیز امیر کی اطاعت انہی احکام میں ہوگی جو خلاف شرع نہ ہوں،نیز اس کی اطاعت امیر بن جانے کے بعد ہوگی،یزید امیر بنا ہی نہ تھا،حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے حاکم مانا ہی نہیں۔لہذا آپ کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں،امیر بنانا اور ہے اور امیر بن چکنے کے بعد اطاعت کرنا کچھ اور۔

۴؎سیاسی اختلاف بھی اور مذہبی بھی۔چنانچہ خلافت عثمانیہ کے آخر میں لوگوں میں سیاسی اختلاف پیدا ہوگیا اور خلافت حیدری میں سیاسی اختلاف کے ساتھ مذہبی اختلاف بھی رونما ہوگیا کہ جبریہ،قدریہ،رافضی،خارجی پیدا ہوگئے۔خیال رہے کہ خدا کے

فضل سے صحا بہ میں دینی اختلاف نہ ہوا،سارے صحابہ حق پر رہے،حضور کا یہ کلمہ بہت جامع ہے اور آپ کی یہ پیشن گوئی ہو بہو صحیح ہوئی۔

۵؎ہر سنت لائق اتباع ہے مگر ہر حدیث لائق اتباع نہیں،حضور کے خصوصیات،منسوخ احکام اور اعمال حدیث ہیں مگر سنت نہیں اسی لیئے یہاں حدیث کو پکڑ نے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ سنت کو۔الحمدللہ!ہم اہل سنت ہیں دنیا میں اہل حدیث کوئی نہیں ہوسکتا۔صحابہ کرام کے اعمال و افعال بھی لغوی معنے سے سنت ہیں یعنی دین کا اچھا طریقہ اگرچہ ان کی ایجادات بدعت حسنہ ہیں،عمر فاروق نے جماعت کی باقاعدہ تراویح کو جو آپ نے جاری کی تھی بدعت فرمایا کہ کہا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ آپ کا وہ کلام اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہ شرعًا بدعت ہے لغۃً سنت اور مسلمانوں کے واسطے لازم العمل۔خیال رہے کہ تمام صحابہ ہدایت کے تارے ہیں،خصوصًا خلفائے راشدین۔لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ "اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ"تمام صحابہ کی پیروی باعث نجات ہے۔

۶؎یہاں نئی چیز سے مراد نئے عقیدے ہیں جو اسلام میں حضور کے بعد ایجاد کیئے جائیں،اس لیئے کہ یہاں اسے گمراہی کہا گیا۔گمراہی عقیدہ میں ہوتی ہے نہ کہ اعمال میں لہذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔چنانچہ قادیانی،چکرالوی،رفض و خروج یہ تمام بدعات اور گمراہی ہیں اور اگر اس سے نئے اعمال مراد لیئے جائیں تو یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے،یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے۔بدعت حسنہ کبھی مباح،کبھی مستحب،کبھی واجب اور کبھی فرض بھی ہوتی ہے۔حدیث کی کتب اور قرآن کے پارے بدعت ہیں مگر اچھے ہیں۔اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔

روایت ہے عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے۱؎ پھر اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں جن میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو ادھر بلا رہا ہے۲؎ اور یہ آیت تلاوت فرمائی:"اَنَّ هٰذَا صِرٰطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ"الایہ اسے احمد،نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔	

۱؎ سبحان اللہ!کیا نفیس تعلیم ہے،دین حق کو قرآن شریف میں صراط مستقیم فرمایا گیا یعنی سیدھا راستہ جو نہایت آسانی سے رب تک پہنچادے،حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خط کھینچ کر اس کی مثال دکھادی۔یہاں سبیل اللہ سے مراد سچے اعتقاد اور نیک اعمال ہیں۔خیال رہے کہ شریعت اورطریقت کے چاروں سلسلے حنفی شافعی یا قادری،چشتی وغیرہ ایک ہی طریقہ ہیں جنہیں اہل سنت کہا جاتا ہے کیونکہ انکے عقائد یکساں ہیں۔اعمال میں فروعی اختلاف جیسا صحابہ کا آپس میں اختلاف ہوا کرتا تھا۔یہ کعبۂ ایمان کے چار راستے ہیں،یاسمندر نبوت تک پہنچنے والے چار دریا ان کے علاوہ دیگر مذاہب ٹیڑھے راستہ ہیں کہ وہ عقائد میں مختلف ہیں۔

۲؎ یہاں شیطان سے مراد یا تو ان مذاہب کے موجد ہیں جیسے قادیانیت کے لیئے غلام احمد اور چکڑالویت کے لیئے عبداللہ،یا ان دینوں کے مبلغین یا اس سے مراد خود ابلیس ہی ہے۔قرآن نے سرکش جنات اور گمراہ کن انسانوں کو شیاطین فرمایا ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے کے تابع نہ ہو۱؎ اسے شرح سنہ میں روایت کیا ہے۔نووی نے اپنی چہل حدیث میں۲؎ فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے جسے ہم نے صحیح اسناد سے کتاب الحجۃ میں روایت کیا۔	

۱؎ یعنی مؤمن وہ ہے کہ جس کا عمل میرے احکام کو پسند کرے اور اس کے علاوہ کو ناپسند۔لائے ہوئے میں حدیث و قرآن کے سارے احکام داخل ہیں کیونکہ یہ سب رب کی طرف سے آئے اور ایمان سے مراد اصل ایمان ہے اور واقعی جو کوئی کسی دینی چیز کو برا جانے وہ کافر ہے اور اس صورت میں حدیث پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ کسی تاویل کی ضرورت،کوئی گنہگار،فاسق،بدکار گناہوں کو اچھا اور نیکیوں کو برا نہیں سمجھتا،اسی وجہ سے وہ مؤمن رہتا ہے اگرچہ فاسق ہو۔

۲؎ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جو کوئی میری امت تک چالیس حدیثیں پہنچادے قیامت میں اس کی بخشش ہوگی،اسی لیئے علماء محدثین نے چہل حدیثیں لکھیں۔امام نووی شارح مسلم نے بھی چالیس جمع فرمائیں جس کا یہاں ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت بلال ابن حارث مزنی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میری مردہ سنت کو جو میرے بعد فنا کردی گئی زندہ کرے ۲؎ اسے ان تمام کی برابر ثواب ہوگا جو اس پر عمل کریں اس کے بغیر کہ ان عاملوں کے ثواب سے کچھ کم ہو ۳؎ اور جو گمراہی کی بدعت ایجاد کرے جس سے اللہ رسول راضی نہیں ۴؎ اس پر ان سب کی برابر گناہ ہوگا جو اس پر عامل ہوں اور یہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ کرے گا اسے ترمذی نے روایت کیا۔	

۱؎ آپ صحابی ہیں، ۵ ھ؁ میں وفد مدینہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے،۸۰سال کی عمر پاکر ۶۰ ھ؁ میں وفات پائی،مدینہ منورہ کے پاس مقام ستغری میں قیام تھا۔

۲؎ یعنی جس سنت کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسرے کو بھی عمل کی رغبت دلائے جیسے زمانۂ موجودہ میں داڑھی رکھنا۔

۳؎ کیونکہ یہ اللہ کا بندہ اس سنت کے زندہ کرنے میں لوگوں کے طعنے اور مذاق برداشت کرتا ہے،سنت کی خاطر سب سختیاں جھیلتا ہے،لہذا بڑا غازی ہے۔جو بھلائی کے موجد کو ثواب ملتا ہے وہی بھلائی کے پھیلانے والے کو۔
۴؎ یہاں بدعت موصوف ہے اور ضلالت صفت اور جب نکرہ نکرے کی صفت ہو تو تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔یہاں ضلالت کی قید بدعت حسنہ کو نکالنے کے لیئے ہے۔(مرقاۃ)یعنی بری بدعتوں کا موجد مجرم ہے جیسے اردو میں نماز و اذان یا اور تمام خلاف سنت کام۔اور اچھی بدعتوں کا موجد ثواب کا مستحق ہے جیسے علم صرف ونحو کے موجد،اسلامی مدرسے،عرس بزرگان،میلاد شریف اور گیارہویں شریف اور گیارہویں شریف کی مجالس کے موجد،اس کی بحث پہلے گزر چکی یہ حدیث تقسیم بدعت کی اصل ہے اس کا ذکر"کتاب العلم" میں بھی آئے گا۔

	اور ابن ماجہ نے کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا۱؎

۱؎ کثیر ابن عمرو باتفاق راوی ضعیف ہے،امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ بہت جھوٹا آدمی تھا اس کے دادا عمرو ابن عوف صحابی ہیں،قدیم الاسلام ہیں انہی کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ اتری"تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ "آپ مدینہ منورہ میں رہے اورحضرت امیرمعاویہ کے زمانہ میں وفات پائی،جنگ بدر میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ تھے۔

	روایت ہے حضرت عمرو بن عوف سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دین حجاز کی طرف ایسا سمٹ آوے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۱؎ اور دین حجاز سے ایسا بندھ جاوے گا جیسے پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی سے۲؎ یقینًا دین غریب ہی شروع ہوا اورجیسا شروع ہوا ویسا لوٹے گا لہذا غربا کو خوشخبری ہو یہ غربا وہ ہیں جو میرے بعد میری سنت کو درست کریں گے جسے لوگوں نے بگاڑدیا ہوگا۳؎(ترمذی)

۱؎ یعنی آخری زمانہ میں مسلمانوں کو حجاز کے سوا کہیں پناہ نہ ملے گی اس لیئے سب یہاں ہی جمع ہوجائیں گے۔حجاز عرب کا وہ صوبہ ہے جس میں مکہ معظّمہ،مدینہ منورہ،طائف وغیرہ ہیں۔خیال رہے کہ اولًا مسلمان حجاز میں پناہ لیں گے اور پھر وہاں بھی امن نہ پائیں گے تو مدینہ منورہ میں سمٹ آئیں گے،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ دین مدینہ میں سمٹ آئے گا،مدینہ منورہ ہی میں نبوت کا آفتاب غروب ہوا اور یہاں سے ہی اس کی کرنیں یعنی شریعت غائب ہوگئی۔
۲؎ کہ پہاڑی بکریاں دن بھر ہر جگہ پھرتی ہیں اور شام کو اپنے تھان یعنی پہاڑ کی چوٹی پر باندھ دی جاتی ہیں،جہاں وہ درندوں سے محفوظ رہتی ہیں۔حجاز خصوصا مدینہ منورہ اسلام کا تھان ہیں اس میں اشارۃً یہ فرمایا گیا کہ اسلام حرمین شریفین سے کبھی نہ نکلے گا اور سب مسلمانوں کا تعلق اس سے قائم رہے گا،جیسے سانپ کا تعلق اپنے سوراخ سے اور بکری کا تعلق

اپنے تھان سے ہر وقت رہتا ہے۔اس کا وہ مطلب نہیں جو براہین قاطعہ وغیرہ نے سمجھا کہ وہاں اسلام قیامت کے قریب پہنچے گا اس سے پہلے دنیا میں اور جگہ اسلام ہوگا حجاز یا مدینہ منورہ میں نہ ہوگا۔

۳؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی ہے۔یہ بھی قریب قیامت ہی ہوگا کہ جیسے پہلے تھوڑے مسکین لوگوں نے اسلام قبول کیا ایسے ہی قریب قیامت تھوڑے غریب ہی اسلام پر قائم رہ جائیں گے وہ اگلے غریب بھی مبارک تھے اور یہ پچھلے بھی مبارک ہوں گے۔باقی دنیا میں کفر ہی کفر ہوگا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں جو نیا فرقہ نکلے اور اس کے ماننے والے تھوڑے ہوں وہی حق پر ہوں جیسا کہ قادیانیوں اور وہابیوں نے سمجھا۔آگے حدیث آرہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہو۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت پر بعینہٖ ویسے حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے جیسے جوتی کی جوتی سے برابری ۱؎ حتی کہ اگر کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا تو میری امت میں بھی وہ ہوگا جو ایسا کرے گا ۲؎ یقینًا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جاوے گی ۳؎ سوا ایک ملت کے سب دوزخی لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ وہ ایک کون فرقہ ہے فرمایا وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں ۴؎ اسے ترمذی نے روایت کیا۔	

۱؎ سبحان اللہ! اس مطلع الغیوب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی صحیح خبر دی اور کیسی نفیس تشبیہ سے سمجھایا کہ جیسے داہنے پاؤں کی جوتی بائیں پاؤں کی جوتی سے لمبائی،چوڑائی،شکل و صورت میں یکساں ہوتی ہے ایسے ہی میری امت کے ظاہری و باطنی حالات،عقائد و اعمال بنی اسرائیل کی طرح ہوجائیں گے۔

۲؎ یہ اعمال کی برابری کا ذکر ہے کہ بدتر سے بدتر گناہ بھی میری امت کے اندر پایا جائے گا۔ہم نے دیکھا کہ انگریزوں کی داڑھیاں منڈیں،مونچھیں بڑھیں،مسلمانوں کی بھی ایسی ہی شکل بن گئی،پھر انگریزوں نے ناک کے نیچے مونچھ مکھی کی طرح رکھی مسلمان بھی اس ہی پر عامل ہوگئے۔پھر دور آیا کہ داڑھی کے ساتھ مونچھ کی بھی بالکل صفائی ہوگئی،تو مسلمان بھی ایسے ہی ہوگئے۔اگر کوئی انگریز ناک کٹالیتا تو یقینًا مسلمانوں میں صدہا ناک کٹ جاتے۔یہ اسی حدیث کا ظہور ہے۔

۳؎ اس طرح کہ بنی اسرائیل کے سارے ۷۲فرقے گمراہ ہوگئے مگر مسلمانوں میں ۷۲فرقے گمراہ ہوں گے اور ایک ہدایت پر۔خیال رہے کہ جیسے بعض بنی اسرائیل نبیوں کے دشمن ہیں ایسے ہی مسلمانوں میں بعض فرقے دشمن سیدالانبیاء ہیں اور جیسے بعض بنی اسرائیل انبیاء کو خدا کا بیٹا مان بیٹھے مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فقیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عین خدا،جز خدا مانتے ہیں۔غرض اس حدیث کا ظہور یوں پوری طرح ہورہا ہے۔

۴؎ یعنی میں اورمیرے صحابہ ایمان کی کسوٹی پر ہیں جس کا ایمان ان کاساہو وہ مؤمن ماسوائے بے دین۔رب تعالٰی فرماتا ہے:" فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ فَقَدِ اہۡتَدَوۡا "۔خیال رہے کہ مَاسے مراد عقیدے اور اصول اعمال ہیں نہ کہ فروعی افعال،یعنی جن کے عقائد صحابہ کے سے ہوں اور ان کے اعمال کی اصل عہد صحابہ میں موجود ہو وہ جنتی ورنہ فروع ا عمال آج لاکھوں ایسے ہیں جو زمانہ صحابہ میں نہ تھے ان کے کرنے والے دوزخی نہیں۔صحابہ کرام حنفی،شافعی یا قادری نہ تھے ہم ہیں۔انہوں نے بخاری مسلم نہیں لکھی تھی،مدرسۂ اسلامی نہ بنائے تھے،ہوائی جہازوں اور راکٹوں سے جہاد نہ کئے تھے۔ہم یہ سب کچھ کرتے ہیں لہٰذا یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں بن سکتی کہ عقائد وہی صحابہ والے ہیں اور ان سارے اعمال کی اصل وہاں موجود ہے۔غرضیکہ درخت اسلام عہد نبوی میں لگا عہد صحابہ میں پھلا پھولا قیامت تک پھل آتے رہیں گے کھاتے رہو بشر طیکہ اسی درخت کے پھل ہوں۔

اور احمدوابوداؤد میں معاویہ کی روایت سے یہ ہے کہ بہتّر دوزخی اور ایک جنتی ہے اور وہ بڑا گروہ (جماعت مسلمین)ہے ۱؎ میری امت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن میں بدعت ایسی سرایت کرجائیں گی جیسے دیوانہ کتے کا زہر کاٹے ہوئے ہیں کہ جس کی کوئی رگ اور جوڑ سرایت کئے نہیں بچتا۲؎	

۱؎ اس میں بتایا گیا کہ جنتی ہونے کے لیئے دوچیزوں کی ضرورت ہے:سنت کی پیروی اور جماعت مسلمین کے ساتھ رہنا۔اسی لیئے ہمارے مذہب کا نام اہل سنت والجماعت ہے۔جماعت سے مراد مسلمانوں کا بڑا گروہ ہے جس میں فقہاء،علماء،صوفیاء اور اولیاء اللہ ہیں۔**الحمدللہ** !یہ شرف بھی اہلسنت ہی کو حاصل ہے،سوا اس فرقہ کے اولیاءاللہ کسی فرقہ میں نہیں۔خیال رہے کہ یہ۷۳ کا عدد اصولی فرقوں کا ہے کہ اصولی فرقہ ایک جنتی اور۷۲ جہنمی۔چنانچہ اہل سنت میں
حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی،چشتی،قادری،نقش بندی،سہروردی ایسے ہی اشاعرہ یا ترید یہ سب داخل ہیں کہ عقائد سب کے ایک ہی ہیں اور ان سب کا شمار ایک ہی فرقہ میں ہے۔ایسے ہی بہتر ناری فرقوں کا حال ہے کہ ان میں ایک ایک فرقے کے بہت ٹولے ہیں۔مثلًاایک فرقہ روافض کے بہت ٹولے ہیں،بارہ امامئے،چھ امامئے،تین امامئے ایسے ہی دیگر فرقوں کا حال ہے۔لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اسلامی فرقے کئی سو ہیں۔اس کی تفصیل مرقاۃ وغیرہ میں دیکھو۔
۲؎ یعنی برے عقیدے اور بدعتیں ان کے خیالات و اعمال میں چھا جائیں گے۔خیال رہے کہ حضور نے سانپ کاٹے کی تشبیہ نہ دی کیونکہ اس کا زہر دل یا دماغ پر پہنچتے ہی موت واقع ہوجاتی ہے۔وہ اوروں کونہیں کاٹتا مگر دیوانہ کتاکا کاٹا ہو اعرصہ تک زندہ رہتا ہے جسے یہ کاٹ لے اسے بھی اپنے جیساکرلیتا ہے۔یہی بدمذہبوں کا حال ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمرسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقینًا اللہ میری امت کو یا فرمایا امت محمد مصطفٰی کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا	

	؎۱جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے؎۲جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہی جائے گا۔(ترمذی)

؎۱یہاں امت سے امت اجابت مراد ہے یعنی حضور پر ایمان لانے والے لوگ یہ حدیث پچھلی حدیث کی گویا تفسیر ہے،یعنی اگرچہ میری امت میں بنی اسرائیل سے زیادہ فرقے ہوں گے،لیکن فرق یہ ہے کہ وہ سارے گمراہ ہوگئے تھے،یہ امت ساری گمراہ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک ایک فرقہ اس میں حق پر رہے گا۔یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مسلمانوں کا اجماع برحق ہے جس پر سارے علماء اولیاء متفق ہوجائیں وہ مسئلہ ایسا ہی لازم العمل ہے جیسے قرآن کی آیت۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے:"وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الْمُؤْمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ"یعنی جو مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راہ چلے گا ہم اسے دوزخ میں بھیجیں گے۔اجماع امت کا حجت ہونا یہ بھی اس امت کی خصوصیت ہے۔معلوم ہوا کہ خلافت شیخین برحق ہے۔

؎۲دستِ کرم سے مراد حفاظت،مدد اور رحمت ہے۔یعنی اللہ تعالٰی جماعت کو غلطی اور دشمنوں کی ایذا سے بچائے گا۔ان پر سکینہ اتارے گا وغیرہ۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو؎۱کیونکہ جو الگ رہا وہ الگ ہی آگ میں جائے گا؎۲اسے انس کی حدیث سے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

؎۱یعنی ہمیشہ وہ عقیدے اختیار کرو جو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ہوں یہ حدیث منصوص اور غیر منصوص سارے احکام کو شامل ہے۔آیات و احادیث کے جو معنی مسلمانوں کی بڑی جماعت نے سمجھے ہیں وہی حق ہیں۔آج اگر کوئی نئے معنے بتائے تو جھوٹا ہے۔خاتم النبیین کے معنے آخری نبی صلوٰۃ و زکوۃ کے معنی مروجہ نماز اور صدقہ ہیں جو کہے کہ خاتم النبیین کے معنی اصلی نبی،صلوٰۃ و زکوۃ سے کچھ اورمرادلے یہ غلط ہے،ایسے ہی مسلمانوں کا بڑاگروہ میلاد،فاتحہ،عرس وغیرہ کو اچھا سمجھتا ہے واقعی یہ کام اچھے ہیں،اگر کچھ لوگ انہیں حرام کہیں جھوٹے ہیں۔حدیث شریف میں ہے جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔رب فرماتا ہے:"لِتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ"حضور فرماتے ہیں تم زمین میں اللہ کے گواہ رہو۔یہ سب حدیثیں اسی مشکوٰۃ شریف میں آئیں گی۔لہذا جس کام کو عام علماء،صلحاء اورعوام مسلمین اچھا جانیں وہ اچھا ہی ہے۔خیال رہے کہ بڑی جماعت سارے مسلمانوں کی معتبر ہے نہ کہ کسی خاص جگہ اور خاص وقت کی۔لہذا اگر کسی بستی میں ایک سنی ہے سب بدمذہب تو وہ ایک ہی سواد اعظم ہوگا کیونکہ وہ صحابہ سے اب تک کی جماعت کے ساتھ ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ اجتہادی مسائل میں سواد اعظم کا اعتبار نہیں ایک مجتہد جمہور مجتہدین کی مخالفت کرسکتا ہے اور اس کی اتباع جائز ہے۔اس کی پوری بحث مرقاۃ وغیرہ میں دیکھو۔یاد رکھو کہ بعض بدعملیوں میں عام مسلمان پھنس جاتے ہیں جیسے زمانہ موجود میں داڑھی منڈانا لیکن وہ سبھی اسے برائی سمجھتے ہیں اور وہ گناہ سمجھ کر اس کو کرتے ہیں۔لہذا یہ نہیں کہاجاسکتا کہ داڑھی منڈانا بڑی جماعت کا عمل ہے۔

۲؎ یعنی جس نے مسلمانوں کی بڑی جماعت کے خلاف عقیدے اختیار کئے تو جماعت تو جنت میں جائے گی اور یہ دوزخ میں۔یہ حدیث تا قیامت بدمذہبیت سے بچنے کا بڑا ذریعہ ہے۔اگر مسلمان اس پر کاربند رہیں تو چھوٹے چھوٹے فرقے خود ہی ختم ہوجائیں گے۔

روایت ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے بچے اگر تم یہ کرسکو کہ صبح اور شام ایسے گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ(کینہ)نہ ہو تو کرو ۱؎ پھر فرمایا کہ اے میرے بچے یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے محبت کرے اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ یعنی مسلمان بھائی کی طرف سے دنیوی امور میں صاف دل ہو،سینہ کینہ سے پاک ہو،تب اس میں انوار مدینہ آئیں گے۔دھندلا آئینہ اور میلا دل قابل عزت نہیں مگر کفار سے عداوت اصل ایمان ہے۔رب فرماتا ہے:"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ "ایسے ہی فاسق مسلمانوں کی بدکاری سے ناراض ہونا عبادت ہے۔لہذا حدیث صاف ہے۔

۲؎ یعنی جیسے اعمال میں سنتوں کی پابندی باعث ثواب ہے،ایسے ہی دل صاف رکھنا،اچھے اخلاق ہونا بھی سنت ہے۔جس سے قرب رسول اللہ حاصل ہوگا۔افسوس کہ اکثر لوگ یہاں پھسل جاتے ہیں۔اتباع سنت کا دعویٰ ہوتا ہے مگر سینے کینوں سے بھرے ہوتے ہیں۔اللہ اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے میری امت کے بگڑتے وقت میری سنت کو مضبوط تھاما تو اسے سوشہیدوں کا ثواب ہے ۱؎	

۱؎ کیونکہ شہید تو ایک بار تلوار کا زخم کھاکر پار ہوجاتا ہے مگر یہ اللہ کا بندہ عمر بھر لوگوں کے طعنے اور زبانوں کے گھاؤ کھاتا رہتا ہے،اللہ اور رسول کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا ہے،اس کا جہاد جہاد اکبر ہے جیسے اس زمانہ میں داڑھی رکھنا سود سے بچنا وغیرہ۔

روایت ہے حضرت جابر سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی جب حضور کی خدمت میں حضرت عمر آئے فرمایا کہ ہم یہود کی کچھ باتیں سنتے ہیں جو ہمیں بھلی	

	لگتی ہیں کیاحضور اجازت دیتے ہیں کہ کچھ لکھ بھی لیا کریں فرمایا کیا تم یہود اور عیسائی کی طرح حیران ہو۱ میں تمہارے پاس روشن و صاف شریعت لایا ۲ اور اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۳ اسے احمداور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱ کہ قرآن و سنت کو اپنے لیئے کافی نہیں سمجھتے اس لیئے دوسروں کے پاس علم وہدایت لینے جاتے ہو جیسے یہودونصاریٰ نے اپنی کتابیں چھوڑکر پادریوں اور جوگیوں کی پیروی شروع کردی۔یہ حدیث دین و ہدایت کے متعلق ہے جو کوئی اسلام کو کافی نہ سمجھے وہ بے ایمان ہے۔دنیاوی چیزیں ہر جگہ سیکھی جاسکتی ہیں۔اس کے لیئے وہ حدیث ہے کہ کلمۂ حکمت مسلمانوں کی گمی دولت ہے جہاں سے ملے لے لو۔لہٰذا حدیث متعارض نہیں۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بے دینوں کے رسالے پڑھتے اور بدمذہبوں کے جلسوں میں جانے سے احتیاط نہیں کرتے۔فاروق اعظم جیسے مؤمن کو اہل کتاب کے علماء کی صحبت سے منع فرمایا دیا۔

۲ جس میں نہ کوئی کمی ہے نہ کوئی پوشیدگی پھر اور طرف کیوں جاتے ہو۔

۳ کیونکہ اللہ تعالٰی نے سارے نبیوں سے حضور کی اتباع کا عہد لے لیا تھا:"لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ "پھرتم ان کی امت سے میرے ہوتے ہوئے ہدایت لینے کیوں جاتے ہو۔آفتاب کے ہوتے چراغوں سے روشنی نہیں لی جاتی۔آج مسلمان اپنے کو بھول گئے اسی لئے دوسری قوموں کے اخلاق اور امانت داری کی تعریفیں کرتے ہیں۔یہ ہماری جیب کے گرے ہوئے موتی ہیں جو اوروں نے اٹھالئے۔

	۱ روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاک و حلال کھائے سنت پر عمل کرے اورلوگ اس کے فتنوں سے محفوظ رہیں وہ جنت میں جائے گا ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کل بہت سے ایسے لوگ ہیں فرمایا میرے بعد والے زمانوں میں بھی ہوں گے ۲(ترمذی)

۱ یہ حدیث درستی عبادات اور معاملات کی جامع ہے۔دولفظوں میں دونوں جہاں سنبھال دیئے گئے۔"فِیۡ سُنَّةٍ"میں اشارۃً بتایا گیا کہ کسی سنت کومعمولی نہ سمجھے حتی کہ بیٹھ کر پانی پینا،راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا۔کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے۔اَمِنَ فرماکر بتایا کہ مسلمان کے اخلاق ایسے پاکیزہ ہوں کہ لوگوں کو قدرتی طور پر اس کی طرف سے امن ہو کہ یہ تکلیف نہیں پہنچاتا۔

۲؎ یعنی میرا فیضان صرف اس زمانہ سے خاص نہیں بلکہ تاقیامت میری امت میں ایسے پرہیزگار ہوتے رہیں گے۔ان شاءاللہ یہ امت نیکوں سے خالی نہ ہوگی ہاں جس قدر زمانہ دور ہوگا ایسے ہی لوگ کم ہوں گے۔الحمدللہ!حضور کی یہ پیشن گوئی بالکل درست ہوئی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جو احکام شریعہ کا دسواں حصہ چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہوجائے پھر وہ زمانہ آوے گا کہ جو احکام کے دسویں حصے پر عمل کرے نجات پاوے گا۱؎ (ترمذی)	

۱؎ خیال رہے کہ یہاں احکام سے مراد تبلیغ اور سنن ونوافل وغیرہ ہیں نہ کہ فرائض وواجبات،یعنی آج چونکہ تبلیغ اور ساری نیکیوں کے لیئے کوئی رکاوٹ نہیں اب کچھ بھی چھوڑنا اپنا قصور ہے۔آخر زمانہ میں رکاوٹیں بہت ہوں گی اس وقت آج کے لحاظ سے دسواں حصہ پر عمل کرنا بڑی بہادری ہوگی۔لہذا حدیث صاف ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ اب ایک ہی نماز اور ہزاروں حصہ زکوۃ اور رمضان کے تین روزہ کافی ہیں یا یہ مناسبت مجموعی احکام کے لحاظ سے ہے۔چنانچہ آج اسلامی جہاد قضاء کے احکام پر پورا عمل ناممکن ہے ہم چور کے ہاتھ نہیں کاٹ سکتے،زانی کو سنگسار نہیں کرسکتے وغیرہ۔

روایت ہے حضرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم ہدایت پر رہنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر اس میں جھگڑے پیدا ہوگئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی کہ وہ لوگ آپ کے لیے مثال نہیں بیان کرتے مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ قوم جھگڑالو ہے ۱؎	

۱؎ یعنی جو لوگ سچے دین سے بھٹک جاتے ہیں وہ اپنے باطل دین کو پھیلانے کے لیئے تعصب،عناد اور جھگڑوں سے کام لیتے ہیں کیونکہ رب کی طرف سے ان کی مدد نہیں ہوتی جیسا کہ آج بھی بے دینوں کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ وہ قرآن و حدیث کو زبردستی اپنے موافق کرنا چاہتے ہیں خود اس کے موافق نہیں ہوتے جو آیت پیش فرمائی گئی ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت کریمہ:"اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ"نازل ہوئی یعنی اے کافر! تم اور تمہارے سارے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں تو کفار نے حضور سے عرض کیا کہ پھر تو حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام بھی دوزخی ہوئے کہ ان کی بھی اہل کتاب نے پوجا کی تھی۔تب یہ آیت اتری اور تب ہی حضور نے یہ ارشاد فرمایا یعنی یہ کفار جانتے ہیں کہ مَا بے عقل چیزوں کے لیئے آتا ہے پھر وہ انبیاء کرام اس میں کیسے داخل ہوں گے مگر پھر بھی کج بحثی کرتے ہوئے اپنی ہانکے جاتے ہیں۔آج اس کی مثالیں بہت دیکھنے میں آرہی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	

وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو۱؎ ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا ۲؎ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کردی ۳؎ پس گرجوں اور دیروں میں انہی کے بقایا لوگ ہیں انہوں نے خود ترک دنیا ایجاد کی ہم نے ان پر لازم نہ کی تھی ۴؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی اپنے پر غیر ضروری عبادتیں لازم مت کرلو جیسے ہمیشہ کے روزے یا ساری رات جاگنا اور شرعی مباحات کو حرام مت کرلو جیسے نکاح اور لذیذ نعمتوں سے پرہیز کرنا۔حلال سے بچنے کا نام تقویٰ نہیں حرام سے بچنے کا نام پرہیزگاری ہے بعض لوگ گوشت سے بچتے ہیں غیبت نہیں چھوڑتے۔

۲؎ جیسے کوئی عمر بھر روزے،شب بیداری کی نذر مان لے اب یہ دونوں نذر کی وجہ سے فرض ہوگئے کہ نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔اس قسم کی نذروں سے بچو۔لہذا حدیث واضح ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کے بعد کوئی نبی آئے گا جس کے ذریعہ وہ سختیاں فرض ہوجائیں گے

۳؎ جیسے کہ بنی اسرائیل کو ایک موقع پر گائے ذبح کرنے کا حکم دیا وہ جیسی گائے بھی ذبح کرلیتے کافی تھا مگر وہ موسی علیہ السلام سے پوچھتے ہی رہے کہ اس کا رنگ کیسا،عمر کتنی وغیرہ وغیرہ جوابات آتے رہے،سختیاں بڑھتی گئیں،یا جیسے عیسائی پادریوں نے اپنے لیئے ترک دینا کو عبادت بنالیا پھر وہ نبھا نہ سکے بلکہ حرام کاریوں میں مبتلا ہو گئے۔

۴؎ یعنی یہودونصاریٰ پر راہب یانن بننا رب کا حکم نہ تھا۔انہوں نے خود جوش عقیدت میں ایجاد کیا کہ عورتیں بی بی مریم کے نا م پر کنواریاں اور مرد عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کنوارے گرجوں میں رہنے لگے پھر ان کنواری اور کنواریوں کے اجتماع سے جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے دیکھو کتاب "ازبلا" اس آیت و حدیث سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ بدعت حسنہ کے ایجاد پر ثواب ملتا ہے۔کیونکہ رب تعالٰی نے ان راہبوں کے متعلق جنہوں نے اپنے عہد نبھادیئے ثواب کا وعدہ کیا کہ فرمایا:"فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡہُمۡ اَجۡرَہُمۡ ۚ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ"۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن پانچ قسموں پر اترا۱؎ حلال حرام محکم اور متشابہ ۲؎ اور مثالیں لہذا حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام مانو محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ۳؎ مثالوں سے عبرت پکڑو۴؎ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا جس کی عبارت یوں ہے کہ حلال پر عمل کرو اور حرام سے بچو اور محکم کی اتباع کرو۔	

۱؎ بطریق اجمال ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔جیسے" اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ "یا"وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ"ان دو آیتوں میں اجمالی طور پر سارے حلال و حرام کا ذکر آگیا ہے۔

۲؎ محکم کے اصطلاحی معنے ہیں ناقابل نسخ آیات مگر یہاں کھلی اور واضح آیتیں مراد ہیں کہ اس کے مقابل متشابہ فرمایا گیا۔**متشابہ**:وہ آیات ہیں جن کے معنی یا مراد سمجھ میں نہ آسکیں۔**امثال** سے گزشتہ امتوں کے قصے یا مثالیں مراد ہیں۔

۳؎ کہ جو کچھ متشابہ کی مراد ہے حق ہے ہمیں اگرچہ اس پر اطلاع نہیں۔

۴؎ کہ گزشتہ قوموں پر جن وجوہ سے عذاب آئے وہ تم چھوڑو دو۔اس سے قیاس شرعی کا ثبوت ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جس کا ہدایت ہونا ظاہر اس کی توپیروی کرو ایک وہ جس کا گمراہی ہونا ظاہر اس سے بچو ایک وہ جو مختلف ہے اسے اللہ کے حوالے کرو۱؎ (احمد)

۱؎ یعنی احکام شرعیہ تین طرح کے ہیں:بعض یقینی اچھے جیسے روزہ،نماز وغیرہ۔بعض یقینًا بُرے جیسے اہل کتاب کے میلوں،ٹھیلوں میں جانا،ان سے میل جول کرنا۔اور بعض وہ ہیں جو ایک اعتبار سے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ایک اعتبار سے برے۔مثلًا وہ جن کے حلال و حرام ہونے کے دلائل موجود ہیں جیسے گدھے کا جوٹھا پانی جسے شریعت میں مشکوک کہا جاتا ہے یا جیسے قیامت کے دن کا تقرر اور کفار کے بچوں وغیرہ کا حکم۔چاہیئے یہ کہ حلال پر بے دھڑک عمل کرے حرام سے ضرور بچے اور مشتبہات سے احتیاط کرے۔اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ایک حلال چیز کو کوئی شخص اپنی رائے سے حرام کہہ دے تو وہ شے مشتبہ بن جائے گی۔تمام مسلمان میلادوعرس وغیرہ کو حلال جانیں اور ایک آدمی اسے حرام جانے تو یہ چیزیں مشتبہ نہ ہوں گی بلکہ بلا دلیل حرام کہنے والے کا قول ردّ ہوگا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا الگ اور دور اور کنارے والی کو پکڑتا ہے۱؎ تم گھاٹیوں سے بچو۲؎ جماعت مسلمین اور عوام کو لازم پکڑو۳؎(احمد)

۱؎ **شاذّہ**:وہ بکری ہے جو اپنی ہم جنسوں سے متنفر ہو اور گلے سے دور رہے۔**قاصیہ**:وہ جو متنفر تو نہ ہو چرنے کے لیئے ریوڑ سے الگ ہو جائے۔**ناحیہ**:وہ جو ریوڑ سے الگ تو نہ ہو مگر کنارے کنارے چلے۔خلاصۂ تشبیہ یہ ہے کہ دنیا ایک جنگل ہے جس میں ہم لوگ مثل بکریوں کے ہیں،شیطان بھیڑیا ہے جو ہر وقت ہماری تاک میں ہے،جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا۔

۲؎شِعَاب شُعْبَۃٌ کی جمع ہے،دو پہاڑیوں کے درمیان تنگ راستہ کو شعبہ کہتے ہیں،جہاں کیڑوں،مکوڑوں،ڈاکوؤں چوروں بلکہ جنات کا بھی خطرہ رہتاہے،یہاں مسلمانوں کے وہ فرقے مراد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں۔

۳؎یعنی وہ عقائد اختیار کرلو جو عامۃ المسلمین کے ہوں کہ اسی جماعت میں اولیاء اللہ بھی ہیں،جھوٹی جماعتوں اور فرقوں سے الگ رہو۔اس کی تفسیر گزشتہ حدیث ہے کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو اور وہ حدیث کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔الحمدللہ!ہمیشہ سے اہلِ سنت کی اکثریت رہی ہے اور ہے،عام مسلمان مقلد ہیں،بزرگوں کے معتقد ہیں،میلاد شریف فاتحہ کو اچھا جانتے ہیں،ان کے علاوہ ساری جماعتیں مل کر بھی اہلِ سنت سے آدھی بھی نہیں لہذا اہل سنت ہی برحق ہیں جو ان سے ہٹے گا شیطان کا شکار ہوگا۔اس کی تفسیر پہلے بھی گزرگئی۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت سے بالشت بھر بچھڑا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے اتاردی۱؎(احمدوابوداؤد)

۱؎یعنی جو ایک ساعت کے لیئے اہل سنت والجماعت کے عقیدے سے الگ ہوا یا کسی معمولی عقیدے میں بھی ان کا مخالف ہوا تو آیندہ اس کے اسلام کا خطرہ ہے،بکری وہی محفوظ رہتی ہے جو میخ سے بندھی رہے۔مالک کی قید سے آزاد ہوجانا بکری کی ہلاکت ہے۔مسلمانوں کی جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسی ہے جس میں ہر سنی بندھا ہوا ہے یہ نہ سمجھو کہ فرض کا انکار ہی خطرناک ہے،کبھی مستحبات کا انکار بھی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔سیدنا عبداللہ ابن سلام نے صرف اونٹ کے گوشت سے بچنا چاہا تھا کہ رب نے فرمایا:" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ "

	روایت ہے حضرت مالک ابن انس سے مرسل۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم میں دو چیزیں وہ چھوڑی ہیں جب تک انہیں مضبوط تھامے رہو گے گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت۲؎یہ روایت موطا میں ہے۔

۱؎محدثین کے نزدیک مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو،تابعی یہ کہہ دیں کہ حضور نے فرمایا۔مگر فقہا کے نزدیک وہ حدیث بھی مرسل ہے جس میں تابعی اور صحابی دونوں چھوٹ گئے ہوں تبع تابعی فرمادیں کہ حضور نے یہ فرمایا۔یہاں فقہی مرسل مراد ہے کیونکہ امام مالک تابعی نہیں تبع تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا۔

۲؎کتاب اللہ سے قرآن کریم کی غیر منسوخ آیات مراد ہیں۔سنت سے وہ حدیثیں مراد ہیں جو امت کے لیئے قابل عمل ہیں،منسوخ آیتیں اور حدیثیں اور ایسے ہی حضور کے خصوصیات پر عمل ناممکن ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کے اصل اصول قرآن و سنت ہیں چونکہ حضور کے زمانہ میں اجماع ناممکن تھا اور قیاس مجتہدین کتاب و سنت سے ملحق ہے کہ اگر آیت پر قیاس ہے تو وہ قیاس قرآن سے ملحق اور اگر سنت پر ہے تو سنت سے ملحق،اس لیئے ان دونوں کا یہاں ذکر نہ

ہوا،نیز اماموں کی تقلید کتاب وسنت سمجھنے کے لیئے ہے انہیں چھوڑنے کے لیئے نہیں،لہٰذا یہ حدیث غیرمقلدوں کی دلیل نہیں بن سکتی جب وہ حضرات حدیث سمجھنے کے لیئے علم صرف و نحو،لغت و ادب سے مدد لیتے ہیں تو اگر ہم بھی اس کے لیئے فقہ سے مدد لیں تو کیا حرج ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"**جاء الحق**"حصہ اول میں دیکھو۔

روایت حضرت غضیف بن حارث ثمالی ۱؎سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اسی قدر سنت اٹھالی جاتی ہے ۲؎لہٰذا سنت کو پکڑنا بدعت کی ایجاد سے بہتر ہے۳؎(احمد)	

۱؎آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے،ابن حبان نے **کتاب الثقات** میں فرمایا کہ غضیف فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانہ میں پیدا ہوا اور لڑکپن میں آپ سے مصافحہ اور بیعت کی اگر یہ روایت صحیح ہے تو آپ صحابی ہیں ثُمالہ قبیلہ بنی ازد کی ایک شاخ ہے جس سے آپ تعلق رکھتے ہیں اس لیئے ثمالی کہے جاتے ہیں۔

۲؎یہ حدیث ان تمام حدیثوں کی تفسیر ہے جس میں بدعت کی برائیاں آئیں یعنی بری بدعت وہی عمل ہے جو سنت کے خلاف ایجاد کیا جائے جس پر عمل کرنے سے سنت چھوٹ جائے۔مثلًا عربی میں خطبہ نماز و اذان سنت ہے،اب اردو میں ادا کرنا اس سنت کو مٹا دے گا کہ اردو میں اذان دینے والا عربی میں نہ دے سکا۔ایسے ہی سرڈھک کر پاخانے جانا سنت ہے ننگے سر پاخانے جانے والا اس سنت میں عمل نہ کرسکا،ہر بری بدعت کا یہی حال ہے،معمولی بدعت چھوٹی سنت کو مٹا دے گی اور بڑی بدعت بڑی سنت کو۔"**مثلھا**"سے یہی مراد ہے بدعت حسنہ سنت کو مٹاتی نہیں بلکہ کبھی سنت کو رائج کرتی ہے۔دیکھوعلم دین سکھاناسنت ہے اب اس کے لیئے کتابیں چھاپنا،مدرسہ بنانا،وہاں تعلیم کے نصاب اورکورس بنانا اگر چہ بدعت ہیں مگر سنت کے معاون نہ کہ مخالف،بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا سنت ہیں،اب اس کے لیئے میلاد شریف کی محفلیں،عرسوں کی مجالس قائم کرنا اس کی معاون ہیں نہ کہ مخالف۔اسی جگہ مرقاۃ نے فرمایا کہ بدعت حسنہ سنت سے ملحق ہے۔

۳؎یہاں خیر شر کے مقابلے میں ہے،یعنی بری بدعتیں ایجادکرنابُرا اور اس کے مقابل سنت پر عمل کرنا اچھا کہ سنت پر نور ہے اور بری بدعت میں تاریکی،یہ مطلب نہیں کہ بری بدعتیں بھی ٹھیک ہیں مگر سنتیں اچھی۔

روایت ہے حضرت حسان سے۱؎فرمایا کوئی قوم اپنے دین میں بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اللہ تعالٰی اسی قدر ان کی سنت اٹھا لیتا ہے۲؎پھر اسے تاقیامت ان میں نہیں واپس کرتا۳؎(دارمی)	

۱؎آپ کا نام شریف حسان ابن ثابت،کنیت ابوالولیدہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،شعرائے عرب کے تاج ہیں،حضور کے محبوب شاعر ہیں اور مدح گو و نعت خوان مصطفے ہیں۔آپ ہی کے لیئے حضور اپنی مسجد میں منبر بچھواتے تھے جس پر کھڑے ہوکر آپ اشارے کرتے ہوئے حضور کے نعتیہ قصیدے پڑھتے تھے،آپ کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی،جن میں سے ساٹھ سال کفر

میں گزرے اور پھر ساٹھ سال اسلام میں۔ ۵۴ھ سے کچھ پہلے خلافت حیدری میں وفات ہوئی رضی اللہ عنہ۔ان شاءاللہ!تاقیامت سارے نعت گو ونعت خواں حضرت حسان کے جھنڈے تلے ہوں گے"یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ "۔

۲؎اس کی شرح ابھی گزرگئی۔دین کی قید سےمعلوم ہوا کہ بدعت سیئہ ہمیشہ دین ہی میں ہوگی،دنیوی ایجادات کو بدعت سیئہ نہیں کہا جائے گا۔جس قدر برائیاں بدعت کی آئی ہیں وہ سب اس بدعت کی ہیں جو دین میں ہو اور سنت کو مٹانے والی اور اگر دین سے مراد عقائد ہیں جیساکہ ظاہر ہے تو حدیث بالکل صاف ہے۔

۳؎یعنی جس قوم میں بری بدعتوں کی عادت پڑ گئی تو پھر انہیں سنت کی طرف لوٹنے کی توفیق نہیں ملتی،سنت درخت ہے اور یہ بدعتیں اس کا پھاوڑا جب درخت جڑ سے اکھیڑ لیا جائے پھرنہیں لگتا۔

روایت ہے حضرت ابراہیم ابن میسرہ سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی یقینًا اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۲؎ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلًا روایت کیا۔	

۱؎آپ تابعی ہیں،طائف شریف کے رہنے والے ہیں،متقی پرہیزگار ہیں لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔

۲؎یہاں بدعت سے مراد دینی بدعت ہے اور صاحب بدعت بے دین شخص اور توقیر سے اس کی بلا ضرورت تعظیم مراد ہے۔ضروریات کی معافی ہے یعنی بے دینوں کی تعظیم اسلام کو ویران کرنا ہے کہ ہماری تعظیم سے عوام کے دل میں ان کی عقیدت پیدا ہو گی جس سے وہ ان کا شکار ہوجائیں گے جیسے مسلمانوں کی تعظیم ثواب ہے،ایسے ہی بے دین کی توہین ثواب کہ وہ دشمن ایمان ہے۔"باب القدر"میں گزر چکا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نے ایک قدریہ مذہب رکھنے والے کے سلام کا جواب نہ دیا وہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جس نے قرآن سیکھا ۱؎پھر اس کی اتباع کی۲؎اللہ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا ۳؎ایک روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں جو قرآن کی پیروی کرے گا وہ دنیا میں گمراہ اور آخرت میں بدبخت نہ ہوگا پھر یہ آیت تلاوت کی کہ جو میری ہدایت کی اتباع کرے وہ نہ گمراہ ہو اور نہ بدنصیب ۴؎(رزین)	

۱؎یعنی قران پڑھنا سکھایا،اسے حفظ کیا،یا اس کے احکام سیکھے،یا علم تجوید،یہ کلمہ ہرقسم کے قرآنی علم کو شامل ہے۔خیال رہے کہ فقہ،اصول فقہ اور حدیث سیکھنا بھی بالواسطہ قرآن ہی سیکھنا ہے۔ان شاءاللّٰہ اس پر بھی اجر ہے۔
۲؎یعنی احکام قرآن پر صحیح عمل کیا حدیث اور فقہ کی روشنی میں لہذا اس سے چکڑالوی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔
۳؎معلوم ہوا کہ علمائے دین اور خدام قرآن کی دنیا بھی کامیاب ہے اور آخرت بھی مگر یہ وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن کی صحیح فہم اور اس پر صحیح عمل نصیب ہو چکڑالویوں کی طرح محض عقل سے قرآن سمجھنے والا گمراہ ہوگا۔رب فرماتا ہے:"یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا"۔
۴؎خیال رہے کہ جیسے اس حدیث کی بنا پر ہم سنت رسول اللّٰہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور فقط قرآن پر کفایت نہیں کرسکتے ایسے ہی پچھلی ہدایت کی بنا پر جس میں کتاب و سنت کا ذکر ہے ہم فقہ اور قیاس مجتہدین سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔اس سے اہل حدیث حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرمایا نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ اللّٰہ نے سیدھے راستہ کی مثال قائم فرمائی ۱؎اور اس راستہ کے دوطرفہ دو دیواریں ہیں جن میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پردے لٹکے ہیں راستہ کے کنارے پر پکارنے والا کہہ رہا ہے کہ راستہ پر سیدھے چلے جاؤ ٹیڑھے نہ ہونا اس کے اوپر ایک منادی بھی ہے جو پکارتا ہے جب کوئی بندہ ان میں سے کوئی دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو داعی کہتا ہے ہائے افسوس اسے نہ کھول اگر کھولے گا تو اس میں گھس جائے گا۲؎پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی کہ راستہ تو اسلام ہے ۳؎اور کھلے ہوئے دروازے اللّٰہ کے محرمات ہیں۴؎اور لٹکے ہوئے پردے اللّٰہ کی حدیں ہیں۵؎اور راستے کے کنارے پر پکارنے والا قرآن ہے اور اس کے اوپر بلانے والا اللّٰہ کا واعظ ہے جو ہر مؤمن کے دل میں ہوتا ہے ۶؎اسے رزین نے روایت کیا۔	

۱؎یہ حدیث قدسی ہے،کیونکہ یہ مضمون قرآن شریف میں نہیں آیا،حضور پر وحی ہوا جسے حضور نے رب تعالٰی کی نسبت سے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا اسی کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔سیدھے راستہ سے مراد نبوت کا راستہ ہے رب تک پہنچانے والا۔اب وہ قرآنی راستہ ہے کہ کوئی شخص اب دین موسوی یا عیسوی میں رہ کر رب تک نہیں پہنچ سکتا پرانی جنتری گمراہ کرتی ہے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا پیاری تمثیل ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں سچ اور جھوٹ،نقل واصل ملے ہوئے ہیں مگر ان میں امتیاز کرنے کے لیئے رب نے بڑے انتظامات فرمادیئے ہیں۔ڈیری فارم کا دودھ اور خالص دودھ دونوں سفید ہیں،ولایتی اور دیسی سونا دونوں پیلے ہیں،اصلی اور نقلی گھی دونوں یکساں ہیں مگر قدرت نے ان میں فرق کرنے کے لیئے کسوٹی اور دوسرے آلے پیدا فرمادیئے ہیں۔ایسے ہی یہاں نقلی نبی بھی ہیں،نقلی دین بھی،نقلی کتابیں بھی،نقلی مولوی،بلکہ نقلی خدا بھی کیونکہ دنیا امتحان گاہ ہے ان میں فرق کے لیئےرب نے وہ انتظامات فرمائے جو آگے آرہے ہیں۔

۳؎ کہ اس کے بغیر خدا رسی ناممکن ہے رب فرماتا ہے:"وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلٰمِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ"۔

۴؎ جنہیں رب نے جرم قرار دیا جیسے ارتداد،چوری،زناوغیرہ لہذا یہ کلمہ بدعقیدگی بدعملی سب کو شامل ہے۔

۵؎ جس سے آگے بڑھنا جرم ہےاس سے مراد رب تعالٰی کے احکام اور ممانعتیں ہیں بلکہ بعض جرموں پر سزائیں ہیں جیسے ارتداد پر قتل،زنا پر رجم،چوری پر ہاتھ کاٹنا۔

۶؎ یعنی رب نے داخلی اور خارجی دو واعظ عطا فرمائے ہیں،خارجی واعظ قرآن ہے اور داخلی واعظ وہ فرشتہ جو مؤمن کے دل میں اچھے خیال اور برائیوں سے نفرت پیدا کرتا رہتا ہے۔

احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت نواس ابن سمعان سے نقل فرمایا یوں ہی ترمذی نے انہیں سے لیکن ترمذی نے کچھ مختصر روایت فرمایا۔	

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں ۱؎ جو سیدھی راہ جانا چاہے وہ وفات یافتہ بزرگوں کی راہ چلے ۲؎ کہ زندہ پر فتنہ کی امن نہیں ۳؎ وہ بزرگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو اس امت میں بہترین ۴؎ دل کے نیک علم کے گہرے اور تکلف میں کم تھے ۵؎ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے نبی کا دین قائم رکھنے کے لیے چن لیا ۶؎ ان کی بزرگی مانو ان کے آثار قدم پر چلو بقدر طاقت ان کے اخلاق و سیرت کو مضبوط پکڑو کہ وہ سیدھی ہدایت پر تھے ۷؎ (رزین)	

۱؎ یہ حدیث موقوف ہے نہ کہ مرفوع یعنی حضرت ابن مسعود صحابی کا اپنا فرمان ہے صحابی کے قول وفعل حدیث موقوف کہلاتے ہیں حضور کا قول و فعل حدیث مرفوع۔

۲؎ یہ ترجمہ نہایت اعلٰی ہے اشعۃ اللمعات نے اسی کو اختیار فرمایا اس میں تابعین سے خطاب ہے یعنی تا قیامت جو کوئی سیدھی راہ چلنا چاہے وہ صحابہ کی پیروی کرے خود قرآن و حدیث سے استنباط مسائل پر قناعت نہ کرے اسی لیئے مجتہدین آئمہ صحابہ

کے پیرو ہیں اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے کہ میرے صحابہ تارے ہیں جن کی پیروی کرو ہدایت پاجاؤ گے اور قرآن کریم کی یہ آیت"صِرٰطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ "خدایا ہمیں ان کی راہ چلا جن پر تو نے انعام کیا سب سے بڑے انعام والے صحابہ ہیں۔خیال رہے کہ یہاں زندوں سے مراد غیر صحابہ ہیں اور وفات پانے والوں سے سارے صحابہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ۔جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے چونکہ اس وقت اکثر صحابہ وفات پاچکے تھےاس لیئے ایسا فرمایا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مرے ہوئے کافروں کی اتباع کرنی چاہیئے،زندہ اولیاء،علماء بلکہ صحابہ کی بھی اتباع درست نہیں۔مرقاۃ نے فرمایا یہ کلام حضرت ابن مسعود نے انکسارًا فرمایا ورنہ اس وقت آپ اور تمام زندہ صحابہ قابل اتباع تھے۔

۳؎ یہاں زندہ سے موجودہ تابعین مراد ہیں کیونکہ صحابہ سے اللہ رسول کا وعدہ جنت ہوچکا ہے رب نے فرمایا:"وَ اَلۡزَمَہُمۡ کَلِمَۃَ التَّقۡوٰی"ا ور فرمایا "اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی "اور فرمایا:" وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ " جس سے پتہ لگا کہ رب نے صحابہ کے لیئے ایمان لازم کردیا یا ان کے دلوں میں کفر اور فسق سے نفرت پیدا فرمادی خصوصًا حضرت ابن مسعود کو تو جنت کی بشارت دی جاچکی تھی۔خیال رہے کہ مرتد صحابی نہیں رہتا،ارتداد سے صحابیت ختم ہوجاتی ہے۔

۴؎ یعنی جن کی وفات ایمان پر ہوچکی ان کی صحابیت پختہ ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام اولیاء وعلماء ایک صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے،پھول کی صحبت میں تل مہک جاتا ہے،حضور کی صحبت میں دل کیوں نہ مہکے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب"امیر معاویہ" میں دیکھو،پھربعض صحابہ بعض سے افضل ہیں،رب فرماتا ہے:"لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ"الایہ ۔فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ بعد کو ایمان لانے والے صحابہ سے افضل ہیں۔خیال رہے کہ صحابی وہ ہے جو بحالت ایمان و ہوش حضور کو دیکھے اور ایمان پر خاتمہ ہو۔

۵؎ سبحان اللہ! یہ صحابہ کی صفات ہیں کہ وہ ہر طرح حضور کے مطیع،سارے علوم کے جامع،بناوٹ دکھلاوے سے پاک،ان میں سے ہر ایک مفسر،محدث،فقیہ،قاری،صوفی اور فرائض دان تھے۔اس کے باوجود ننگے پاؤں پھیر لیتے تھے،فرش خاک پر سو رہتے تھے،معمولی کھانوں پر گزارا کرلیتے تھے،بے علم فتوےٰ دینے پر جرات نہ کرتے تھے،بدن کے فرشی تھے،روح کے عرشی،ظاہر میں خلق کے ساتھ تھے،باطن میں خالق کے پاس گودڑی میں لپٹے ہوئے لعل تھے۔

۶؎ حضور کی صحبت اکسیر کی تاثیر رکھتی ہے اگر ان میں کچھ بھی خرابی ہوتی تو رب اپنے حبیب کو ان کے ساتھ نہ رکھتا،مہربان باپ اپنے عزیز بیٹے کے لیئے اچھے یار تلاش کرتا ہے۔رب تعالٰی نے اپنے حبیب کی صحبت کے لیئے اچھے صحابہ چنے،نیز موتی اچھے ڈبّے میں رکھا جاتا ہے،رب نے قرآن کی امانت اچھے سینوں میں رکھی،وہی حضرات قرآن و حدیث کے جامع،وہی ہم تک دین پہنچانے والے ہیں،رب نے ان کو ایمان کی کسوٹی بنایا کہ فرمایا"اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ فَقَدِ اہۡتَدَوۡا"اے صحابہ! جو تم جیسا ایمان لائے گا وہ ہدایت پائے گا۔خیال رہے کہ حضور نے مخلصین و منافقین کی چھانٹ

خود کردی تھی سورۂ توبہ کے نزول کے بعد منافق چھٹ گئے تھے۔جیسا کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے فرماتا ہے:"حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ"۔

ے جیسے اللہ کی اطاعت بغیر حضور کی پیروی ناممکن،ایسے ہی حضور کی پیروی بغیر صحابہ کی اتباع ناممکن ہے۔حضور آئینہ خدا نما ہیں اور صحابہ آئینہ رسول نما،سبحان اللہ! جب حضرت ابن مسعود جیسے عظیم الشان مؤمن صحابہ کی ایسی تعریف کررہے ہیں تو ان کی افضیلت میں کسے کلام ہوسکتا ہے،صحابہ کا انکار حقیقت میں حضور کے فیض کا انکار ہے کہ **نعوذ باللہ** حضور نے ۲۳ سال کی تبلیغ میں صرف چار پانچ صحابی بنائے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں توریت کا نسخہ لائے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ توریت کا نسخہ ہے حضور خاموش رہے ۱؎ آپ پڑھنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور بدلنے لگا ابو بکر بولے کہ تمہیں رونے والیاں روئیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا حال نہیں دیکھتے ۲؎ تب حضرت عمر نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا تو بولے میں اللہ اوررسول کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ہم اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہیں ۳؎ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد مصطفٰے کی جان ہے اگر حضرت موسی آج ظاہر ہوجاویں اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے ۴؎ اور میری نبوت پاتے تو میری پیروی کرتے ۵؎ (دارمی)	

۱؎ یہ خاموشی ناراضی کی تھی کہ حضرت عمر یہود کے پاس کیوں جاتے ہیں اور توریت میں کیا ڈھونڈتے ہیں لیکن حضرت عمر سمجھے کہ یہ خاموشی اجازت کی ہے اس لیئے پڑھنا شروع کردیا لہذا فاروق اعظم کے اس فعل پر کوئی اعتراض نہیں خطا اجتہادی معاف ہے۔

۲؎ بات یہ تھی کہ حضرت عمر کے ساتھ کاغذ تھے اور آپ پڑھنے میں مشغول تھے۔حضرت صدیق اکبر چہرۂ انور کو دیکھ رہے تھے،صدیق اکبر کا یہ کلام دعائے موت کے لیئے نہ تھا بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق اظہار غضب کے لیئے تھا،آپ کی یہ

ناراضی اس لیئے تھی کہ حضرت فاروق کا یہ فعل حضور کی تکلیف کا باعث تھا نفس کے لیئے نہ تھی حضور کے لیئے تھی،لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ آپس میں بغض رکھتے تھے۔

۳؎ حضرت فاروق اعظم ہمیشہ حضور کو راضی کرنے کے لیئے یہ کلمات ہی عرض کرتے تھے جس میں اپنی وفا داری کا اظہار ہے یعنی ہماری یہ خطا معاذاللہ سرکشی کی بنا پر نہیں ہم تو پرانے آستانہ بوس ہیں بندۂ بے زر ہیں۔

۴؎ یعنی گمراہ ہوجاؤ گے اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اب تاقیامت ہدایت حضور کی پیروی میں منحصر ہے اگر اصلی توریت و انجیل مل جائے بلکہ خود توریت و انجیل والے نبی تشریف لے ائیں تب بھی ہدایت حضور ہی کے پاس ملے گی پچھلی آسمانی کتب پہلے ہدایت تھیں اب نہیں،چاند تارے اور چراغ رات کو روشنی دیتے ہیں دن میں نہیں،جوان آدمی گھٹی اور ماں کے دودھ سے زندہ نہیں رہ سکتا۔دوسرے یہ کہ قرآن و سنت کے سواء اور کتابوں سے ہدایت حاصل کرنا،انہیں پڑھنا ممنوع ہے۔تیسرے یہ کہ کوئی شخص اپنے ایمان پر اعتماد نہ کرے،ہر کتاب نہ پڑھے،ہر ایک کا وعظ نہ سنے،جب حضرت عمر جیسے صحابی کو توریت جیسی کتاب پڑھنے سے روک دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ایمان کی دولت چورا ہے میں نہ رکھو،ورنہ چوری ہوجائے گی۔

۵؎ یعنی بظاہر زندہ ہوتے ورنہ حقیقتًا تو وہ زندہ ہیں۔(مرقاۃ)کیونکہ ان کا دین منسوخ ہوچکا اسی لیئے معراج کی رات سارے نبیوں نے ہمارے حضور کے دین کی نماز اقتدائے حضور میں ادا کی،موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس پہنچ کر توریت کے احکام جاری نہ فرماسکے اگرچہ توریت باقی تھی مگر حضرت خضر پر جاری نہ تھی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا۱؎ اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کا کلام بعض بعض کو منسوخ کرتا ہے۲؎

۱؎ یعنی حدیث سے قرآن کی آیت تلاوۃً منسوخ نہیں ہوسکتی حکمًا بہت سی آیتیں احادیث سے منسوخ ہیں،چنانچہ حدیث "لا وصیة للوارث "سے وارث کے لیئے جواز وصیت ثابت کرنے والی آیات منسوخ ہیں۔ایسے ہی حضور کا فرمانا کہ انبیاء کی میراث نہیں بٹتی،حضور کے حق میں آیات میراث کی ناسخ ہے،سجدہ تعظیمی کا جواز قرآن سے ثابت ہے مگر حدیث سے منسوخ یا یہاں کَلَامِیْ سے مراد حضور کے اجتہادات ہیں یعنی میرا اجتہادی کلام حکم قرآنی کو منسوخ نہیں کرے گا لہذا حدیث واضح ہے۔

۲؎ خیال رہے کہ نسخ کی چار صورتیں ہیں:قرآن کا قرآن سے نسخ،جیسے کفار پر نرمی کی آیتیں آیات جہاد سے منسوخ ہیں،حدیث کا حدیث سے نسخ جیسے زیارۃ قبور ازروئے حدیث پہلے منع تھی پھر حدیث ہی نے اس کو جائز کیا،فرماتے ہیں" اَلَا فَزُوْرُوْهَا" قرآن کا نسخ حدیث سے،جیسے سجدہ تحیت حدیث کا نسخ قرآن سے،جیسے بیت المقدس کا قبلہ ہونا حدیث سے تھا اس کا نسخ قرآن سے ہوا کہ رب نے فرمایا:"وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ"۔اس کی پوری تحقیق ہماری"تفسیر نعیمی"پارہ سوم میں دیکھو۔

	اور روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہماری بعض حدیثیں بعض کو قرآن کی طرف منسوخ کرتی ہیں۱؎

۱؎ یعنی جیسے آیات کی ناسخ ہیں ایسے ہیں بعض احادیث بعض کی۔خیال رہے کہ نسخ کے معنے ہیں بیان علت نہ کہ تبدیلی یعنی ناسخ یہ بیان کرتا ہے کہ منسوخ حکم کی مدت آج تک تھی جیسے طبیب کا اپنا نسخہ بدلنا۔

	روایت ہے حضرت ابی ثعلبہ خشنی سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے کچھ فرائض لازم فرمائے انہیں ضائع نہ کرو۲؎ کچھ محرمات حرام کیے ان کی حرمت نہ توڑو۳؎ کچھ حدیں مقرر کیں ان سے آگے نہ بڑھو۴؎ کچھ چیزوں سے (بغیر بھولے) خاموشی کی ان سے بحث نہ کرو۵؎ ان تینوں حدیثوں کو دارقطنی نے روایت کیا۔

۱؎ آپ کا نام جرثوم ابن ناشر ہے،قبیلۂ بنی قزاعہ کے خاندان خشن سے متعلق ہیں،آپ جلیل القدر صحابی ہیں،بیعت الرضوان میں حاضر تھے۔آپ کی وجہ سے آپ کی قوم اسلام،لائی شام میں قیام فرمایا،۷۵ھ میں وفات پائی آپ سے چالیس احادیث مروی ہیں۔

۲؎ یعنی فرض اعمال قرآن سے ثابت ہوں یا حدیث سے ان پر ضرور پابندی کرو،نیز اخلاص سے ادا کرو۔خیال رہے کہ فرض وہ ہے جس کا ثبوت بھی یقینی ہو اور طلب بھی یقینی اس کا تارک فاسق ہے اور منکر کافر۔

۳؎ اس طرح کہ حرام کے قریب بھی نہ جاؤ کرنا تو کجا۔

۴؎ یعنی حلال و حرام کی حدوں کو نہ توڑو،نمازیں پانچ فرض ہیں۔چار یا چھ نہ مانو،زکوۃ مال کا(۴۰)چالیسواں حصہ فرض ہے،کم و بیش پر عقیدہ مت رکھو،چار عورتوں تک کا نکاح جائز پانچویں کو حلال چوتھی کو حرام نہ سمجھیں وغیرہ۔

۵؎ یعنی بعض چیزوں کی حلت و حرمت صراحتًا قرآن یا حدیث میں مذکور نہیں ان کی بحث میں نہ پڑو وہ مباح ہیں عمل کیے جاؤ ان کے بارے میں رب فرماتا ہے:"عَفَیَ اللّٰہُ عَنۡہَا"حضور فرماتے ہیں جس سے خاموشی ہو وہ معاف ہے جیسا کہ"کتاب الاطعمہ"میں آئیگا۔(ازمرقاۃ وغیرہ)

کتاب العلم

علم کی کتاب۱

الفصل الاوّل

پہلی فصل

۱؎ یعنی علم سیکھنے اور سکھانے کے فضائل۔علم سے شرعی علم مراد ہے،یعنی قرآن،حدیث،فقہ وغیرہ۔خیال رہے کہ علم نور الٰہی ہے جو بندہ کو عطا ہوتا ہے،اگر بشر سے حاصل ہو تو کسبی کہلاتا ہے ورنہ لدنی،لدنی کی بہت سی قسمیں ہیں:وحی،الہام،فراست وغیرہ۔وحی انبیاء سے خاص ہے،الہام اولیاء اللہ سے،فراست ہر مؤمن کو بقدر ایمان نصیب ہوتی ہے۔فراست والہام وہی معتبر ہے جو خلاف شرع نہ ہو،خلاف شرع ہو تو وسوسہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ سے لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو ۱؎ اور بنی اسرائیل سے حکایات لو کوئی حرج نہیں ۲؎ جو عمدًا مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے ۳؎(بخاری)

۱؎ آیت کی لغوی معنے ہیں علامت اور نشان،اس لحاظ سے حضور کے معجزات،احادیث،احکام،قرآنی آیات سب آیتیں ہیں۔اصطلاح میں قرآن کے اس جملے کو آیت کہا جاتا ہے جس کا مستقل نام نہ ہو،نام والے مضمون کو سورۃ کہتے ہیں۔یہاں آیت سے لغوی معنے مراد ہیں،یعنی جسے کوئی مسئلہ یا حدیث یا قرآن شریف کی آیت یاد ہو وہ دوسرے کو پہنچادے،تبلیغ صرف علماء پر فرض نہیں ہر مسلمان بقدر علم مبلغ ہے اور ہوسکتا ہے کہ آیت کی اصطلاحی معنے مراد ہوں اور اس سے آیت کے الفاظ معنے،مطلب،مسائل سب مراد ہوں یعنی جسے ایک آیت حفظ ہو اس کے متعلق کچھ مسائل معلوم ہوں لوگوں تک پہنچائے۔تبلیغ بھی بڑی اہم عبادت ہے۔

۲؎ یعنی ان سے قصے،خبریں،مثالیں سنو اور لوگوں سے بیان کرو،جب کہ وہ اسلام کے خلاف نہ ہوں۔خیال رہے کہ بنی اسرائیل سے خبریں لینے کی اجازت ہے توریت و انجیل کے احکام لینے کی ممانعت،کیونکہ ان کتابوں کے احکام منسوخ ہوچکے ہیں نہ کہ خبریں۔لہذا یہ حدیث حضرت عمر فاروق کی اس روایت کے خلاف نہیں جس میں حضور نے انہیں توریت پڑھنے سے منع فرمادیا کیونکہ وہاں احکام لیئے جارہے تھے لہذا دونوں حدیثیں محکم ہیں کوئی منسوخ نہیں۔

۳؎ یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا دوزخی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ کبیرہ بلکہ کبھی کفر بھی ہے کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دین میں فتنہ پھیلانا بھی،بعض جاہل صوفیوں نے نماز تہجد اور قرآنی سورتوں کے فضائل میں کچھ حدیثیں گھڑیں وہ اس سے عبرت پکڑیں۔خیال رہے کہ حدیث موضوع(گھڑی ہوئی)اور ہے،حدیث ضعیف کچھ اور،حدیث ضعیف فضائلِ اعمال میں معتبر ہے،حدیث موضوع کہیں معتبر نہیں،اسی لیئے محدثین نے خدمت حدیث میں اپنی عمریں صرف

کردیں۔الحمدللہ! ان کوششوں سے موضوع حدیثیں چھٹ گئیں۔خیال رہے کہ یہاں عمدًا کی قید ہے اگر کوئی بے خبری میں موضوع حدیث بیان کرجائے تو گنہگار نہیں۔

نوٹ: یہ حدیث متواترہے۔۶۲ صحابہ سے منقول ہے جن میں عشرۂ مبشرہ بھی ہیں،اس حدیث کے سوا کسی حدیث میں عشرۂ مبشرہ جمع نہیں ہوئے۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب اور مغیرہ ابن شعبہ سے۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری طرف سے ایسی بات نقل کرے جسے جھوٹ جانتا ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۲؎(مسلم)	

۱؎ سمرہ قبیلہ بنی نزار سے ہیں،انصار کے حلیف ہیں،بہت احادیث کے حافظ ہیں، ۵۹ھ میں بصرے میں وفات پائی۔حضرت مغیرہ بنی ثقیف سے ہیں،خندق کے سال اسلام لائے،ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آگئے،امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے،ستر سال عمر ہوئی، ۵۰ھ کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ یعنی حدیث گھڑنا بھی گناہ اور دیدہ ودانستہ موضوع حدیث بیان کرنا بھی گناہ،بلکہ جس حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا گمان غالب ہواسے بھی بیان نہ کرے فقط موضوعیت کا وہم کافی نہیں،ہاں اس کی موضوعیت بتا کر ذکر کرنا جائز ہے تاکہ لوگ بچیں۔

روایت ہے حضرت معاویہ سے۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنادیتا ہے۲؎میں بانٹنے والا ہوں اللہ دیتا ہے۳؎(بخاری،مسلم)	

۱؎ آپ کا نام شریف معاویہ ابن ابو سفیان ابن حرب ابن امیہ ابن عبدالشمس ابن عبدمناف ہے،آپ پانچویں پشت یعنی عبد المناف میں حضور سے مل جاتے ہیں،آپ کی والدہ ہند بنت عتبہ ابن ربیعہ ابن عبدالشمس ابن عبدمناف ہیں۔آپ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے،مگر فتح مکہ کے دن اسلام ظاہر کیا۔حضور کے سالے ہیں،کاتب وحی ہیں،عہد فاروقی میں شام کے حاکم بنے،چالیس سال وہاں کے ہی حاکم رہے،امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے آپ کے حق میں خلافت سے دست برداری فرما کر صلح فرمالی۔آپ کی وفات ۴ رجب ۶۰ھ لقوہ کی بیماری سے ہوئی ۷۸ سال عمر پائی،آپ کے پاس حضور کا تہبند،چادر شریف،قمیض مبارک اور کچھ بال و ناخن شریف تھے وصیت کی تھی کہ مجھے اس لباس شریف میں کفن دینا اور میرے منہ اور ناک میں ناخن اور بال شریف رکھ دینا،آپ کے پورے حالات شریف ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

۲؎ یعنی اسے دینی علم،دینی سمجھ ا ور دانائی بخشتاہے۔خیال رہے کہ فقہ ظاہری شریعت ہے اور فقہ باطنی طریقت اور حقیقۃً یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ قرآن و حدیث کے ترجمے اور الفاظ رٹ لینا علم دین نہیں،بلکہ انکا سمجھنا علم دین ہے۔یہی مشکل ہے اسی کے لئے فقہاء کی تقلید کی جاتی ہے اسی وجہ سے تمام مفسرین و

محدثین آئمہ مجتہدین کے مقلد ہوئے اپنی حدیث دانی پر نازاں نہ ہوئے رب فرماتا ہے:"مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا"وہاں حکمت سے مراد فقہ ہی ہے۔قرآن و حدیث کے ترجمے تو ابوجہل بھی جانتا تھا۔دوسرے یہ کہ حدیث و قرآن کا علم کمال نہیں،بلکہ ان کا سمجھنا کمال ہے۔عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر اللہ اور رسول کا فرمان ہو اور دل میں ان کا فیضان،فیضان کے بغیر فرمان بیکار ہے،جیسے بجلی کی پاور کے بغیر فٹنگ بیکار۔

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ دین و دنیا کی ساری نعمتیں علم،ایمان،مال،اولاد وغیرہ دیتا اللہ ہے بانٹتے حضور ہیں جسے جو ملا حضور کے ہاتھوں ملا،کیونکہ یہاں نہ اللہ کی دین میں کوئی قید ہے نہ حضور کی تقسیم میں۔لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ آپ صرف علم بانٹتے ہیں ورنہ پھر لازم آئے گا کہ خدا بھی صرف علم ہی دیتا ہے۔خیال رہے کہ حضور کی دَین یکساں ہے مگر لینے والوں کے لینے میں فرق ہے۔بجلی کا پاور یکساں آتا ہے مگر مختلف طاقتوں کے بلب بقدر طاقت پاور کھینچتے ہیں۔پھر جیسا بلب کا شیشہ ویسا اس کا رنگ حنفی شافعی ایسے ہی قادری چشتی ہیں مختلف رنگ کے مگر سب میں پاور ایک ہی ہے ایک ہی سمندر سے تمام دریا بنے مگر راستوں کے لحاظ سے ان کے نام الگ الگ ہوگئے ایسے ہی قادری چشتی وغیرہ ان سینوں کے نام ہیں جن سے یہ فیض آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح مختلف کانیں ہیں۱؎ جو کفر میں اعلیٰ تھے وہ اسلام میں بھی اعلیٰ ہیں جب کہ عالم بن جائیں ۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی صورت میں تمام انسان یکساں مگر سیرت،اخلاق اور صفات میں مختلف جیسے ظاہری زمین یکساں اس میں کانیں مختلف،نیک سے نیکی ظاہر ہوگی اور بد سے بدی۔

۲؎یعنی جو زمانہ کفر میں عمدہ اخلاق،بہترین صفات کی وجہ سے اپنے قبیلوں کے سردار تھے جب وہ مسلمان ہو کر علم سیکھ لیں تو مسلمانوں میں سردار ہی رہیں گے،اسلام سے عزت بڑھتی ہے گھٹتی نہیں۔وہ لوگ اسلام سے پہلے کیچڑ میں لتھڑے ہوئے لعل تھے۔مسلمان ہو کر عالم بنے،دھل کر صاف ہوگئے۔اس سے معلوم ہوا کہ نومسلموں کو حقیر جاننا بہت برا ہے۔اور کفار کا سردار مسلمان ہوکر مسلمانوں کا سردار ہی رہے گا اسے گرایا نہ جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کے سوا کسی میں رشک جائز نہیں ۱؎ایک شخص جسے اللہ مال دے تو اسے اچھی جگہ خرچ پر لگادے دوسرا وہ شخص جسے اللہ علم دے تو وہ اس سے فیصلے کرے اور لوگوں کو سکھائے ۲؎(بخاری،مسلم)	

۱؎ کسی نعمت والے پر جلنا اور اس کی نعمت کا زوال،اپنے لیئے حصول چاہنا حسد ہے،جو بہت بڑا عیب ہے جس سے شیطان مارا گیا مگر دوسروں کی سی نعمت اپنے لیئے بھی چاہنا غبطہ(رشک)ہے حسد مطلقًا حرام ہے،غبطہ دو جگہ جائز ہے یہاں حسد بمعنی غبطہ ہے۔

۲؎ یعنی مالدار سخی جسے خدا اچھے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق دے ایسے ہی بافیض عالم دین جس کے علم سے لوگ فائدہ اٹھائیں قابل رشک ہے۔سبحان اللہ!بعض علماء کے علم اور بعض سخیوں کے مال سے لوگ تاقیامت فائدہ اٹھاتے ہیں۔اللہ تعالٰی فقیر کی اس کتاب سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔(آمین)

خیال رہے کہ نیکی کی تمنا کرنے والاان شاءاللہ تعالٰی قیامت میں نیکوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل بھی ختم ہوجاتے ہیں ۱؎ سواء تین اعمال کے ایک دائمی خیرات یا وہ علم جس سے نفع پہنچتا رہے یا وہ نیک بچہ جو اس کے لیئے دعا خیر کرتا رہے ۲؎(مسلم)	

۱؎ انسان سے مراد مسلمان ہے عمل سے مراد نیکیوں کا ثواب،جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض مقبول قبر میں نماز وقرآن پڑھتے ہیں جیساکہ احادیث میں ہے کیونکہ ان اعمال پر ثواب نہیں اسی لئے ہی مردے زندوں سے ثواب بخشنے کی تمنا کرتے ہیں جیساکہ روایات میں ہے کیونکہ ثواب زندگی کے اعمال پر ہے۔

۲؎ یہ تین چیزیں جن کا ثواب مرنے کے بعد خواہ مخواہ پہنچتا رہتا ہے کوئی ایصال ثواب کرے یا نہ کرے۔صدقہ جاریہ سے مراد اوقاف ہیں جیسے مسجدیں،مدرسے،وقف کیے ہوئے باغ جن سے لوگ نفع اٹھاتے رہتے ہیں،ایسے ہی علم سے مراد دینی تصانیف،نیک شاگرد جن سے دینی فیضان پہنچتے رہیں۔نیک اولاد سے مراد عالم عامل بیٹا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یَدْعُوْا کی قید ترغیبی ہے یعنی بیٹے کو چاہیئے کہ باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے حتی کہ نماز میں ماں باپ کو دعائیں پہلے دے بعد میں سلام پھیرے ورنہ اگر نیک بیٹا دعا بھی نہ کرے ماں باپ کو ثواب ملتا رہے گا۔خیال رہے کہ یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے قیامت تک ثواب ملتاہے یا فرمایا گیا کہ نمازی کو ہمیشہ ثواب ملتا رہتا ہے کیونکہ وہ سب چیزیں صدقہ جاریہ ہیں یا نافع علم میں داخل ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوکسی مسلمان کو دنیاوی تکلیف سے رہائی دے تو اللہ اس سے روزقیامت کی مصیبت دورکرے گا ۱؎ اور جوکسی تنگی والے پر آسانی کرے اللہ دین و دنیا میں اس پر آسانی فرمائے گا ۲؎ اور جومسلمانوں کی پردہ پوشی کرے اللہ دین و دنیا میں اس کی پردہ پوشی کرے گا ۳؎ اللہ بندہ کی مدد پر رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی	

	مدد پر رہے ۴؎ جو تلاش علم میں کوئی راستہ طے کرے تو اس کی برکت سے اللہ اس پر جنت کا راستہ آسان کردے گا ۵؎ اور کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن پڑھنے اور آپس میں قرآن سیکھنے سکھانے کے لیے نہیں جمع ہوئی ۶؎ مگر ان پر دل کا چین اترتا ہے اور انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے گھیر لیتے ہیں ۷؎ اور اللہ اسے اس جماعت میں یاد کرتا ہے جو اس کے پاس ہے ۸؎ جسے عمل پیچھے کردے اسے نسب نہیں بڑھاسکتا ۹؎ (مسلم)

۱؎ یعنی تم کسی کی فانی مصیبت دفع کرو اللہ تم سے باقی مصیبت دفع فرمائے گا،تم مؤمن کو فانی دنیوی آرام پہنچاؤ اللہ تمہیں باقی آخروی آرام دے گا،کیونکہ بدلہ احسان کا احسان ہے۔یہ حدیث بہت جامع ہے کسی مسلمان کے پاؤں سے کانٹا نکالنا بھی ضائع نہیں جاتا،حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف قیامت ہی میں بدلہ ملے گا بلکہ قیامت میں بدلہ ضرور ملے گا اگرچہ کبھی دنیا میں بھی مل جائے۔

۲؎ یعنی جو مقروض کو معافی یا مہلت دے،غریب کی غربت دورکرے تو ان شاءاللہ دین و دنیا میں اس کی مشکلیں آسان ہوں گی۔مرقاۃ میں فرمایا کہ اس حکم میں مؤمن کافر سب شامل ہیں۔کافرمصیبت زدہ کی مصیبت دورکرنے پر بھی ثواب مل جاتا ہے بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک رنڈی نے پیاسے کتے کو پانی پلا کر جان بچائی اللہ نے اسے اسی پر بخش دیا۔

۳؎ یا تو اس طرح کہ ننگے کو کپڑے پہنائے یا ایسے کہ اس کے چھپے ہوئے عیب ظاہر نہ کرے بشرطیکہ اس ظاہر نہ کرنے سے دین یا قوم کا نقصان نہ ہو ورنہ ضرور ظاہرکردے،کفار کے جاسوسوں کو پکڑوائے،خفیہ سازش کرنے والوں کے راز کو طشت ازبام کرے،ظلماً قتل کی تدبیرکرنے کی مظلوم کو خبر دے دے،اخلاق اورہیں معاملات اورسیاسیات کچھ اور۔

۴؎ یہ الفاظ بہت جامع ہیں جس میں دین ودنیا کی ساری امدادیں شامل ہیں۔امداد بدن سے ہویاعلم یا مال وغیرہ سے۔

۵؎ یعنی جو علم دین سیکھنے یا دینی فتویٰ حاصل کرنے کےلیئے عالم کے گھر جائے۔سفرکر کے یا چند قدم تو اس کی برکت سے اللہ دنیا میں اس پر جنت کے کام آسان کرے گا،مرتے وقت ایمان نصیب کرے گا،قبرو حشر کے حساب میں کامیابی اور پل صراط پر آسانی عطا فرمائے گا۔جنت کے راستے میں سب چیزیں داخل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ علم کےلئےسفر کرنا بہت ثواب ہے۔موسیٰ علیہ السلام طلب علم کےلئےخضر علیہ السلام کے پاس سفر کرکے گئے،حضرت جابر ایک حدیث کےلیئےایک ماہ کا سفر طے کرکے عبداللہ ابن قیس کے پاس پہنچے۔(مرقاۃ)

۶؎ یہاں اللہ کے گھر سے مراد مسجدیں،دینی مدرسے اورصوفیاء کی خانقاہیں ہیں،جو اللہ کے ذکر کےلئےوقف ہیں۔یہود ونصاریٰ کے عبادت خانے اس سے خارج ہیں کہ وہاں تو مسلمان کو بلاضرورت جانا ہی منع ہے۔درس قرآن سے مراد قرآن شریف کی تلاوت۔تجوید احکام سیکھنا ہیں لہٰذا اس میں صرف،نحو،فقہ حدیث،تفسیر وغیرہ کے درس شامل ہیں۔جیساکہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے،اسی لیئےتلاوت کے بعد درس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔

ے سکینہ اللہ کی ایک مخلوق ہے جس کے اترنے سے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے،کبھی ابر کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اور دیکھی بھی جاتی ہے،اس کی برکت سے دل سے غیر خدا کا خوف جاتارہتا ہے۔رحمت سے خالص رحمت مراد ہے جو بوقت ذکر ذاکر کو ہرطرف سے گھیرتی ہے۔فرشتوں سے سیّاحین فرشتے مراد ہیں جو ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ورنہ اعمال لکھنے والے اورحفاظت کرنے والے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ جہاں مجمع کے ساتھ ذکر اللہ ہورہا ہو وہاں یہ تین رحمتیں اترتی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ تنہا ذکر سے جماعت کامل کر ذکر کرنا افضل ہے،جماعت کی نماز کا درجہ زیادہ کہ اگر ایک کی قبول سب کی قبول۔

۸ یعنی فرشتوں کی جماعت۔اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رب کو اکیلے یاد کرے رب بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہے،جو جماعت میں یاد کرے رب اسے فرشتوں میں یاد کرتا ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:"فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ"اس رب کی یاد کا اثر یہ پڑتا ہے کہ مخلوق اس بندے کو یاد کرنے لگتی ہے،بزرگوں کے مزارات پر زائرین کا ہجوم وہاں ذکر اللہ کی دھوم اسی یاد کا نتیجہ ہے۔

۹ یعنی نسب کی شرافت عمل کی کمی کو پورا نہ کرے گی۔شعر

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی که دریں راه فلاں ابن فلاں چیزے نیست

کیا تمہیں خبر نہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتے بلّوں کو جگہ تھی مگر ان کے کافر بیٹے کنعان کے لئے جگہ نہ تھی۔مقصد یہ کہ شریف النسب اعمال سے لاپروا نہ ہوجائیں،یہ منشاء نہیں کہ شرافتِ نسب کوئی چیز نہیں اس کی تحقیق ہمارے رسالہ"**الکلام القبول فی طہارت نسب الرسول**"میں دیکھو مؤمن کو **نسب الرسول** ضرور فائدہ دے گا۔تمام دنیا کی عورتیں حضرت فاطمہ زہرا کے قدم پاک کو نہیں پہنچ سکتیں،رب نے بنی اسرائیل سے فرمایا:"اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ"بنی اسرائیل کے تمام عالم پر افضل ہونے کی یہی وجہ تھی کہ وہ اولاد انبیاء ہیں لہذا یہ حدیث کسی آیت کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے جس کا فیصلہ قیامت میں ہوگا وہ شہید ہے ۱ اسے لایا جائے گاتب رب اس سے اپنی نعمتوں کااقرار کرائے گافرمائے گا کہ اس شکریہ میں کیاعمل کیا ۲ عرض کرے گا تیری راہ میں جہاد کیا تاآنکہ شہید ہوگیا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو اس لیے لڑائی کی تھی کہ تجھے بہادر کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا ۳ پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کہ بل کھینچاجائے گا یہاں تک کہ آگ میں پھینک دیا جائے گا ۴ اور وہ جس نے علم سیکھا سکھایا

اور قرآن پڑھا اسے لایا جائے گا اپنی نعمتوں کا اقرار کرایا جائے گا وہ اقرار کرلے گا فرمائے گا تو نے شکریہ میں عمل کیا کیا عرض کرے گا علم سیکھا سکھایا تیری راہ میں قرآن پڑھا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے اس لیے علم سیکھا کہ تجھے عالم کہا جاوے ۵؎ اس لیے قرآن پڑھا تھا کہ قاری کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا پھر حکم ہوگا اوندھے منہ کھینچا جاوے گا حتی کہ آگ میں پھینک دیا جاوے گا ۶؎ اور وہ مرد جسے اللہ نے وسعت دی اور ہر طرح کا مال بخشا اسے لایا جائے گا نعمتوں کا اقرار کرائے گا یہ کرلے گا فرمائے گا تو نے شکریہ میں کیا عرض کیا عرض کرے گا میں نے کوئی ایسا راہ نہ چھوڑا جہاں خرچ کرنا تجھے پیارا ہو مگر وہاں تیرے لیے خرچ کیا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تونے یہ سخاوت اس لیے کی تھی کہ تجھے سخی کہا جاوے وہ کہہ لیا گیا پھر حکم ہوگا تو اسے اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا ۷؎ (مسلم)

۱؎ یہ اوّلیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی ریاکاروں میں سے پہلے ریا کار شہید کا فیصلہ ہوگا۔لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ پہلے حساب نماز کا ہوگا یا پہلے ظلمًا قتل کا حساب ہوگا۔عبادات میں نماز کا،معاملات میں قتل کا،ریا میں ایسے شہید کا فیصلہ پہلے ہے۔شہید سے وہ مراد ہے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا۔

۲؎ یعنی میں نے تجھے اندرونی بیرونی کروڑوں نعمتیں دیں تونے کون سی نیکی کی۔معلوم ہوا کہ نیکیاں رب کے انعام کا شکریہ بھی ہیں۔

۳؎ یعنی تیرے جہاد اور شہادت کا عوض یہ ہوگیا کہ لوگوں نے تیری واہ واہ کردی کیونکہ تو نے اسی نیت سے جہاد کیا تھا نہ کہ خدمت اسلام کیلئے۔معلوم ہوا کہ اگر غازی میں اخلاص ہوتو لوگوں کی واہ واہ سے ثواب کم نہیں ہوگا۔یہ تو رب کی طرف سے دنیوی انعام ہے۔صحابہ کرام اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں جہاں میں واہ واہ ہورہی ہے۔خیال رہے کہ فقط غنیمت یا ملک حاصل کرنے کیلئے جہاد کرنے کا انجام بھی یہی ہے۔جہاد صرف اللہ رسول کی رضا کے لئے چاہیئے۔

۴؎ یعنی نہایت ذلت کے ساتھ،مرے ہوئے کتے کی طرح ٹانگ سے گھسیٹ کر کنارۂ جہنم سے نیچے پھینکا جائے گا۔جہنم کی گہرائی آسمان و زمین کے فاصلہ سے کروڑوں گناہ زیادہ ہے اللہ کی پناہ۔

۵؎ تیری یہ ساری محنت خدمت دین کے لئے نہ تھی بلکہ علم کے ذریعہ عزت اور مال کمانے کی تھی وہ تجھے حاصل ہوگئے،ہم سے کیا چاہتا ہے،اسی حدیث کو دیکھتے ہوئے،بعض علماء نے اپنی کتابوں میں اپنا نام بھی نہ لکھا اورجنہوں نے لکھا ہے وہ ناموری کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کی دعا حاصل کرنے کے لئے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ جیسے اخلاص والی نیکی جنت ملنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی ریا والی نیکی جہنم اور ذلت حاصل ہونے کا سبب۔

۷؎ اس جگہ چار مسئلے یاد رکھنے چاہئیں:ایک یہ کہ یہاں ریاکارشہید،عالم اور سخی ہی کا ذکر ہوا اس لیئے کہ انہوں نے بہترین عمل کیئے تھے جب یہ عمل ریا سے برباد ہوگئے تو دیگر اعمال کا کیا پوچھنا،ریا کے حج و زکوۃ اور نماز کا بھی یہی حال ہے۔دوسرے یہ کہ بعض ریا کار وہ ہیں جو ریا ہی کے لئے نیکیاں کرتے ہیں اگر ان کی تعریف نہ ہو تو نیکی کرتے ہی نہیں،بعض وہ ہیں کہ ریا کے لئے اچھی طرح عمل کریں تنہائی میں معمولی،بعض وہ ہیں جو خلوت و جلوت میں عمل یکساں کریں مگر نام نمود سے خوش ہوں،یہاں پہلی قسم کا ریا کار مراد ہے،دوسری دوقسم کے ریا کار اصل نیکی کا ثواب پائیں گے مگر ناقص۔تیسرے یہ کہ اس حدیث میں قانون اور رب کے عدل کا ذکر ہے فضل دوسری چیزہے،رب فرماتا ہے:"فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ"لہٰذا یہ حدیث معافی کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔شعر:

عدل کرے تو تھر تھر کانپیں اونچی شانوں والے فضل کرے تو بخشے جانویں مجھ جیسے منہ کالے

چوتھے یہ کہ مؤمن کی یہ ساری سزائیں تنہائی میں ہوں گی،علانیہ نہیں،اللہ اسے ذلت اور رسوائی سے بچائے گا،ذلت و رسوائی صرف کافروں کے لیئے ہوگی جیساکہ آیت قرآنیہ سے ثابت ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ریا کے خوف سے عمل نہ چھوڑ دے عمل کیے جائے کبھی اخلاص بھی نصیب ہو ہی جائے گا۔مکھیوں کے ڈر سے کھانا نہ چھوڑدو۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ علم کھینچ کر نہ اٹھائے گا کہ بندوں سے کھینچ لے بلکہ علماء کی وفات سے علم اٹھائے گا۱؎ حتی کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جن سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم فتویٰ دیں گے گمراہ ہوں گے گمراہ کریں گے ۲؎(بخاری،مسلم)	

۱؎ یہ حدیث کا تتمّہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ قریبِ قیامت علم اُٹھ جائیگا،جہالت پھیل جائے گی،یعنی اس کے اٹھنے کا ذریعہ نہ ہوگا کہ لوگ پڑھا ہوا بھول جائیں گے،بلکہ علماء وفات پاتے رہیں گے اور بعد میں دوسرے علماء پیدانہ ہوں گے جیساکہ اب ہورہاہے کہ ایک خلقت انگریزی کے پیچھے پھر رہی ہے،دینِ رسول اللہ یتیم ہوکر رہ گیا۔علم سے علمِ دین مراد ہے۔

۲؎ پیشوا سے مراد قاضی،مفتی،امام اور شیخ ہیں جن کے ذمّے دینی کام ہوتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ دینی عہدے جاہل سنبھال لیں گے اور اپنی جہالت کا اظہار ناپسندکریں گے۔مسئلہ پوچھنے پر یہ نہ کہیں گے کہ ہمیں خبر نہیں بلکہ بغیر علم گھڑکر غلط مسئلے بتائیں گے اس کا انجام ظاہرہے۔بے علم طبیب مریض کی جان لیتا ہے اور جاہل مفتی اور خطیب ایمان بربادکرتے ہیں۔

روایت ہے حضرت شقیق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے ۲؎ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن میری تمنا یہ ہے کہ آپ روزانہ وعظ فرماتے فرمایا مجھے اس سے رکاوٹ یہ ہے کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں ملال میں ڈال دوں ۳؎ میں تمہارا ویسے ہی لحاظ رکھتا ہوں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا وعظ میں لحاظ رکھتے تھے ملال کے خوف سے ۴؎ (بخاری، مسلم)	

۱؎ آپ کا نام شقیق ابن ابی سلمہ ہے، کنیت ابو وائل ہے، قبیلہ نبی اَسد سے ہیں، عظیم الشان تابعی ہیں، حضور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کرسکے اکابر صحابہ سے ملاقات کی، جیسے حضرت عمر سید نا ابن مسعود کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں۔ حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہم۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کے لئے دن اور وقت مقرر کرنا شرک یا حرام نہیں سنت صحابہ ہے۔ اسی لیے اب دینی مدرسوں کی امتحان و تعطیل کے لئے دن اور مہینے اور تعلیم کے لئے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں لہٰذا میلاد شریف، فاتحہ، عرس وغیرہ کے لئے دن مقرر کرنا جائز ہیں اسے حرام کہنا غلطی ہے۔ مرقاۃ نے اسی جگہ فرمایا کہ حضرت ابن مسعود نے جمعرات کو وعظ کے لئے اس لیئے منتخب کیا کہ یہ دن جمعہ کا پڑوسی ہے اس کی برکت جمعہ تک پہنچے گی۔ بعض لوگ ہر جمعرات کو میلاد شریف اور مُردوں کی فاتحہ کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۳؎ یعنی روزانہ وعظ سے تم اکتا جاؤ گے اور یہ ذوق شوق جاتارہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتنا لمبا وعظ بھی نہ کہا جائے کہ لوگ گھبرا جائیں تاکہ علم و وعظ کی بے قدری نہ ہو۔

۴؎ یعنی حضور بھی ہمیں ہر وقت اور ہر روز وعظ نہیں سناتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو عالم یا شیخ لوگوں کے سامنے ہر دم اللہ اللہ ہی کرے وہ مکار ہے۔ حضور کی مجلس پاک میں دنیوی تذکرے بھی ہوتے تھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لفظ بولتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ سمجھ لیا جائے ۱؎ اور جب کسی قوم پر تشریف لاتے اور انہیں سلام فرماتے تو تین بار سلام کرتے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ لفظ سے مراد پوری بات ہے، یعنی مسائل بیان کرتے وقت ایک ایک مسئلہ تین تین بار فرماتے تاکہ لوگوں کے ذہن میں اتر جائے ہر کلام مراد نہیں۔ اسی لیئے صاحب مشکوٰۃ اس حدیث کو "**کتاب العلم**" میں لائے۔

۲؎ ایک سلام اجازت حاصل کرنے کا، دوسرا ملاقات کا، تیسرا رخصت کا، لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور بوقت ملاقات ایک سلام کرتے تھے کیونکہ وہاں صرف ملاقات کا سلام مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں داخلے کی اجازت کے

لئے شور نہ مچائے،بہت دروازہ نہ پیٹے،بلکہ صرف یہ کہےالسلام علیکم آجاؤں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے اور جانے والا سلام کرے اگرچہ بڑا ہو۔

روایت ہے حضرت ابومسعود انصاری سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میرا اونٹ تھک رہا ہے مجھے سواری دیجئے فرمایا میرے پاس نہیں ۲؎ ایک نے کہا یارسول اللہ میں اسے وہ آدمی بتاتا ہوں جو اسے سواری دے دے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھلائی پر رہبری کرے اسے کرنے والے کی طرح ثواب ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام عقبہ ابن عمرو ہے،کنیت ابو مسعود انصاری ہے،بدری ہیں،یعنی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے یا اس بستی میں کچھ روز رہے،عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے،کوفہ میں قیام رہا،خلافت علی مرتضٰی میں وفات ہوئی۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ضرورت کے وقت مانگنا جائزہے خصوصًا حضور سے مانگنا ہر ایک کے لئے فخر ہے۔دوسرے یہ کہ جب چیز موجود نہ ہو تو سائل کو انکارکرنا بخل نہیں۔حضورخلق الٰہی میں بڑے سخی اور داتا ہیں لیکن اس وقت منع فرمانا اظہار مسئلہ کے لئے ہے کہ قرض لے کر سخاوت نہ کرو۔وہ جو روایات میں ہے کہ حضور نے کبھی "نہ" نہیں فرمایا۔اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ موجود چیز سے منع نہیں فرمایا یا یہ نہیں فرمایا کہ تجھے نہیں دیں گے لہذا احادیث متعارض نہیں۔

۳؎ یعنی نیکی کرنے والا،کرانے والا،بتانے والا،مشورہ دینے والا سب ثواب کے مستحق ہیں لہذا تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

روایت ہے حضرت جریر سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم صبح سویرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ کی خدمت میں ایک قوم آئی جو ننگی اور کمبل پوش تھی تلواریں گلے میں ڈالے تھے ۲؎ ان میں عام بلکہ سارے ہی قبیلہ مضر سے تھے ان کا فاقہ دیکھ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا ۳؎ لہذا اندرتشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے حضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان و تکبیر کہی پھر نماز پڑھی پھرخطبہ فرمایا ۴؎ ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا آخر آیت رقیبًا تک ۵؎ اور وہ آیت تلاوت فرمائی جو سورۂ حشر	

	میں ہے اللہ سے ڈرو ہر شخص غور کرے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ۶؎ انسان اپنے دینار درہم اپنے کپڑے گندم وجو کے صاع میں سے خیرات کرے حتی کہ فرمایا کھجور کی کھانپ ہی سہی ۷؎ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری تھیلی لائے جس کے وزن سے ان کا ہاتھ تھکا جاتا تھا بلکہ تھک ہی گیا ۸؎ پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا حتی کہ میں نے کھانے کپڑے کے ڈھیر دیکھے ۹؎ تا آنکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا کہ چمک رہا ہے گویا سونے کی ڈلی ہے ۱۰؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اسے اپنے عمل اور ان کے عملوں کا ثواب ہے جو اس پر کار بند ہوں ۱۱؎ ان کا ثواب کم ہوئے بغیر اور جو اسلام میں بُرا طریقہ ایجاد کرے اس پر اپنی بد عملی کا گناہ ہے اور ان کی بد عملیوں کا جو اس کے بعد ان پر کاربند ہوں اس کے بغیر ان کے گناہوں سے کچھ کم ہو ۱۲؎ (مسلم)

۱؎ آپ کا نام جریر ابن عبداللہ بجلی ہے،مشہور صحابی ہیں،نہایت حسین اور خوش اخلاق تھے،عمر فاروق آپ کو یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دیتے تھے،حضور کی وفات کے سال اسلام لائے۔بعض روایات میں ہے کہ وفات شریف سے چالیس دن پہلے ایک زمانہ کوفہ میں رہے(مقام قرقیسیا میں)، ۵۱ھ میں وفات ہوئی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۲؎ یعنی غربت کی وجہ سے ان کے پاس سوائے ایک کمبل کے تن ڈھکنے کو کوئی کپڑا نہ تھا اس کے باوجود غزوے اور جہاد کے شوقین تھے کہ تلواریں ہر ایک کے پاس تھیں۔

۳؎ یعنی ان کی فقیری سے خاطر اقدس کو بہت ملال پہنچا جس کے آثار چہرۂ انور پر نمودار ہوئے کیوں نہ ہو،بے نواؤں فقیروں کے غم خوار جو ہیں،ہم غریبوں پر وہ رنج نہ کریں تو کون کرے۔شعر

من از بے نوائی نیم روئے زرد — غم بے نوایاں رُخم زرد کرد

یہ اس آیت کی تفسیر ہے"عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ"۔

۴؎ یہ وعظ لوگوں کو خیرات پر رغبت دینے کے لئے تھا،اس وقت دولت خانۂ اقدس میں کچھ ہوگا نہیں۔

۵؎ یہ آیت حسب موقعہ تلاوت فرمائی،یعنی سارے امیر وفقیر بھائی ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔امیر کو چاہیئے کہ فقیر کی مدد کرے۔مرقاۃ میں اس جگہ ہے کہ حضرت حوّا کے بیس بار میں چالیس بچے ہوئے بیس لڑکے بیس لڑکیاں۔

۶؎ یعنی قیامت کے لئے نیک اعمال خصوصًا صدقہ و خیرات کیا کرو۔

۷؎ کیونکہ رب تعالٰی کی بارگاہ میں خیرات کی مقدار نہیں دیکھی جاتی بلکہ دینے والے کا اخلاص۔اس سے معلوم ہوا کہ غریب آدمی اپنی ضروریات میں سے کچھ خیرات کرے تو ثواب کا مستحق ہے،بشرطیکہ بال بچوں اور اہل حقوق کا حق نہ مارے اور بعد میں خود بھی بھیک نہ مانگے۔

۸؎ یعنی تھیلی میں اتنا غلّہ تھا جو انصاری سے برداشت نہ ہوسکا اور زیادتی بوجھ کے سبب تھیلی ہاتھ سے گر گئی۔ظاہر یہ ہے کہ یہ جَو یا گندم وغیرہ کا بڑا تھیلا ہوگا جیساکہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ بارگاہ نبوی میں اس وقت غلّے اور کپڑے کے ڈھیر لگے۔بعض شارحین نے لکھاکہ وہ ہمیانی تھی جس میں درہم ودینار بھرے ہوئے تھے مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔خیال رہے کہ یہ انصاری سب سے پہلے یہ خیرات لائے پھر ان کو دیکھ کر دوسرے حضرات اسی لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وہ تعریف فرمائی جو آگے بیان ہورہی ہے۔

۹؎ جوان فقراء پر تقسیم کے لئے جمع ہوگئے تھے۔ چونکہ ان مساکین کی پوری جماعت تھی اسی لئے اتنا صدقہ کیا گیا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بوقت ضرورت چندہ کرنا جائز ہے۔دوسرے کہ مسجد میں دوسروں کے لیئے سوال جائز ہے۔جن احادیث میں مسجد میں مانگنے کی ممانعت ہے وہاں اپنے لیئے مانگنا مراد ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۱۰؎ فقراء کی حاجت روائی اور صحابہ کی خیرات پر خوشی کی وجہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں او ر جو اللہ اوررسول کو راضی کرنا چاہے وہ فقیروں کی حاجت پوری کرے۔خیال رہے کہ جس چاندی کے ٹکڑے پر سونے کا ملمع کردیا جائے یا جس چمڑے یا کپڑے پر طلائی کام کردیا جائے اسے عربی میں مذھبّہ کہتے ہیں۔یہاں پہلے معنے مراد ہیں۔

۱۱؎ یعنی موجد خیر تمام عمل کرنے والوں کے برابر اجر پائے گا لہذا جن لوگوں نے علم فقہ،فن حدیث،میلاد شریف،عرس بزرگاں،ذکر خیر کی مجلسیں،اسلامی مدرسے،طریقت کے سلسلے ایجاد کئے انہیں قیامت تک ثواب ملتا رہے گا۔یہاں اسلام میں اچھی بدعتیں ایجاد کرنے کا ذکر ہے نہ کہ چھوڑی ہوئی سنتیں زندہ کرنے کا،جیسا کہ اگلے مقابلے سے معلوم ہورہا ہے اس حدیث سے بدعت حسنہ کے خیر ہونے کا اعلٰی ثبوت ہوا۔

۱۲؎ یہ حدیث ان تمام احادیث کی شرح ہے جن میں بدعت کی برائیاں آئیں۔صاف معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ بری ہے اور ان احادیث میں یہی مراد ہے۔یہ حدیث بدعت کی دو قسمیں فرما رہی ہیں،بدعت حسنہ اور سیئہ،اس میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہوسکتی ان لوگوں پر افسوس ہے جو اس حدیث سے آنکھیں بند کرکے ہر بدعت کو برا کہتے ہیں حالانکہ خود ہزاروں بدعتیں کرتے ہیں۔بدعت کی تحقیق اور اس کی تقسیم پچھلے باب میں گزر چکی۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی ظلمًا قتل نہیں کیا جاتا مگر اس کے خون ناحق میں حضرت آدم کے پہلے فرزند کا حصہ ضرور ہوتا ہے کہ اسی نے پہلے ظلمًا قتل ایجاد کیا۱؎(بخاری،مسلم)ہم حضرت معاویہ کی حدیث لایزال الخ،اس امت کے باب میں ان شاءاللہ

العزیز بیان کریں گے۲	

۱؎یعنی قابیل جس نے اپنے بھائی ہابیل کو اپنی بہن عقلیمہ کے عشق میں ظلمًا قتل کیا۔خیال رہے کہ غیر مستحق قتل کو قتل کرنا ظلمًا قتل ہے۔قاتل،مرتد،زانی،مفسد وغیرہم جو شرعًا واجب القتل ہیں انہیں حاکم کا قتل کرنا ثواب ہے۔
۲؎یعنی یہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس باب میں بیان کی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے کثیر ابن قیس سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابودرداء کے ساتھ دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا۱؎ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور بولا کہ اے ابودرداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے آپ کے پاس صرف ایک حدیث کے لیئے آیا ہوں مجھے خبر لگی ہے کہ آپ حضور سے وہ روایت فرماتے ہیں۲؎ اس کے سواء اور کسی کام کے لیئے نہ آیا۳؎ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تلاش علم کرتے ہوئے کوئی راہ طے کرے تو اللہ اسے بہشت کے راہوں سے کوئی راہ چلائے گا۴؎ اور بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لیئے پر بچھاتے ہیں۵؎ یقینًا عالم کے لیئے آسمانوں اور زمین کی چیزیں اور پانی میں مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں۶؎ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب میں چاند کی فضیلت سارے تاروں پر۷؎ اور علماء نبیوں کے وارث ہیں۸؎ پیغمبروں نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہ بنایا انہوں نے صرف علم کا وارث بنایا تو جس نے علم اختیار کیا اس نے پورا حصہ لیا۹؎ اسے احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ترمذی نے ان کا نام قیس ابن کثیر بتایا۔	

۱؎ دمشق شام کا دارالخلافہ ہے۔کثیر ابن قیس تابعی ہیں،حضرت ابوالدرداء کے صحبت یافتہ ہیں۔
۲؎ ظاہر یہ ہے کہ اس طالب علم نے متن حدیث سن لیا تھا اس شوق میں یہاں آئے کہ صحابی کے منہ سے سنوں تاکہ برکت اور زیادتی یقین حاصل ہو۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے متن حدیث نہیں سنا تھا اجمالًا پتہ لگا تھا کہ حضرت ابوالدرداء فلاں بارے میں حدیث بیان فرماتے ہیں۔چونکہ مدینہ کے معنی مطلقًا شہر کے ہیں اس لیئے مدینۃ الرسول فرمایا،یعنی میں مدینہ منورہ سے آیا ہوں۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ طلب علم کے لیئے سفر بزرگوں کی بلکہ نبیوں کی سنت ہے۔موسیٰ علیہ السلام طلب علم کے لئے بہت دراز سفر کرکے خضر علیہ السلام کے پاس

تشریف لے گئے. دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط الرسول کہہ سکتے ہیں،جب کہ علامت سے معلوم ہوا کہ یہاں حضور مراد ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے: "یَآاَیُّهَا الرَّسُوْلُ" اور فرماتا ہے: "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ" اسے ناجائز کہنا بے دلیل ہے۔

۳؎ یعنی سوا حدیث سننے کے اورکسی دینی دنیوی غرض کے لئے سفر نہیں کیا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ سوائے تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں،حالانکہ خود نوکری تجارت وغیرہ کے لئے سفرکرتے رہتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ملاقات،زیارت قبور وغیرہ کے لئے سفرجائز ہے۔جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے اور ان شاءاللہ "باب المساجد" میں ممانعت سفرکی حدیث کے ماتحت بھی پوری تحقیقات کردی جائے گی،نیز اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ حدیث نہیں ہے جس کے سننے کے لیئےوہ صاحب حاضر ہوئے تھے بلکہ ان کی ہمت افزائی اور انکے سفر کی قبولیت کی بشارت کے لئے یہ حدیث سنائی۔مطلب یہ ہے کہ جو مسئلہ پوچھنے،علم پڑھنے،حدیث سننے وغیرہ کے لئے سفر کرکے یا بغیر سفر تھوڑا راستہ طے کرکے جائے تو اسے دنیا میں نیک اعمال کی توفیق ملے گی جو جنت ملنے کا سبب ہیں یا آخرت میں پل صراط پر گزر آسان ہوگی اور جنت میں سہولت سے پہنچے گا۔امام شافعی فرماتے ہیں:کہ علم دین کی طلب نفلی نماز سے افضل ہے کہ یہ فرض ہے وہ نفل۔(مرقاۃ)

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ جب طالب علم علم میں مشغول ہوتا ہے تو اس کا کلام سننے کے لیئےملائکہ نیچے اتر آتے ہیں اور گفتگو سنتے ہیں جیسا تلاوت قرآن کے موقعہ پر یا قیامت میں طالب علم کے قدموں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ طالب علم کے لیئےملائکہ نیا زمندی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی مشقتوں کو آسان کرتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ" اسی جگہ مرقاۃ نے اس کے متعلق عجیب و اقعات بیان فرمائے ہیں۔

۶؎ یعنی علمائے دین کے لیئےچاند،سورج،تارے اور آسمانی فرشتے ایسے ہی زمین کے ذرے،سبزیوں کے پتے اور بعض جن و انس اور تمام دریائی جانور مچھلیاں وغیرہ دعائے مغفرت کرتے ہیں،کیونکہ علمائے دین کی وجہ سے دین باقی ہے اور دین کے بقا سے عالم قائم ہے،علماء کی ہی برکتوں سے بارشیں ہوتی ہیں اور مخلوق کو رزق ملتا ہے،حدیث شریف میں ہے "بِهِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ یُرْزَقُوْنَ"۔علماء کے اٹھنے سے اسلام اٹھ جائے گا اور قیامت برپا ہوجائے گی،علماء دنیا کا تعویذ ہیں۔(مرقاۃ واشعۃ) خیال رہے کہ علماء میں علمائے شریعت بھی داخل ہیں اور علمائے طریقت بھی بلکہ کوئی شخص علم کے بغیر ولی اللہ نہیں بنتا،اللہ جاہلوں کو ولی نہیں بناتا،فرماتا ہے: "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"۔(ازمرقاۃ)

۷؎ عالم سے مراد وہ عالم ہے جوصرف ضروری اعمال پر قناعت کرے اوربجائے نوافل کے علمی خدمات انجام دے۔عابدسے وہ شخص مراد ہے جو صرف اپنےضروری مسائل سے واقف ہو اوراپنے اوقات نوافل میں گزارے۔بے دین اور فاسق عالم اورنرا جاہل عابداس گفتگو سے خارج ہے۔خیال یہ چاند آفتاب سے نورلے کر رات میں سارے عالم کو جگمگا دیتا ہے،ایسے ہی عالم نبی صلی اللہ علیہ

وسلم سے فیض لے کر دینی روشنی پھیلا دیتے ہیں۔تارے خودنور ہیں مگر چاندنور بخشنے والا۔عابد اپنے لیئےاور عالِم عالَم کے لیئے کوشش کرتے ہیں،عابد اپنی کمبلی بچاتا ہے،عالم طوفان سے لوگوں کا جہاز نکال لے جاتا ہے۔لازم سے متعدی افضل۔

۸؎ سبحان اللہ! جب مورث اتنے اعلیٰ تو وارث کیسے شان دارہوں گے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ علمائے مجتہدین رسولوں کے وارث ہیں اور علمائے غیرمجتہدین نبیوں کے۔لفظ علماء و انبیاءان دونوں کو شامل ہے۔خیال رہے کہ علمائے اسلام حضور کے وارث اور چونکہ حضور تمام نبیوں کی صفات کے جامع ہیں لہذا علماء سارے انبیاء کے وارث ہوئے۔

۹؎ خیال رہے کہ بعض انبیاء تارک الدنیا تھے جنہوں نے کچھ جمع نہ کیا جیسے حضرت یحیٰی وعیسیٰ علیہما السلام اور بعض نے بہت مال رکھا۔جیسے حضرت سلیمان وداؤد علیہما السلام لیکن کسی نبی کی مالی میراث نہ بٹی،ان کا چھوڑا ہوا مال دین کے لیئے وقف ہوتا ہے اور تاقیامت علماء ان کے وارث،اسی لیئے علماء کو وارثین انبیاء کہا جاتا ہے۔

	روایت ہے ابو امامہ باہلی سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوشخصوں کا ذکر ہوا جن میں سے ایک عابد دوسرا عالم ہے۔۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی عابد پر ضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی پر ۲؎ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین والے حتی کے چیونٹیاں اپنے سوارخوں میں اور مچھلیاں(پانی میں)صلوۃ بھیجتے ہیں لوگوں کو علم دینی سکھانے والے پر ۳؎ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ان سے خاص مرد مرادنہیں بلکہ عمومی سوال ہے،یعنی اگر دو آدمیوں میں سے ایک عالم اورایک عابد ہوتو درجہ کس کا زیادہ ہوگا،عالم و عابد کے معنی ہم پہلے بیان کرچکے۔

۲؎ یہ تشبیہ بیان نوعیت کے لئےنہ کہ بیان مقدار کے لئے،یعنی جس قسم کی بزرگی مجھ کو تمام مسلمانوں پر حاصل ہے اس قسم کی بزرگی عالم کو عابد پریعنی دینی بزرگی نہ کہ محض دنیاوی،اگرچہ ان دونوں بزرگیوں میں کروڑ ہا فرق ہیں۔بادشاہ کو رعایا پر سلطنت کی،مالدار کو فقیر پر مال کی،جتھے والے کو بے کس پر قوت کی،حسین کو بدشکل پر جمال کی بزرگی حاصل ہے۔مگر یہ بزرگیاں،دنیوی اور فانی ہیں،نبی کو مخلوق پر دینی بزرگی حاصل ہے،جو ابدالآباد تک قائم ہے،ایسے ہی عالم کو جاہل پر،آج سکندر کو کسی فقیر پر ملکی بزرگی نہیں،مگر امام ابوحنیفہ کو تمام مقلدین پر بے پناہ عظمت اب بھی حاصل ہے۔خیال رہے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نبیوں پر اور درجہ کی بزرگی ہے،صحابہ پر اور درجہ کی،اولیاء وعلماء پر اور درجہ کی،عوام پر اور درجہ کی،اَدْنٰی کُمْ میں اس آخری درجہ کی طرف اشارہ ہے۔فرماتے ہیں:"وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ"رب تعالٰی فرماتاہے:"مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ"اس آیت میں نور الٰہی کی مثال نور چراغ سے دی گئی حالانکہ چراغ کے نور کو اس نور سے کیا نسبت ؟ایسے ہی یہ بھی تمثیل ہے۔

۳؎ ملائکہ سے حاملین عرش فرشتے اور اہلِ سمٰوٰت سے باقی فرشتے مراد ہیں۔ا للہ کی صلوٰۃ سے اس کی خاص رحمت اور مخلوق کی صلوٰۃ سے خصوصی دعائے رحمت مراد ہے،ورنہ عام رحمتیں اور عام دعائیں سارے مسلمانوں کے لیئے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"هُوَ الَّذِىۡ يُصَلِّىۡ عَلَيۡكُمۡ وَمَلٰۤٮِٕكَتُهٗ" اور فرماتاہے:"وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا"الخ۔لہٰذا یہ حدیث نہ تو قرآن کے خلاف ہے اور نہ اس سے یہ لازم آیا کہ علماء حضور کے برابر ہوجائیں کیونکہ حضور پر بھی رب تعالٰی صلوٰۃ بھیجتاہے اور علماء پر بھی۔

	اور دارمی نے حضرتِ مکحول سے مرسلًا نقل کیا اور دو شخصوں کا ذکر نہ کیا اور فرمایا کہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی شخص پر پھر آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اور حدیث آخر کی بیان کی۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تمہارے تابع ہیں ۱؎ اور بہت لوگ اطراف زمین سے تمہارے پاس دینی فقہ سیکھنے آئیں گے جب وہ آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرو۲؎ (ترمذی)

۱؎ اس میں خطاب صحابہ خصوصًا ان کے علماء سے ہے،یعنی تاقیامت مسلمان تمہارے اخلاق،افعال کی پیروی کریں گے کیونکہ تم نے بلاواسطہ مجھ سے فیض لیاہے،شریعت میرے اقوال ہیں،طریقت میرے افعال،حقیقت میرے احوال،تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے۔خیال رہے کہ لفظ تابعی اس حدیث سے لیا گیا یعنی صحابہ کے کامل متبعین۔(مرقاۃ)

۲؎ یعنی بڑے بڑے کامل لوگ تمہاری شاگردی کرنے مدینہ منورہ کی طرف کھینچے ہوئے آئیں گے تو تم انہیں بے تامل علم سکھانا،عمل کی رغبت دینا یا میں تم کو ان کی خدمت کی وصیت کرتا ہوں اسے قبول کرو پہلے معنے اشعہ نے اور دوسرے مرقاۃ نے لیئے۔معلوم ہوا کہ دینی طلباء کی خدمتیں کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ وہ حضور کے مہمان ہیں اسی لیئے اکثر علماء اپنے دینی شاگردوں کی بہت خدمت کرتے اور کراتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علمی بات عالم کی اپنی گم شدہ چیز ہے جہاں پائے وہ ہی اس کا حقدار ہے۱؎ اسے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابراہیم ابن فضل راوی حدیث

میں ضعیف مانا جاتا ہے۔	

۱؎یعنی سمجھ دار آدمی جس سے اچھی اور دینی بات سنے اس سے ہی لے لے،یہ نہ دیکھے کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ دیکھے کیا کہہ رہا جیسے کہ اپنی گمی چیز جس کے پاس سے ملے لے لی جاتی ہے،یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کون ہے اور کیسا ہے۔خیال رہے کہ یہاں کلمۂ حکمت سے مراد اسلامی اور فقہی مسئلہ ہے۔یعنی اگر دین کی بات فاسق آدمی کہہ رہا ہے قبول کرلو لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کو توریت پڑھنے سے منع فرمادیا کیونکہ توریت کے منسوخ احکام اب کلمۂ حکمت تھے ہی نہیں۔اسی طرح اب مسلمانوں کو کفار کی دینی تصنیفات دیکھنے کی اجازت نہیں ان کے پاس کلمۂ حکمت ہی نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے ۱؎(ترمذی اورابن ماجہ)	

۱؎حدیث شیطان سے بچنے کا بڑا ذریعہ ہے۔خیال رہے کہ یہاں عالم سے وہ عالم مراد ہے جس پر اللہ کا فضل ہوا سی لیئے فقیہ فرمایا گیا عالم نہ فرمایا گیا،یعنی دین کی صحیح سمجھ رکھنے والا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے ۱؎اور نااہل پر علم پیش کرنے والا ایسا ہے جیسے سُوروں کو موتی جواہرات اور سونے کے ہار پہنانے والا ۲؎اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے **شعب الایمان** میں **مسلم** تک نقل فرمایااورفرمایا کہ اس حدیث کا متن تو مشہور ہے اس کی اسناد میں ضعف ہے اور بہت طریقہ سے روایت کیا گیا جو سب ضعیف ہیں۳؎	

۱؎مسند امام ابوحنیفہ میں"**وَمُسْلِمَةٍ**"ہے یعنی ہر مسلمان مردعورت پرعلم سیکھنا فرض ہے،علم سے بقدر ضرورت شرعی مسائل مراد ہیں۔لہذا روزے نماز کے مسائلِ ضروریہ سیکھنا ہر مسلمان پرفرض،حیض و نفاس کے ضروری مسائل سیکھنا ہر عورت پر،تجارت کے مسائل سیکھنا ہر تاجر پر،حج کے مسائل سیکھنا حج کو جانے والے پر عین فرض ہیں۔لیکن دین کا پورا عالم بننا فرض کفایہ کہ اگر شہر میں ایک نے ادا کردیا تو سب بری ہوگئے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے آفات شیطانی اثرات وغیرہ کا جاننا بھی ہر مسلمان کو ضروری ہے تاکہ ان سے بچ سکے۔

۲؎یہاں علم سے مراد دقیق و باریک مسائل اور گہرے علمی نکات ہیں جنہیں عوام نہ سمجھ سکیں،یعنی وہ عالم جوعوام کے سامنے غیرضروری اور باریک پیچیدہ مسائل یا قابل شرح آیات و احادیث پیش کرے وہ ایسا ہی بے وقوف ہے جیسے موتیوں

کا ہار سوروں کو پہنانے والا کہ جہلاء ایسی چیزیں سن کر انکارکر بیٹھتے ہیں۔اسی لیئے سیدنا علی مرتضی فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقل کے لائق کلام کرو ورنہ وہ اللہ اور رسول کو جھٹلا دیں گے اور اس کا وبال تم پر ہوگا۔

۳؎یعنی یہ حدیث بہت سی ضعیف اسنادوں سے مروی ہے لہٰذا قوی ہے کیونکہ کثرت اسناد ضعیف کوحسن بنادیتی ہے۔(مرقاۃ وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتیں اچھے اخلاق اور نہ دینی فقہ ۱؎ (ترمذی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ منافق سے مراد منافق اعتقادی ہے نہ کہ عملی،یعنی دل کا کافر زبان کا مؤمن اور خوش خلقی سے مراد اخلاق محمدی اور دینی فقہ سے دین کی سچی سمجھ ہے۔مطلب یہ ہے کہ نفاق کے ساتھ نہ دینی اخلاق جمع ہوں نہ دینی علم،منافق اسلامی اخلاق سے بھی محروم اور دین سے بھی،کیونکہ یہ نور ہیں ظلمت کے ساتھ کیسے جمع ہوجائیں رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوۡنَ "دل کے گندے قران کو چھو بھی نہیں سکتے ان کا یہ حال ہے۔شعر

کتابیں پڑھیں دینداری نہ آئی ۔۔۔ بخار آگیا پر بخاری نہ آئی

امام شافعی فرماتے ہیں"فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنَ اِلٰہٖ ۔۔۔ وَاِنَّ النُّوْرَ لَا یُعْطٰی لِعَاصٍ"علم واخلاق بقدر تقویٰ ملتے ہیں۔گندے گھر میں بادشاہ نہیں آتا اور گندے دل میں حضور کے اخلاق اورحضور کا علم نہیں سماتے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تلاش علم میں نکلا وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے ۱؎

۱؎یعنی جو کوئی مسئلے پوچھنے کے لیئےاپنے گھر سے،یا علم کی جستجومیں اپنے وطن سے علماء کے پاس گیا وہ بھی مجاہد فی سبیل اللہ ہے،غازی کی طرح گھر لوٹنے تک اس کا سارا وقت اور ہر وقت اور ہر حرکت عبادت ہوگی،گھر آجانے کے بعد یہ ثواب ختم ہو جائے گا،پھر عمل اور تبلیغ کرنے کا ثواب شروع ہوگا۔لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ علم صدقہ جاریہ ہے جس کا ثواب بعدموت بھی ملتا رہتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سخبرہ ازدی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے تلاش علم کی تو یہ تلاش اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگی ۲؎اسے ترمذی ودارمی نے روایت کیا اورترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے ابوداؤد راوی کو ضعیف کہا گیا۳؎

ا؎ صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں،کنیت ابو عبداللہ ہے،ازدابن غوث کی اولاد سے ہیں،آپ سے صرف ایک یہی حدیث منقول ہے۔

۲؎طالب علم سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں،جیسے وضو،نماز،وغیرہ عبادات سے۔لہذا س کا مطلب یہ نہیں ہے کہ طالب علم جو گناہ چاہے کرے،یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نیت خیرسے علم طلب کرنے والوں کو گناہوں سے بچنے اور گزشتہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

۳؎یہ ابوداؤد اور ہیں سلیمان ابن اشعث سجستانی نہیں جن کی مشہور کتاب ابوداؤدشریف ہے ان کا نام نقیع ابن حارث ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں،ہمدان کے قاضی تھے اور نابینا تھے،حدیث میں ضعیف مانے جاتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدر ی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن خیر کے سننے سے کبھی سیر نہ ہوگا تاآنکہ اس کی انتہا جنت ہوجائے ا؎ (ترمذی)

ا؎یعنی علم دین کی حرص ایمان کی علامت ہے،جتنا ایمان قوی اتنی ہی یہ حرص زیادہ۔بڑے بڑے علماءعلم پر قناعت نہیں کرتے۔صوفیاءفرماتے ہیں"اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ"یعنی گہوارہ سے قبر تک علم سیکھو۔اس حدیث میں علم کے حریص کو جنت کی بشارت ہے۔ان شاءاللہ علم دین کا متلاشی مرتے ہی جنتی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمہ کی خبر نہیں سوا عالم دین کے کہ ان کے لیئے حضور نے وعدہ فرمالیا کہ اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے علم دین دیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس سے علمی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہے پھر اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی ا؎ (احمد،ابوداؤد،ترمذی ابن ماجہ عن انس)

ا؎یعنی اگرکسی عالم سے دینی ضروری مسئلہ پوچھا جائے اور وہ بلاوجہ نہ بتائے تو قیامت میں وہ جانوروں سے بدترہوگا کہ جانور کے منہ میں چمڑے کی لگام ہوتی ہے اور اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔خیال رہے کہ یہاں علم سے مراد حرام،حلال،فرائض واجبات وغیرہ تبلیغی مسائل ہیں جن کا چھپانا جرم ہے۔عالم پر شرعی مسئلہ بتانا ضروری ہے نہ کہ لکھنا لہذا مفتی فتوے لکھنے کی اجرت لے سکتا ہے۔خصوصًا وہ فتویٰ جن پرمقدمے چلتے ہیں اورمفتی کو کچہریوں میں حاضری دینی پڑتی ہے۔رب فرماتا ہے:"وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ"۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے ا؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس لیئے علم طلب کرے تاکہ علماء کا مقابلہ کرے یا جہلاء سے

جھگڑے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرے تو اسے اللہ آگ میں داخل کرے گا۲؎(ترمذی،ابن ماجہ عن ابن عمر)	

۱؎ آپ انصاری ہیں،خزرجی ہیں،عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے،اسلام کے نامورشعراء میں سے ہیں،آپ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اس پر آپ کا بائیکاٹ کیا گیا،پھر کچھ عرصہ بعدآپ کی اور آپ کے دو ساتھیوں ہلال ابن امیّہ اورمرارہ ابن ربیعہ کی توبہ قبول ہوئی۔رب فرماتا ہے:"وَّعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیۡنَ خُلِّفُوۡا"آپ آخر میں نابینا ہوگئے تھے،۷۷ سال عمر ہوئی،۵۰ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی جو دینی علم دین کے لئے نہ سیکھے بلکہ عزت یا مال حاصل کرنے یا دین میں فساد پھیلانے کے لئے سیکھے تو اول درجہ کا جہنمی ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو قرآن کا ترجمہ دیکھ کر اور چار حدیثیں پڑھ کر آئمہ مجتہدین اور علماء دین کے منہ آنے کی کوشش کرتے ہیں،اللہ تعالٰی نیت خیرعطا فرمائے۔خیال رہے کہ علماء کا مناظرہ اور ہے مقابلہ کچھ اور،مناظرہ میں تحقیق حق مقصود ہوتی ہے،مقابلہ میں اپنی بڑائی کا اظہار،بوقت ضرورت مناظرہ اچھا ہے مقابلہ برا،یہاں مقابلہ کی برائی مذکور ہے۔مناظرے آئمہ مجہتدین بلکہ صحابہ کرام میں بھی ہوئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی وہ علم سیکھے جس سے اللہ کی رضا ڈھونڈی جاتی ہے صرف اس لیے کہ اس سے دنیاوی سامان حاصل کرے ۱؎ وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا۲؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ احادیث کی شرح ہےجس میں فرمایا گیا کہ علم دین رضائے الٰہی کے لیئے حاصل کرو اسے صرف دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔دنیا کے سامان سے روپیہ پیسہ بھی مراد ہے اور دنیوی عزت و جاہ بھی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ علم دین کے ذریعے دنیا حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ دنیا اصل مقصود ہو اور علم دین محض اس کا وسیلہ یہ سخت برا ہے وہی یہاں مراد ہے۔دوسرے یہ کہ علم دین سے دین ہی مقصود ہو مگر تبعًا دنیا بھی حاصل کی جائے تاکہ فراغت سے خدمت دین ہوسکے یہ ممنوع نہیں،کیونکہ اب دین مقصود ہے اور دنیا اس کا وسیلہ۔فقیر عالم کا وعظ دلوں میں موثر نہیں ہوتا۔حضرات خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہیں لیں۔جہاد کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر فقط غنیمت کے لئے کرتا ہے تو برا اور اگر تبلیغ دین کے لئے ہے اور غنیمت و ملک اس کا وسیلہ ہےتو اچھا ہے۔

۲؎ یعنی اولًا اگرچہ ریا کاری کی سزا بھگت کریا حضور کی شفاعت کے ذریعہ معافی ہوجائے گی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس بندے کو ہرا بھرا رکھے جو میرا کلام سنے اسے یاد رکھے خیال رکھے	

	اور پہنچادے۱؎کیونکہ بہت سے فقہ اٹھانے والے خود غیر فقیہ ہیں اور بہت لوگ اپنے سے بڑے فقیہ تک فقہ اٹھاتے ہیں۲؎مسلمانوں کا دل تین چیزوں پر خیانت نہیں کرتا۳؎اللہ کے لیے عمل خالص کرنا۴؎مسلمانوں کی خیرخواہی اور ان کی جماعت کو لازم پکڑنا ۵؎کیونکہ ان کی دعا ماسوا کو شامل ہے ۶؎اسے شافعی اور بیہقی نے مدخل میں روایت کیا

۱؎یہ حدیث تاقیامت محدثین کو شامل ہے،یعنی اللہ تعالٰی حافظ اور مبلغ حدیث کو دنیا میں پھلا پھولا رکھے اور آخرت میں اس کا چہرہ ترو تازہ رکھے اور اس زمرے میں داخل کرے"وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ "حضور کی یہ دعا قبول ہے خدام حدیث بفضلہٖ تعالٰی دین و دنیا میں شادوآباد ہیں جیساکہ تجربہ بتارہا ہے۔حدیث کا ذکرکرنا حفظ ہے اور یاد رکھنا بھول نہ جانا دعاء،بعض محدثین قرآن کی طرح حدیث بھی یادکرتے ہیں۔

۲؎اس حدیث میں صراحتًا فرمایا گیا کہ محدث براہ راست حدیث پر عمل نہ کرے ورنہ دھوکا کھائے گا بلکہ مجتهد فقیہ پر پیش کرے اس کی تقلیدکرکے اس کے بتائے ہوئے مطالب پر عمل کرے۔فقیہ روحانی طبیب ہے اور محدث روحانی عطار(پنساری)۔عطّار اپنی دکان کی دوائیں حکیم سے پوچھ کر ہی استعمال کرتا ہے اسی لیئے قریبًا سارے محدثین مقلد ہیں۔اسی حدیث پر عامل ہیں اسی سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جو چندہ ریشوں کے تراجم پڑھ کر تقلید سے منہ پھیرلیتے ہیں۔قرآن وحدیث کے سمندرمیں خودچھلانگ نہ لگاؤکسی امام کے جہاز میں بیٹھ کر پارکرو۔فقہ سے مراد وہ حدیث ہے جس سے شرعی احکام مستنبط ہوسکیں۔سرکار کا مقصد شریف یہ ہے کہ بہت دفعہ ایسا ہوگا کہ میری حدیث یاد کرنے والے مسائل استنباط نہ کرسکیں گے اورجنہیں حدیث پہنچے گی ان میں استنباط کی قدرت نہ ہوگی،لہذا محدث حدیث کو قید نہ کریں بلکہ فقہاء تک پہنچائیں۔خیال رہے کہ حدیث کا مبداء حضور کی ذات اقدس ہے اور منتہی فقیہ پر پہنچ کر ہی ختم ہوتا ہے۔

۳؎اس جملہ کی دوتفسیریں ہیں۔ایک یہ کہ عَلٰے بمعنی(ب)ہے،یعنی جس دل میں ان تین عملوں میں سے کوئی عمل آجائے تو اس دل میں خیانت،کینہ،حسد نہیں رہتا۔دوسرے یہ کہ عَلٰے اپنے ہی معنے میں ہے یعنی مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ ان تین کاموں میں کوتاہی نہیں کرتا۔پہلے معنی زیادہ قوی ہیں یہ تین چیزیں دلی بیماریوں کی دوائیں ہیں۔

۴؎کہ نیک اعمال نہ دنیا حاصل کرنے کے لئے کرے نہ جنت پانے اور دوزخ سے بچنے کے لیئے،محض رب کی رضا کے لیئے کرے،جب رب راضی ہوجائے سب کچھ حاصل ہے۔

۵؎اس طرح کہ بقدر طاقت مسلمانوں کی مددکرے جو اپنے لیئے پسند نہ کرے ان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔عقائد اور نیک اعمال میں ان کے ساتھ رہے،خلوت پر جلوت کو ترجیح دے،اسی لیئے اسلام نے جمعہ و عیدین وغیرہ میں جماعت فرض کی۔

۶؎یعنی جماعت مسلمین کی دعا لوگوں کو گمراہی،شیطان کے فریب سے محفوظ رکھتی ہے،جماعت سے الگ رہنے والا ان کے دعا سے محروم ہے۔معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دعا حفاظتی قلعہ ہے۔

	احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ اور دارمی نے زید ابن ثابت سے روایت کیا مگر ترمذی اور ابوداؤد نے "ثَلٰثٌ لَا یَغُلُّ"الخ کا ذکر نہ کیا۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ اسے ہرا بھرا رکھے جو ہم سے کچھ سنے۱؎ پھر جیسا سنے ویسا ہی پہنچادے۲؎ کیونکہ بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں اسے ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور دارمی نے ابودرداء سے۔

۱؎ یعنی مجھ سے یا میرے صحابہ سے میرا یا ان کا کوئی قول یا عمل سنے۔لہذا حدیث چار قسم کی ہوئی حضور کا قول اور فعل،صحابہ کا قول اور فعل۔اسی لیئے مِنَّا جمع اور شَیْئًا نکرہ ارشاد ہوا۔

۲؎ اس طرح کہ مضمون نہ بدلے یا حدیث کے الفاظ میں فرق نہ پیدا ہو۔خیال رہے کہ ابن عمر،مالک ابن انس،ابن سیرین وغیرہم کے نزدیک حدیث کی روایت بالمعنٰے حرام ہے،کیونکہ بسا اوقات لفظ کے بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور راوی کو خبر نہیں ہوتی اور امام حسن،شعبی،نخعی و مجاہد وغیرہم کے نزدیک روایت بالمعنی جائز کہ راوی حدیث کے الفاظ اس طرح بدل دے کہ معنی نہ بدلیں۔پہلے قول میں احتیاط ہے دوسرے میں گنجائش،بہتر یہی ہے کہ الفاظ بھی نہ بدلیں۔دیکھئے حضرت وائل ابن حجر نے نماز کی آمین کے بارے میں فرمایا"مَدَّ بِھَا صَوتَہٗ"بعض راویوں نے اسے"رَفَعَ بِھَا صَوتَہٗ"سے روایت کیا۔وہ سمجھے کہ دونوں کے معنٰے ایک ہی ہیں مگر بعد والوں کو دھوکہ لگا کہ شاید اس کے معنی ہیں بلند آواز سے آمین کہی،حالانکہ اس کا ترجمہ تھا کہ آمین کھینچ کر الف کے مد کے ساتھ کہی،روایت بالمعنٰی میں یہ خطرے ہیں اس لیئے فرمایا کہ جیسی سنے ویسی پہنچائے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حدیث روایت کرنے سے بچو سوا ان کے جن کو تم جانتے ہو ۱؎ کیونکہ جو عمدًا مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ آگ کا بنالے۲؎ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱؎ یقین سے یا گمان غالب سے کہ وہ میری حدیث ہے،لہذا حدیث متواتر اور مشہور بے دھڑک روایت کرو اور حدیث ضعیف کا ضعف بیان کرکے اور حدیث موضوع کو ہاتھ مت لگاؤ۔ہاں لوگوں کو بچانے کے لیئے یہ بتاسکتے ہو کہ یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اسی بنا پر بعض محدثین نے حتی الامکان حدیث ضعیف کی روایت ہی نہ کی،جیسے امام بخاری و مسلم اور بعض نے

روایت تو کی مگر بیان ضعف لازم کرلیا،جیسے امام ترمذی۔غرضکہ حدیث میں بڑی احتیاط چاہیئے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ تحریر پر اعتماد کرکے روایت حدیث جائز ہے۔

۲؎ اگرچہ ہر ایک پر جھوٹ باندھنا بہتان اور گناہ ہے،مگر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا بہت گناہ ہے کہ اس سے دین بگڑتا ہے۔مُتَعَمِّدًا کی قید سے معلوم ہوا کہ خطا پر پکڑ نہیں،اگر کسی حدیث کے موضوع ہونے کی خبر نہ ہوئی اور روایت کردی تو مجرم نہیں۔

اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود اور جابر سے نقل فرمایا اور"اتقوا الحدیث"الخ کا ذکر نہ کیا۔	

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے۱؎ اور ایک روایت میں ہے کہ جو قرآن میں بغیر علم کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ آگ سے بنائے ۲؎(ترمذی)	

۱؎ یعنی قرآن کی تفسیر بالرّائے کرنے والا جہنمی ہے۔خیال رہے کہ قرآن کی بعض چیزیں نقل پر موقوف ہیں،جیسے شان نزول،ناسخ منسوخ،تجوید کے قواعد انہیں رائے سے بیان کرنا حرام ہے،وہی یہاں مراد ہے۔اور بعض چیزیں شرعی عقل سے بھی معلوم ہوسکتی ہیں،جیسے آیات کے علمی نکات،اچھی اور صحیح تاویلیں،پیدا ہونے والے اعتراضات کے جوابات وغیرہ ان میں نقل لازم نہیں۔غرضکہ قرآن کی تفسیر بالرائے حرام ہے اور تاویل بالرائے علمائے دین کے لیئے باعث ثواب،یا اس کی تحقیق ہمارے کتاب"جاء الحق"اور مرقاۃ میں اسی مقام پر دیکھو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الْقُرْاٰنَ "۔معلوم ہوا کہ قرآن میں تدبرو تفکر کا حکم ہے۔

۲؎ اس میں اشارۃً فرمایا کہ علماء کو قرآنی تاویلات کی اجازت ہے جہلا کو یہ بھی حرام۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو فقط ترجمۂ قرآن سے غلط مسئلے مستنبط کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔حدیث و قرآن کے فقط ترجمے بغیر فقہ کی روشنی کے عوام کے لئے زہر قاتل ہیں۔

روایت ہے حضرت جندب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے کہے پھر ٹھیک بھی کہہ دے تب بھی خطا کر گیا۲؎(ترمذی وابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام جندب ابن عبداللہ ابن سفیان علفی بَجَلِی ہے۔علف قبیلہ بجل کا ایک بطن ہے،مشہور صحابی ہیں۔عبداللہ ابن زبیر کی وفات کے چار سال بعد وفات ہوئی۔

۲؎یعنی اگر عالم قرآن کی رائے سے تفسیر کرے،یا جاہل رائے سے تاویل کرے اور اتفاقًا وہ تفسیر و تاویل درست ہو تب بھی دونوں گنہگار ہوں گے،کیونکہ انہوں نے ناجائز کام کیا اور ممکن ہے کہ آیندہ اس پر دلیر ہوکر غلطی بھی کرجائیں۔علماء فرماتے ہیں کہ تفسیر قرآن کے لئے عالم کو پندرہ علموں میں پوری مہارت چاہیئے تب وہ قرآن کو ہاتھ لگائے،ایسا عالم اگر تاویل قرآن میں غلطی بھی کرے تب بھی ثواب پائے گا،مجتہد کی خطا پر ایک ثواب ہے اور صحت پر دو،جیسا کہ آیندہ احادیث میں آئے گا۔تفسیر و تاویل کا فرق ہم اوپرعرض کرچکے ہیں۔تفسیر میں یقین ہوتا ہے جونقل پرموقوف ہے،تاویل میں ظن غالب۔خیال رہے کہ قرآن کی وہ تاویل جو نقل کے خلاف ہو حرام ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے ۱؎ (احمدوابوداؤد)	

۱؎یعنی آیات قرآنیہ کے معانی میں ایسا جھگڑا کرنا جس سے لوگ شک میں مبتلا ہوجائیں قریبًا کفر ہے،کیونکہ لوگوں کے کفر کا ذریعہ ہے یا متشابہات کی تاویلوں میں جھگڑنا کفرانِ نعمت ہے،یا قرآنی آیات اور آیات کی متواتر قرأتوں میں یہ جھگڑا کرنا کہ یہ کلام الٰہی ہیں یا نہیں کفر ہے۔یا قرآن کو اپنی رائے کے مطابق بنانے میں جھگڑنا کہ ہر ایک اپنی رائے اور ایجاد کردہ مذہب کے مطابق اس کا ترجمہ یاتفسیرکرے یہ کفر ہے۔بہرحال حدیث بالکل واضح ہے اور اسے مفسرین اور مجتہدین کے اختلاف سے کوئی تعلق نہیں وہ جھگڑا نہیں بلکہ تحقیق ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قرآن میں جھگڑا کرتے سنا۲؎ تو فرمایا کہ اس حرکت سے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوگئے کہ انہوں نے بعض کتاب کو بعض سے ٹکرایا ۳؎ کتاب اللہ تو اس لیے اتری کہ بعض بعض کی تصدیق کرے لہٰذا تم بعض کو بعض سے جھٹلاؤ نہیں۴؎ جس قدر کتاب جانو کہو جو نہ جانو اسے عالم کے سپردکرو۵؎ (احمد،ابن ماجہ)	

۱؎پہلے بیان کیا جاچکا کہ آپ کانام عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے۔عبداللہ ابن عمرو ابن عاص صحابی ہیں اور ان کے بیٹے محمد تابعی،اگر جَدِّہٖ کی ضمیر عمرو کی طرف لوٹے تو یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عمرو کے دادا محمد تابعی ہیں،اور اگر شعیب کی طرف لوٹے تو یہ حدیث متصل ہے،کیونکہ شعیب کے دادا عمرو ابن عاص صحابی ہیں غرض کہ مُدَلّس ہے۔(ازمرقاۃ)

۲؎اس طرح کہ ایک شخص اپنا قول ایک آیت سے ثابت کررہا ہے اور دوسرا اس کے خلاف،دوسری آیت سے جس سے سننے والے کو شبہ پیدا ہو،کہ قرآنی آیتیں یکساں نہیں ان میں سخت تعارض و اختلاف ہے جیسے ایک کہے کہ خیرو شر اللہ کی

طرف سے ہے رب فرماتا ہے:"قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللهِ "اور دوسرا کہے کہ نہیں خیر رب کی طرف سے ہے شر ہماری طرف سے رب فرماتا ہے:"مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ"یہ ہے قرآن میں جھگڑا جو حرام بلکہ کبھی کفر ہے۔

۳؎ یعنی تعارض دکھایا یہ عیسائی و یہودی وغیرہ تھے جو توریت و انجیل کی آیتوں میں مطابقت نہ کرسکے بہت سے فرقے بنا بیٹھے اور ہر فرقہ ان کتابوں کی بعض آیات سے دلیل پکڑنے لگا،اللہ محفوظ رکھے۔

۴؎ کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف ہے یاساری آسمانی کتب پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی قرآنی آیات آپس میں مخالف نہیں بلکہ یکساں ہیں،اگر تعارض معلوم ہو تو ہماری سمجھ کا قصور ہے یا ہم تاریخ سے بے خبرہیں ناسخ منسوخ کو نہیں پہچانتے یا ہم آیتوں کے معانی کو صحیح نہ سمجھے۔

۵؎ سبحان اللہ! کیا نفیس تعلیم ہے کہ جاہل قرآن کی تفسیر کو ہاتھ نہ لگائے جب بے علم مریض کا علاج نہیں کرتا،انجن کی مشین کو ہاتھ نہیں لگاتا بلکہ ناتجربہ کار حجام سر نہیں مونڈتا،تو ہر بے خبر تفسیر قرآن کو کیوں ہاتھ لگائے۔

لطیفہ: کسی نے ایک عالم سے کہا کہ قیامت کا دن کتنا بڑا ہے قرآن اسے ایک ہزار سال کا بھی کہتا ہے اور پچاس ہزار سال کا بھی،حدیث نے تو غضب ہی کردیاوہ فرماتی ہے کہ چار رکعت نماز پڑھنے کے بقدر ہوگا نہ قرآن کا اعتبار نہ حدیث کا العیاذ باللہ!عالم نے فرمایا کہ قرآن و حدیث صحیح ہیں تیری سمجھ غلط وہ دن ایک ہزار برس کا ہے لیکن کفار کو تکلیف کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا اور مؤمن کو راحت کی وجہ سے دس منٹ کا محسوس ہوگا جیسے ایک ہی رات بیمار کو لمبی تندرست کو چھوٹی اور جو محبوب کے پاس گزارے اسے منٹوں کی محسوس ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن سات طریقوں پر اترا ۱؎ ان میں سے ہر آیت کا ظاہر بھی ہے باطن بھی۲؎ اور ہر ظاہر و باطن کی ایک حد ہے جہاں سے اطلاع ہے۳؎ (شرح سنّہ)

۱؎ طریقوں سے مراد یا تو عربی لغتیں ہیں،چونکہ عرب میں سات قبیلے فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے،قریش،ثقیف، طے،ہوازن، ہذیل،یمنی،تمیم اور ان کی زبانوں کا آپس میں کچھ اختلاف تھاجیسے دہلی اور لکھنؤ والوں کی اردو میں قدرے فرق ہے۔نزول قرآن قریش کی زبان میں ہوا جو دوسرے قبیلوں پر بھاری تھی۔اسی لئے ان کو اجازت دی گئی کہ اپنی اپنی زبانوں میں تلاوت کریں۔زمانۂ نبوی میں عام تلاوت قریشی زبان میں ہوتی تھی۔مگر بعض لوگ دوسری قرأتوں میں بھی تلاوت کرتے تھے۔حضور کے پردہ فرمانے کے بعد یہ اختلاف فساد کا باعث بننے لگا،عہد عثمانی میں جب قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا تو لغت قریش کو ملحوظ رکھا گیا جس میں قرآن کا نزول ہوا تھا باقی قراتیں ختم کردی گئیں تاکہ مسلمانوں میں یہود و نصاریٰ کا سا اختلاف نہ ہو اس میں قرآن کی تبدیلی نہ تھی بلکہ فتنہ کا دفع کرناتھاجیسے"فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ"میں لفظ اف

لغت قریش میں الف کے پیش ف کے شد اور زیروتنوین سے ہے دیگر لغتوں میں الف کے زبر یا زیر ف کا زبر یا زیر بغیر تنوین شد اور بغیر شد کے ہے معنی ایک ہیں لفظوں میں اتنا اختلاف یا اس سے مراد سات قرأتیں ہیں"یا مَالِكِ مَلِكِ مَلِيْكِ يَوْمِ الدِّيْنِ"وغیرہ،یا مطلب یہ ہے کہ سات معانی پر اترا امر،نہی،مثالیں،قصے،وعدے،وعیدیں اور نصیحتیں یا سات چیزیں لے کر اترا،عقائد،احکام،اخلاق،حرام،حلال،محکم،متشابہ اور بھی اس کی بہت تفسیریں کی گئیں ہیں۔

۲؎یعنی قرآن کی ہر آیت کی ظاہر مراد بھی ہے اور باطنی بھی،ظاہری مراد اس کا لفظی ترجمہ ہے باطنی مراد اس کا منشاء اور مقصد،یا ظاہر شریعت ہے اور باطن طریقت،یا ظاہر احکام ہیں اور باطن اسرار،یا ظاہر وہ ہے جس پر سب علماء مطلع ہیں اور باطن وہ ہے جس سے صوفیائے کرام خبردار ہیں،یا ظاہر وہ جو نقل سے معلوم ہو باطن وہ جو کشف سے معلوم ہو جیسے"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ"اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اپنے قریبی کافروں پر لوہے کی تلوار وغیرہ سے جہاد کرو باطن یہ ہے کہ قریبی کافر اپنے نفس امارہ پر مجاہدے کی تلوار اوراعانت یار سے جہاد کرو۔

۳؎حد مطلع وہ پہاڑ کی چوٹی یا اونچا ٹیلہ ہے۔جہاں سے دور تک چیزیں دیکھی جاسکیں یعنی قرآن کے ظاہر و باطن معلوم کرنے کے علیحدہ مقامات ہیں۔چنانچہ اس کا ظاہر علماء سے اور باطن مشائخ سے معلوم ہوتا ہے یا ظاہر قال سے،باطن حال سے،یا ظاہر نحو سے باطن فنا اور محو سے،یا ظاہر کتابوں سے باطن کسی کی نظر سے۔شعر

دین مجو اندرکتب اے بے خبر	علم و حکمت ازکتب دین از نظر
صد کتاب و صد ورق ورنار کن	رُوئے دل را جانب دلدار کن

غرضکہ جیسے قرآن کے ظاہر کے الفاظ میاں جی سے،تجوید قاری سے،حفظ حافظہ سے،معانی عالم سے،احکام مجتہد سے سیکھے جاتے ہیں،ایسے ہی اس کے اسرار مشائخ سے حاصل کیے جائیں۔ہر ایک کا حد مطلع علیحدہ ہے۔خیال رہے کہ مشائخ وہ حضرات ہیں جو شریعت و طریقت کے جامع ہوں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے ہوں،آپ کے دین کے سچے مبلغ ہوں۔وہ جاہل صوفی جوفقط میراثی ولی بنے بیٹھے ہیں فاسق و فاجر ہیں وہ مراد نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم تین ہیں ظاہر آیتیں ثابت و مضبوط سنت ان کے برابر فریضہ۱؎ جوان کے سواء ہیں وہ زیادتی ہے۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎یعنی علم دین ان چیزوں کا جاننا ہے احکام کی غیر منسوخ آیتیں مع تفصیل اور صحیح غیر منسوخ حدیثیں اجماع امت اور قیاس جو کتاب و سنت کی طرح واجب العمل ہیں۔خیال رہے کہ یہاں فریضہ سے مراد علم فرائض(میراث)نہیں کہ وہ کتاب و سنت میں آگیا بلکہ فقہ ہی مراد ہے۔عادلہ بمعنی عدیل و مثل۔(مرقاۃ واشعہ)

۲؎یعنی ان تین کے علاوہ باقی علوم علم دین نہیں بلکہ زائد یا فضول ہیں۔خیال رہے کہ صرف و نحو وغیرہ قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے ہیں اور اصول فقہ و اصول حدیث وغیرہ ان علوم کے خدام جو ان کو اپنا مقصود بنالے بڑا بے وقوف ہے۔شعر ؎

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث ہر کہ جوید غیر ازیں باشد خبیث

	روایت ہے حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قصہ گوئی نہیں کرتے مگر حاکم یا محکوم یا متکبر۲؎اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں جنگ خیبر میں حضور کے ساتھ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا پرچم آپ کے ہاتھ میں تھا شام میں رہے اور ۷۳ھ میں وہیں وفات ہوئی۔

۲؎اصطلاح میں سیاسی لیکچر اور عام خطابوں کو قصہ کہا جاتا ہے جس میں احکام شرعیہ کی تبلیغ ہواسے وعظ نصیحت کہتے ہیں۔آج کل کے عام مروجہ وعظ قصے ہیں اور واعظین قاصّ،یعنی سیاسی لیکچر یا بادشاہ کرتے ہیں،یا ان کے ماتحت حکام،یا سیاسی متکبر لیڈر قوم میں اپنا وقار بڑھانے کے لیئے،علماء کا یہ کام نہیں،علماء کا وعظ شرعی احکام کا چشمہ اور تبلیغ کا منبع ہونا چاہیئے یہ حدیث ہدایت کا گنجینہ ہے۔

	اور دارمی نے حضرت عمرو ابن شعیب سے انہوں نے اپنے والد اور انہوں نے اپنے دادا سے اور ان کی روایت میں مختال کی بجائے ریا کار ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بے علم فتویٰ دے اس کا گناہ فتویٰ لینے والے پر ہے۱؎اور جو اپنے بھائی کو کسی چیز کا مشورہ یہ جانتے ہوئے دے کہ درستی اس کے علاوہ میں ہے اس نے اس کی خیانت کی ۲؎(ابوداؤد)

۱؎اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جو شخص علماء کو چھوڑ کر جاہلوں سے مسئلہ پوچھے اور وہ غلط مسئلہ بتائیں تو پوچھنے والا بھی گنہگار ہوگا کہ یہ عالم کو چھوڑ کر اس کے پاس کیوں گیا نہ یہ پوچھتا نہ وہ غلط بتاتا اس صورت میں اَفْتٰی بمعنی اِسْتَفْتٰی ہے۔دوسرے یہ کہ جس شخص کو غلط فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتوے دینے والے پر ہے اس صورت میں پہلا اُفْتِیَ مجہول ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ بے علم کو مسئلہ شرعی بیان کرنا سخت جرم ہے۔

۲؎یعنی اگر کوئی مسلمان کسی سے مشورہ حاصل کرے اور وہ دانستہ غلط مشورہ دے تاکہ وہ مصیبت میں گرفتار ہوجائے تو وہ مشیر پکا خائن ہے خیانت صرف مال ہی میں نہیں ہوتی،راز،عزت،مشورے تمام میں ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معمّوں سے منع فرمایا ا(ابوداؤد)

ا یعنی عوام پر فقہی معمّے پیش کرنا اور انہیں حل نہ کرنا یا علماء کا ایک دوسرے کو ذلیل کرنے اور اپنی فوقیت ظاہر کرنے کے لئے شرعی معمے پوچھنا ناجائز ہے کہ یہ مؤمن کی ایذاء کا سبب ہے۔طالب علموں سے ان کا ذہن تیز کرنے کے لیئے استاد کا فقہی معمے پوچھنا بالکل جائز ہے۔جیسے یہ پوچھنا کہ وہ کون سا سفر ہے جس میں قصر نہیں،یا وہ کون سی صورت ہے کہ نمازی اپنے گھر میں وقتی نماز قصر پڑھے،یا وہ کون سی صورت ہے کہ نماز پڑھی جائے تو نہ ہو بعد میں خود بخود ہوجائے،یا وہ کون بزرگ ہیں جن کی اپنی عمر چالیس سال،بیٹے کی ایک سو بیس سال،اور پوتے کی نوے سال اور تینوں بیک وقت زندہ ہیں،اس قسم کے بہت سے معمے علامہ شامی وغیرہ نے ارشاد فرمائے،اس سے ذہن تیز کرنا مقصود ہے نہ کہ کسی کو ذلیل کرنا۔

	روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم میراث اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ میری وفات ہونے والی ہے۔ا(ترمذی)

ا یعنی میں تم میں ہمیشہ رہوں گا نہیں،میری وفات سے پہلے قرآن حکیم کے سارے احکام خصوصًا علم میراث مجھ سے سیکھ لو اور تمہارے بعد والے تم سے،چونکہ علم میراث سے عدل و انصاف قائم ہے تمام علوم کا تعلق زندگی سے ہے اور اس کا تعلق موت سے،نیز قرب قیامت یہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا،اسی لئے خصوصیت سے اس کے سیکھنے کی تاکید فرمائی۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ سرکار نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی پھر فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے جب علم لوگوں سے اٹھالیا جائے گا حتی کہ کسی چیز پر قادر نہ ہوں گےا(ترمذی)

ا علم سے علم دین مراد ہے اور یہ واقعہ قیامت کے قریب ہوگا جب مال بڑھ جائے گا،علم دین گھٹ جائے گا بلکہ فنا ہوجائے گا کہ علماء وفات پاجائیں گے اور پیدا نہ ہوں گے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہ صدہا سال بعد آنے والے واقعات کو بھی ملاحظہ فرما لیتی ہے،ان کے لئے معدوم موجود کھلی چھپی سب چیزیں یکساں ہیں۔کہ فرما رہے ہیں ھٰذَا اَوَانٌ جیسے ہم خیال اور خواب میں اگلے پچھلی چیزیں شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں۔بادشاہ مصر نے آنے والے قحط کے سال گائے اور بالیوں کی شکل میں خواب دیکھے،انبیاء ان کے طفیل سے بعض اولیاء کی نگاہیں ہمارے خواب و خیال سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔مولانا فرماتے ہیں شعر

اب بلکہ قبل از زادنِ توسالہا　　　　مرا ترا بیند بچندیں حالہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخیوں کے وہ عذاب ملاحظہ فرمالیئے جو بعد قیامت ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے ۱؎ کہ لوگ تلاش علم کرتے ہوئے اونٹوں کی سینہ کوبی کریں گے تو مدینہ کے ایک عالم سے بڑا کوئی عالم نہ پائیں گے ۲؎ اسے ترمذی نے روایت کیا اور جامع ترمذی میں ہے کہ ابن عیینہ نے فرمایا کہ وہ مالک ابن انس ہیں اور ایسے ہی عبدالرزاق سے روایت ہے ۳؎ اسحاق ابن موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے ابن عیینہ کو سنا وہ فرماتے ہیں کہ وہ عمری زاہد ہیں ان کا نام عبدالعزیز ابن عبداللہ ہے۔ ۴؎	

۱؎ یعنی یہ قول ان کا اپنا نہیں بلکہ حضور کا فرمان ہے۔حدیث مرفوع ہے موقوف نہیں۔

۲؎ یعنی میرے بعد قریب ہی لوگ تلاش علم میں ہر طرف سفر کریں گے اور مدینہ منورہ میں ایک ایسا عالم ہوگا کہ اس کے مقابلے میں اس وقت مدینہ میں بھی کوئی عالم نہ ہوگا چہ جائیکہ اور جگہ۔

۳؎ یعنی ان دو بزرگوں کی رائے ہے کہ اس عالم سے مراد حضرت امام مالک ہیں کہ آپ امام مذہب ہیں امام شافعی کے استاد ہیں۔خیال رہے کہ یہ اس وقت کے لحاظ سے ہے ورنہ امام مالک سے پہلے حضرات امام اعظم ابوحنیفہ وغیرہم بڑے بڑے علماء گزرے۔

۴؎ آپ کا نام عبداللہ ابن حفص ابن عاصم ابن خطاب ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا جب کہ علم دین مدینہ منورہ میں محدود ہوجائے گا۔واللہ اعلم!

روایت ہے انہی سے میری دانست میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۱؎ کہ فرمایا یقینًا اللہ تعالٰی اس امت کے لیے ہرسو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو ان کا دین تازہ کرے گا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یہ کلام کسی نیچے کے راوی کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ حدیث حضور سے روایت کی۔ان کاخود اپنا قول نہیں۔

۲؎ یعنی اس امت کی یہ خصوصیت ہے کہ یوں تو اس میں ہمیشہ ہی علماء اور اولیاء ہوتے رہیں گے لیکن ہر صدی کے اول یا آخر میں خصوصی مصلحین پیدا ہوتے رہیں گے جو سنتوں کو پھیلائیں گے،بدعتوں کو مٹائیں گے،غلط تاویلوں کو دور کریں گے،صحیح تبلیغ کریں گا۔خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر بہت لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق مجدّد گنائے ہیں۔کہ پہلی صدی میں فلاں،دوسری میں فلاں،بہت مفسد وں نے بھی اپنے آپ کو مجدّد کہا،مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مجدّد ہی بنا تھا پھر نبی۔حق یہ ہے کہ اس سے نہ کوئی خاص شخص مراد ہے نہ کوئی خاص جماعت،کبھی اسلامی بادشاہ،کبھی محدثین،کبھی فقہاء،کبھی صوفیاء،کبھی اغنیاء،کبھی بعض حکّام دین کی تجدید کریں گے،کبھی ایک،کبھی ان کی جماعتیں جو دین کی یہ خصوصی خدمت کرے وہی مجدد ہے،جیسے ایک زمانہ میں حضرت سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اسلام سے اکبری

بدعات کو دور فرمایا اور جیسے قطب الوقت حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ یا اس زمانہ میں عالم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضاخاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کہ انہوں نے اپنی زبان اور قلم سے حق و باطل کو چھانٹ کر رکھدیا۔

	روایت ہے حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمان عذری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس علم کو ہر پچھلی جماعت میں سے پرہیز گار لوگ اٹھاتے رہیں گے ۲؎ جو غلو والوں کی تبدیلیاں اور جھوٹوں کی دروغ بیانیاں اور جاہلوں کی ہیر پھیر اس سے دور کرتے رہیں گے ۳؎ اسے بیہقی نے مدخل میں مرسلاً روایت کیا ۴؎ ہم حضرت جابر کی حدیث "فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ" الخ ان شاء اللہ تعالٰی "باب التیمم" میں ذکرکریں گے۔

۱؎ عذری بنی خزافہ کا ایک قبیلہ ہے جو عذرہ ابن سعد کی اولا دمیں ہے،غالبًا یہ صحابی ہیں اور اگر تابعی ہیں تو یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ صحابی کا نام رہ گیا۔

۲؎ اس میں غیبی بشارت ہے کہ تاقیامت میرے دین میں علمائے خیر پیدا ہوتے رہیں گے۔جو علم دین کو پڑھتے پڑھاتے اور تبلیغ کرتے رہیں گے۔خیال رہے کہ گزشتہ صالحین کو سلف اور پچھلوں کو خلف کہا جاتا ہے لہذا ہر جماعت صالحین اگلوں کے لحاظ سے خلف اور پچھلوں کے لحاظ سے سلف ہے۔

۳؎ یعنی مسلمانوں میں بعض جاہل علماء کی شکل میں نمودار ہو کر قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں اور معنوی تحریفیں کردیں گے وہ مقبول جماعت ان تمام چیزوں کو دفع کرے گی۔الحمدللہ!آج تک ایسا ہورہا ہے اور آیندہ بھی ایسا ہوگا۔دیکھ لو علمائے دین کی سرپرستی نہ حکومت کرتی ہے نہ قوم لیکن پھر بھی یہ جماعت پیدا ہورہی ہے اور خدمت دین برابر کررہی ہے۔بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهِمْ!

۴؎ معلوم ہوا کہ ابراہیم ابن عبدالرحمٰن تابعی ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت حسن سے ۱؎ مرسلاً فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے موت اس حال میں آئے کہ وہ اسلام زندہ کرنے کے لیے علم سیکھ رہا ہو ۲؎ تو جنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ ہوگا ۳؎ (دارمی)

۱؎ فن حدیث میں جب حسن مطلق بولا جائے تو اس سے خواجہ حسن بصری مراد ہوتے ہیں۔آپ کے والد کا نام ابوسعید ہے،وہ زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے غلام تھے،ان کے والد یسار کو رُبیع بنت نظیر نے آزاد کیا تھا،خواجہ حسن بصری مدینہ منورہ میں عہد فاروقی میں فاروق اعظم کی شہادت سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،حضرت عمر فاروق نے اپنے دست مبارک سے ان کی تحنیک (یعنی پہلا پہیہ) کی۔آپ کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی لونڈی تھیں،بارہا حضرت ام سلمہ نے ان کی والدہ کی غیر موجودگی میں ان کو اپنا شیر مبارک پلایا ہے،اسی کی برکت سے آپ اتنے بڑے عالم اور امام وقت ہوئے،شہادت عثمان کے بعد بصرے آگئے تھے،آپ نے بہت صحابہ سے ملاقات کی ہے،اپنے وقت کے امام بڑے متقی پرہیزگار تھے۔رجب ۱۱۰ھ میں مقام بصرہ میں آپ کا وصال ہوا وہیں مدفون ہیں،آپ کی قبر شریف زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔(اکمال) فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو عالم دین نہ بن سکا پہلے ہی موت آگئی جب اس کی یہ فضیلت ہے تو علمائے دین کا کیا پوچھنا یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عالم دین ہیں مگر علم سے سیر نہیں ہوتے ہمیشہ مطالعۂ کتب صحبتِ علماء سے اپنا علم بڑھاتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اپنے کو طالب علم سمجھتے رہتے ہیں اور یہ سب کچھ خدمت دین کی نیت سے کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی انہیں انبیاء سے بہت قرب نصیب ہوگا کہ اعلیٰ علّیین میں وہ حضرات ان کے نیچے یہ علماء کیونکہ یہ دنیا میں وارثین انبیاء تھے۔خیال رہے کہ بعض مؤمن جنت میں انبیاء کے ساتھ رہیں گے۔رب فرماتا ہے:"**فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ**"الایہ مگر یہ ہمراہی ایسی ہوگی جیسے بادشاہ کے خدام خاص اس کے ساتھ کوٹھی میں رہتے ہیں کہ یہ بادشاہ نہیں بن جاتے ایسے ہی یہ حضرات نبی کے درجہ پر نہ ہوں گے بلکہ خادم خاص لہٰذا حدیث اور آیات قرآنی بالکل واضح ہیں۔

روایت ہے انہی سے مرسلاً ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا جو بنی اسرائیل میں تھے ایک تو عالم تھا ۲؎ جو صرف فرائض پڑھتا تھا پھر بیٹھ جاتا تھا۔لوگوں کو علم سکھاتا ۳؎ اور دوسرا دن کو روزہ رکھتا رات بھر عبادت میں کھڑا رہتا ۴؎ ان دونوں میں بہتر کون ہے؟حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عالم جو صرف فرض نماز پڑھ کر بیٹھ جاتا پھر لوگوں کو علم دین سکھاتا اس کی بزرگی اس عابد پر جو دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتا ۵؎ ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنی پر ۶؎ (دارمی)	

۱؎ خواجہ حسن بصری صحابی کا ذکر یا تو اس لیئے چھوڑتے ہیں کہ حدیث کے راوی بہت صحابہ ہوتے ہیں کس کس کا نام لیں یا اس لیئے کہ انہیں حدیث کی صحت پر یقین ہوتا ہے۔غرضکہ ان جیسے بزرگوں کا ارسال معتبر ہے اور ان کی مرسل روایتیں مقبول۔(از مرقاۃ)

۲؎ یعنی اس کا علم عبادت پر غالب تھا اور زیادہ اوقات علمی خدمات میں گزرتے تھے،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔خیال رہے کہ یا تو ان دو شخصوں کے واقعے عرب میں مشہور تھے یا حضور نے ہی بیان فرمائے ہوں گے۔

۳؎ علم سے علم دین مراد ہے خواہ پڑھاتا تھا یا دینی کتب تصنیف کرتا تھا یا دونوں کام۔
۴؎ یعنی صائم الدھر اور قائم اللیل تھا شاید ان کے دین میں یہ جائز ہوگا،اسلام میں سال میں پانچ روزے حرام ہیں شوال کی پہلی اور بقرعید کی دسویں سے تیرھویں تک۔
۵؎ جواب میں اتنی دراز عبادت کا فرمانا عالم کی شان لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لئے ہے ورنہ اتنا کافی تھا کہ پہلا دوسرے سے افضل ہے۔
۶؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ یہ مثال نوعیت کے بیان کے لئے ہے،یعنی جس قسم کی بزرگی مجھ کو تم پر حاصل ہے اس قسم کی بزرگی عالم کو عابد پر ہے جیسے رب نے فرمایا:"مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ"الایہ،لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ عالم نبی کے برابر ہوجائے۔خیال رہے کہ علم دین یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ اور زیادہ عبادت نفل ہے،نیز عالم کا نفع مخلوق کو ہے اور عابد کا نفع صرف اپنے کو،لہذا عالم عابد سے افضل ہے۔آدم علیہ السلام عالم تھے،فرشتے لاکھوں سال کے عابد مگر سجدہ عابدوں نے عالم کو کیا۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عالم دین بہت اچھا ہے اگر اس کی ضرورت پڑے تو نفع پہنچادے اگر اس سے بے پرواہی ہو تو اپنے کو بے نیاز رکھے۱؎ (رزین)	

۱؎ یعنی نہ متکبر بنے نہ محتاج لوگوں کی ضرورت پر دل و جان سے حاضر ہوجائے اور جب لوگ اسے نہ چاہیں ان پر نہ گرے،امیر غریب کے دروازے پر بہتر،مگر غریب امیر کے دروازے پر برا۔مرقاۃ میں ہے کہ عابد باعمل کا چرچہ ملکوت میں ہوتا ہے،فرشتے اسے عظیم کہتے ہیں یعنی بڑا آدمی۔خیال رہے کہ جس عالم میں تین باتیں جمع ہوں وہ زمانہ کا سردار ہوگا علم دین کامل،قناعت اور استغناء اعمال صالحہ۔

روایت ہے حضرت عکرمہ سے۱؎ کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لوگوں کو ہفتہ میں ایک دفعہ وعظ سناؤ اگر نہ مانو دو دفعہ اگر بہت ہی کرو تو تین بار اس قرآن سے لوگوں کو اکتا نہ دو۲؎ میں تمہیں ایسا ہرگز نہ پاؤں کہ تم کسی قوم پر پہنچو جو اپنی کسی بات میں مشغول ہوں تو وعظ شرع کرکے ان کی بات کاٹ دو کیونکہ تم انہیں اکتا دو گے بلکہ خاموش رہو جب وہ خود عرض کریں تو انہیں حدیث سناؤ کہ وہ شوق رکھتے ہوں۳؎ اورخیال رکھنا کہ دعا میں قافیہ دار عبارت سے بچنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ایسا نہ	

	کرتے ہوئے پایا۴؎(بخاری)

۱؎آپ کا نام عکرمہ کنیت ابو عبداللہ،بربر کے رہنے والے ہیں،حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں،مکہ مکرمہ کے فقیہ ترین تابعی ہیں،آپ کی وفات ۱۰۷ھ میں ہوئی اسی۸۰ سال عمر پائی۔(اکمال)عکرمہ ابن ابوجہل اور ہیں جہاں عکرمہ مطلق آتا ہے وہاں آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲؎یعنی روزانہ وعظ نہ سناؤ ہفتہ میں ایک یا دو یا تین بار سناؤ،پھر بھی اتنی دیر وعظ نہ کہو کہ لوگ سیر ہوجائیں بلکہ ان کا شوق باقی ہو کہ ختم کردو۔سبحان اللہ! کیا نفیس ٹریننگ ہے ان حضرات کی مجلسیں گویا نارمل اسکول بھی تھیں جن میں سیکھنا سکھانا سب بتایا جاتا تھا۔اس سے بلا ضرورت چار چار گھنٹے وعظ کہنے والے واعظین عبرت پکڑیں۔خیال رہے کہ یہ ارشاد وہاں ہے جہاں لوگ اکتاتے ہوں لیکن اگر شائق ہیں تو نہ روز وعظ کرنا برا نہ دیر تک،مدرسوں میں تعلیم القرآن کے درس روزانہ ہوتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فجر سے مغرب تک وعظ فرمایا،عالم کو چاہیئے کہ لوگوں کے شوق کا اندازہ رکھے۔

۳؎یہ دوسری نصیحت ہے جس پر واعظ کو کار بند رہنا چاہیئے کہ جہاں لوگ کلام یا کام میں مشغول ہوں تو انکے کلام و کام بند نہ کردو۔وعظ شروع نہ کردو کہ اس صورت میں اگرچہ وہ کچھ نہ کہیں مگر دل میں تکلیف محسوس کریں گے،نیز اس میں علم اور عالم کی اہانت بھی ہے۔اس سے وہ واعظین عبرت پکڑیں جو تیز لاؤڈ سپیکروں پر آدھی آدھی رات تک تقریریں کرکے مزدوروں،بیماروں کو پریشان کرتے ہیں،ساری بستی کو جگاتے ہیں۔دیکھا گیا ہے کہ پھرعوام حکومت کو درخواستیں دیتے ہیں جس پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کی جاتی ہے۔کتنی بڑی ذلت اور علم کی توہین ہے اگر یہ واعظین اسی فرمان پرعمل کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی۔حکام اور افسران خود ان سے علم سیکھنے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

۴؎یعنی دعاؤں میں بتکلف مقفّٰی عبارت مت استعمال کرو کیونکہ خشوع وخضوع نہ رہے گا دھیان اچھی عبادت بنانے پر رہے گا اس بارگاہ عالی پر عجزو نیاز دیکھاجاتا ہے نہ کہ زبان کی ادبیت۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعائیں مقفے ہیں،مگر یہ تکلف سے نہیں بنائی گئیں بلکہ اس افصح الفصحا کی زبان مبارک سے بے تکلف اور بے بناوٹ ادا ہوئی ہیں،لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں یہاں تکلف کی ممانعت ہے۔شعر

اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود | اس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام
بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود | بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام
میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود | اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام

	روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو علم طلب کرے پھر پا بھی لے تو اسے ثواب کا دوہرا حصہ ہے ۲؎ لیکن اگر نہ پاسکے تو اسے ثواب کا اکیہرا حصہ ہے ۳؎ (دارمی)

۱؎ آپ قبیلہ بنی لیث سے ہیں،غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اسلام لائے،تین سال حضور کی خدمت کی،اہل صفہ سے تھے،حضور کے بعد اولًا بصرے میں پھر شام کی بستی بلاط میں رہے جو دمشق سے تین کوس دور ہے۔سو سال کی عمر میں بیت المقدس میں وفات پائی،وہیں دفن ہوئے۔رضی اللہ عنہ۔

۲؎ ایک علم طلب کرنے کا،دوسرا پالینے کا کیونکہ یہ دونوں عبادتیں ہیں۔

۳؎ یا تو زمانۂ طالب علمی میں مرجائے تکمیل کا موقعہ نہ ملے یا اس کا ذہن کام نہ کرے مگر وہ لگا رہے تب بھی ثواب پائے گا۔جیسے مجتہد اگر صحیح اجتہاد کرے تو دوہرا ثواب اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اعمال و نیکیاں مؤمن کو بعد موت بھی پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے وہ علم ہے جسے سیکھا گیا اور پھیلایا گیا۱؎ اور نیک اولاد جو چھوڑ گیا ۲؎ یا قرآن شریف جس کا وارث بنا گیا۳؎ یا مسجد یا مسافر خانہ جو بنا گیا ۴؎ یا نہر جو جاری کرگیا یا خیرات جسے اپنے مال سے اپنی تندرستی و زندگی میں نکال گیا۵؎ کہ یہ چیزیں اسے مرے بعد بھی پہنچتی رہتی ہیں۶؎ (ابن ماجہ،بیہقی فی شعب الایمان)

۱؎ زبان سے یا قلم سے کہ اپنے کامل شاگرد اور بہترین تصنیفات چھوڑیں،جب تک مسلمان ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے،اسے ثواب پہنچتا رہے گا۔

۲؎ خواہ اولاد کو نیک بنا کر گیا یا اس کے مرنے کے بعد اولاد نیک ہوگئی دونوں صورتوں میں اسے ثواب ملتا رہے گا۔

۳؎ اس طرح کہ اپنے ہاتھ سے قرآن لکھ کر یا خرید کر چھوڑ گیا اسی حکم میں تمام دینی کتب ہیں۔

۴؎ کوشش سے یا اپنے پیسہ یا اپنے ہاتھ سے،اسی حکم میں مدرسے اور خانقاہیں بھی ہیں۔

۵؎ تندرستی کی اس لیئے قید لگائی کہ مرض الموت میں خیرات کرنے کا آدھا ثواب ہے کیونکہ اس وقت خود اپنے کو مال کی حاجت نہیں رہتی اس میں تمام صدقہ جاریہ آگئے جیسے کنویں کھدوانا،نلکے لگوانا،ہسپتال بنا جانا وغیرہ۔

۶؎ بعض تا قیامت بعض اس سے کم،جس قدر صدقہ کا بقا اسی قدر اس کا اجر۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے مجھے وحی فرمائی ۱؎ کہ جو تلاش علم میں ایک راہ چلا تو میں اس پر جنت کا ایک راہ آسان کردوں گا۲؎ اور جس کی دو پیاری چیزیں میں لے لوں تو اس کو جنت دوں گا۳؎ اور علم کی زیادتی عبادت کی زیادتی سے بہتر

ہے۴؎ کارخانہ دین کا نظام پرہیزگاری ہے ۵؎ اسے بیہقی نے **شعب الایمان** میں روایت کیا۔	

۱؎ بطریق الہام یا بذریعۂ حضرت جبریل کہ مضمون رب کی طرف سے الفاظ حضور کے اسی کو وحی **غَیْر مَتْلُو** کہتے ہیں۔حدیث قدسی اور قرآن میں یہی فرق ہے کہ قرآن کی عبارت اور مضمون سب رب کی طرف سے ہے۔

۲؎ یعنی جوکسی ذریعہ سے علم طلب کرے خواہ اس کے لیئے سفر کرے یا دینی کتابوں کا مطالعہ رکھے وغیرہ اسے دنیا میں عبادت معرفت وغیرہ جنت کے راستوں کی توفیق ملے گی یا قیامت میں اسے پل صراط سے گزرنا،جنت میں پہنچنا آسان ہوگا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ علم کے بغیر جنت کے تمام دروازے بند ہیں،علم دین ان دروازوں کی چابی ہے۔

۳؎ یعنی میں جس کی آنکھیں بیکار کرکے نابینا کردوں اور وہ اس پر صابر شاکر رہے تو اس صبر پر جنت ملے گی۔معلوم ہوا کہ دنیوی تکالیف خدا کی رحمتوں کا ذریعہ ہیں بشرط صبر۔

۴؎ یعنی علم کی تھوڑی زیادتی عبادت کی بہت سی زیادتی پر افضل ہے۔(اشعۃ)

۵؎ خیال رہے کہ زہد اور تقوےٰ سے **وَرَعْ** افضل ہے۔حرام،شبہات،طمع اور ریا سے بچنا ہرقسم کی عبادت کرنا **وَرَعْ** ہے۔صرف حرام سے بچنا تقویٰ،غیرمتقی آدمی اپنے دین کا انتظام قائم نہیں رکھ سکتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رات میں ایک گھڑی علم کا درس تمام رات بیداری سے افضل ہے ۱؎ (دارمی)	

۱؎ ایسے ہی دن میں کچھ دیر علم کا مشغلہ تمام دن کی عبادت سے افضل ہے۔عبادت سے نفلی عبادات مراد ہیں یہ مطلب نہیں کہ فرائض چھوڑ کر علم سیکھے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم دین کی نیند بھی عبادت ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن سے فقہ سیکھنا افضل۔ان دونوں کا ماخذ یہ حدیث ہے اس کی وجہ ہم بارہا بیان کرچکے عالم تھوڑی عبادت پر جاہل کی بڑی عبادت سے زیادہ ثواب حاصل کرلیتاہے۔

لطیفہ: ایک بزرگ پٹنہ سے حج بیت اللہ کے لیئے پاپیادہ ہرپانچ قدم پر دونفل پڑھتے چلے،دس سال میں گجرات پہنچے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اگر آپ ہوائی جہاز سے ایک رات میں مکہ معظّمہ پہنچ جاتے اور اتنے نوافل وہاں پڑھتے تو ہر رکعت پر ایک لاکھ کا ثواب پاتے۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر گزرے ۱؎ تو فرمایا کہ یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ایک مجلس دوسری سے بہتر ہے ۲؎ لیکن یہ لوگ اللہ سے دعا کررہے ہیں اس کی طرف راغب ہیں اگر چاہے انہیں دے چاہے نہ دے ۳؎ لیکن وہ لوگ فقہ و علم خود سیکھ رہے ہیں ناواقفوں کو سکھا رہے ہیں وہ ہی افضل ہیں ۴؎ میں معلم ہی بنا	

کر بھیجا گیا ہوں پھر آپ انہیں میں تشریف فرماہوئے ۵؎(دارمی)	

۱؎یعنی مسجد نبوی شریف میں صحابہ کی دو جماعتیں دو گوشوں میں تھیں،ایک گوشہ میں ایک جماعت نوافل و تلاوت وغیرہ عبادت کررہی تھی،دوسرے گوشہ میں دوسری جماعت علمی گفتگو اور سیکھے سبق کی تکرار کررہی تھی،حضور نے ان دونوں کوملاحظہ فرمایا۔

۲؎یعنی مجلس علم مجلس عبادت سے افضل ہے اسکی وجہ آگے آرہی ہے۔

۳؎عابدوں کی محنت اپنی ذات کے لیئے ہے جس کی قبولیت اور ثواب یقینی نہیں کیونکہ یہ اللہ کے کرم پر موقوف ہے اس نے ان چیزوں کا وعدہ نہیں فرمایا۔اس حدیث میں معتزلہ کا کھلا ہوا رد ہے کہ وہ عبادت کا ثواب واجب اور ضروری جانتے ہیں۔خیال رہے کہ آیت کریمہ "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ"کے معنے یہ ہیں کہ تم مجھے پکارو میں جواب دوں گا یا تم مجھ سے دعا کرو ثواب دوں گا قبولیت دعا کا وعدہ نہیں،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۴؎یعنی اپنے لیئے کچھ نہیں مانگتے دین پھیلا رہے ہیں انکی خدمت یقینی قابل قدر ہے۔خیال رہے کہ بے عمل عالم اس اندھے چراغ والے کی طرح ہے جو اپنے چراغ سے خود فائدہ نہ اٹھائے مگر لوگ فائدہ اٹھالیں لیکن غیر مقبول عبادت بالکل ہی بیکار جس سے کسی کو فائدہ نہیں،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں بے عمل عالم ایسا ہی ہے جیسے بیمار طبیب اوروں کا علاج کردے۔

۵؎ سبحان اللہ!مجلس علم کیسی بابرکت ہے اب بھی سرکار علماء ہی میں تشریف فرما رہتے ہیں انہیں مجلس علم میں ڈھونڈ ھو۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اول درجہ کے عابد بھی ہیں لیکن حضور کی عبادت عملی تعلیم ہے۔لہذا آپ نماز پڑھتے ہوئے بھی معلم ہیں اور حضور کی تشریف آوری کا اصل مقصد تعلیم ہے رب فرماتا ہے:"وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ"۔

روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے جہاں انسان پہنچے تو عالم ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو میری امت پر چالیس احکام دین کی حدیثیں حفظ کرے اسے اللہ فقیہ اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کا شفیع وگواہ ہوں گا۱؎	

۱؎اس حدیث کے بہت پہلو ہیں:چالیس حدیثیں یادکرکے مسلمان کو سنانا،چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا،ترجمہ یا شرح کرکے لوگوں کوسمجھانا،راویوں سے سن کر کتابی شکل میں جمع کرنا،سب ہی اس میں داخل ہیں۔یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس حدیثیں میری امت تک پہنچادے تو قیامت میں اس کا حشر علمائے دین کے زمرے میں ہوگا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس کے ایمان اور تقوےٰ کی خصوصی گواہی دوں گا ورنہ عمومی شفاعت اور گواہی تو ہر مسلمان کو نصیب ہوگی۔اسی

حدیث کی بنا پر قریبًا تمام محدثین نے جہاں حدیثوں کے دفتر لکھے وہاں علیحدہ چہل حدیث جسے "اربعینیه" کہتے ہیں جمع کیں۔امام نووی اور شیخ عبدالحق دہلوی کی اربعینیات مشہور ہیں۔فقیر نے بھی اپنی کتاب "سلطنت مصطفیٰ" میں چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔

روایت ہے انس بن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کہ بڑا سخی کون ہے عرض کیا ا اللہ رسول جانیں ۱؎ فرمایا اللہ تعالٰی بڑا جوّاد ہے ۲؎ پھر اولاد آدم میں مَیں بڑا سخی داتا ہوں ۳؎ اور میرے بعد بڑا سخی وہ شخص ہے جو علم سیکھے پھر اسے پھیلائے ۴؎ وہ قیامت میں اکیلا امیر یا فرمایا ایک جماعت ہو کر آئے گا ۵؎	

۱؎ یہ صحابہ کا ادب ہے کہ نہ تو"لَا" کہا نہ" بلیٰ" کہ ہاں جانتے ہیں تاکہ حضور پر پیش قدمی نہ ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو اللہ سے ملا کر ذکر کرنا اور دونوں ہستیوں کے لیئے ایک ہی صیغہ لانا جائز ہے رب فرماتاہے:"اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ" لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں اللہ رسول علیم وخبیر ہیں۔اللہ رسول نے غنی کردیا،اللہ رسول بھلا کریں وغیرہ۔

۲؎ محاورۂ عرب میں عمومًا سخی اسے کہتے ہیں جو خود بھی کھائے اوروں کو بھی کھلائے۔جوّاد وہ جوخود نہ کھائے اوروں کو کھلائے اسی لیئے اللہ تعالٰی کو سخی نہیں کہا جاتا ہے۔سخی کے مقابل بخیل ہے جو خود کھائے اوروں کو نہ کھلائے۔جوّاد کا مقابل مُمۡسِكۡ ہے جو نہ کھائے نہ کھانے دے۔اللہ تعالٰی کی تمام دنیوی اخروی نعمتیں دنیا کے لیئے ہیں اس کے لیئے نہیں۔

۳؎ یہ ارشاد فخرًا نہیں شکرًا ہے حضور ساری خلقت سے بڑے سخی ہیں چونکہ انسان اشرف الخلق ہے اس لیئے اس کا ذکر فرمایا حضور جودِ الٰہی کے مظہر ہیں،رب کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں حضور کے ہاتھوں خلق کو ملتی ہیں۔خود فرماتے ہیں اللہ دیتا ہے میں بانٹنے والا ہوں،اس حدیث میں اللہ تعالٰی اور حضور کی سخاوتیں بغیر قید ذکر ہوئیں ہیں اور ظاہر ہے کہ سخی وہی ہوگا جو مالک بھی ہو لہٰذا حضور مالک کونین ہیں۔

۴؎ یہاں رتبہ کے بعدیت مراد ہے نہ کہ زمانہ کی،لہٰذا اس میں صحابہ کرام اور تاقیامت علماء داخل ہیں،یعنی میری سخاوت کے بعد عالم دین کا درجہ ہے کہ مال کی سخاوت سے علم کی سخاوت افضل ہے اور کیوں نہ ہو کہ حضور ابر رحمت ہیں،علمائے دین اس کا تالاب۔خیال رہے کہ علماء کی سخاوت میں علم کی قید ہے حضور کی سخاوت بے قید،علم پھیلانا خواہ درس تدریس کے ذریعہ ہویا تصنیف کے ذریعہ۔

۵؎ یعنی اس دن عالم دین امام ہوگا اور سارے عابد نمازی شہید وغیرہ اس کے ماتحت کیونکہ جس نے جو نیکی کی عالم کے بتانے سے کی یا ایک عالم کو سارے مسلمانوں کے برابر ثواب ملے گا سب کے حج جہاد وغیرہ میں اس کا حصہ ہوگا یہ مطلب ہے امت واحدہ ہونے کا،رب فرماتا ہے:"اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً"۔

	روایت ہے انہی سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص جو اس سے سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا حریص اس سے سیر نہیں ہوتا[1] یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اورفرمایا کہ امام احمد نے ابوالدرداء کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ لوگوں میں اس کا متن مشہور ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں[2]

[1] حرص کے معنے ہیں ہمیشہ زیادتی کی خواہش،دنیاوی حرص بری ہے دینی حرص اچھی،عالم کو علم سے کبھی سیری نہیں ہوتی یہ اللہ کی نعمت ہے،رب فرماتا ہے:"قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا"دنیا دار دنیا سے سیر نہیں ہوتا،جیسے جَلَنْدَهْر کا بیمار پانی سے۔خیال رہے کہ یہ سب اپنے لیئے ہیں،حضور امت کے لیئے یہ ان سے لے کر سیر نہیں ہوتے حضور دے کر سیر نہیں ہوتے،رب فرماتا ہے:"حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ" لفظ ایک ہے معنے علیحدہ۔

[2] امام نووی نے اپنی چہل حدیث میں فرمایا کہ ابوالدرداء کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے جو ساری ضعیف ہیں مگر اسنادوں کی کثرت اور علماء کے قبول کرلینے کی وجہ سے حدیث قوی ہوگی،کیونکہ تعدد اسناد سے ضعیف حسن بن جاتی ہے۔نیز فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہے۔(ازمرقاۃ واشعۃاللمعات)

	روایت ہے حضرت عون سے[1] فرماتے ہیں فرمایا حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کہ دو حریص سیر نہیں ہوتے علم والا اور دنیا والا مگر دونوں برابر نہیں[2] علم والا تو اللہ کی رضا مندی بڑھا لیتا ہے اور دنیا والا سرکشی میں بڑھ جاتا ہے[3] پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی خبردار ہو یقینًا انسان سرکشی کرتا ہے اس لیے کہ اپنے کو بے پرواہ جانتا ہے فرماتے ہیں اور دوسرے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں[4] (دارمی)

[1] آپ تابعی ہیں آپ نے حضرت ابن عباس،ابن مسعود،ابوہریرہ سے روایتیں لیں اور آپ سے امام زہری اور امام ابوحنیفہ نے روایتیں لیں۔

[2] مَنْهُوْمٌ نَهْمٌ سے ہے بمعنی کھانے کی زیادہ رغبت،یعنی طالب علم اور طالب دنیا حریص دونوں ہیں مگر انجام میں فرق ہے۔

۳؎ صوفیاء کی اصطلاح میں دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے۔منافقوں کی نماز دنیا تھی اور عثمان غنی کا مال عین دین،وہی یہاں مراد ہے۔لہذا حضرت سلیمان،عثمان غنی اور امام ابوحنیفہ جیسے مالداروں کو دنیادار نہیں کہاجاسکتا،ان کا مال رضائے رحمان کا ذریعہ ہے۔
۴؎ یعنی یہ میں محض اپنے رائے سے نہیں کہتا بلکہ رب تعالٰی نے دنیا دار کے مال کو زیادتی طغیان اور عالم کے علم کو زیادتی رحمت کا سبب بتایا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے کچھ لوگ علم دین سیکھیں گے اور قرآن پڑھیں گے کہیں گے کہ ہم امیروں کے پاس جائیں ان کی دنیا لے آئیں اپنا دین بچالائیں ۱؎ لیکن ایسا نہ ہو سکے گا جیسے ببول کے درخت سے کانٹے ہی چنے جاتے ہیں ایسے ہی امیروں کے قرب سے (محمد ابن صباح نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ) خطائیں ہی چنی جائیں گی ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی بعض علماء و قاری صاحبان بلاضرورت طمع نفسانی کی خاطر اور مال و عزت حاصل کرنے کے لیئے فاسق مالداروں اور حکام کے پاس جانا آنا و نشست و برخاست رکھیں گے محض دنیا کی غرض سے۔
۲؎ ہماری شرح سے معلوم ہوگیا کہ امیروں سے فاسق اور بے دینی امیر مراد ہیں ان کے پاس علماء کا آنا جانا دین کے لیئے خطرناک ہے کہ وہ ان سے اپنی مرضی کے مطابق غلط فتوے حاصل کرتے ہیں جیسے کہ آج دیکھا جارہا ہے کہ فساق مالدار انتخاب کے موقعوں پر ووٹوں کے لیئے عالموں اور پیروں کو ناجائز استعمال کرلیتے ہیں۔دین دار امیروں کے پاس دینی فائدے کے لیئے علماء کا جانا جائز بلکہ بڑا فائدہ مند ہے۔یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے افسر مال رہے،آپ کی برکت سے عزیز کو ایمان اور دنیا کو قحط سے امان مل گئی۔قاضی امام یوسف ہارون رشید بادشاہ کے قاضی القضاۃ رہے،آپ کی برکت سے بادشاہ کو تقوےٰ نصیب ہوا اور دنیا علم سے مالا مال ہوگئی۔یہ واقعات اس حدیث کے خلاف نہیں،محمد ابن مسلمہ فرماتے ہیں کہ پاخانہ پر بیٹھنے والی مکھی امیروں اور حاکموں کے دروازہ پر جانے والے عالم و قاری سے اچھی ہے کہ وہ نجاست لے کر آتی ہے اور یہ دین دیکر اور ظلم لیکر آتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ اگر علماء علم محفوظ رکھتے ۱؎ اور اسے اہل ہی پر پیش کرتے ۲؎ تو اس کی برکت سے اپنے زمانہ والوں کے سردار ہوجاتے ۳؎ مگر انہوں نے علم دنیا داروں کے لیے خرچ کیا تاکہ اس سے ان کی دنیا کمائیں اس سے وہ ان پر ہلکے ہوگئے ۴؎ میں نے تمہارے نبی کو فرماتے سنا کہ	

	جو تمام غموں کو ایک آخرت کا غم بنالے اللہ اسے دنیا کے غموں سے کافی ہوگا اور جسے دنیا کے غم ہر طرف لیے پھریں تو اللہ اس کی پروا بھی نہ کرے گا کہ کون سے جنگل میں ہلاک ہوا ۵؎اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی علم کو ذلت اور اہانت سے بچاتے اس طرح کہ خود طمع اور لالچ میں دنیا داروں کے دروازے پر دھکے نہ کھاتے کہ عالم کی ذلت سے علم کی ذلت ہے اور علم کے بے حرمتی دین کی ذلت ہے۔

۲؎ یعنی قدر دانوں اور شریف الطبع لوگوں کو علم سکھاتے۔

۳؎ اس طرح کہ بادشاہ ان کے قدموں کے نیچے اور ان کے احکام ان کے قلموں کے نیچے ہوتے ہیں رب کا وعدہ ہے:"وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ"۔

۴؎ معلوم ہوتا ہے کہ تابعین میں لالچی اور حریص عالم پیدا ہوچکے تھے،جنہیں دیکھ کر صحابہ یہ فرمارہے ہیں۔

۵؎ سبحان اللہ! تجربہ بھی اس حدیث کی تائید کرتا ہے اللہ تعالٰی کسی مسلمان کو دو غم اور دو فکریں نہیں دیتا،جس دل میں آخرت کا غم و فکر ہے ان شاءاللہ اس میں دنیا کا غم و فکر نہیں آتا دنیاوی تکلیفیں اگر آ بھی جائیں تو دل ان کا اثر نہیں لیتا۔کلورا فارم سنگھا دینے سے آپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔اللہ تعالٰی غم آخرت نصیب کرے حضرت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ یہی کلورافارم سونگھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کربلا کی مصیبتیں خندہ پیشانی سے جھیل گئے۔

	اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے جہاں سے روایت کی مَنۡ جَعَلَ الخ روایت ہے۔

	روایت ہے حضرت اعمش سے۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کی آفت بھول جانا ہے اور اس کی بربادی یہ ہے کہ نااہل پر بیان کرو ۲؎اسے دارمی نے مرسلًا روایت کیا۔

۱؎ آپ کا نام سلیمان،کنیت ابو محمداسدی ہیں،کوفی ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،حضرت انس بن مالک سے ملاقات کی ہے،تیرہ سو۱۳۰۰حدیثیں آپ سے منقول ہیں،۷۰سال جماعت کی تکبیر اولٰی سے نماز پڑھی،امام حسین کی شہادت کے دن پیدائش ہے،۱۴۸ھ میں وفات ہوئی۔آپ کو سید المحدثین کہا جاتا ہے لیکن مائل برفض تھے۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی جیسے مال و صحت بعض آفتوں سے برباد ہوجاتے ہیں ایسے ہی علم بھولنے سے برباد ہوجاتا ہے لہذا عالم کوچاہیئے کہ علم کا مشغلہ رکھے،کتب بینی چھوڑ نہ دے،حافظہ کمزور کرنے والی عادتوں اور چیزوں سے بچے۔علامہ شامی نے فرمایا کہ چھ چیزیں حافظہ کمزور کرتی ہیں۔چوہے کا جوٹھا کھانا،جوں پکڑ کر زندہ چھوڑ دینا،ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنا،علک گوند چبانا،کھٹا

سیب کھانا،سیب کے چھلکے چبانا۔(**نوٹ**)جو کوئی بعد نماز داہنا ہاتھ سر پر رکھ کر اکیس باریَا"قَوِیُّ"پڑھ کر دم کرلیا کرے ان شاءاللہ اس کا حافظہ قوی ہوگا۔ خیال رہے کہ یہاں نااہل سے وہ لوگ مراد ہیں جو علم کی باریکیاں سمجھ نہ سکیں یہ لوگ علم پڑھ کر دنیا میں فساد ہی پھیلائیں گے جیسا کہ آج مشاہدہ ہورہا ہے۔

	روایت ہے حضرت سفیان سے ۱؎ کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے ۲؎ فرمایا کہ اہل علم کون لوگ ہیں فرمایا جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں فرمایا کہ علماء کے دل سے علم کس چیز نے نکال دیا فرمایا لالچ نے ۳؎(دارمی)

۱؎ آپ کا نام سفیان ابن سعید ہے،قبیلہ ثور کے ہیں،کوفی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،آئمہ مجتہدین اور قطب عالمین میں سے ہیں،۹۹ھ میں پیدا ہوئے، ۱۶۱ھ میں بصرے میں وفات پائی۔

۲؎ آپ کا لقب کعب احبار ہے،توریت کے بڑے عالم تھے،بنی اسرائیل کے سردار تھے،حضور کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ ہوا،عہد فاروقی میں اسلام لائے،حضرت عمر،صہیب و عائشہ صدیقہ سے روایتیں لیں خلافت عثمانیہ میں ۳۲ھ میں مقام حمّص میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے شاندار تابعی ہیں۔

۳؎ حضرت کعب احبار نے یہ دونوں باتیں غالبًا توریت شریف سے دیکھ کر بیان فرمائیں۔حضرت فاروق اعظم نے ہی پوچھا تھا کہ توریت میں کسے عالم کہا گیا ہے۔علم نکل جانے سےمراد ہے علم کے انوار کا نکل جانا طمّاعی عالم حق بیان نہیں کرسکتاجیسا آج دیکھا جارہا ہے۔

	روایت ہے حضرت احوص ابن حکیم سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے برائی کی بابت پوچھا ۲؎ تو فرمایا کہ مجھ سے برائی کی بابت نہ پوچھو بھلائی کے متعلق پوچھو تین بار فرمایا ۳؎ پھر فرمایا آگاہ رہو کہ بدترین شریر برے علماء ہیں اور اچھوں سے اچھے بہترین علماء ہیں ۴؎(دارمی)

۱؎ تابعی ہیں،حضرت انس،عبداللہ ابن یسر سے ملاقات کی ہے،روایات میں ضعیف ہیں،ان کے والد حکیم ابن عمیر صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی گناہ اور اس کے اسباب کیا ہیں اور اس سے بچنے کا ذریعہ کیا۔خیال رہے کہ نیکیاں کرنے کے لیئے جاننا چاہئیں اور گناہ بچنے کے لیئے،علماء فرماتے ہیں کہ کفریات سیکھنا فرض ہے تاکہ ان سے بچے۔

۳؎ یعنی صرف برائیاں ہی نہ پوچھا کرو بھلائیاں بھی پوچھا کرو۔

۴؎ کیونکہ عالم کے بگڑنے سے عالَم بگڑ جاتا ہے اور عالم کے سنبھلنے سے عالَم سنبھل جاتاہے۔عالم مسلمانوں کے جہاز کا کپتان ہے،تر یگا سب کو لے کر اور ڈوبے گا تو سب کو لے کر،آج جتنے فرقے مسلمانوں میں بنے سب علماءسوء کی مہربانی سے اور اس کے باوجود اسلام اصلی رنگ میں موجود ہے علمائے خیر کی برکت سے۔

	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدتردرجہ والا وہ عالم ہے جس کے علم سے نفع حاصل نہ کیا جائے۱؎ (دارمی)

۱؎ یعنی لوگ اس کے علم سے فائدہ نہ اٹھائیں نہ مسائل بیان کرے نہ کوئی دینی کتاب لکھےیا یہ مطلب ہے کہ خود نفع حاصل نہ کرے،یعنی عالم بے عمل،علم درخت ہے عمل اس کا پھل،بڑا بدنصیب وہ شخص ہے جو اپنے درخت کا پھل خود نہ کھائے،جاہل بےعمل کو ایک عذاب ہے اور عالم بےعمل کو سات گناہ عذاب جیسا کہ روایت میں ہے۔

	روایت ہے حضرت زیاد ابن حدیرسے۱؎فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز ڈھاتی ہے۲؎میں نے کہا نہیں فرمایا اسلام کو عالِم کی لغزش منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہ کن سرداروں کی حکومت تباہ کرے گی ۳؎(دارمی)

۱؎ آپ کی کنیت ابومغیرہ ہے،قبیلہ بنی اسد سے ہیں،کوفہ کے رہنے والے ہیں،تابعی ہیں،حضرت عمروعلی سے احادیث لیں۔

۲؎ یعنی اسلام کی عزت لوگوں کے دل سے دورکرتی ہے۔

۳؎ یعنی جب علماء آرام طلبی کی بنا پرکوتاہیاں شروع کردیں،مسائل کی تحقیق میں کوشش نہ کریں،اور غلط مسئلے بیان کریں،بے دین علماءکی شکل میں نمودار ہوجائیں،بدعتوں کو سنتیں قرار دیں،قرآن کریم کو اپنی رائے کے مطابق بنائیں،اور گمراہ لوگوں کے حاکم بنیں اور لوگوں کواپنی اطاعت پر مجبور کریں تب اسلام کی ہیبت دلوں سے نکل جائے گی جیسا آج ہورہا ہے۔بعض نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے مراد ان کا فسق و فجورمیں مبتلا ہوجانا ہے عالم کا عمل بھی تبلیغ ہوناچاہیئے۔

	روایت ہے حضرت حسن سے فرماتےہیں علم دو طرح کے ہیں ایک علم دل میں یہ علم فائدہ مند ہے۱؎دوسرا علم صرف زبان پر یہ انسان پر اللہ کی حجت ہے۲؎ (دارمی)

۱؎ یعنی علم دین کی دو نوعیتیں ہیں:ایک وہ جس کا نورعالم کے دل میں اترجائے جس سے قلب روشن اور قالب مطیع ہو جائے یہ علم عالم کو نفع دے گا اور دوسروں کو بھی،ایسے عالم کا وعظ بلکہ اس کی صحبت اکسیر ہے۔اس کی علامت یہ ہے کہ عالم کے دل میں خوف خدا اور محبت جناب مصطفے،آنکھوں میں تری،زبان پر اللہ کا ذکر رہتے ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم بغیر تصوف فسق ہے اورتصوف بغیرعلم بے دینی۔

۲؎ یعنی جب عالم صرف باتیں اچھی کرے مگر اس کا اپنا دل نور سے اور بدن اثرعلم سے خالی ہو یہ علم قیامت میں عالم کے الزام کھا جانے کا ذریعہ ہوگا کہ رب فرمائے گا تو سب کچھ جانتاتھا پھرگمراہ اور بدعمل کیوں بنا؟ صوفیاءفرماتے ہیں کہ جس علم میں تصوف کی چاشنی نہ ہو وہ علم لسانی وارثت شیطانی ہے۔آدم علیہ السلام کا علم قلبی تھا شیطان کا لسانی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ایک تو تم میں پھیلا دیا اور دوسرا اگر اسے پھیلاؤں تو یہ کاٹ ڈالا جائے یعنی گلا ۱؎(بخاری)

۱؎یعنی مجھے حضور سے دوقسم کے علم ملے،ایک علم شریعت جو میں نے تمہیں بتادیا دوسرا علم اسرار و طریقت و حقیقت کہ اگر وہ ظاہر کروں تو عوام نہ سمجھیں اور مجھے بے دین سمجھ کر قتل کردیں،یا ایک علم احکام دوسرے علم اخبار،جس میں ظاہر حاکموں اور بے دین سرداروں کے نام موجود ہیں اگر میں بتاؤں تو ان کی ذریت مجھے ہلاک کردے۔حضرت ابوہریرہ کبھی کنایۃً اشارۃً کچھ کہہ دیتے تھے۔چنانچہ دعامانگا کرتے تھے کہ خدایا مجھے ۶۰ھ؁ کے فتنوں اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ دے۔چنانچہ ۶۰ھ؁ میں امیر معاویہ کی وفات ہوئی یزید پلید تخت نشین ہوا۔اس دعا میں ان دو واقعات کی طرف اشارہ تھا،آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال قبل انتقال فرمایا۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ شرعی مسئلے بے دھڑک بیان کیئے جائیں مگرتصوف کے اسرار نااہل کو نہ بتائے جائیں۔دوسرے یہ کہ غیرضروری چیزیں جن کے اظہار سے فتنہ پھیلتا ہو ہر گز ظاہر نہ کی جائیں۔تیسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کو علوم غیبیہ عطا فرمائے،حضور کے ذریعہ صحابہ کرام کو بھی،جب حضرت ابوہریرہ کے علم کا یہ حال ہے کہ حضرت خلفائے راشدین کے علوم تو ہماری سمجھ سے بالا ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ سے فرمایا اے لوگو!جو کوئی کچھ جانتا ہوتو بیان کردے اور جو نہ جانتا ہو وہ کہہ دے اللہ جانے ۱؎کیونکہ علم یہ ہی ہے جسے تم نہ جانو تو کہہ دو اللہ جانے ۲؎اللہ تعالٰی نے اپنے نبی سے فرمایا کہ فرمادو میں نبوت پر تم سے اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں سے ہوں ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ حدیث موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود کا اپنا فرمان۔مقصد یہ ہے کہ کوئی عالم اپنی بے علمی ظاہر کرنے میں شرم نہ کرے،اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتو گھڑ کر نہ بتائے ہماری بے علمی علم سے زیادہ ہے رب فرماتا ہے:"وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیۡلًا"فرشتوں نے عرض کیا تھا:"لَا عِلْمَ لَنَاۤ"حضرت علی سے سرمنبر کوئی مسئلہ پوچھا گیا آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں،وہ گستاخ بولا کہ آپ بے علمی کے باوجود منبر پر کیوں کھڑے ہوگئے؟ آپ نے فرمایا کہ میں بقدرعلم منبر پر چڑھا ہوں اگر بقدر جہالت چڑھتا تو آسمان پر پہنچ جاتا۔(مرقاۃ)

۲؎یعنی اپنی بے علمی جاننا بھی علم ہے،اپنی جہالت سے ناواقف ہونا جہل مرکب،مفتیان کرام فتوے کے آخر میں لکھتے ہیں" اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ"وہ یہاں سے اخذ ہے۔

۳؎حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین سب سے بڑے عالم،تمام جہان کے معلم ہیں مگر انہیں حکم دیا گیا جس چیز کا علم آپ کو اب تک نہ دیا گیا ہو بتکلف نہ بتائیں۔چنانچہ حضورسے اصحاب کہف کی تعداد پوچھی گئی نہ بتائی کیونکہ اس کا علم

بعدمیں عطاء ہوا،حضرت عمرسے سوال ہوا کہ فاکھہ اور ابٌّ(میوہ اور چارہ)میں کیا فرق ہے ؟ فرمایا مجھے خبر نہیں،حضرت امام مالک نے چھتیس مسائل میں فرمایا کہ میں نہیں جانتا،حضرت امام ابوحنیفہ سے پوچھا گیا کہ دھرکیا چیز ہے فرمایا مجھے خبرنہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن سیرین سے [1] فرماتے ہیں کہ علم دین ہے لہٰذا غورکرو اپنا دین کس سے حاصل کرتے ہو [2] (مسلم)

[1] آپ کا نام محمد ابن سیرین،کنیت ابوبکرہے،شاندار تابعین میں سے ہیں،آپ کے والدسیرین حضرت انس کے آزادکردہ غلام تھے،آپ بڑے عالم،فقیہ،علم تعبیر کے امام تھے،آپ کی عمر۷۷سال ہوئی، ۱۱۰ھ میں وصال ہوا،بصرہ سے قریبًا دس میل دورعشرہ میں خواجہ حسن بصری کے قبہ میں آپ کا مزار ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔

[2] یعنی علم شریعت علم دین جب بنے گا جب سکھانے والا استاد عالم دین ہوگا،بے دین عالم سے حاصل کیاہواعلم بےدینی ہی دے گا،آج لوگ بے دینوں سے تفسیروحدیث پڑھ کربے دین ہورہے ہیں،فرمان کے ساتھ فیضان ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے [1] آپ نے فرمایا اے قاریوں کے گروہ سیدھے رہو کیونکہ تم بہت ہی پہلے ہو [2] اگر تم ہی الٹے سیدھے ہوگئے تو تم بڑی گمراہی میں پڑجاؤ گے [3] (بخاری)

[1] آپ کا نام حذیفہ ابن یمان ہے،کنیت ابوعبداللہ،آپ کے والدیمان کا نام جمیل تھا،لقب یمان،آپ حضور کے صاحب اسرارصحابی ہیں،آپ کو منافقین اورقیامت،ایک ایک فتنہ کا علم تھا،آپ کا وصال ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد مدائین میں ہوا،وہیں آپ کا مزار ہے۔(اکمال،اشعۃ اللمعات)

[2] یعنی اے علماءصحابہ و تابعین تم عقائد اور اعمال میں درست رہو کیونکہ سارے مسلمانوں سے تم پہلے ہوجیسے تم ہو گے ویسے بعد کے مسلمان ہوں گے،وہ تمہارےنقش قدم پرچلیں گے اورتمہاری نقل کریں گے۔خیال رہے کہ اس زمانہ میں علی العموم علماء قاری بھی ہوتے تھے اسی لیئےانہیں"قراء"فرمایا گیا۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ ایک استقامت ہزارکرامتوں سےبہتر ہے۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کے معنے ہیں اے صحابہ!تم سارے مسلمانوں سے افضل ہو کہ کوئی شخص کتنا ہی عمل کرے تمہارے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا،لہٰذا تمہارے اعمال سب سے اعلیٰ چاہئیں۔

[3] یعنی اگرتمہارے عقائد یا اعمال غلط ہوگئے تو تمہیں دیکھ کر ساری امت گمراہ ہوجائے گی لہٰذا تمہاری غلطی بڑی خطرناک ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غم کے کنوئیں سے اللہ کی پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ غم کا کنوآں کیا ہےفرمایا دوزخ میں ایک جنگل ہے جس سے خود دوزخ روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے [1] (۴۰۰)عرض کیا

	گیا یارسول اللہ اس میں کون جائے گا؟فرمایا اپنے اعمال میں دکھلاوا کرنے والے قاری۲؎اسے ترمذی نے روایت کیا یوں ہی ابن ماجہ نے اس میں یہ زیادہ ہے کہ خدا کو بہت ناپسند وہ قاری ہیں جو امیروں کی ملاقاتیں کرتے ہیں محاربی ظالم امیروں کی ۳؎

۱؎یہ حدیث بالکل اپنے ظاہر پرہے چونکہ وہ جنگل بہت گہرا ہے اور وہاں سوائے غم کے اور کچھ نہیں اس لیئےاسے غم کا کنوآں فرمایا گیا۔دوزخ کی چارحدود ہیں،ہرحد روزانہ سوبار اس وادی سے پناہ مانگتی ہے یاتو وہاں پر مقررکردہ فرشتہ زبانیہ اس سے پناہ مانگتے ہیں یا خود دوزخ کی آگ،ہر چیز میں شعور ہے جس سے وہ جانتی و پہچانتی ہے۔خیال رہے کہ جیسے دنیا کی آگوں کی گرمی مختلف ہے،گھاس پھوس کی آگ کم گرم،ببول کی آگ بہت تیز،پٹرول سپرٹ کی آگ اور زیادہ تیز،بعض آگ لوہا و فولاد گلا دیتی ہے ایسے ہی دوزخ کی آگ بھی مختلف ہے۔

۲؎یعنی وہ بے دینی علماء جو اچھے اعمال کے لباس میں لوگوں کے سامنے آئیں اور لوگوں کو گمراہ اور بے دین بنائیں۔

۳؎تاکہ ان سے دولت لےکر ان کی بدکاریوں کو جائز ثابت کریں اورظلم میں ان کے مددگار ہوں بلکہ چاپلوس عالم بھی خطرناک ہیں جو ہرجگہ پہنچ کر وہاں جیسا بن جائے۔ہمارا اللہ،نبی،قرآن وکعبہ ایک،دین بھی ایک ہوناچاہیئے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نےعنقریب لوگوں پر وہ وقت آئے گا جب اسلام کا صرف نام۱؎اورقرآن کا صرف رواج ہی رہ جائے گا۲؎ان کی مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی۳؎ان کے علماءآسمان کے نیچے بدترین خلق ہوں گے ان سے فتنہ نکلے گا اور انہیں میں لوٹ جائے گا ۴؎اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

۱؎اس طرح کہ مسلمانوں کے نام اسلامی ہوں گے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہوں گے مگر رنگ ڈھنگ سب کافروں کے سے جیسا آج دیکھا جارہا ہے،یا ارکان اسلام کے نام و شکل تو باقی رہیں گے مگر مقصود فوت ہوجائے گا،نماز کا ڈھانچہ ہوگا خشوع خضوع نہیں،زکوۃ دیں گے مگر قوم پروری ختم ہوجائے گی،حج کریں گے مگر صرف سیر کے لیئے،جہاد ہوگا مگر صرف ملک گیری کے لیئے۔

۲؎رسم نقش کو بھی کہتے ہیں اور طریقہ کو بھی،یہاں دونوں معنی درست ہیں،یعنی قران کے نقوش کاغذ میں اور الفاظ زبان پر ہوں گے مگر احترام قلب میں اور عمل قالب میں نہ ہوگا یا رسمًا قرآن پڑھایا رکھا جائے گا،کچہریوں میں جھوٹی قسمیں کھانے کے لیئے،اور گھروں میں میت پر پڑھنے کے لیئے،عمل کیلیئے عیسائیوں کے قوانین ہوں گے۔

۳؎ یعنی مسجدوں کی عمارت عالی شان،درودیوار نقشیں،بجلی کی فٹنگ خوب،مگر نمازی کوئی نہیں،ان کے امام بے دین،گویا مسجد میں بجائے ہدایت کے بے دینیوں کا سرچشمہ بن جائے گی،ہر مسجد سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ درس کی آوازیں آئیں گی مگر وہ درس زہر قاتل ہوں گے،جن میں قرآن کے نام پر کفر و طغیان پھیلایا جائے گا۔
۴؎ یعنی بے دین علماءسوء کی کثرت ہوگی جن کا فتنہ سارے مسلمانوں کو گھیرلے گا جیسے دائرے کا خط جہاں سے شروع ہوتا ہے وہیں پہنچ کر دائرہ کو مکمل بنادیتا ہے اور ساری سطح کو اپنے گھیرے میں لےلیتا ہے ایسے ہی ان کا فتنہ ہوگا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ سارے عالم خراب ہوجائیں گے ورنہ دین مٹ جاتا۔اللہ اس دین اور صلحائے حق کو تاقیامت رکھے گا جو دین کو اصلی رنگ میں باقی رکھیں گے جیسا کہ آج بھی دیکھا جارہاہے۔

روایت ہے زیاد ابن لبید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ علم جاتے رہنے کے وقت ہوگا ۲؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ علم کیسے جاسکتا ہے؟ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے اور تاقیامت ہماری اولاد اپنی اولاد کو ۳؎ تو فرمایا اے زیاد تمہیں تمہاری ماں روئے ہم تو تمہیں مدینہ کے بڑے سمجھ داروں میں سے جانتے تھے ۴؎ کیا یہ یہود اور نصاریٰ توریت و انجیل نہیں پڑھتے لیکن ان میں جو ہے اس پر بالکل عمل نہیں کرتے ۵؎ روایت کیا احمد ابن ماجہ نے اور ترمذی نے انہیں سے اس طرح روایت کیا۔	

۱؎ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،زُرَقِی ہیں۔حضور کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے،ہجرت سے پہلے حضور کے پاس مکہ معظّمہ پہنچ گئے تھے۔پھر مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئے اس لیئے آپ کو تمام صحابہ مہاجر انصار کہا کرتے تھے،حضور نے آپ کو حضرموت کا حاکم مقرر فرمایا،امیر معاویہ کے شروع زمانۂ امارت میں وفات پائی۔
۲؎ یعنی یہ نہایت ہولناک واقعات جب ہوں گے جب دنیا سے علم دین اٹھ گیا ہوگا۔
۳؎ یہاں قرآن پڑھنے پڑھانے سے مراد پورا علم سیکھنا سکھانا ہے یعنی جب تعلیم و تعلم کا مشغلہ قائم رہے گا تو علم کیونکر اٹھ جائے گا۔مصدر کے ہوتے حاصل مصدر کہاں جاسکتا ہے۔
۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ استاد اپنے شاگرد کو غیر مناسب سوال کرنے پر عتاب کرسکتا ہے یہ الفاظ کہ ہم تمہیں ایسا جانتے تھے اظہار عتاب کے لیئے ہوتے ہیں نہ کہ اپنی بے علمی کے اظہار کے لیئے جیسا کہ بعض ناسمجھ لوگوں نے اس حدیث سے حضور کے علم کا انکار کیا۔

۵؎ یعنی علم سے ہماری مراد نتیجہ علم ہے۔یعنی علم ہوگا عمل نہ ہوگا۔خیال رہے کہ عیسائیوں کے پادری اور جوگی رشوتیں لیکر عوام و اعمال سے معافی دے دیتے ہیں اور ان کے گناہ بخشتے رہتے ہیں توخود کیا نیکی کرتے ہوں گے،ہفتہ میں ایک دن گرجے میں گابجا لینا ان کے عمل ہیں۔

	ایسے ہی دارمی نے ابو امامہ سے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۱؎ میں وفات پانے والا ہوں علم عنقریب اٹھ جائے گا فتنے ظاہر ہوں گے حتی کہ دو شخص ایک فریضہ میں جھگڑیں گے ایسا کوئی نہ پائیں گے جو ان میں فیصلہ کردے ۲؎ اسے دارمی اور دارقطنی نے روایت کیا۔

۱؎ فرائض سے مراد اسلامی فرائض،روزے،نماز وغیرہ کے مسائل ہیں،یا علم میراث۔دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے اگرچہ علم اور قرآن میں یہ بھی آگیا تھا مگر زیادتی اہتمام کے لیئے خصوصیت سے اس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔

۲؎ یعنی ابھی تو تم کو آسانی ہے کہ ہرمسئلہ مجھ سے پوچھ لو،میرے بعدایک وقت دشواری پیش آئے گی کہ علماء اٹھ جائیں گے یہاں تک کہ اگر میت کی میراث بانٹنی ہوگی تو مفتی نہ ملے گا۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں دو سے مرادمیت کے دو وارث ہیں اورفریضہ سے مراد مسئلہ میراث اورہوسکتا ہے کہ فریضہ سے کوئی اور مسئلہ شرعی مراد ہو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانہ کی سی ہے جس سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے ۱؎ (احمد ودارمی)

۱؎ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ مثال ہے،یعنی جس علم سے نہ عالم نفع اٹھائے نہ دوسرے وہ اسی مال کی طرح ہے جس سے نہ مالک فائدہ اٹھائے نہ اور لوگ،جیسے وہ مال بیکار بلکہ مضر ایسے ہی یہ علم وبال۔

کتاب الطھارۃ

پاکی کی کتاب[۱]

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ طہارت کے معنی ہیں گندگی اور ناپاکی دور کرنا،گندگی روحانی بھی ہوتی ہے اور جسمانی بھی،لہذا طہارت بھی روحانی اور جسمانی ہے،ان دونوں طہارتوں کی بہت قسمیں ہیں کیونکہ گندگیاں بہت قسم کی ہیں۔طہارت جسمانی دو طرح کی ہے:طہارت حقیقی اور طہارتِ حکمی۔طہارت حقیقی:گندگیٔ حقیقی یعنی خبث کو دور کرنا،اور طہارت حکمی:حکمی گندگی یعنی حدث کو دور کرنا،اس باب میں انہی دو طہارتوں کا ذکر آئے گا۔

	روایت ہے حضرت ابو مالک اشعری سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاکی نصف ایمان ہے ۲؎ اور الحمدللہ ترازو بھر دے گی ۳؎ اور سبحان اللہ اور الحمدللہ آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں ۴؎ اور نماز روشنی ہے ۵؎ خیرات دلیل ہے ۶؎ صبر چمک ہے ۷؎ قرآن تیری یا تجھ پر حجۃ ہے ۸؎ ہر شخص صبح پاتا ہے تو اپنا نفس بیچتا ہے تو یا نفس کو آزاد کرتا ہے یا ہلاک ۹؎ مسلم نے روایت کی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں میں نے یہ روایت نہ مسلم و بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں نہ جامع میں لیکن اسے دارمی نے ذکر کیا اور سبحان اللہ کی بجائے الحمدللہ ذکر کیا ۱۰؎

۱؎ آپ صحابی ہیں،حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا ہیں،عہد فاروقی میں وفات پائی۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ طہور سے ظاہری پاکی اور ایمان سے عرفی ایمان مراد ہے۔چونکہ ایمان بھی گناہوں کو مٹاتا ہے اور وضوء بھی،لیکن ایمان چھوٹے بڑے سارے گناہ مٹا دیتا ہے اور وضوء صرف چھوٹے،اس لیے اسے آدھا ایمان فرمایا۔ایمان باطن کو عیبوں سے پاک فرماتا ہے اور وضو ظاہر کو گندگیوں سے،اور ظاہر باطن کا گویا نصف ہے یا ایمان دل کو برائیوں سے پاک اور خوبیوں سے آراستہ کرتا ہے اور طھارت جسم کو فقط گندگیوں سے پاک کرتی ہے،لہذا یہ نصف ہے اور ممکن ہے کہ ایمان سے مراد نماز ہو،رب فرماتا ہے:"لِیُضِیۡعَ اِیۡمٰنَکُمۡ"۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کی ساری شرطیں شرط طہارت کے برابر ہیں۔غرضکہ حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ایمان بسیط چیز ہے پھر اس کا آدھا اور تہائی کیسا ؟

۳؎ یعنی جو شخص ہر حال میں الحمدللہ کہا کرے تو قیامت میں میزانِ عمل کے نیکی کا پلہ اس سے بھر جائے گا اور ایک حمد تمام گناہوں پر بھاری ہوگی۔کیونکہ یہ ہیں ہمارے کام اور وہ ہے رب کا نام۔

۴؎ یعنی ان دوکلموں کا ثواب اگر دنیا میں پھیلایا جائے تو اتنا ہے کہ اس سے سارا جہان بھر جائے یا مطلب یہ ہے کہ سبحان اللہ میں اللہ کی بے عیبی کا اقرار ہے اورالحمدللہ میں اسی کے تمام کمالات کا اظہار۔اوریہ دو چیزیں وہ ہیں جن کے دلائل سے دنیا بھری ہوئی ہے کہ ہرذرہ اورہرقطرہ رب کی تسبیح وحمد کررہاہے۔

۵؎ یعنی نماز مسلمان کے دل کی،چہرے کی،قبر کی،قیامت کی روشنی ہے۔پل صراط پرسجدہ کا نشان بیٹری کا کام دے گا،رب فرماتاہے:"نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ"اور ممکن ہے کہ صلوٰۃ سے مراد درودشریف ہوکہ یہ بھی ہرطرح نورہے۔

۶؎ مؤمن کے ایمان کی،کہ منافق اور کافر کو صحیح خیرات کی توفیق نہیں ملتی،یا کل قیامت میں صدقہ محبتِ پروردگار کی دلیل اور بخشش کا کفیل بنے گا،کیونکہ اسے رب نے قرض فرمایا ہے:"مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ"۔خیال رہے کہ اس صدقہ میں زکوۃ،فطرہ وغیرہ تمام فرضی ونفلی خیراتیں داخل ہیں۔

۷؎ صبر کے لغوی معنے ہیں روکنا،یعنی نفس کوگناہوں سے روکنا،یا عبادت پر قائم رکھنا،یا مصیبتوں پر گھبراہٹ سے روکنا دل کا یا چہرے کا نور ہے۔خیال رہے کہ نور ہر روشنی کو کہا جاسکتا ہے ہلکی ہویاتیز،مگر ضیاء صرف تیزروشنی کو کہتے ہیں۔رب فرماتا ہے:"جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّ الۡقَمَرَ نُوۡرًا"چونکہ صبرہر عبادت میں ضروری ہےاس لیے نماز کو نور اور اسے ضیاءفرمایا گیا۔ہوسکتا ہے کہ صبرسے مراد روزہ ہو،چونکہ روزہ صرف اللہ کا ہےاسی لئےضیاء یعنی جگمگاہٹ فرمایا گیا۔

۸؎ کہ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو قیامت میں یہ تیرا گواہ اور تیرے ایمان کی دلیل ہوگا اور اگر اس کے خلاف عامل رہا توتیرے خلاف گواہ۔

۹؎ یعنی روزانہ صبح کے وقت ہر شخص اپنی زندگی کی دُکان کھولتا ہے،سانسیں صَرف کرکے اعمال کماتا ہے،اگراچھے اعمال میں سانسیں گزریں تو سودانفع کارہا،نفس جہنم سے بچ گیا۔ا ور اگر برے کام کیئے تو سودا گھاٹے کا رہا،نفس کو ہلاک کردیا۔نفس سے مراد ذات دل اور سانسیں سب کچھ ہوسکتے ہیں۔سبحان اللہ! اس افصح الفصحاءعرب کے قربان جاؤں کیسے جامع کلمات ارشاد فرمائے۔خیال رہے کہ ہم جیسے گنہگاروں کی دکانِ زندگی صبح کھل کرسوتے وقت بند ہوجاتی ہے،بعض وہ خوش نصیب بھی ہیں جن کی دکان کبھی بند ہی نہیں ہوتی،اور ان کا بازارکبھی سونا ہی نہیں ہوتا،سوتے میں بھی دکانداری کرتے ہیں،کیونکہ ان کا دل جاگتا ہے بلکہ بعد وفات بھی ان کے میلے لگے ہوئے ہیں۔

۱۰؎ یعنی یہ زیادتی ان میں سے کسی کتاب میں نہ ملی تو مصابیح میں بھی نہ ہونی چاہیئے تھی،کیونکہ فصل اول میں صحیحین کی روایات آتی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطائیں مٹا دے درجے بلند کردے

	۱؎لوگوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ۲؎فرمایا وضوء پورا کرنا مشقتوں میں ۳؎مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا ۴؎نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا ۵؎یہ ہے سرحد کی حفاظت ۶؎

۱؎خطاؤں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں نہ کبیرہ نہ حقوق العباد۔محو سے مراد ہے بخش دینایانامۂ اعمال سے ایسا مٹا دینا کہ اس کا نشان باقی نہ رہے۔درجوں سے مراد جنت کے درجے ہیں یا دنیا میں ایمان کے درجے۔

۲؎یہ سوال و جواب اس لیئے ہے کہ تاکہ اگلا فرمان غور سے سنا جائے ورنہ حضور کی تبلیغ ان کی عرض پر موقوف نہیں۔

۳؎پورے کرنے سے اعضائے وضوکامل دھونا،اورتین بار دھونا،اور وضو کی سنتوں کا پورا کرنا ہے۔مشقت سے مرادسردی،یا بیماری،یا پانی کی گرانی کا زمانہ ہے،یعنی جب وضو مکمل کرنا بھاری ہو تب مکمل کرنا۔

۴؎یا اسی لئے کہ گھرمسجد سے دور ہو یا قدم قریب قریب ڈالے۔مطلب یہ کہ ہر وقت نمازمسجد میں پڑھنا،نماز کے علاوہ وعظ وغیرہ کے لئے بھی مسجد میں حاضری دینا موجب ثواب ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ قریب کی مسجد چھوڑکر دور جاکر نماز پڑھے۔

۵؎یعنی ایک وقت کی پڑھ کر دوسری نماز کا منتظر رہنا،خواہ مسجد میں بیٹھ کر،یا اس طرح کہ جسم گھر میں،یا دکان میں ہواورکان اذان کی طرف اور دل مسجدمیں لگا ہو۔

۶؎ رباط کے لغوی معنی ہیں گھوڑاپالنا۔اصطلاح میں جہاد کی تیاری یا سرحدِاسلام پررہ کر کفار کے مقابلے میں ڈٹا رہنا رُبَاط ہے۔رباط بڑی عبادت ہے،رب فرماتا ہے:"وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا"حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے مقابل مورچے سنبھالنا ظاہری رباط ہے اور مذکورہ بالا اعمال باطنی رباط یعنی نفس شیطان کے مقابل حدودایمان کی حفاظت۔

	اور مالک ابن انس کی حدیث میں ہے کہ یہ سرحد کی حفاظت،یہ ہے سرحد کی حفاظت دوبارا سے مسلم نے روایت کیا ترمذی کی روایت میں تین بار ہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضو کرے تو اچھا وضوکرے اس کی خطائیں اس کے جسم سے نکل جاتی ہیں،تاآنکہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎یہاں اچھے وضوءسے مرادسنتوں اورمستحبات کے ساتھ وضوءکرنا ہے اور خطاؤں سے گناہ صغیرہ کیونکہ گناہ کبیرہ توبہ کے بغیر اور حقوق العباد صاحب حق کی معافی کے بغیر معاف نہیں ہوتے یعنی جو شخص اچھا وضوء کیا کرے تو اس کے سارے اعضاء کے گناہ اس پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔

لطیفہ: ہم گنہگاروں کے وضوء کا غسالہ ماءِ مستعمل ہے جس سے دوبارہ وضو نہیں ہوسکتا اور اس کا پینا مکروہ،کیونکہ یہ ہمارے گناہ لے کر نکل جاتا ہے،مگر حضور کے وضوء کا غسالہ بلکہ پاؤں شریف کا دھوون متبرک ہے،کیونکہ وہ اعضاء طیبہ میں سے نور لے کر نکلا ہے،ہمارا غسالہ بہت سی بیماریاں خصوصًا مرگی پیدا کرتا ہے۔حضور کا غسالہ بیماریاں دور کرتا ہے،رب فرماتاہے:"اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ "آب زمزم حضرت اسمٰعیل کے پاؤں کا گویا دھوون ہے جس میں ہمارے حضور کی کُلی پڑی ہوئی ہے ہم سب کے لیئے شفا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مسلمان بندہ یا مؤمن وضو کرنے لگتا ہے اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جدھر آنکھوں سے دیکھا ہو پانی یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ ۱؎ پھر جب اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے وہ ہر خطا نکل جاتی ہے جسے اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی یا پانی کی آخری بوند کے ساتھ ۲؎ پھر جب اپنے پاؤں دھوتاہے تو ہروہ خطا نکل جاتی ہے جدھر اس کے پاؤں چلے پانی یاپانی کے آخری قطرہ کے ساتھ حتی کہ گناہوں سے پاک و صاف نکل جاتاہے ۳؎(مسلم)

۱؎ اگرچہ انسان کان،ناک،منہ سب سے گناہ کرتا ہے مگر زیادہ گناہ آنکھ سے ہوتے ہیں۔جیسے اجنبی عورت یا غیر کا مال ناجائز نگاہ سے دیکھنااسی لئے صرف آنکھ کا ذکر فرمایاورنہ ان شاءاللہ چہرے کے ہر عضو کے گناہ منہ دھوتے ہی معاف ہوجاتے ہیں۔

۲؎ جیسے نامحرم کو چھولینا یا غیر کی چیز بلا اجازت ٹٹولنا کہ یہ سب گناہ صغیرہ ہیں۔

۳؎ چلنے سے مراد ناجائز مقام پر جانا ہے۔خیال رہے کہ یہاں صرف ان اعضاء کے گناہوں کی ہی معافی مراد نہیں بلکہ سارے گناہ مراد ہیں حتی کہ دل و دماغ کے بھی گناہ،ان اعضاء کا ذکر اس لیئے ہے کہ زیادہ گناہ انہیں سے صادر ہوتے ہیں،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث حضرت عثمان کے خلاف نہیں اور ہوسکتا ہے کہ پہلی حدیث میں وضو کامل کا ذکر تھا جس سے سارے سنن و مستحبات ادا کیئے جائیں وہ تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے اور یہاں وہ وضو مراد ہے جو اتنا کامل نہ ہو اس سے صرف ان اعضاء کے گناہ ہی معاف ہوں گے،لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں کہ جس پر فرض نماز آئے ۱؎ تو اس کا وضو وخشوع ورکوع اچھی طرح کرے ۲؎ مگر یہ اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ

ہوجاتا ہے،جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ ہو۳ یہ ہمیشہ ہی ہوتا ہے۴ (مسلم)	

۱؎ یعنی نماز پنجگانہ اور جمعہ۔خیال رہے کہ فرض کا ذکر احترازی نہیں،کیونکہ نماز تہجد و اشراق وعیدین کے وضو کا بھی یہی حال ہے۔چونکہ اکثر وضو نماز پنجگانہ کے لیئے ہی ہوتے ہیں اس لیئے ان کا ہی ذکر فرمایا،نیز اگر کوئی وقت سے پہلے وضو کرے تب بھی یہی ثواب ہوگا۔

۲؎ نماز کا خشوع یہ ہے کہ اس کا ہر رکن صحیح ادا کرے،دل میں عاجزی اور خوف خدا ہو،نگاہ اپنے ٹھکانے پر رہے کہ قیام میں سجدہ گاہ،رکوع میں پاؤں کی پشت،سجدہ میں ناک کے نتھنے اور قعدہ میں گود میں رہے۔خشوع نماز کی روح ہے،رب فرماتاہے:"هُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ"صرف رکوع کا اسی لئے ذکر فرمایا کہ یہ سجدہ کا پیش خیمہ ہے اور بمقابلۂ سجدہ کے اس میں مشقت زیادہ ہے،نیز یہ مسلمانوں کی نمازوں کا خاصہ ہے،یہودونصاریٰ کی نمازوں میں نہ تھا،اس کے ملنے سے رکعت مل جاتی ہے،نیز رکوع مستقل عبادت نہیں،صرف نماز ہی میں عبادت ہے اور سجدہ نماز کے علاوہ بھی عبادت ہے۔جیسے سجدۂ شکر،سجدۂ تلاوت وغیرہ۔

۳؎ یعنی اس سے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے صرف صغیرہ معاف ہوتے ہیں،لہذا یہ حدیث گزشتہ احادیث کی تفسیر ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ کبیرہ والے کے صغیرہ بھی معاف نہیں ہوتے۔(لمعات)

۴؎ یعنی یہ ثواب کسی خاص نماز کا نہیں بلکہ عمر میں ہر نماز کا ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ آنجناب نے وضو کیا تو ہاتھوں پر تین بار پانی بہایا پھر کلی کی ناک میں پانی لیا۱ پھر تین بارچہرہ دھویا پھر کہنی تک داہنا ہاتھ تین بار پھر بایاں ہاتھ تین باردھویا کہنی تک پھر سر کا مسح کیا ۲ پھر داہنا پھر بایاں پاؤں تین تین بار دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے میرے وضو کی طرح وضو کیا۳ پھر فرمایا جو میری طرح وضوءکرے پھر دو نفل پڑھ لے جن میں اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے تو اس کے پچھلے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۴ (مسلم،بخاری)اور لفظ بخاری کے ہیں۔	

۱؎ اس طرح کہ پہلے تین کلیاں کرلیں،پھر تین بار ناک میں پانی لےکر صاف کی جیسے کہ اور اعضاء کی ترتیب میں ہے،لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔شافعی لوگ ایک چلو کے آدھے سے کلی اور آدھے سے ناک میں پانی لیتے ہیں یعنی ان کے ہاں فرد فرد کے پیچھے ہے ہمارے ہاں نوع نوع سے پیچھے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ہاتھ مع کہنی دھونے چاہئیں۔دوسرے یہ کہ سر کا مسح صرف ایک بارہوکیونکہ دھونے میں تین کا ذکر ہے مسح میں نہیں،نیز اگرمسح تین بار کیا جائے تو وہ دھونا ہوجائے گا،یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔شوافع کے یہاں مسح بھی تین بار ہوگا،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔
۳؎ چونکہ حضرت عثمان غنی کا وضو ان لوگوں کے سامنے تھا اورحضور کا وضو ان لوگوں سے مخفی اسی لئےآپ نے اس طرح فرمایا۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عثمان کا وضو حضور کے وضو کی مثل تھانہ کہ حضور کا وضو آپ کے وضو کی مثل۔
۴؎ یعنی وضو کے بعد دو نفل **تحیۃ الوضو** پڑھے جب کہ نفل مکروہ نہ ہوں اور اگر نفل مکروہ ہوں جیسے فجر اور مغرب کا وضو،تو وضو کے بعد فرض نماز میں **تحیۃ الوضو** اور **تحیۃ المسجد** کا بھی ثواب مل جائے گا۔(مرقاۃ)**لَایُحَدِّث** فرماکر یہ بتایا کہ عمدًا اور طرف خیال نہ دوڑائے،بلا قصد خطرات معاف ہیں۔جیسا کہ لمعات اور مرقاۃ میں ہے،بشرطیکہ دفع کی کوشش کرتا رہے۔گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہیں اور بے گناہ لوگوں کے درجے بلند ہوتے ہیں،کیونکہ جو کام گنہگاروں کے لئے معافی کا ذریعہ ہے وہ نیک کاروں کی ترقی کا سبب۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو وضو کرے تو اچھا کرے پھر کھڑے ہوکردونفل دل اور منہ سے متوجہ ہوکر پڑھے ۲؎ مگر اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے ۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،آپ امیرمعاویہ کی طرف سے حاکم مصر تھے اپنے بھائی عتبہ ابن ابی سفیان کے بعد،پھر اگرچہ معزول کردیئے گئے مگر مصر میں ہی قیام رہا، ۵۸ھ میں وہیں وفات ہوئی۔
۲؎ یعنی ظاہروباطن یکسو کرکے کہ نہ جسم سے کھیلے،نہ ادھر ادھر دیکھے،نہ دل کو اورطرف لگائے۔
۳؎ رب کے فضل وکرم سے اس طرح کہ دنیا میں اسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے،مرتے وقت ایمان پر قائم رہتا ہے،قبروحشر میں آسانی سے پاس ہوتا ہے۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف وضوکرلینے اور **تحیۃ الوضوء** کے دونفل پڑھ لینے سے جنتی ہوگیا اب کسی عمل کی ضرورت نہ رہی اس قسم کی احادیث کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرابن خطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں ایسا کوئی نہیں جو وضوکرے تو مبالغہ کرے یا پورا وضو کرے ۱؎ پھر کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقینًا محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودنہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں اور محمداس کے بندے اور رسول ہیں ۲؎ مگر اس

	کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھولے جائیں گے کہ جس سے چاہے گھسے۳؎ ایسے ہی مسلم نے اپنی صحیح میں اور حمیدی نے افراد مسلم میں روایت کی یوں ہی ابن اثیر نے جامع الاصول اور شیخ محی الدین نووی نے ۴؎ حدیث مسلم کے آخر میں ہماری روایت کے مطابق اور ترمذی نے یہ اور زیادہ فرمایا کہ خدایا مجھ توبہ والوں سے بنا اور مجھے خوب ستھروں سے کر ۵؎ اور جو حدیث محی السنہ نے صحاح میں روایت کی کہ جس نے وضوء کیا تو اچھا کیا الخ اسے ترمذی نے اپنی جامع میں اسی طرح روایت کیا سوا کلمہ اَشْھَدُ کے اَنَّ مُحمدًا سے پہلے۶؎

۱؎ مبالغہ سے مراد ہے کہ اس کی خوبیوں کو انتہاء پر پہنچادے،پورا کرنے سے مراد ہے کہ پورے اعضاء دھوئے،بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔مِنْکُمْ فرماکر اشارہ فرمایا کہ سارے نیک اعمال مسلمانوں کو مفید ہیں،گمراہوں،بے دینوں کو نہیں،دوائیں زندہ کو فائدہ پہنچاتی ہیں نہ کہ مُردوں کو۔

۲؎ یعنی ہر وضو کے بعد دوسراکلمہ پڑھ لیا کرے،بعض روایات میں ہے کہ"اِنَّآ اَنْزَلْنَا"پڑھے،بعض میں ہے کہ یہ دعا پڑھے"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ"۔بہتر یہ ہے کہ یہ سب کچھ پڑھ لیا کرے تو ان شاءاللہ ان کی برکت سے جسمانی طہارت کے ساتھ روحانی صفائی بھی نصیب ہوگی،مرقاۃ نے فرمایا کہ بعد غسل بھی یہ دعائیں اوراستغفار پڑھنا مستحب ہے۔

۳؎ یعنی اس عمل کی برکت سے اللہ تعالٰی اس کا حشر ابوبکرصدیق کے غلاموں میں فرمائے گا کہ وہ ان سرکار کے ساتھ جنت میں جائے گا اور جیسے انہیں ہر دروازہ سے پکارا جائے گا کہ ادھر سے آؤ ایسے ہی ان کے صدقے میں اسے بھی لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ آٹھوں دروازے کھلنا حضرت صدیق اکبر کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ ان کے فضائل میں آئے گا کیونکہ ان کا یہ داخلہ ان کے صدقے سے ہے۔خیال رہے کہ اگرچہ ہر جنتی داخل ایک ہی دروازہ سے ہوگا مگر ہر دروازہ سے پکاراجانا اس کی عزت افزائی کے لئے ہے۔

۴؎ محی الدین محمد ابن زکریا نووی شارح مسلم،نوادمشق کے پاس ایک گاؤں ہے اس کیطرف آپ منسوب ہیں کیونکہ آپ وہاں کے باشندے ہیں۔

۵؎ خیال رہے کہ توّاب وہ ہے جو ہمیشہ ہر حال میں توبہ کرے،گناہ کرکے بھی اور بغیر گناہ کئے بھی کبھی رب کے دروازے سے نہ ہٹے،نہ مایوس ہو۔تائب وہ جو ایک آدھ بار توبہ کرے۔یونہی مُتَطَھِّرْ وہ جو ہر ظاہری و باطنی گندگی سے اپنے آپ کو

پاک کرے۔طاہر وہ جو صرف ظاہری گندگی سے پاک ہو بارگاہ الٰہی میں **توّاب** اور **متطہر** کی قدر ہے،رب فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوّٰبِيۡنَ "اور فرماتا ہے:"وَيُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ"۔

۶؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ اس نے فصل اول میں وہ حدیث بیان کی جو مسلم و بخاری میں نہیں صرف ترمذی میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت قیامت کے دن پنج کلیان بلائی جائے گی آثار وضو سے ۱؎ تو جو اپنی چمک دمک دراز کرسکے تو کرے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ پنج کلیان وہ سرخ یا سیاہ گھوڑا ہے جس کے چاروں ہاتھ،پاؤں اور پیشانی سفید ہوں یہ بہت قیمتی خوب صورت اور طاقتور ہوتا ہے۔امت سے مراد سارے نمازی مسلمان ہیں کہ قیامت میں انکا چہرہ اور ہاتھ،پاؤں آثارِ وضوء سے چمکتے ہوں گے۔خیال رہے کہ اگرچہ پچھلی امتوں نے بھی وضوء کیا مگر یہ نور صرف امت محمدی پر ہوگا،نیز جو صحابہ نماز کی فرضیت سے پہلے وفات پا گئے،یااب مسلمانوں کے چھوٹے بچے،یااسلام قبول کرتے ہی فوت ہوجانے والے لوگ جنہیں نماز اور وضو کا وقت ہی نہ ملا ان پر بھی ان شاء اللہ یہ آثارِ وضوء ہوں گے کیونکہ وہ نمازیوں کے گروہ سے تو ہیں۔ہاں بے نمازی،فساق جنہوں نے بلاوجہ نماز نہ پڑھنے کی عادت ڈال لی وہ سزاءً اس سے محروم ہوں گے۔خیال رہے کہ حضور کا اپنی امت کو پہچاننا اس نور پر موقوف نہ ہوگا کیونکہ آپ نیک کارنورانیوں کو بھی پہچانیں گے اور گنہگار ظلمانیوں کو بھی۔

۲؎ غالبًا یہ آخری جملہ سیدنا ابوہریرہ کا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اعضائے وضوء حدمفروض سے زیادہ دھوئے تاکہ روشنی اور چمک لمبی ہو اور ممکن ہے کہ سرکار کا فرمان ہو۔مطلب یہ ہے اعضائے وضوء حد سے کم نہ دھوؤ،زیادہ کچھ دھل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔خیال رہے کہ **غرّہ** چہرے کی سفیدی کو کہتے ہیں اور **تحجیل** ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو۔چونکہ اکثر لوگ چہرہ دھونے میں بے احتیاطی کرتے ہیں کہ کنپٹی وغیرہ خشک رہ جاتی ہے لہذا اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ مؤمن کا زیوروہاں تک ہی پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچے ۱؎(مسلم)

۱؎ حِلْیَہُ ح کے کسرہ سے،بمعنی رونق وحسن ہے اور ح کے زبر سے بمعنی زیور۔حدیث میں دونوں قرأتیں ہیں،وضوء واؤ کے پیش سے اس ہی مشہوروضوء کو کہتے ہیں اور واؤ کے زبر سے وضوء کا پانی۔یہاں واؤ کے زبر سے ہے یعنی جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک نوراوررونق وزینت ہوگی یا وہاں تک زیور پہنایا جائے گا۔دنیا میں مسلمان مرد کو زیور پہننا حرام تاکہ وہ جہاد کی شجاعت نہ کھو بیٹھے جنت میں زیوروہاں کی نعمتوں میں سے ہوگا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ثوبان سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سیدھے رہو مگر تم یہ کر نہ سکوگے ۲؎ اور جان رکھو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے ۳؎ اور وضوء کی حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے ۴؎ اسے مالک،احمد،ابن ماجہ،اور دارمی نے روایت کیا۔

۱؎ آپ کا نام ثوبان ابن بُجْدَدْ،کنیت ابو عبداللہ ہے، حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں،ہمیشہ سفر وحضر میں حضور کے ساتھ رہے، حضور کے بعد اولًا شام میں، پھر حمص میں قیام فرمایا، ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی عقائد، عبادات اور معاملات میں ٹھیک رہو ادھر ادھر نہ بہکو،لیکن پوری درستی طاقت انسانی سے باہر ہے۔لہذا بقدر طاقت درست رہو اور کوتاہیوں کی معافی چاہتے رہو، یا یہ مطلب ہے کہ استقامت کا ثواب تم شمار نہ کرسکو گے۔اِحْصَاء بمعنے کنکریوں پر گننا، تھوڑی چیز پوروں پر اور زیادہ چیز کنکروں پر گنی جاتی ہے،جو کنکر پر بھی نہ گنی جائے وہ شمار سے باہر ہوتی ہے۔

۳؎ کیونکہ اسلام میں سب سے پہلے نماز ہی فرض ہوئی،سارے اعمال فرش پر آئے مگر نماز عرش پر بلا کردی گئی،جس نے نماز درست کرلی ان شاءاللہ اس کے سارے اعمال درست ہوجائیں گے،نیز نماز بہت سی عبادات کا مجموعہ اور سارے گناہوں سے بچانے والی ہے کہ بحالت نماز جھوٹ،غیبت وغیرہ کچھ نہیں ہوسکتی۔

۴؎ یعنی ہمیشہ باوضو رہنایاہمیشہ صحیح وضو کرنا کامل مؤمن کی پہچان ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاکی پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۱؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی جس کا پچھلی نماز کا وضو ہو اور پھر اگلی نماز کے لئے وضو کرے تو یہ وضو بیکاروعبث نہیں ہے،بلکہ اس پر بہت ثواب ہے۔خیال رہے کہ وضو پر وضومستحب ہے جب کہ پہلے وضو کے بعد نماز یا ایسی عبادت کرلی گئی ہو جو وضوء پر موقوف ہو،ورنہ باربار وضوء کیے جانا مکروہ اور پانی کا اسراف ہے۔لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں اورنہ فقہ کا مسئلہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی پاکی ۱؎ (احمد)

۱؎ یعنی جنت کے درجات کی چابی نماز ہے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ جنت کی چابی کلمۂ طیبہ ہے کہ وہاں نفس جنت کی چابی مراد ہے،اگرچہ نماز کی شرائط بہت ہیں وقت، قبلہ کو منہ ہونا وغیرہ،لیکن طہارت بہت اہم ہے اسی لئے اسے نماز کی چابی فرمایا گیا۔

	روایت ہے شبیب ابن ابی روح سے ۱؎ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے راوی ۲؎ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھی سورۂ روم کی قرأت کی تو آپ کو تشابہ لگ گیا جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔طہارت اچھی طرح نہیں کرتے ۳؎ ہم پر یہ ہی لوگ قرآن مشتبہ کردیتے ہیں ۴؎ (نسائی)

۱؎ آپ تابعین سے ہیں،حمص کے رہنے والے،آپ کے والد کا نام نعیم،کنیت ابو روح ہے،نہ خود صحابی ہیں نہ والد۔

۲؎ چونکہ تمام صحابہ پرہیز گار اور عادل ہیں کوئی فاسق نہیں اسی لئے اس طرح روایت جائز ہے۔صحابہ کے علاوہ اور راوی کا نام لینا ضروری ہے ورنہ حدیث مجروح ہوگی،کیونکہ نامعلوم وہ شخص فاسق ہے یا عادل۔غالبًا یہ صحابی اَغَرّغِفَارِی ہیں۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی وضوءوغسل کی سنتیں و مستحبات پورے ادا نہیں کرتے کیونکہ وضوء میں واجب کوئی نہیں۔

۴؎ یعنی ان کی کوتاہی کا اثر ہم پر یہ پڑتاہے کہ تلاوت میں لقمہ لگ جاتا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حضور جیسی ہستی کی نماز پر ناقص الوضو کی صحبت کا اثر ہوجاتا ہے۔تو افسوس ان لوگوں پر جو بدکاروں اور بے دینوں کی صحبت میں رہیں یقینًا انکا ایمان بھی برا اثر لے گا یہ بیماری اڑکر لگتی ہے۔

	روایت ہے بنی سُلیم کے ایک صاحب سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے یا اپنے ہاتھ یہ چیزیں گنائیں فرمایا تسبیح آدھی ترازو ہے اور الحمدللہ اسے بھردے گی ۲؎ اور تکبیر آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتی ہے اور روزہ آدھا صبر ہے ۳؎ اور پاکی آدھا ایمان ہے اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎ ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ سارے صحابہ عادل ہیں۔لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

۲؎ اس کی شرح گزر چکی کہ نیکیوں کا پلہ ان دوکلموں کے ثواب سے بھر جائے گا اس لیئے کہ تسبیح میں اللہ کی بے عیبی کا اقرار ہے اور حمد میں اس کے صفات کمالیہ کا اظہار۔

۳؎ کیونکہ حلق اور شرمگاہ کو روزہ روکتا ہے باقی اعضاء کو دوسرا صبر،یا ظاہری گناہ سے روزہ روکتا ہے،باطنی گناہوں سے دوسرا صبر یا ایمان طاعت پھر اور گناہوں سے صبر کراتا ہے جس کا سبب نفس کی شہوت ہے اور روزے سے ٹوٹتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کے صبر ایک جانب اور روزہ ایک جانب۔

	روایت ہے عبداللہ صنابحی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندۂ مؤمن جب وضو کرنے

	لگے تو خطائیں اس کے منہ سے نکل جاتی ہیں۲ اور جب ناک میں پانی لے تو خطائیں اس کے ناک سے نکل جاتی ہیں اور جب اپنا منہ دھوئے خطائیں اس کے چہرے سے نکل جاتی ہیں۳ حتی کہ اس کی آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے نکلتی ہیں،اور جب اپنے ہاتھ دھوئے تو خطائیں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں حتی کہ ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرے تو خطائیں اس کے سر سے نکل جاتی ہیں حتی کہ اس کے کانوں سے نکل جاتی ہیں۴ پھر جب پاؤں دھوئے تو خطائیں اس کے پاؤں سے نکل جاتی ہیں حتی کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں۵ پھر اس کا مسجد کی طرف جانا اور نماز پڑھنا زیادتی ہوتی ہے۶(مالک ونسائی)

۱ حق یہ ہے کہ آپ کا نام عبدالرحمٰن ابن عسیلہ ہے،کنیت ابوعبداللہ،قبیلہ صنابح سے ہیں،جو قبیلہ مراد کا ایک ٹولہ ہے۔آپ تابعی ہیں صحابی نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ہجرت کرکے مدینہ پاک کی طرف چلے مقام جحفہ پہنچے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف واقع ہوگئی،ابوبکر صدیق سے ملاقات ہوئی۔لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ صحابی کا نام رہ گیا۔

۲ یعنی زبان سے جو غیبت،جھوٹ وغیرہ گناہ صغیر ہوئے تھے وہ کلی کی برکت سے معاف ہوجاتے ہیں۔مؤمن کی قید اس لیے ہے کہ کافر کے وضو کی یہ تاثیر نہیں،ہاں اگر ایمان لانے کے لئے وضو کرے تو شاید مذکورہ فائدہ اسے بھی حاصل ہوجائے۔وضو کو مطلق فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر وضو کا یہ فائدہ ہے نماز کے لئے ہویااورعبادت کے لیے۔

۳ یعنی ناک میں پانی لینے کی برکت سے ناک یا دماغ کے گناہ جھڑ جاتے ہیں،جیسے ناجائز خوشبو سونگھنا اور دماغ میں گندے خیالات رکھنا۔خیال رہے کہ یہاں بھی گناہ صغائر ہی مراد ہیں اور چہرے کے دھونے سے آنکھ کے گناہ جھڑتے ہیں،جیسے ناجائز چیزوں کو دیکھنا یا ناجائز اشارے بازیاں۔

۴ اس سے معلوم ہوا کہ کانوں کا شمار سر میں ہے نہ کہ چہرے میں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا،لہٰذا نہ تو کانوں کو چہرے کے ساتھ دھویا جائے گا اور نہ علیحدہ پانی سے اس کا مسح ہوگا بلکہ مسح سر کی تری سے ہی ان کا مسح بھی کیا جائے گا،یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے،یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔

۵ یعنی جو قدم ناجائز جگہ پر جانے میں پڑے ان کا گناہ اس کی برکت سے معاف ہوجاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ پیر کا دھونا فرض ہے نہ کہ اس کا مسح جیسا کہ روافض نے سمجھا۔

٦؎ یعنی گناہوں سے معافی تو وضو میں ہوچکی اب یہ اعمال معافی گناہ پر زائد ہیں جن سے درجے بلند ہوتے ہیں،یہاں نفل لغوی معنے میں ہے فرماتا ہے:"وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً"۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے تو فرمایا اے مؤمن قوم کی جماعت تم پر سلام ہو ۱؎ ان شاءاللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں ۲؎ مجھے یہ تمنا ہے کہ اپنے بھائیوں کو دیکھتا ۳؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں فرمایا تم میرے ساتھی دوست ہو،ہمارے بھائی وہ ہیں جو اب تک آئے نہیں ۴؎ لوگوں نے عرض کیا،کیا آپ کے جو امتی اب تک نہیں آئے انہیں حضور کیسے پہچانیں گے؟۵؎ فرمایا بتاؤ تو اگر کسی شخص کے گھوڑے پنج کلیان ہوں اور وہ نہایت سیاہ گھوڑوں میں مخلوط ہوگئے ہوں کیا یہ اپنے گھوڑے نہ پہچان لے گا ؟٦؎ بولے ہاں یارسول اللہ!فرمایا وہ آثار وضو سے پنج کلیان آئیں گے اور میں حوض پر ان کا پیش رَو ہوں گا۷؎	

۱؎ مقبرہ سے مراد مدینہ منورہ کا قبرستان جنت البقیع ہے،جہاں حضور زیارت قبور کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔دَار کے معنی گھر اور حویلی ہیں،اھل پوشیدہ ہے یعنی گھر والے۔مرقاۃ نے فرمایا عوام کی قبور پر پہنچ کر سلام کرنا سنت ہے،کیونکہ مردے زائرین کو دیکھتے ہیں،پہچانتے ہیں،اس کے کلام وسلام کو سنتے اور سمجھتے ہیں،کیونکہ نہ سننے والے اور نہ جواب دے سکنے والے کو سلام کرنا منع ہے،رب فرماتا ہے:"وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ" الایۃ۔اس سے معلوم ہوا کہ مردوں اورزندوں کوسلام یکساں کیا جائے یعنی اس طرح کہ سلام پہلے علیکم بعد میں،وہ جو حدیث میں ہے کہ علیکم السلام مردوں کا سلام ہے،اس سے مراد یہ ہے کہ جب مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تب یہ سلام کرتے ہیں لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی عنقریب وفات پا کر تم سے ملاقات کریں گے۔ان شاءاللہ برکت کے لیے فرمایا ورنہ موت تو یقینی ہے یاایمان پر خاتمہ اورکسی خاص جگہ مرنا ہم لوگوں کے لیے مشکوک ہے۔یعنی اگر اللہ نے چاہا تو ہم ایمان پر مرکر مؤمنوں سے ملیں گے۔یہ سب کچھ امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

۳؎ یعنی آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں سے حیات ظاہری میں ملاقات کرتا،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کو دیکھ رہے ہیں ان کو اپنا بھائی فرمانا انتہائی کرم کریمانہ ہے،امت کو یہ جائز نہیں کہ حضور کو اپنا بھائی کہے۔بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا

ہے کہ میں آپ کا بھائی اور خادم ہوں لیکن اگر رعایا اسے خادم کہہ کر پکارے سزا پائے گی۔رب فرماتا ہے:"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ"اَلآیۃ۔

۴؎یعنی تم بھائی بھی ہواور صحابی بھی اورجولوگ مسلمان آیندہ آنے والے ہیں وہ صرف بھائی ہوں گے صحابی نہ ہوں گے۔خیال رہے کہ بھائی ہونا ظاہری لحاظ سے ہے رشتۂ ایمانی کی بنا پر،ورنہ حضورامت کے لئے روحانی والدہیں،اوران کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں نہ کہ بھاوجیں،رشتۂ ایمانی سے سگاباپ اور داد ا اسلامی بھائی ہیں،اور حقیقی ماں اوربیوی اسلامی بہنیں،مگر اس رشتہ کی بنا پر ان لوگوں کو نہ بھائی بہن کہا جاتا ہے،اور نہ ان پر بھائی بہن کے احکام مرتب،حتی کہ اگر بیوی کو بہن سے تشبیہ بھی دے تو ظہار ہوجاتا ہے،جس کی سزا میں ساٹھ روزے کفارہ واجب ہے۔تو جو حضور کو بھائی کہے اور سمجھے وہ بھی سخت سزا کا مستحق ہے۔

۵؎صحابہ کا یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کی بنا پر نہیں،ذریعۂ علم کے متعلق ہے،یعنی جن مسلمانوں کو دنیا میں آپ نے زندگی شریف میں ظاہری نگاہ سے نہیں دیکھا انہیں کل قیامت میں کیسے پہچانیں گےاور کیسے شفاعت کریں گے،محض نورنبوت یا وحی سے کچھ ان میں علامتیں بھی ہوں گی جن سے ہم بھی پہچان سکیں ورنہ صحابہ کا تو یہ عقیدہ تھا کہ حضور کو اپنی ساری امت کے کھلے چھپے ایک ایک عمل کی خبر ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھانے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کی امت میں کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہیں؟فرمایا ہاں عمر کی،یہ سوال و جواب علیم وخبیرسے ہی ہوسکتے ہیں۔

۶؎سبحان اللہ! کیا نفیس تمثیل ہے کہ جیسے پنج کلیان گھوڑا کالے گھوڑوں میں نہیں چھپتا ایسے ہی میری امت دیگر امتوں میں نہیں چھپے گی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ پچھلی امتوں کے سارے مؤمن سیاہ روہونگے،سیاہ روئی تو صرف کفار کے لیےہے۔مطلب یہ ہے کہ آثار وضوء کی خاص چمک صرف امت مصطفوی پر ہوگی۔

۷؎حوض سے مراد حوض کوثر ہے جو ہمارے حضور کا ہے،اور نبیوں کے بھی حوض ہوں گے مگر کوثر کسی کا بھی نہیں۔**فرط** اسے کہتے ہیں جو آگے پہنچ کر انتظام فرمائے۔مطلب یہ ہے کہ کوثر پر ہم تم سے پہلے پہنچ کر تمہارا انتظام اورانتظار فرمائیں گے،تمہیں اپنے انتظام سے پانی پلائیں گے۔حوض کی پوری تحقیق انشاء اللہ "باب حوض"میں آئے گی۔

	روایت ہے حضرت ابودرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں پہلا وہ ہوں جسے قیامت کے دن سجدے کی اجازت ملے گی اور میں ہی پہلا وہ ہوں جسے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی۱؎ تو اپنے سامنے بھیڑ دیکھوں گاتو تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور میرے پیچھے بھی اسی طرح اور میرے داہنے بھی اسی طرح اور میرے بائیں بھی اسی طرح ہوں گے۲؎ تب ایک صاحب نے عرض کیا کہ یارسول

	اللہ!آپ نوح علیہ السلام سے اپنی امت تک کی اتنی امتوں میں اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟۳؎ فرمایا وہ آثار وضو سے پنج کلیاں ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا۴؎ اور انہیں یوں پہچانوں گا کہ ان کی کتابیں ان کے داہنے ہاتھ میں ہوں گی۵؎ اور ایسے پہچانوں گا کہ انکے بچے ان کے آگے دوڑتے ہوں گے۶؎ (احمد)

۱؎ یہ سجدہ عبادت کا نہ ہوگا بلکہ شفاعت کبریٰ کی اجازت کا ہوگا،یہ وہ وقت ہوگا جب سارے انبیاء نفسی نفسی کہہ کر جواب دے چکے ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا دروازہ کھولیں گے۔اس کی پوری تحقیق ان شاءاللہ "باب الشفاعة" میں کی جائے گی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ چونکہ اللہ نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا اس لئے وہاں بھی پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے ہر جگہ اولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔یہ سجدہ ایک ہفتہ رہے گا۔جس میں حضور خدا کی ایسی حمد کریں گے جو کبھی کسی نے نہ کی ہوگی۔اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف احمد ہے۔

۲؎ یعنی از آدم تا قیامت ساری خلقت حضور کو ایسے گھیرے ہوگی جیسے دولہا کو براتی،کیوں نہ ہو کہ سب کا فیصلہ آج کے دن حضور کی جنبش لب پر ہوگا،ہر آنکھ ان کا منہ تکے گی،ہر سر ان کی طرف جھکے گا،حضور کی جو شان ظاہر ہوگی وہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگی۔اس بھیڑ میں سارے نبی بھی ہوں گے اور ان کے امتی بھی۔

۳؎ یعنی اتنی امتوں کی بھیڑ میں آپ کی امت کی پہچان کیا ہوگی۔نوح علیہ السلام کا ذکر صرف ان کی شہرت کی بنا پر ہے ورنہ ان سے پہلے نبی مع امتوں کے وہاں موجود ہوں گے یا ان سب سے پہلے کفار کو تبلیغ نوح علیہ السلام نے ہی کی۔

۴؎ یعنی اگرچہ وضو ساری امتوں نے کئے تھے لیکن اس کا یہ نور صرف اس امت کے لئے ہوگا۔

۵؎ یعنی میری امت کے نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے،کافروں کے بائیں ہاتھ میں،پچھلی امت کے مؤمنوں کو ابھی نامۂ اعمال نہ ملے ہوں گے اسوقت خالی ہاتھ ہوں گے،بعدمیں انہیں بھی داہنے ہاتھ میں ہی ملیں گے،نیز اس امت کے نامۂ اعمال دور سے چمکتے ہوں گے نہ کہ دوسری امتوں کے۔لہٰذا اس حدیث پر اعتراض نہیں کہ ہر نبی کے مؤمنوں کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے۔

۶؎ جنت میں لے جانے کے لئے۔اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کا ماں باپ کے آگے چلنا،شفاعت کرنا اس امت کے ساتھ خاص ہے۔خیال رہے کہ ان تینوں علامتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان موقوف نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر شخص کے درجۂ ایمان سے خبردار ہیں،ہر ایک کے ایمان کی نبض پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے،کیوں نہ ہو کہ حضور ہر ایک کی ہر حالت کے گواہ مطلق ہیں "وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"۔حضور کے نیک امتی گنہگاروں کو دوزخ میں سے نکال کر لائیں گے،پہلے انہیں جن کے دل میں ایمان دینار کے برابر ہے،پھر آدھے دینار والوں کو حتی کہ آخر میں رائی کے برابر والوں کو،جب یہ مؤمن دل کے ایمان کی مقدار پہچانتے ہیں،تو حضور کی پہچان کا کیا پوچھنا۔

وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں غضب کی بھیڑ میں ان کی میں اس پہچان کے صدقے

ورنہ حضور کی امت میں بعض لوگ ان تینوں علامتوں سے خالی ہوں گے کہ نہ انہوں نے وضو کیا،نہ کوئی نیک عمل،نہ ان کے کوئی اولاد بلکہ یہ علامتیں تو عوام کی پہچان کے لیے ہیں۔اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا کہ ان کے بغیر میں نہ پہچان سکوں گا۔

باب مایوجب الوضوء

وضوواجب کرنے والی چیزوں کاباب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ آٹھ چیزیں وضوتوڑ دیتی ہیں: جو کچھ پیشاب یا پاخانہ کی راہ نکلے،منہ بھر قے،بہتاخون،بے ہوشی،نشہ،غفلت کی نیند،رکوع سجدے والی نماز میں آواز سے ہنسنا،مباشرت۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے وضو کی نماز قبول نہیں یہاں تک کہ وضو کرے ۱(مسلم،بخاری)

۱قبول سے مراد نماز کا جائز ہونا ہے اور وضو سے حقیقی اور حکمی دونوں وضو مراد ہیں یعنی تیمّم بھی۔بے وضو کی نماز بغیر وضو یا تیمّم جائز نہیں۔احناف کے نزدیک جسے وضو کے لائق پانی اور تیمّم کے لائق مٹی نہ ملے وہ نماز قضا کرے،اور اگر قضا کا موقع پانے سے پہلے فوت ہوگیا تو اس پر گناہ نہیں۔یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ عمدًا بے وضو پڑھنا کفر ہے جب کہ نماز کو ہلکاجانتا ہو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ بغیر پاکی کے نماز قبول اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ و خیرات قبول ہے ۱(مسلم)

۱یہاں طہارت سے وضو اور غسل دونوں مراد ہیں اور خیانت سے سارے حرام مال مراد،یعنی پاک ہو کر نماز پڑھو،اور حلال مال سے خیرات کرو،حرام مال اس کے مالک کو واپس کرو،اگر مالک کا پتا نہ چلے تو اسکے مالک کی طرف سے خیرات کردو کہ اس کے لیے یہ حلال ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ میں بہت مذی والا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہوئے بھی شرماتا تھا آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے ۱تو میں نے مقداد سے کہاانہوں نے حضور سے پوچھا تو فرمایا کہ شرمگاہ دھولیں اور وضو کرلیں ۲(مسلم،بخاری)

۱شہوت کے وقت جو پتلا لیسدار پانی نکلتا ہے وہ مذی ہے۔پیشاب کے بعد جو سفید قطرہ آجاتا ہے وہ ودی کہلاتاہے۔ان دونوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے نہ کہ غسل۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے حیاو غیرت کرنا کمال ایمان کی دولت

ہے،ہاں حیا کی وجہ سے مسئلہ ہی نہ پوچھنا،بے علم رہنا گناہ ہے۔علی مرتضی نے مسئلہ بھی معلوم کرلیا اور حیاء بھی قائم رکھی۔

۲؎ یعنی اس کا حکم پیشاب کا سا ہے کہ نجاست حکمی بھی ہے اور حقیقی بھی۔خیال رہے کہ اگر مذی وغیرہ سے روپے برابر جگہ لتھڑ جائے تو پانی سے استنجاکرناواجب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جسے آگ پکائے اس سے وضو کرو۱؎(مسلم)

۱؎ یہاں وضو لغوی معنی میں ہے،وضاءۃ سے مشتق ہے،بمعنی صفائی۔شرعی معنی مراد نہیں۔مطلب یہ ہے کہ آگ کی پکی چیز کھاکر ہاتھ دھونا اور کلی کرنا بہتر ہے۔پھل فروٹ کھانے کے بعد اس کی ضرورت نہیں،جیسا کہ اگلی احادیث سے ظاہر ہورہا ہے،نیز ایک بارحضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر ہاتھ دھوئے،کلی کی اور فرمایا آگ کی پکی چیز کا وضو یہ ہے،اس صورت میں یہ حدیث منسوخ نہیں،کھانا کھا کر ہاتھ دھونا مستحب ہے۔

	بڑے امام شیخ محی السنۃ نے فرمایا کہ یہ حکم حضرت ابن عباس کی حدیث سے منسوخ ہےجو فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا،پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لی ۱؎(مسلم و بخاری)

۱؎ صاحب مصابیح شیخ محی السنۃ نے شرح سنہ میں اس حدیث کو منسوخ مانااس لئے کہ انہوں نے وضو شرعی معنے میں لیا اور امرو جوب کے لیے،لیکن ہماری پیش کردہ توجیہ پر حدیث منسوخ نہیں،نسخ میں تاریخ کا معلوم ہونا ضروری ہے۔نیزقولی حدیث فعلی سے منسوخ جب ہوسکتی ہے جب وہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہ ہو،اس لئے مناسب یہی ہے کہ حدیث منسوخ نہ مانی جائے۔

	روایت ہے حضرت جابرابن سمرہ سے ۱؎ کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیاہم بکری کے گوشت سے وضو کریں؟فرمایااگرچاہوکروچاہو نہ کروعرض کیا کہ کیا ہم اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟فرمایا ہاں اونٹ کے گوشت سے وضو کرو۲؎ عرض کیا کہ میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟فرمایا ہاں عرض کیا کہ کیا اونٹوں کے طویلہ میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟فرمایا نہیں۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،قبیلہ بنی عامر سے ہے،سعدابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں،صحابی اورصحابی زادہ ہیں،کوفے میں رہے،۷۴ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎یہاں بھی وضو کے معنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہیں۔چونکہ اونٹ کے گوشت میں بو اور چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے کہ بغیر ہاتھ منہ دھوئے جاتی نہیں،بکری کے گوشت میں یہ بات نہیں اس لئےکہ اونٹ کے گوشت پر صفائی کی تاکید فرمائی گئی۔امام احمد کے نزدیک اونٹ کےگوشت سے بھی وضو واجب ہے اسی حدیث کی بناء پر۔

۳؎یعنی جہاں اونٹ بندھے ہوں وہاں نماز نہ پڑھوکیونکہ نمازی کو خطرہ رہتا ہے کہ شاید اونٹ کھلے اور مجھ کو روندد ے اس لیے حضور قلب حاصل نہ ہوگا،بکری میں یہ خطرہ نہیں۔وجہ فرق یہ ہے ورنہ اونٹ اور بکری دونوں کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے اور زمین سوکھ کر پاک ہوجاتی ہے،یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اونٹ کے پیشاب کی چھینٹیں دور تک جاتی ہیں نہ کہ بکری کے پیشاب کی،لہذا نمازی کو وہاں فکر نہ رہے گی نہ کہ یہاں،نیز اونٹ والے اونٹوں کی آڑ میں پیشاب کرلیتے تھے وہاں زمین زیادہ گندی ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ پائے تو اس پر مشتبہ ہوجائے کہ کچھ نکلا یانہیں تو مسجد سے نہ جائے،تاآنکہ آواز سن لے یا بُو محسوس کرے۱؎(مسلم)

۱؎یعنی اگرکوئی شخص مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے کہ اس کے پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوئی لیکن بو محسوس نہ ہوئی،ہوا کے نکلنے کا یقین نہ ہوا،یونہی شبہ ساہوگیاتوشبہ کا اعتبار نہ کرے،وہ باوضو ہے،نماز پڑھے جائے۔آواز سننے سے مراد ہے نکلنے کا یقین۔اس سےمعلوم ہوا کہ یقینی وضو مشکوک حدث سے نہیں جاتا،ہمیں یقین ہے کہ ظہر کے وقت ہم نے وضو کیا تھا مگر ٹوٹنے کا صرف شبہ ہے یقینی نہیں تو ہمارا وضو باقی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تو کلی فرمائی اورفرمایا کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ حدیث کھانے کے وضو کی تفسیر ہے۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ چکنی چیزکھاکرپاپی کر کلی کرنا چاہیئے اگرچہ آگ کی پکی ہوئی نہ ہو۔ظاہر یہ ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے کچا دودھ پیا تھاکیونکہ چکنی چیز کا اثر منہ میں رہتا ہے اگر اسی حال میں نماز پڑھی جائے تو اس کا اثر پیٹ میں پہنچتا رہے گا جوکراہت سے خالی نہیں۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا۲؎تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ آج حضور نے وہ کام کیا جو کرتے نہ تھےفرمایا اے عمر ہم نے قصدًا کیا۳؎(مسلم)

۱؎ آپ بریدہ ابن ابی حُصَیب اسلمی ہیں،بدر سے پہلے اسلام لائے،بیعت الرضوان میں حاضر ہوئے،پہلے مدینہ طیبہ پھر بصرہ میں قیام رہا،پھر خراسان میں غازی ہوکرگئے،مقام مرو میں ۶۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎ فتح مکہ کے دن ایک وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں،اور وضو میں چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا،اس سے پہلے ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے،اور پاؤں شریف دھوتے تھے اسی لیئے عمر فاروق کو تعجب ہوا۔

۳؎ تاکہ اپنے عمل شریف سے امت کو دو مسئلے بتادیں۔ایک یہ کہ ایک وضوسے چند نمازیں جائز ہیں۔دوسرے یہ کہ موزوں پر مسح سنت ہے،اگرچہ ہرنماز کے لئے تازہ وضو بہتر ہے۔خیال رہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا غیرمستحب کام کرنا بھی باعث ثواب ہے کہ اس میں تبلیغ ہے۔

روایت ہے حضرت سویدابن نعمان سے ۱؎ کہ وہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال گئے،جب مقام صہباء میں پہنچے جو خیبر سے قریب ہے تو حضور نے نمازعصر پڑھی پھرتوشہ منگایاصرف ستّو لائے گئے ۲؎ پھر آپ کے حکم سے بھگوئے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھائے اور ہم نے بھی کھائے ۳؎ پھر نماز مغرب کے لئے کھڑے ہوگئے تو آپ نے بھی کلی کرلی اور ہم نے بھی کرلی پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا ۴؎ (بخاری)	

۱؎ آپ انصاری ہیں،جنگ احداوربیعت رضوان وغیرہ غزوات میں شریک رہے،اہلِ مدینہ میں سے ہیں۔

۲؎ یہ ہے سلطان کونین کاغزوات میں کھانا اور شاہی راشن جن کے نام لیوا آج دنیا بھر کی نعمتیں کھارہے ہیں۔

بوریا ممنون خواب راحتش　　　　تاج کسریٰ زیر پائے اُمّتش

دیکھو خیبر کی جنگ ہے اور مجاہدین بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا ستّو ہیں۔

۳؎ اس زمانہ میں ستّو گھول کر پینے کا رواج نہ تھا،نیز اس وقت شکریاگڑموجود نہ ہوگا تو صرف پانی میں گوندھ لئے گئے تاکہ حلق سے اترنا آسان ہو۔

۴؎ یعنی صرف کلی پر کفایت کی،اگرچہ ستّو آگ میں بھونے جاتے ہیں یہ حدیث وضوءطعام کی تفسیر ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضونہیں واجب ہوتا مگر آواز یا بوسے ۱؎ (احمدوترمذی)	

۱؎ یہ حصر ہَوا کہ لحاظ سے ہے،یعنی جب تک کہ ہوا نکلنے کا یقین نہ ہو تب تک وضو نہیں جاتا،یہ مطلب نہیں کہ ہوا کے سوا کسی اور چیز سے وضو نہیں جاتا۔

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل ۱؎(ترمذی)

۱؎حضرت علی مرتضٰی کا یہ سوال حضرت مقداد کے ذریعہ تھا بلاواسطہ نہ تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔منی و مذی میں یہ فرق ہے کہ منی شہوت توڑ دیتی ہے۔اور مذی بڑھا دیتی ہے۔،نیز منی دودھ کی طرح سفید اور گاڑھی لیسدار ہوتی ہے اور مذی پیشاب کی طرح مگر لیسدار۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کی کنجی طہارت ہے ۱؎ اور اس کا احرام تکبیر اور اس سے کھلنا سلام ہے ۲؎ اسے ابوداؤد،ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

۱؎کہ جیسے بغیر کنجی قفل نہیں کھلتا،ایسے ہی وضو،غسل یا تیمّم کے بغیر نماز شروع نہیں ہوسکتی۔یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ جو وضو اور تیمّم نہ کرسکے وہ نماز نہ پڑھے۔

۲؎یعنی حج کا احرام تلبیہ سے بندھتا ہے کہ تلبیہ کہتے ہی حاجی پر صدہا چیزیں حرام ہوجاتی ہیں،ایسے ہی نماز کا احرام تکبیر سے بندھتاہے کہ تکبیر کہتے ہی کلام،سلام،کھانا،پینا سب حرام۔نیز جیسے حج کے احرام سے کھلناسر منڈانے سے ہوتا ہے،ایسے ہی نماز کا احرام سے کھلناسلام سے ہوتا ہے کہ سلام پھیرتے ہی مذکورہ بالاتمام چیزیں حلال۔خیال رہے کہ تکبیر تحریمہ سب کے نزدیک فرض ہے مگر سلام امام شافعی و مالک واحمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فرض،اور ہمارے امام صاحب کے یہاں واجب ہے۔ان بزرگوں کی دلیل یہی حدیث ہے۔امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ان اعرابی کی دلیل ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تعلیم دی اس میں سلام کا ذکر نہیں۔اگر فرض ہوتا تو ضرور ذکر فرمایا جاتا،اس حدیث کی بنا پر ہم سلام کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں،اس حدیث کی بنا پرسلام کے وجوب کے قائل،ہمارا عمل دونوں حدیثوں پر ہے۔تکبیروسلام کے پورے مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔

	اور ابن ماجہ نے بھی انہی سے اور ابوسعید سے۔

	روایت ہے حضرت علی ابن طلق سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی بے آواز ہوا نکالے تو وضوکرےاور عورتوں کی دبروں سے نہ جاؤ ۲؎(ترمذی وابوداؤد)

۱؎آپ حنفی یمامی ہیں،آپ سے ابن سلام نے روایت لیں۔بعض نے فرمایا کہ آپ کا نام طلق ابن علی ہے اور آپ سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۲؎کہ یہ پلیدی کی جگہ ہے نہ کہ اولاد کا محل۔خیال رہے کہ عورتوں کی دبر میں صحبت حرام قطعی ہے جس کا منکر کافر ہے،مگر یہ حرمت قطعی قیاس قطعی سے ثابت ہے نہ کہ ان احادیث سے،کیونکہ یہ احادیث ظنی ہیں۔

روایت ہے حضرت معاویہ ابن ابی سفیان سے ۱؎کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاآنکھیں سرین کا بندھن ہیں تو جب آنکھ سوگئی تو بندھن کھل گیا ۲؎(دارمی)	

۱؎حضرت معاویہ کے حالات پہلے بیان ہوچکے۔ان کے والد کا نام حرب،کنیت ابو سفیان ابن صخر ہے،اموی ہیں،قریشی ہیں،فیل کے واقعہ سے دس۱۰ سال قبل پیدا ہوئے،اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش فیل سے چالیس دن بعد ہے۔فتح مکہ کے دن ایمان لائے،حضور کے ساتھ جنگ حنین میں شریک رہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑے بڑے عطیہ عطا فرمائے۔جنگ طائف میں آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی اور جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہوگئی،۳۱ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما نے آپ سے روایات لیں۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲؎لہذا سونا وضوتوڑدیتا ہے جیسے موت غسل توڑ دیتی ہے مگر نبی کی نیند سے وضونہیں جاتاکیونکہ وہ غافل نہیں ہوتے اسی لیے ان کی خواب وحی الٰہی ہوتی ہے،نیز شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بےخبری کی نیند وضو توڑے گی،بیٹھے بیٹھے اونگھنا وضو نہیں توڑتاکیونکہ اس میں اعضاء ڈھیلے نہیں پڑتے۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرین کا بندھن آنکھیں ہیں تو جوسویا وہ وضو کرے ۱؎اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔	

۱؎یعنی اگر آنکھ کھلی رہے تو ریح نکلنے کی خبر رہتی ہے،سوتے ہی بےخبری ہوجاتی ہے۔لہذا اب نیند ہی ناقص مان لی گئی،خواہ ریح نکلے یا نہ نکلے،نیند کا جھونکا آیااور وضو گیا۔

شیخ امام **محی السنة** نے فرمایا کہ یہ اس کے لیئے ہے جو بیٹھا نہ ہوکیونکہ حضرت انس سے روایت صحیح مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز عشاء کا انتظار کرتے تھے حتی کہ ان کے سرجھک جاتے تھے پھرنماز پڑھ لیتے اور وضو نہ کرتے تھے ۱؎اسے ابوداؤد اورترمذی نے روایت کیا مگر ترمذی نے بجائے "**ینتظرون العشاء**"الخ کے یہ فرمایا کہ وہ سوجاتے تھے۔	

۱؎ لہٰذا جس نیند میں اعضاءڈھیلے نہ پڑیں اس سے وضو نہیں جاتا،اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر عورت سجدے میں سوجائے تو وضو گیا اور اگر مرد سجدے میں سوجائے تو وضو نہیں جاتاکیونکہ مردسجدے میں غافل نہیں سوسکتا ورنہ گرجائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو اس پر ہے جو لیٹ کر سوئے،کیونکہ جب وہ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجائیں گے ۱؎(ترمذی وابوداؤد)	

۱؎ بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر سونا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ وضو ٹوٹنے کی علت اور اعضاء کا ڈھیلا پڑنا ہے خواہ لیٹ کر ہو یا بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر حتی کہ جو کوئی بیٹھے ہوئے اونگھے اور اونگھتے میں گرے،گرنے کے بعد آنکھ کھلے وضو جاتا رہا اور اگر گرنے سے قبل آنکھ کھل گئی پھر گرا تووضو نہ گیا۔

روایت ہے حضرت بسرہ سے ۱؎ فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے عضو خاص کو چھوئے تو وضو کرے ۲؎ اسے مالک،احمد،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ اوردارمی نے روایت کیا۔	

۱؎ آپ بسرہ بنت صفوان ابن نوفل ہیں،قرشیہ ہیں،اسدیہ ہیں،ورقہ ابن نوفل کی بھیجتی ہیں،مشہور صحابیہ ہیں۔

۲؎ مس کے معنی چھونا بھی ہیں،لگنا ولگانا بھی،اور پہنچنا پہنچانا بھی،رب فرماتا ہے:"مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ"یہاں اگر چھونے کے معنی ہوں تو تھوڑی عبارت پوشیدہ ہوگی،یعنی جو عضو خاص چھوئے اور وہاں تری پائے تو وضو کرے،چھونے سے نہیں بلکہ تری نکلنے سے،جیسے رب فرماتا ہے:"اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ"یعنی تم میں سے کوئی بیت الخلاء(پاخانہ)سے آئے۔ظاہر ہے کہ بیت الخلاء میں ہو کر آنا وضو نہیں توڑتا بلکہ وہاں پیشاب پاخانہ کرکے آنا وضو توڑتا ہے۔اور اگر مس لگانے یا پہنچانے کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جب تم میں اپنی عورت سے کوئی مباشرت کرے تب وضو کرے،یعنی مَسّ بِالۡیَدۡ مراد نہیں بلکہ مَسّ بِالۡفَرۡج مراد ہے۔ان دونوں صورتوں میں یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے اور اگلی حدیث کے خلاف بھی نہیں۔حضرت امام شافعی اس حدیث کی بناپر فرماتے ہیں کہ مس عضو خاص وضو توڑ دیتا ہے،لیکن اس حدیث سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوتا،کیونکہ ان کے نزدیک صرف ہتھیلی یا انگلیوں کے پیٹ سے بغیر آڑ چھونا وضوتوڑتا ہے۔انگلیوں یا ہتھیلی کی پیٹھ یا کلائی،کہنی ران سے لگ جانا وضو نہیں توڑتا حالانکہ اس حدیث میں مس مطلق ہے جس میں یہ قیدیں نہیں،نیز یہ حدیث اگلی حدیث کے بھی خلاف ہوگی۔طحاوی شریف میں ہے کہ یہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا ہے۔یہی حضرت مصعب ابن سعد کا قول ہے،یعنی جو عضو خاص چھوئے مناسب ہے کہ ہاتھ دھوئے جیسے کھانے کے وضو میں تھا۔(ازمرقاۃ لمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں کہ	

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو وضو کے بعد عضو خاص کو چھوئے فرمایا وہ بھی تو جسم انسانی کا ہی حصہ ہے[1] ابوداؤد،ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا اور شیخ امام محی السنۃ نے فرمایا کہ یہ حکم منسوخ ہے،کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ طلق کے آنے کے بعد اسلام لائے۔	

[1] یعنی جیسے ناک،انگلی وغیرہ جسم کے اعضاء ہیں کہ ان کے چھونے سے وضو نہیں جاتا،ایسے ہی یہ بھی ایک عضو ہے کہ اس کا چھونا وضو نہیں توڑے گا۔یہ حدیث ہمارے امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ اس عضو کے چھونے سے وضو نہیں جاتا۔حضرت علی المرتضی،حضرت ابن عباس،عمارابن یا سر،حذیفہ،سعد،عبداللہ ابن مسعود وغیرہم بہت صحابہ کا یہی مذہب ہے۔چنانچہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ناک،کان چھوؤں یا یہ عضو،برابر ہی ہے۔حضرت سعد سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر نجس ہے تو اسے کاٹ ڈالو۔اس کی پوری بحث طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ میں دیکھو۔

اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی،حضور نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ عضو خاص تک پہنچائے کہ بیچ میں آڑ نہ ہو تو وضو کرے [1] اسے شافعی اور دار قطنی نے روایت کیا۔	

[1] چونکہ صاحب مصابیح محی السنّہ اورصاحب مشکوٰۃ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہما شافعی ہیں۔اور یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔اس لئے جواب پر مجبور ہوئے اورنسخ کے سوا اورکوئی جواب نہیں بن سکتا،کیونکہ یہ حدیث مطابق قیاس کے ہے اور پچھلی حدیث خلاف قیاس،لہذا ترجیح اس ہی حدیث کو ہوگی جو مطابق قیاس ہے۔اس لیے حضرت محی السنّہ نے نسخ کا دعویٰ فرمایا مگر نسخ کی روایت کوئی نہ ملی،صر ف اندازے سے منسوخ کہہ دیا،یعنی چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام پیچھے ہے اورطلق کی حاضری پہلے،لہذا طلق نے نہ ٹوٹنے کی حدیث پہلے سنی ہوگی اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو توڑنے والی حدیث بعد میں سنی ہوگی،اس لئے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ناسخ ہے اورحدیث طلق منسوخ۔ظاہرہے کہ یہ بات کتنی کمزور ہے۔اولاًتو اس لیے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں،دونوں جمع ہوسکتی ہیں جیساکہ ہم عرض کرچکے،پھر بلاوجہ ایک منسوخ کیوں مانا جائے۔دوسرے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ کے اسلام کے بعد حضرت طلق نہ تو فات پا گئے اور نہ بالکل غائب ہی ہوگئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے رہے،تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بہت عرصہ بعد سنی ہواورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت پہلے سن لی ہو،حدیث طلق ناسخ ہو،ابوہریرہ منسوخ۔بہرحال یہ دعویٰ نسخ بلا دلیل ہے۔خیال رہے کہ حضرت طلق ہجرت کے سال مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ خیبر کے سال اسلام لائے،نیز حضرت ابوہریرہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بلکہ حضور سے روایت کی۔ہوسکتا ہے کہ یہ

حدیث طلق کی تشریف آواری سے بہت پہلے کسی اور صحابی نے سنی ہو،انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہو جیسا کہ مُرسَلِ صحابہ میں ہوتا ہے۔

اور نسائی نے حضرت بُسرہ سے مگر انہوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ بیچ میں آڑ نہ ہو۔	

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھ لیتے اور وضو نہ کرتے۱؎اسے ابوداؤد،ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں کے نزدیک کسی حالت میں بھی عروہ کی حضرت عائشہ سے اسناد صحیح نہیں۲؎نیز ابراہیم تیمی کی اسناد انہی حضرت عائشہ سے ہے۔اور ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہ سے نہ سنا۳؎	

۱؎ یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی قوی دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو مسلم،بخاری،نسائی وغیرہ میں ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور آپ تہجد پڑھنے میں مشغول ہوتے تھے،جب وہ سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ لگادیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی،آپ سجدہ کرلیتے سجدہ کے بعد میں پاؤں پھیلالیتی۔(مسلم بخاری)نیز فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور کو بستر پر نہ پایا میں ٹٹولنے لگی میرا ہاتھ آپ کے قدم شریف سے لگا جو کھڑا ہوا تھا اور آپ سجدہ میں تھے۔(نسائی)نیز فرماتی ہیں کہ ایک بارآپ نے لمبا سجدہ فرمایا میں سمجھی کہ آپ کی وفات ہوگئی،میں نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا۔(بیہقی)ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا چھونا وضو نہیں توڑتا۔

۲؎ کیونکہ اس اسناد میں حبیب ابن ثابت حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے راوی ہیں،عروہ کی سماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے ثابت ہے بلکہ وہ ان کے شاگرد ہیں،مگر حبیب کی سماعت عروہ سے صحیح نہیں لہذا حدیث مرسل ہے۔ترمذی نے اَصۡحَابِنَا اس واسطے فرمایا کہ مرسل حدیث شوافع کے مذہب میں دلیل نہیں۔مگر احناف کے نزدیک دلیل ہے۔

۳؎ خلاصۂ اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے دو اسنادوں سے مروی ہے۔**عروہ عن عائشہ** اور **ابراھیم التیمی عن عائشہ** اور دونوں مرسل کیونکہ ابراہیم تیمی نے بھی عائشہ صدیقہ سے نہ سنا،مگر یہ اعتراض امام صاحب پر نہیں پڑ سکتا،کیونکہ ان کے ہاں حدیث مرسل قابل حجت ہے،شوافع اپنے اصول سے ہم پر اعتراضات کیسے کرسکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانہ کھایا،پھر اپنا ہاتھ اس ٹاٹ سے پونچھا جو آپ کے نیچے تھاپھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھ لی۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎حضور کو بکری کا شانہ یعنی دستی بہت مرغوب تھی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے گوشت کھاکر ہاتھ بھی نہ دھوئے صرف پونچھ ہی لئے۔

	روایت ہے حصرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنی ہوئی پسلیاں پیش کیں حضور نے اس میں سے کھایا،پھر نماز کی طرف کھڑے ہوگئےاور وضو نہ کیا۱؎(احمد)

۱؎نہ وضو شرعی نہ لغوی،یعنی ہاتھ دھونا بلکہ ہاتھ پونچھے بھی نہیں تاکہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونایاپونچھنا فرض یا واجب نہیں،سنت ہے جس کے کرنے پرثواب،نہ کرنے پر گناہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابورافع سے فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کا پیٹ بھونتا تھا۱؎پھر حضور نماز پڑھتے اور وضونہ کرتے۔(مسلم)

۱؎ یعنی پیٹ کی چیزیں دل،کلیجی،تلی وغیرہ۔مگر گردے حضور کو ناپسند تھے کیونکہ ان کا تعلق پیشاب سے ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میرے پاس بکری ہدیۃً بھیجی گئی اسے ہانڈی میں ڈالا،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایاابورافع ! یہ کیاہے؟عرض کیایارسول اللہ یہ بکری ہے جو ہمیں ھدیۃً ملی پھر ہم نے ہانڈی میں پکالیا،فرمایااے ابورافع ! ہم کوایک دستی دو۱؎میں نے دستی پیش کی،پھرفرمایاکہ دوسرا دست بھی دومیں نے دوسرے دستی بھی پیش کی۲؎پھرفرمایااے ابو رافع ! اور دست لاؤعرض کیایارسول اللہ بکری کے دوہی دست ہوتے ہیں تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرتم خاموش رہتے توتم ہم کودست پردست دیتے رہتے جب تک خاموش رہتے۳؎پھرپانی منگایاپھرمنہ کی کلی کی اوراپنے پَورے دھوئے۴؎پھرکھڑے ہوئے تب نمازپڑھی پھرواپس

	تشریف لائے توان کے پاس ٹھنڈا گوشت پایا کھایا پھر مسجد میں تشریف لائے نماز پڑھی پانی چھوا بھی نہیں۵؎ اسے احمد نے روایت کیا۔

۱؎ معلوم ہوا کہ اپنے غلاموں یا دوستوں سے کوئی چیز بے تکلفی سے مانگنا ناجائز نہیں۔جس سوال سے منع کیا گیا وہ ذلت کا سوال ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دست پسند تھا کیونکہ گلتا بھی جلدی ہے،لذیذ بھی ہوتا ہے،اس میں ریشہ یعنی دھاگہ بھی نہیں ہوتا۔
۲؎ غالبًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنھم کی جماعت ہوگی اور سب کے ساتھ یہ گوشت کھایا ہوگا۔
۳؎ یعنی ہم مطالبہ کئے جاتے تم دیتے رہتے،اسی ہانڈی میں سے سینکڑوں دست نکل آتے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ہر قسم کی اشیاء عالم غیب سے مہیا ہو جاتی ہے۔حضرت طلحہ کے گھر تین چار سیر گوشت سینکڑوں کو کھلادیا،بوٹیاں اور شوربے کا پانی اور مصالحہ عالم غیب ہی سے آرہا تھا۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کے سامنے ایسے موقع پر انکار یا تردد نہ چاہیئے،بلکہ بے دریغ ان کے حکم پر عمل چاہیئے،بحث وانکار سے فیض بند ہو جاتا ہے۔
۴؎ یعنی پورا ہاتھ تو کیا،پوری انگلیاں بھی نہ دھوئیں بیان جواز کے لئے ورنہ کھانے سے اوّل اور بعد دونوں ہاتھ دھونا سنّت ہے۔
۵؎ غالبًا پہلی بار نفل پڑھے ہوں گے اور دوبارہ فرائض۔واللہ اعلم!

	اور دارمی نے ابو عبید سے روایت کیا،مگر انہوں نے "ثُمَّ دَعَا" الخ کا ذکر نہ کیا۔

	روایت ہے حضرت انس بن مالک سے فرماتے ہیں کہ میں اوراُبی اور ابوطلحہ ۱؎ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے گوشت و روٹی کھائی پھر میں نے وضو کا پانی منگایا۲؎ تو ان دونوں نے فرمایا کہ کیوں وضو کرتے ہو،میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے کھایاوہ بولے کیا تم حلال چیزوں سے وضو کرتے ہو؟۳؎ اس سے تو انہوں نے بھی وضو نہ کیا جو تم سے بہتر ہیں۔(احمد)

۱؎ آپ کا نام زیدابن سہل ہے،کنیت ابوطلحہ،انصاری ہیں،نجاری ہیں،حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں،۷۷ سال عمر پائی،۳۱ھ میں سمندر کا سفر کیا،جزیرہ میں وفات ہوئی،نو دن کے بعد وہیں دفن ہوئے،بیعت عقبہ اوربدروغیرہ تمام غزوات میں شامل رہے۔
۲؎ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وضوءطعام کی حدیث میں وضوء کے شرعی معنی سمجھتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ محدث بغیر فقیہ کی رائے کے حدیث پر عمل نہ کرے اسی لیےامام ترمذی وغیرہم مقلد ہوئے۔
۳؎ یعنی وضوء پاکی ہے کسی ناپاک چیز سے ہوناچاہیئے اور کھانا حرام ہے نہ نجس پھروضو کیسا۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھونے سے بھی وضو نہیں جائے گا کہ وہ بھی نہ حرام ہے نہ نجس۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے اپنے ہاتھ سے چھونا ملامست ہے،جو اپنی بیوی کو چومے یا اپنے ہاتھ سے چھوئے تو اس پر وضو ہے[1](مالک وشافعی)

[1]سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ میں آیت کریمہ ہے:"اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا"یعنی اگر کوئی تم میں سے پاخانے سے آئے یا تم عورتوں کو چھوؤ اور نہ پاؤ پانی،تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔امام شافعی کے نزدیک یہاں **لمس** کے معنی فقط عورت کو ہاتھ لگانا ہیں کہ اس سے ان کے ہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ہمارے ہاں **لمس** سے مراد صحبت کرنا ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ مباشرت مراد ہو،یعنی ننگا چپٹنا جس سے وضو واجب ہوتا ہے۔حضرت ابن عمر چھونے اور بوسہ کو **لمس** فرمارہے ہیں۔لہذا یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔اس کا جواب ان شاءاللہ ہم ابھی آگے دے رہے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ فرماتے تھے کہ مرد کو اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے وضو ہے[1](مالک)

[1]یعنی حضرت ابن مسعود کی بھی رائے یہی ہے کہ عورت کا چومنا یا چھونا باعث وضوء ہے۔اس کا جواب آگے آرہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بوسہ **لمس** سے ہے لہذا اس سے وضو کرو[1]

[1]خیال رہے کہ ان تینوں بزرگوں کا اپنا قول یہ ہے کہ عورت کو چھونے اور بوسہ سے وضو ہے۔اس بارے میں حدیث مرفوع کوئی نہیں بلکہ حدیث مرفوع اس کے خلاف ہے۔چنانچہ دارقطنی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو جب حضرت ابن عمر کا یہ قول پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ بوسے سے وضو کیسے ہوسکتا ہے،حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے تھے اور بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے۔نیز ابن ماجہ،ترمذی،ابوداؤد،ابن ابی شیبہ،نسائی،ابن عساکر موطاء امام محمد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ سے تھوڑے اختلاف کے ساتھ روایات ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے اور پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھ لیتے تھے،نیز مسندابوعبداللہ میں حضرت حفصہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرکے بعض ازواج کا بوسہ لیتے اور پھر دوبارہ وضو نہ فرماتے،نیز جیسے اس بوسہ سے عورت کا وضو نہیں جاتا تو چاہیئے کہ مرد کا بھی نہ جائے،مباشرت عورت ومرد دونوں کا وضو توڑتی ہے اور صحبت دونوں کا غسل۔تو کیسے ہوسکتا ہے کہ بوسہ یا چھونا مرد کا تو وضو توڑے،عورت کا نہ توڑے۔لہذا ان موقوف احادیث کا یہ مطلب ہے کہ عورت کو چھوکر یا بوسہ لے کر وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ لُغۃً **لَمْس** میں یہ بھی داخل ہے،اگرچہ یہ قرآن میں مراد نہیں،یا ان بزرگوں کو ہماری پیش کردہ روایات پہنچی ہی نہیں۔بہرحال حدیث مرفوع کے مقابل حدیث موقوف معتبر نہیں،حتی الامکان دونوں میں مطابقت کی جائے اگر مطابقت نہ ہوسکے تو موقوف چھوڑ دی

جائے،چھونے کی حدیث ہم پہلے پیش کرچکے ہیں کہ عائشہ صدیقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں شریف نماز میں چھوا ہے،اور عائشہ صدیقہ کو عین نماز میں حضور نے چھوا ہے اور سرکار دونوں موقعوں پر نماز پڑھتے رہے۔بہرحال مذہب حنفی نہایت قوی ہے،اسی کمزوری کی وجہ سے امام شافعی نے آخر میں یہ فرمایا کہ اجنبی عورت کے چھونے سے وضو جاتا ہے نہ کہ اپنی بیوی کو۔مسند امام ابوحنیفہ میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں بوسہ میں وضو نہیں۔شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہ تینوں مشکوۃ کی موقوف حدیثیں اسنادًا صحیح نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے وہ تمیم داری سے ۱؎راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بہتے خون سے وضو ہے۲؎ان دونوں حدیثوں کو دارقطنی نے روایت کیااور فرمایا کہ عمربن عبدالعزیز نے تمیم داری سے نہ سنا نہ انہیں دیکھااور یزیدابن خالداور یزیدابن محمد مجہول لوگ ہیں۳؎

۱؎ آپ کا نام تمیم ابن اوس یاتمیم ابن خارجہ ہے،دار آپ کے کسی دادا کا نام ہے،جس کی کنیت ابورقیہ تھی،آپ مشہور صحابی ہیں، ۹ھ؁ میں ایمان لائے،رات کو ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے،آپ نے ہی اولًا مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا،مدینہ منورہ میں قیام رہا،حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام چلے گئے،وہیں وفات پائی۔اورحضرت عمر بن عبدالعزیز ابن مروان ابن حکم تابعی ہیں،آپ کی کنیت ابو حفص ہے،آپ کی والدہ کا نام لیلےٰ بنت عاصم بن عمرابن خطاب ہے،کنیت ام عاصم،سلیمان ابن عبدالملک کی خلافت کے بعد آپ خلیفہ ہوئے، ۹۹ھ؁ میں خلافت سنبھالی اور ۱۰۱ھ؁ میں ماہ رجب مقام دَیر سمعان میں قریب حمّص انتقال ہوا،چالیس سال عمر ہوئی،دو سال پانچ مہینے خلافت کی،فاطمہ بنت عبدالملک آپ کے نکاح میں تھیں،آپ جیسے عابد،زاہد،خوف خدا میں رونے والے امت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم میں کم گزرے،آپ عدل و انصاف میں عمر فاروق کا نمونہ تھے،یزید وغیرہ کی بدعتوں کا آپ نے قلع قمع کیا۔

۲؎یعنی جو خون بہہ کر جسم کے اس حصہ کی طرف آجائے جس کا دھونا غسل میں فرض ہے وہ ناقض وضو ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ خون وضو توڑتا ہے۔حضرت امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔

۳؎مصنف نے اس حدیث پر دو اعتراض کئے:ایک یہ کہ یہ حدیث مرسل ہے کہ بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔دوسرے یہ کہ اس کی اسناد میں دو راوی مجہول ہیں۔مگرخیال رہے کہ حنفیوں کے نزدیک حدیث مرسل قابلِ عمل ہے،نیزحنفیوں کے اس مسئلے کا مدار صرف اس حدیث پر نہیں،بلکہ بخاری،ابن ماجہ،ترمذی،طبرانی،موطا امام مالک،ابوداؤد وغیرہم کی بہت سی احادیث پر ہے۔چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی جیش سے فرمایا کہ جب تمہارے حیض کا زمانہ نکل جائے تواستحاضہ کے زمانہ میں ہر نماز کے لیے نیا وضوکرو۔اگر خون وضو نہیں توڑتا تو استحاضہ والی عورت معذور کیوں قرار دی گئی،نیز ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضورفرماتے ہیں اگر نمازمیں کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو نماز چھوڑکر وضوکرے،پھرنماز پوری کرے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔خیال رہے کہ بہتا خون بحکم

قرآن نجاست ہے اور نجاست کا نکلنا وضوتوڑتا ہے۔ایسی صحیح مرفوع حدیث فقیر کی نظر سے نہ گزری جس میں ہو کہ خون ناقض وضو نہیں۔

باب آداب الخلاء

پاخانے کے آداب کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] خلاء لغت میں خالی جگہ کو کہتے ہیں۔اصطلاح میں آبدست کو،چونکہ یہ کام تنہائی میں ہوتا ہے اس لئے اسے خلاکہاجاتاہے۔

	روایت ہے ابو ایوب انصاری سے [1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پاخانہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرواور نہ پیٹھ لیکن یاتوپورب کی طرف ہوجاؤ یا پچھم کی طرف [2] (مسلم،بخاری)

[1] آپ کا نام خالدابن زیدہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،بیعت عقبہ میں موجود تھے،تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،حضور نے ہجرت کے دن اولًا انہی کے گھر قیام فرمایا،صحابہ رضی اللہ عنھم کے اختلاف کے وقت حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ تمام جنگوں میں شامل رہے،یزید ابن معاویہ کی سرکردگی میں جو روم پر جہاد ہوئے ان میں آپ غازیانہ شان سے شامل تھے،قسطنطنیہ پر حملہ کے وقت بیمار ہوگئے،وصیت کی کہ اس جہاد میں میری میت اپنے ساتھ رکھنا،اور قسطنطنیہ فتح ہوجائے تومجاہدین کے قدموں کے نیچے مجھے دفن کرنا،چنانچہ آپ قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے مدفون ہیں،آپ کی قبر زیارت گاہ خواص و عام ہے۔بیماران کی قبر کی مٹی سے شفا پاتے ہیں۔(مرقاۃ و اکمال)

[2] یعنی پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے۔چونکہ مدینہ منورہ میں قبلہ جانب جنوب ہے اور شام یعنی بیت المقدس جانب شمال،وہاں کے لحاظ سےفرمایا گیا کہ شرق یاغرب کو منہ کرلو۔چونکہ ہمارے ہاں قبلہ جانب مغرب ہے لہٰذا ہم لوگ جنوب یا شمال کو منہ کریں گے۔خیال رہے کہ اس حدیث میں جنگل یا آبادی کی کوئی قید نہیں۔بہرحال کعبہ کو منہ یا پیٹھ کرکے استنجا کرنا حرام ہے۔حنفیوں کا یہی مذہب ہے۔

	فرمایا شیخ امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہ یہ حدیث جنگل کے متعلق ہے،لیکن آبادی میں کوئی حرج نہیں اس لیئے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے گھر کی چھت پر کسی کام کے لیئے چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ قبلہ کو پیٹھ شام کی طرف منہ کئے قضائے حاجت فرمارہے ہیں[1] (مسلم،بخاری)

۱؎ امام محی السنۃ کے اس فرمان میں چند طرح گفتگو ہے:ایک یہ کہ ممانعت کی حدیث میں جنگل یا آبادی کی قید نہیں،مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا ضروری ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت حضور کا ایک فعل شریف بیان کررہی ہے اور جب فعل وقول میں،نیز ممانعت اور اباحت میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو فعلی پر اور ممانعت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے،کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض افعال کریمہ آپ کی خصوصیت سے ہوتے ہیں۔دوسرے یہ کہ حضور کا یہ فعل شریف ممانعت سے پہلے کا ہوگا،لہذا یہ منسوخ ہےاور ممانعت کی حدیث ناسخ۔تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کو دیکھنے میں غلطی لگی حضور تھوڑا سا قبلہ سے ہٹے ہوں گے جسے جلدی میں ابن عمر نہ دیکھ سکے،کیونکہ ایسے موقعہ پر انسان جلد ہی آنکھیں بندکرکے لوٹ جاتا ہے تحقیق اورغور سے دیکھتا نہیں۔چوتھے یہ کہ صحابۂ کرام کا بھی یہی مذہب تھا کہ آبادی میں بھی اس رخ کو پیشاب پاخانہ نہ کریں۔چنانچہ مسلم،ابوداؤد،احمد،بخاری،نسائی،ابن ماجہ،دارمی اور ترمذی نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی کہ جب ہم شام میں پہنچے تو ہم نے وہاں کے پاخانوں کو قبلہ رخ بنا پایا تو ہم استغفار پڑھتے تھے اور ان میں مڑکر بیٹھتے تھے۔ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث احسن اور اصح ہے۔پانچویں یہ کہ قبلہ کے آداب آبادی اور جنگل میں یکساں ہیں۔قبلہ کی طرف تھوکنا،پاؤں پھیلانا جنگل میں بھی حرام ہے اور بستی میں بھی،تو چاہیئے کہ پیشاب پاخانہ کا حکم بھی دونوں جگہ یکساں ہو۔

	روایت ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کو منہ کریں یا داہنے ہاتھ سے استنجاءکریں یا تین پتھروں سے کم سے استنجاء کریں ۲؎ یا گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں ۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،ایران کے شہر اصفہان کے مضافات میں بستی"ہاجن"کے رہنے والے تھے،دین کی تلاش میں پھرتے تھے،۱۴ جگہ فروخت ہوئے،یہاں تک کہ جوئندہ یابندہ حضور تک مدینہ میں پہنچ گئے۔ساڑھے تین سو ۳۵۰ سال عمر پائی،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں،۵۳ھ؁ مقام مدائن میں وفات پائی۔(مرقاۃ)بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمہ سنے تو آپ کی تلاش میں نکلے۔

۲؎ خیال رہے کہ قبلہ کو منہ کرکے پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمہ ہے،داہنے ہاتھ سے چھوٹا یا بڑا استنجاء مکروہ تنزیہی،اور تین ڈھیلے بڑے استنجے کے لیے عام حالات میں مستحب ہے،اگر اس سے کم و بیش میں صفائی ہو تو کرلے۔یہی مذہب حنفی ہے،امام شافعی کے یہاں تین ڈھیلے واجب ہیں۔

۳؎ کیونکہ ہڈی جنات کی غذا ہے اور گوبر ان کے جانوروں کی،نیزگوبرخودنجس ہے،تو اس سے پاکی کیسے حاصل ہو گی اور ہڈی کہیں نوکیلی کہیں چکنی ہوتی ہے،چکنی طرف سے صفائی نہ ہوگی نوک کی طرف سے زخم کا اندیشہ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ

	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ میں داخل ہوتے تو فرماتے کہ اے اللہ میں خبیث جنات اور خبیثہ جناتنیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں[1] (مسلم،بخاری)

[1] یہ دعاپاخانے میں داخل ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے،کیونکہ گندی جگہ پر اللہ کا ذکرممنوع ہے اور ننگے ہو کر تو بات کرنا ہی منع ہے۔چونکہ پاخانہ میں گندے جنات رہتے ہیں،اس لیے یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔خبیث اور خبائث کے بہت معنی ہیں یہاں وہ ہی معنے مناسب ہیں جو ہم نے کئے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی ا للہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں اورکسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیئے جارہےان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسراچغل خوری کرتا پھرتا تھا پھرآپ نے ایک ہری تر شاخ لی اور اسے چیرکر دو[2] حصے فرمائے پھر ہرقبر میں ایک گاڑدی لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا،تو فرمایا کہ شاید جب تک یہ نہ سوکھیں تب تک ان کا عذاب ہلکا ہو[1] (مسلم،بخاری)

[1] یہ حدیث بڑے معرکے کی ہے اس سے بے شمار مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:(۱)حضور کی نگاہ کے لئے کوئی شے آڑ نہیں،کھلی چھپی ہرچیز آپ پر ظاہر ہے کہ عذاب قبر کے اندر ہے حضور قبر کے اوپر تشریف رکھتے ہیں اور عذاب دیکھ رہے ہیں۔(۲)حضور خلقت کے ہر کھلے چھپے کام کو دیکھ رہے ہیں کہ کون کیا کررہا ہے اور یہ کیا کرتا تھا،فرمادیا کہ ایک چغلی کرتا تھا اور ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ (۳)گناہ صغیرہ پر حشر و قبر میں عذاب ہوسکتا ہے۔دیکھو چغلی وغیرہ گناہ صغیر ہ ہیں مگر عذاب ہورہا ہے۔ (۴)حضور ہرگناہ کا علاج بھی جانتے ہیں،دیکھو قبر پر شاخیں لگائیں تاکہ عذاب ہلکا ہو۔(۵)قبروں پر سبزہ،پھول،ہار وغیرہ ڈالنا سنت سے ثابت ہے کہ اس کی تسبیح سے مردے کو راحت ہے۔(۶)قبر پر قرآن پاک کی تلاوت،وہاں حافظ بٹھانا بہت اچھا ہے کہ جب سبزہ کے ذکر سے عذاب ہلکا ہوتا ہے تو انسان کے ذکر سے ضرور ہلکا ہوگا۔اشعۃ اللمعات نے جامع الاصول سے روایت کی کہ حضرت بریدہ صحابی نے وصیت کی تھی میری قبر میں دو ہری شاخیں ڈال دی جائیں تاکہ نجات نصیب ہو۔(۷)اگرچہ ہرخشک و ترچیز تسبیح پڑھتی ہے مگر سبزے کی تسبیح سے مردے کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ایسے ہی بے دین کی تلاوت قرآن کا کوئی فائدہ نہیں کہ اس میں کفر کی خشکی ہے۔مؤمن کی تلاوت مفید ہے کہ اس میں ایمان کی تری ہے۔(۸)گنہگاروں کی قبر پر سبزہ عذاب ہلکا کرے گا،بزرگوں کی قبروں پر سبزہ مدفون کا ثواب و درجہ بڑھائے گا۔جیسے مسجد کے قدم وغیرہ۔(۹)حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہے جس سے بچنا واجب۔دیکھو اونٹ کا

چرواہا اونٹ کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوا۔(۱۰)خشک نہ ہونے کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاثیر صرف حضور کے ہاتھ شریف کی نہ تھی ہم بھی قبر پر سبزہ ڈالیں تو یہی تاثیر ہوگی۔(۱۱)بزرگوں کے قبرستان میں قدم رکھنے کی برکت سے وہاں عذاب اٹھ جاتا ہے یا کم ہوجاتا ہے۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعنتی کاموں سے بچو۱؎ صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا یارسول اللہ لعنتی کام کون سے ہیں،فرمایا وہ جو لوگوں کی راہ یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرے۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی جن دو کاموں کی وجہ سے لوگ کرنے والے کو طعن لعن کرتے ہیں ان سے پرہیز کرو۔

۲؎ یعنی راستہ عام طور پر جہاں مسلمانوں کا گزر گاہ ہو وہاں پاخانہ نہ کرو،یوں ہی جس سایہ میں لوگ دھوپ کیوقت عموماً بیٹھتے لیٹے ہوں وہاں نہ کرو کہ اس سے رب تعالٰی بھی ناراض ہوتا ہے،لوگ بھی برا کہتے ہیں۔لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نخلستان میں حاجت قضا فرمائی کیونکہ وہ جگہ لوگوں کے آرام کی نہ تھی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ پانی کے گھاٹ اور گزر گاہ عوام پر پاخانہ نہ کرے اور کسی کی ملک زمین میں اس کی بغیر اجازت نہ کرے۔

روایت ہے حضرت ابو قتادہ سے۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۲؎ اور جب پاخانے جائے تو پیشاب گاہ داہنے ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کا نام حارث ابن ربعی یا ابن نعمان ہے،انصاری ظفری ہیں،بیعت عقبہ اورتمام غزوات میں شامل ہوئے،بدریااحد میں آپ کی آنکھ نکل پڑی تھی،حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ ٹکا کر اپنا لعاب شریف لگادیاتو دوسری آنکھ سے زیادہ روشن ہوگئی،ابو سعید خدری کے اخیافی یعنی ماں شریکے بھائی ہیں،ستر سال عمر پائی ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

۲؎ بلکہ برتن منہ سے علیحدہ کرکے سانس لے تاکہ تھوک یا رینٹ پانی میں نہ پڑے،نیز سانس میں اندر کی گرمی اور زہریلا مادہ ہوتا ہے جو پانی میں مل کر بیماری پیدا کرتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ چائے وغیرہ گرم چیز میں پھونکیں مارنا منع ہے۔

۳؎ کیونکہ داہنا ہاتھ کھانے پینے اور تسبیح وتہلیل شمار کرنے کے لیے ہے،لہذا اسے گندے کام میں استعمال نہ کرے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اسی طرح زبان و آنکھ و کان کو گناہوں میں استعمال نہ کرے کہ یہ چیزیں اللہ کا ذکرکرنے قرآن دیکھنے و سننے کے لیے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضوکرے ناک میں پانی لے اور جو استنجاءکرے وہ طاق	

	کرے ا۔(بخاری ومسلم)

ا۔معلوم ہوا کہ وضو میں ناک میں پانی لے کر صاف کرناسنت ہے۔اور پاخانہ کے بعد ڈھیلوں سے استنجاء کرنا اور طاق ڈھیلے لینا سنت ہے۔پانی سے استنجاء بعض صورتوں میں فرض ہے،بعض میں واجب،بعض میں سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جاتے تو میں اور ایک لڑکا پانی کا برتن اور برچھا لیتےآپ پانی سے استنجاء کرتے ا۔(مسلم،بخاری)

ا۔وہ دوسرے صاحب حضرت ابن مسعود تھے یا ابوہریرہ یا بلال رضی اللہ عنہم جن کے ذمہ یہ خدمات تھیں،پانی سے تو آپ ڈھیلوں کے بعد استنجاء کرتے تھے اور برچھے سے یا زمین سے ڈھیلا نکالتے،یا پیشاب کے لئے جگہ نرم کرتے تھے،یا پیشاب کے بعد وضوکرتے،پھر برچھے کو سترہ بنا کر دو نفل وضو کے پڑھتے تھے۔اب بعض بزرگوں کے ساتھ گولے والاعصاء رہتا ہے انہی مصلحتوں سے اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے ا۔اسے ابوداؤد،نسائی اور ترمذی نے روایت کیا۔اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔اور ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے۲۔اور ان کی روایت میں اتارنے کی بجائے رکھنا ہے۔

ا۔یعنی حضور انگوٹھی پہنے پاخانہ میں نہ جاتے بلکہ یاتواتار کر باہر ہی رکھ جاتے یاجیب میں ڈال لیتے تھے،کیونکہ اس میں لکھا تھا**محمد رسول اللہ**۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جس چیز میں اللہ تعالٰی یاانبیائے کرام کا نام لکھا ہواس کاادب کرے،اسے گندگی میں نہ ڈالے،پاخانہ میں نہ لے جائے،جیسے تعویذ وغیرہ جس میں اسمائے الٰہیہ یاآیات قرآنیہ ہوں۔دوسرے یہ کہ اگر یہ چیزیں غلاف میں ہوں تو پھر لے جانا جائز ہے،اسی لئے تعویذ کا موم جامہ کرلیتے ہیں اور مقطعات قرآنیہ کی انگوٹھی پر شیشہ یا کانچ لگالیتے ہیں۔(مرقاۃ وغیرہ)

۲۔کیونکہ اس کی اسناد میں ابوعبداللہ ھمام ابن یحیٰی ابن دینار رازدی ہیں،مگر ہمام کی مسلم وبخاری نے توثیق وتعریف کی اسی لیے ترمذی نے اسے حسن وصحیح فرمایا۔غرض کہ ہمام میں اختلاف ہے،بعض نے ان پر جرح کی،بعض نے توثیق تعدیل،اور جب جرح وتعدیل میں اختلاف ہو تو تعدیل کا اعتبار ہوتا ہے،لہذا یہ حدیث صحیح قابل سند ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے جانے کا ارادہ کرتے تو وہاں جاتے

جہاں آپ کو کوئی نہ دیکھتا[1] (ابوداؤد)	

[1] یعنی یا تو درخت یا دیوار کے پیچھے بیٹھتے اور اگر چٹیل میدان ہوتا تو اتنی دور تشریف لے جاتے جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑ سکتی۔بعض نے فرمایا کہ اتنی چھوٹی دیوار کہ جو بیٹھے ہوئے کو چھپا سکے آڑ کے لئے کافی ہے،مگر بعض کے نزدیک قد آدم آڑ کا ہونا مناسب ہے۔(اشعۃ اللمعات)

روایت حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضور نے پیشاب کا ارادہ کیا تو دیوار کی جڑ میں نرم زمین پر گئے،پھر پیشاب کیا پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بھی پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لئے نرم جگہ ڈھونڈے[1] (ابوداؤد)	

[1] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دوسرے شخص کی دیوار کے پیچھے اس سے بغیر پوچھے ہوئے بھی پیشاب کرنا جائز ہے،بشرطیکہ مکان والے کی بے پردگی نہ ہو اورنہ اسے ایذاء پہنچے ورنہ ممنوع ہے۔چنانچہ اگر مالک نے لکھ کر لگا دیا ہو کہ یہاں پیشاب نہ بیٹھو وہاں نہ بیٹھیں۔دوسرے یہ کہ نرم زمین میں پیشاب کرنا چاہیئے تاکہ اس کی چھینٹیں نہ اڑیں،اگر نرم زمین نہ ہو تو کرید کر نرم کرلی جائے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب پاخانہ کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہوتے اپنا کپڑا نہ اٹھاتے[1] (ترمذی،ابوداؤد،دارمی)	

[1] جیسا کہ پچھلی حدیث سے معلوم ہوا پاخانے کا یہ حکم نہیں خواہ کسی مکان میں ہوتے یا جنگل میں کیونکہ بلا ضرورت ستر کھولنا جائز نہیں۔اسی لئے علماء کہتے ہیں کہ تنہائی بلکہ اندھیرے میں بھی بلاضرورت ننگا نہ رہے،رب تعالٰی سے شرم کرے۔سبحان اللہ!کیسی نفیس تعلیم ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تمہارے لیئے ایسا ہوں جیسے بیٹے کے لئے باپ[1] تمہیں سکھاتا ہوں جب تم پاخانے جاؤ تو قبلہ کو منہ نہ کرو،اورنہ پیٹھ[2] اور تین پتھروں کا حکم دیا اورلید وہڈی سے منع فرمایا اور منع فرمایا کہ کوئی شخص داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرے[3] (ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یعنی شفقت و محبت اور تعلیم میں مَیں تمہارے والد کی مثل ہوں۔اور ادب،اطاعت اور تعظیم میں تم میری اولاد کی مثل ہو۔خیال رہے کہ بعض احکام شرعیہ میں بھی حضور ساری امت کی باپ ہیں،تمام جہان کے والد آپ کے قدم مبارک پر قربان اسی لیے ان کی بیویاں بحکم قرآن مسلمانوں کی مائیں ہیں کہ ان سے نکاح ہمیشہ حرام اورکسی عورت کو آپ سے پردہ کرنا فرض نہیں۔اسی لیے سارے مسلمان بحکم قرآن آپس میں بھائی ہیں،کیونکہ اس رحمت والے نبی کی اولاد ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا حرام ہے۔اس کی بحث ہماری کتاب "**جاءالحق**"میں دیکھو۔

۲؎جنگل میں ہو یا آبادی میں،آڑمیں ہو یا کھلے میدان میں۔بہرحال کعبے کو منہ یا پیٹھ کرکے پیشاب پاخانہ نہ کرو۔یہ حدیث امام اعظم کی کھلی ہوئی دلیل ہےچونکہ اس میں کسی جگہ کی کوئی قید نہیں۔

۳؎اس ممانعت کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سواءان ممنوعہ چیزوں کے ہر اس چیز سے استنجاء جائز ہے جو صفائی کرسکے،لکڑی،ڈھیلہ،پتھروغیرہ۔ہاں کاغذسے استنجاءممنوع اگرچہ سادہ ہی ہو،کیونکہ اس پراللہ اوررسول کا نام لکھا جاسکتا ہے،لہذا محترم ہے۔(مرقاۃ)نیز نوکیلی وغیرہ چیزوں سے استنجاء ممنوع ہے کہ نقصان پہنچاتی ہیں۔خیال رہے کہ انسان جنات اور جانوروں کی خوراک سے استنجاء ممنوع ہے،جیسا روٹی کے سوکھے ٹکڑے،گھاس،بھوسہ،کوئلہ پتے وغیرہ کہ یہ سب قابل حرمت ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ طہارت اور کھانے کے لیے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاءاورمکروہ کام کے لئے۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی داہنے ہاتھ سے وضوء،غسل کرتے تھے اور پہلے اسی کو دھوتے تھے،نیز اسی سے کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے۔اوربائیں ہاتھ سے استنجاء،ناک کی صفائی،تھوک کا پھینکنا وغیرہ،ہر وہ کام جس سے دل کراہت کرے کرتے تھے۔لہذا ایک ہاتھ کے کام دوسرے سے نہ کرو۔مرقاۃ نے فرمایا کہ دینی کتابیں داہنے ہاتھ سے پکڑو اور جو تابائیں ہاتھ سے۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر(ڈھیلے)لے جائے۱؎جن سے استنجاء کرے یہ اسے کافی ہوں گے۔(احمد،ابوداؤد،نسائی،دارمی)	

۱؎تین پتھروں کا حکم استحبابی ہے،کہ عام حالات میں یہ کافی ہوتے ہیں لیکن دست وغیرہ کے موقع پر پانچ یا سات کی ضرورت ہوتی ہے،مقصود صفائی ہے جتنے سے حاصل ہو۔ہاں سنت یہ ہے کہ طاق ہوں،پتھر اور ڈھیلے ایسے چاہئیں جو نجاست چوس سکیں،دیکھا گیا ہے کہ ریل کے پتھر کافی نہیں ہوتے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ گوبر سے استنجاءکرواور نہ ہڈی سےکیونکہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۱؎اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا	

	مگر نسائی نے زادالخ کا ذکر نہ فرمایا۔

۱؎ ہڈیاں جنات کی خوراک ہے اور گوبر ان کے جانوروں کی غذا۔اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّھَا واحد فرمایا یہ ضمیر ہڈیوں کی طرف لوٹتی ہے۔خیال رہے کہ جب مؤمن جنات کے جانوروں کی خوراک کا احترام ہے تو ہمارے جانوروں کی خوراک کا بھی ضرور احترام ہوگا۔بھائی فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جن مراد ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ جب جنات ہڈی اٹھاتے ہیں تو اس پر گوشت پاتے ہیں اور جب ان کو جانور گوبر میں منہ لگاتے ہیں تواس میں دانے پاتے ہیں جن سے وہ گوبر بنا۔

	روایت ہے حضرت رویفع بن ثابت سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے رویفع شاید میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہو گی۲؎ تولوگوں کو خبر دے دینا کہ جو اپنی داڑھی میں گرہ لگائے یا تانت باندھے ۳؎ یا کسی جانور کی پلیدی یا ہڈی سے استنجاء کرے تو حضور انور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ انصاری ہیں،امیر معاویہ کے زمانہ میں طرابلس کے حاکم رہے،افریقہ پر ۴۷ھ میں جہاد کیا، ۵۰ھ میں شام میں وفات پائی،مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی موت و زندگی سے خبردار ہیں،حضور نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے میدان میں خطوط کھینچ کر فرمایا کہ کل یہاں فلاں کافر مارا جائے گا،اور یہاں فلاں۔معلوم ہوا کہ وقت موت اور جگہ موت سے خبردار ہیں۔

۳؎ جہلائے عرب میدان جنگ میں بہادری دکھانے کے لیے داڑھی میں گرہ لگاتے،جیسے اب سے کچھ پہلے لوگ لمبی مونچھوں میں گرہ دیا کرتے تھے۔بعض نے فرمایا اہل عرب جس کے ایک بیوی ہوتی وہ داڑھی میں ایک گرہ لگاتا دو بیویوں والا دو گرہ،اس سے منع فرمادیا گیا،کیونکہ داڑھی میں کنگھی کرنا سنت ہے۔نیز نظر بد سے بچنے کے لیے گھوڑوں اور بچوں کے گلے میں تانت یا بتوں کے نام کے دم کئے ہوئے دھاگے باندھتے تھے یہ ممنوع ہے۔خیال رہے کہ آیات قرآنیہ اور اسمائے الٰہیہ کے تعویذ بھی باندھنا جائز ہے اور گنڈھے بھی جیسا کہ انشاءاللہ "باب الاستعاذہ" میں تحقیق کی جائے گی۔صحابہ کرام نے یہ عمل کئے ہیں۔لہذا اس حدیث سے ان تعویذ گنڈوں کو منع نہیں کرسکتے۔گنگا کے پانی کی تعظیم اور تعظیمًا اس کا پانی پینا کفر ہے۔آب زمزم کی تعظیم ایمان کا رکن ہے،وہ پانی تعظیمًا کھڑے ہوکر پینا چاہیئے کہ یہ ایک پیغمبر کے قدم کا فیض ہے۔غرض کہ بتوں کے احکام بزرگوں پر جاری کرنا بڑی بے دینی ہے۔

۴؎ یعنی اس کام سے متنفّر ہیں اور کرنیوالے سے ناراض ہیں،یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ میں بیزار ہوں،بلکہ فرمایا کہ حضور محمد مصطفٰے بیزار ہیں تاکہ پتہ لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں محمد ہر طرح قابل حمد،جس سے وہ ناراض ہیں وہ ہر طرح براہی ہوگا۔اس سے معلوم ہوا کہ کبھی گناہ صغیرہ بھی حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا باعث بن جاتے ہیں، کیونکہ یہ مذکورہ تین کام گناہ صغیرہ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت والوں کے کاموں سے مسلمان کو پرہیز چاہئیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سرمہ لگائے وہ طاق بار لگائے ۱؎ کرے تو اچھا ہے نہ کرے تو گناہ نہیں ۲؎ اور جو استنجا کرے تو طاق سے کرے جو کرے تو اچھا اور نہ کرے تو گناہ نہیں ۳؎ اور جو کھائے تو جو خلال سے نکالے وہ تھوک دے اور جو زبان سے نکالے وہ نگل لے ۴؎ جو کرے تو اچھا ہے جو نہ کرے تو گناہ نہیں ۵؎ اور جو پاخانہ جائے تو آڑ کرے اگر آڑ نہ پائے یا بجز اس کے کہ ریت کا ڈھیر جمع کرے تو اس ڈھیر کی طرف پیٹھ کرے ۶؎ کیونکہ شیطان لوگوں کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے جو یہ کرے تو اچھا ہے جو نہ کرے تو گناہ نہیں ۷؎ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

۱؎ ہر آنکھ میں تین سلائیاں اس طرح کہ پہلے داہنی آنکھ میں تین۔ بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ پہلے دہانی میں دو، پھر بائیں میں تین، پھر دائیں میں ایک، تاکہ داہنی پر ابتداء اور انتہاء ہو، اس میں بھی حرج نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے وقت تین تین سلائیاں لگایا کرتے تھے، اس پر پابندی کرنے والا ان شاءاللہ اندھا نہ ہوگا۔

۲؎ یعنی یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلق امر وجوب کے لیے ہوتا ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امر کے بعد اس فرمان کی ضرورت نہ ہوتی۔

۳؎ یعنی بڑے استنجے کے لیے تین، یا پانچ، یا سات حسب ضرورت ڈھیلے لے۔ اگر چار یا چھ لئے جب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ مقصود صفائی ہے۔ خیال رہے کہ سرمے کی تین ہی سلائیاں لگائے پانچ یا سات نہیں کہ یہی سنت ہے۔

۴؎ کیونکہ خلال سے نکالے ہوئے میں خون سے مخلوط ہونے کا احتمال ہے، لہذا احتیاطًا نہ کھائے اور زبان سے نکالے ہوئے میں یہ احتمال نہیں وہاں اس احتیاط کی ضرورت نہیں۔

۵؎ یہ اس صورت میں ہے کہ خون سے مخلوط ہونے کا صرف احتمال ہو یقین نہ ہو، اگر یقین ہو تو نگلنا حرام ہے کیونکہ بہتا خون حرام بھی ہے اور نجس بھی، خواہ دوسرے کا۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ بہتا خون جسم میں داخل کرنا ناجائز ہے جیسے پیشاب پاخانہ داخل کرنا کہ یہ سب نجس ہیں۔

۶؎ لوگوں کے سامنے تو آڑ کرنا فرض ہے، تنہائی میں آڑ مستحب، کیونکہ یہ حیا کا ایک شعبہ ہے اسی لیے تنہائی میں بھی ننگا رہنا ممنوع ہے۔ ڈھیر کی طرف پیٹھ کرنا اس واسطے ہے کہ آگے تو کپڑے وغیرہ سے بھی آڑ کی جاسکتی ہے ورنہ دونوں طرفیں ستر کے لائق ہیں۔

۷؎ یعنی تنہائی میں یہ پردہ مستحب ہے واجب نہیں۔شیطان کے کھیلنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ننگا دیکھ کر ہنستا ہے،وسوسے ڈالتا ہے وغیرہ۔

	روایت ہے عبداللہ ابن مغفل سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے گا ۲؎ کیونکہ عام وسوسے اسی سے ہوتے ہیں ۳؎ اسے ابوداؤد،ترمذی اورنسائی نے روایت کیا مگر ان دونوں نے "ثم یغتسل" کا ذکر نہ کیا۔

۱؎ آپ صحابی ہیں،قبیلہ مزینہ سے ہیں،بیعت الرضوان میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ قیام رہا،شہر تَسْتُر فتح ہونے پر اول آپ ہی وہاں داخل ہوئے،عہد فاروقی میں بصرہ میں لوگوں کو علم دین سکھانے کے لئے آپ کو بھیجا گیا،وہیں ۵۹ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ **مستحمہ** کے معنی ہیں گرم پانی استعمال کرنے کی جگہ۔**حمیم** گرم پانی،اسی سے حمام بنا۔اگرغسل خانہ کی زمین پختہ ہواوراس میں پانی خارج ہونے کی نالی بھی ہو تو وہاں پیشاب کرنے میں حرج نہیں،اگرچہ بہتر ہے کہ نہ کرے۔لیکن اگر زمین کچی ہو اور پانی نکلنے کا راستہ بھی نہ ہو تو پیشاب کرنا سخت برا ہے کہ زمین نجس ہوجائے گی،اور غسل یاوضو میں گندا پانی جسم پر پڑے گا۔یہاں دوسری صورت ہی مراد ہے اسی لیے تاکیدی ممانعت فرمائی گئی۔

۳؎ یعنی اس سے وسوسوں اور وہم کی بیماری پیدا ہوتی ہے،جیسا کہ تجربہ ہے یا گندگی چھینٹیں پڑنے کا وسوسہ رہے گا۔پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

	روایت ہے عبداللہ ابن سرجس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص سوراخ میں ہرگز پیشاب نہ کرے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ قبیلہ مزینہ یا قبیلہ بنی مخزوم سے ہیں،بصرہ کے رہنے والے ہیں،آپ کے والد کا نام یا سرجس ہے یانرجس۔

۲؎ جحر سے مراد یا زمین کا سوراخ یا دیوار کی پھٹن،چونکہ اکثر سوراخوں میں زہریلے جانور،چیونٹیاں وغیرہ کمزور جانور یا جنات رہتے ہیں،چیونٹیاں پیشاب یاپانی سے تکلیف پائیں گی،یا سانپ وجن نکل کر ہمیں تکلیف دیں گے،اس لیے وہاں پیشاب کرنا منع فرمایا گیا۔چنانچہ سعدابن عبادہ انصاری کی وفات اسی سے ہوئی کہ آپ نے ایک سوراخ میں پیشاب کیا جن نے نکل کر آپ کو ہلاک کردیا۔لوگوں نے اس سوراخ سے یہ آواز سنی "نَحْنُ قَتَلْنَا سَیِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنِ عُبَادَۃَ وَرَمَیْنَاہُ بِسَھْمٍ فَلَمْ نُخْطِ مَوَادَ"۔(مرقاۃ واشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لعنتی چیزوں سے

	بچو،گھاٹوں، درمیانی راستہ اور سایہ میں پاخانہ کرنے سے ا (ابوداؤد)

ا اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ ہر وہ جگہ جہاں لوگ بیٹھتے یا آرام کرتے ہوں وہاں پاخانہ کرنا منع ہے کہ اس سے رب تعالٰی بھی ناراض ہے اور لوگ بھی گالیاں دیتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے غسل اور استنجاءخانوں میں پاخانہ کرنا سخت جرم ہے۔بندوں کو ستانے والا رب کے عذاب کا مستحق ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید نے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو شخص پاخانہ کرنے نہ جائیں کہ شرمگاہیں کھولے باتیں کریں کیونکہ اللہ تعالٰی اس پر ناراض ہوتا ہے ا (احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

ا کیونکہ دوسرے کے سامنے ننگاہونا بھی منع ہے،اور پیشاب پاخانہ کرتے ہوئے باتیں کرنا بھی جرم،اس وقت باتیں کرنے سے ملائکہ کو تکلیف ہوتی ہے،بلکہ اس وقت اللہ کا بھی ذکر نہ کریں،اگر چھینک آئے تو زبان سے الحمدللہ بھی نہ کہیں،اگر کوئی سلام کرے تو جواب بھی نہ دیں۔غرض کہ پیشاب پاخانہ اورصحبت کے وقت مطلقًا بات کرنا ممنوع ہے۔

	روایت ہے زید بن ارقم سے فرماتے ہیں ا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ پاخانے جنات کے حاضر رہنے کی جگہ ہیں ۲ تو جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے تو کہہ لے میں گندے جن اور جناتنی سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

ا آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کی کنیت ابو عمرو ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،کوفہ میں قیام رہا،۸۵ سال عمر پائی، ۶۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

۲ کیونکہ یہاں پلیدیاں پڑتی ہیں،اللہ کا ذکر ہوتا نہیں،اس لئے وہاں شیطان لوگوں کی تاک میں بیٹھتے ہیں،اسی لئے حکم ہے کہ بلاضرورت پاخانہ میں نہ جاؤ اور بلاوجہ وہاں نہ بیٹھو۔خیال رہے کہ گرجے،مندر،شراب خانے،سینما،جہاں جواری جوا کھیلیں یہ تمام جگہ شیطانوں کے ٹھکانے ہیں۔سرکار نے فرمایا ہے کہ بازاروں میں شیطان رہتا ہے کہ وہاں جھوٹ،دھوکے بہت دیئے جاتے ہیں۔

۳ مگر یہ کلمات پاخانہ میں جانے سے پہلے کہے،پاخانہ کے اندر اللہ کا ذکر منع ہے،کیونکہ وہاں گندگیاں ہیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنات کی آنکھوں اور لوگوں کے ستر کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی پاخانہ میں جائے تو بسم اللہ کہہ لے ا اسے ترمذی نے روایت کیااورفرمایا یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں۔

۱؎ یعنی جیسے دیوار اور پردے لوگوں کی نگاہ سے آڑ بنتے ہیں،ایسے ہی یہ اﷲ کا ذکر جنات کی نگاہوں سے آڑ بنے گا کہ جنات اس کو نہ دیکھ سکیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب پاخانے سے آتے تو فرماتے تیری بخشش(چاہیئے)۱؎(ترمذی،و ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ ان تمام احادیث میں بیت الخلاء سے پاخانے پھرنے کی جگہ مراد ہے،جنگل میں ہو،یا چھت پر،یا گھر کے گوشہ میں،نہ کہ خاص کوٹھڑیاں کیونکہ اس زمانہ میں گھروں میں پاخانہ کی کوٹھڑیاں بنانے کا رواج نہ تھا۔اور پاخانہ سے فارغ ہوکر مغفرت مانگنے کی دو وجہ ہیں:ایک یہ کہ فراغت کا وقت اﷲ کے ذکر کے بغیر گزرا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اس حالت کے تمام حالات میں ذکر اﷲ کرتے تھے خداوند اس کوتاہی کو معاف کر۔دوسرے یہ کہ خیریت سے پاخانہ ہوجانا خدا کی بڑی نعمت ہے جس کے شکریہ سے زبان قاصر ہے خدایا اس قصور کو معاف کر۔خیال رہے کہ حضور کی استغفارہ امّت کی تعلیم کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جاتے تو میں آپ کی خدمت میں چھاگل یا پیالہ میں پانی لاتا۱؎ آپ استنجاء کرتے پھر ہاتھ شریف زمین پر رگڑتے۲؎ پھر میں دوسرا برتن لاتا تو وضو فرماتے۳؎ اسے ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا،نسائی نے بمعنی۔

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ نبی امتی سے،پیر مرید سے،استاد شاگرد سے،باپ اپنے بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے۔اور ان لوگوں کا رضاء کارانہ طور پر بزرگوں کی خدمت کرنا سعادت مندی ہے۔

۲؎ تاکہ مٹی سے ہاتھ مانجھ کر بو دفع کردی جائے لہذا استنجے کے بعد صابون وغیرہ سے ہاتھ دھونا سنت سے ثابت ہے۔خیال رہے کہ حضور کا یہ فعل شریف بھی امت کے لیے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات میں بدبو نہ تھی حتی کہ ایک بی بی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب دھوکہ میں پی لیا جیسا کہ اس کے موقع پر ذکر کیا جائے گا۔ان شاءاللہ!

۳؎ اکثر نہ کہ ہمیشہ،جیساکہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔چونکہ برتن چھوٹا تھا استنجے کے بعد وضو کے لائق پانی نہیں بچتا تھا،اس لیے دوسرے برتن سے وضو فرماتے تھے ورنہ استنجے کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے۔

	روایت ہے حکیم ابن سفیان سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے تو وضو فرماتے اور شرمگاہ(رومالی)پر چھینٹا دیتے۱؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ سفیان ابن حکم کی صحابیت میں اختلاف ہے،نیز ان کا نام یا حکم ابن سفیان ہے یا سفیان ابن حکم۔رومالی پر چھینٹا مارنا دفع وسوسہ کے لیے اکسیر ہے۔بعض علماء ہر وضو کے بعد اس کے چھینٹے کو مستحب کہتے ہیں۔بعض فرماتے ہیں کہ اگر پیشاب

کے بعد وضو کیا جائے تو چھینٹا مار لیا جائے تاکہ اگر بعد میں رومالی پرتری نظر آئے تو اس کے پیشاب ہونے کا احتمال نہ رہے یہی صحیح ہے۔

	روایت ہے امیمہ بنت رقیقہ سے ۱؎فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ کے تخت کے نیچے رکھا رہتا تھا جس میں رات کو پیشاب کرتے تھے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎آپ صحابیہ ہیں،آپ کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام رقیقہ ہے،یا حضور کی پھوپھی ہیں یعنی آپ کے والد کی ماں شریکی ہمشیرہ یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کی بہن،اور ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں رشتے ہوں۔

۲؎عیدان یا عود کی جمع ہے۔(بمعنی لکڑی) یا عیدانیۃٌ کی،بمعنی درخت کھجور۔سرکار اکثر زمین پرسوتے تھے(صلی اللہ علیہ وسلم)اور کبھی تخت پر بھی،پائنتی کی طرف یہ پیالہ رہتا تھا تاکہ پیشاب کے لیے سردی وغیرہ میں باہر نہ جانا پڑے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں کھڑے ہوئے پیشاب کررہا تھا تو فرمایا کہ اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو پھر میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ اورطریقۂ کفار ہے،جاہلیت کے لوگ گدھے بیل کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔اگر اس میں بے پردگی ہویا کپڑے پر چھینٹیں پڑیں یامشابہت کفار(فیشن) کے لیے ہو تو مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی،مجبوری کی حالت میں بلاکراہت جائز۔

	شیخ الامام محی السنہ نے فرمایا حضرت حذیفہ سے بروایت صحیح مروی ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے تو کھڑے ہوکر پیشاب کیا(مسلم،بخاری) کہا گیا ہے کہ یہ عذرًا تھا ۱؎

۱؎یا تووہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی کیونکہ کوڑی پر ہر جگہ نجاست ہی ہوتی ہے،یاپاؤں شریف میں زخم،یا پیٹھ میں درد تھا جس کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مفید تھا۔اطباء کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر انگارے پر پیشاب کرنا ستر بیماریوں کا علاج ہے۔(مرقاۃ،اشعۃ اللمعات) خیال رہے کہ اس موقع پر سرکار اونچی جگہ کھڑے ہوئے ہوں گے جس سے پیشاب کی چھینٹوں سے محفوظ رہے ہوں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں جو تمہیں یہ خبر دے

	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اسے سچا نہ مانو آپ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے ۱؎(احمد،ترمذی،نسائی)

۱؎ ام المؤمنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کا ذکر فرمارہی ہیں۔یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا ورنہ ایک آدھ بار عذراً کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت زید ابن حارثہ سے ۱؎وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضرت جبریل پہلی وحی میں آپ کے پاس آئے ۲؎تو آپ کو وضو و نماز سکھائی ۳؎پھر جب وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا چلو لیا اور شرمگاہ پر چھڑکا ۴؎(احمد و دار قطنی)

۱؎آپ کی کنیت ابواسامہ ہے،آپ کی والدہ سعد بنت ثعلبہ ہیں،آپ کو آٹھ سال کی عمر میں قبیلہ بنی معن نے پکڑلیا،اور بازار عکاظ میں حکیم ابن خویلد کے ہاتھ چارسو درہم کے عوض فروخت کیا،حکیم نے آپ کو اپنی پھوپھی خدیجۃ الکبریٰ کے واسطے خریدا،جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنھا سے نکاح کیا تو انہوں نے حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کردیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کرکے اپنا بیٹا بنالیا اور اپنی لونڈی ام ایمن سے نکاح کردیا،جس سے اسامہ ابن زید پیدا ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح زینب بنت جحش سے کردیا جو بعد میں حضور کے نکاح میں آئیں۔آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیارے تھے حتی کہ آپ کا شمار اہل بیت پاک میں ہوتا ہے اور لوگ آپ کو زید ابن محمد کہا کرتے تھے۔تب یہ آیت اتری"اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ"تمام صحابہ رضی اللہ عنھم میں صرف آپ کا ہی نام قرآن پاک میں آیا ہے"فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا" آپ کی عمر پچپن سال ہوئی،جمادی الاولی ۸ھ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔

۲؎پہلی وحی سے مراد فرضیت نماز یعنی شب معراج کے بعد کی پہلی وحی ہے جو نبوت کے تیرھویں سال ہوئی،کیونکہ اس سے پہلے نہ نماز آئی تھی نہ وضو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے یہ سب کچھ کیا کرتے تھے۔لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پہلی وحی"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ"ہے۔

۳؎امت کی تعلیم کے لیئے ورنہ حضور خود تو پہلے ہی سب کچھ جانتے تھے،نبوت سے پہلے غار ثور میں اعتکاف اور عبادت کرتے تھے،مگر اب یہ احکام شرعیہ بنے،لہذا جبرئیل امین نے سکھایا نہیں،بلکہ رب کی طرف سے پہنچایا،لہذا جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں،استاد نہیں،سکھانے والا رب ہے۔

۴؎تاکہ حضور اپنی امت کو یہ سکھائیں۔اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ یہ وسوسہ کا علاج ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس حضرت جبریل

	آئے عرض کیا اے محمد!۱(صلی اللہ علیہ وسلم)جب آپ وضو کریں تو پانی چھڑک لیا کریں۔ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے میں نے محمد یعنی امام بخاری کو کہتے سنا کہ حسن بن علی ہاشمی راوی منکرالحدیث ہے۲۔

۱شاید یہ حدیث اس آیت کے نزول سے پہلے کی ہے"لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ"الایہ۔اس آیت کے نزول کے بعد فقط نام شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا حرام ہے،جب ہمارا رب ہی اپنے محبوب کو نبی،رسول،مزمل،مدثر کے القاب سے پکارے تو مخلوق صرف نام سے کیسے پکار سکتی ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ یہ الفاظ شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہوں انہوں نے ادب سے پکارا ہو گا،حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انکسارًا اس طرح نقل فرمایا،جیسے کہا جاتا ہے کہ مجھ سے فلاں نے کہا تو اس وقت آنا،حالانکہ انہوں نے کہا ہوتا ہے(آپ تشریف لایئے گا)۔
۲یعنی اس اسناد میں کوئی راوی حسن ابن علی بھی ہے جو خود ثقہ نہیں ہے اور اس روایت میں وہ اکیلا ہے مگر مضائقہ نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔خیال رہے کہ یہ حسن ابن علی کوئی غیر معتبر شخص ہے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مراد نہیں جیسا بعض لوگوں نے سمجھا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں پیشاب کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عمر آپ کے پچھلے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے ہوگئے فرمایا اے عمر!یہ کیا؟عرض کیا پانی ہے جس سے آپ وضو کریں فرمایا مجھے یہ حکم نہیں کہ جب کبھی پیشاب کروں تو وضو کرو اگر یہ کروں تو سنت ہوجائے ۱(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱یعنی سنت مؤکدہ،ورنہ باوضو رہنا سنت مستحبہ تو ہے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کے لیے حکم کا انتظار نہیں کرتے تھے بلکہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔دوسرے یہ کہ جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کریں وہ سنت مؤکدہ ہے۔اور جس کا حکم بھی کریں وہ واجب۔تیسرے یہ کہ بارہا سرکار نے امت پر آسانی کرنے کے لئے مستحب کاموں کو چھوڑ دیا ہے اور یہ چھوڑنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث ثواب ہے کیونکہ تبلیغ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوایوب وجابر وانس سے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونا پسند کرتے ہیں اور اللہ ستھروں کو پسند

فرماتاہے ۱؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انصار کے گروہ اللہ نے تمہاری پاکی کی بہت تعریف کی ہے تمہاری کیسی پاکی ہے ۲؎ وہ بولے کہ ہم نماز کے لیئے وضو جنابت کے لئے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء ۳؎ تو فرمایا کہ وہ یہ ہی پاکی ہے اسے لازم کرلو ۴؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ اس آیت میں مسجد قباء کی تعریف فرمائی گئی ہے،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے،یعنی چونکہ مسجد کے آس پاس انصار رہتے ہیں،اور اس میں وہی نماز پڑھتے ہیں،یہ بڑے پاک لوگ ہیں،آپ بھی وہاں نماز پڑھاکریں۔اس سے معلوم ہوا کہ جس مسجد کو بزرگوں نے بنایا ہو،یا بزرگوں نے وہاں نمازیں پڑھی ہوں،یا اس کے قریب بزرگ رہتے ہوں،یا دفن ہوں وہاں نماز کا ثواب زیادہ ہے اور ارادۃً وہاں جا کر نماز پڑھنا رب کو پسند ہے۔اس سے شریعت اور تصوف کے بہت سے مسائل حاصل ہوسکتے ہیں۔اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر "نورالعرفان" میں دیکھو۔

۲؎ یہ سوال و جواب لوگوں کو سنانے کے لیے ہے،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر ایک کے عمل سے واقف ہیں،فرماتے ہیں "لَایُخْفٰی عَلَیَّ صَلٰوتُکُمْ" الخ۔

۳؎ ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرلیتے ہیں،یاصرف پانی سے ہی استنجاء کرتے ہیں نہ کہ ڈھیلوں سے،دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں،جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔دوسرے لوگ صرف ڈھیلوں پر کفایت کرتے ہیں مگر یہ کفایت خشک پاخانے میں ہوسکتی ہے،دست کی صورت میں دھونا فرض ہے جب کہ روپے سے زیادہ جگہ لتھڑ جائے۔

۴؎ یعنی پانی سے استنجاء لازم کرلو۔نماز کے لیئے وضوء اور جنابت سے غسل تو سب حضرات ہی کرتے تھے۔

روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں بعض مشرکوں نے مذاقًا کہا کہ ہم تمہارے صاحب کو دیکھتے ہیں کہ تم کو پاخانہ کرنا تک سکھاتے ہیں ۱؎ میں نے کہاہاں ہمیں حکم دیا ہے کہ قبلہ کو منہ نہ کریں اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں اور تین پتھروں سے کم پر کفایت نہ کریں ان میں نہ گوبر ہو نہ ہڈی ۲؎ (مسلم) احمد نے روایت کیا یہ اس کے لفظ ہیں۔	

۱؎ ایسی معمولی باتیں سکھانا ان کی شان کے خلاف ہے بڑے لوگ بڑی باتیں سکھائیں۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسا حکیمانہ جواب ہے یعنی یہ تو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ ہمیں کسی کا محتاج نہ رکھا سب کچھ سکھا دیا۔دیکھو ہمیں استنجاء کے بارے میں کیسے نفیس احکام عطا فرمائے،تم بھی یہ باتیں سیکھ لو۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان بن حسنہ سے ۱؎ فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف	

	لائے کہ آپ کے ہاتھ شریف میں ڈھال تھی آپ نے ڈھال زمین پر رکھی پھر بیٹھ کراس کے پیچھے پیشاب کیا ۲؎ تو بعض کفار بولے انہیں دیکھو تو عورتوں کیطرح پیشاب کرتے ہیں ۳؎ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تو فرمایا افسوس تم پر کیا تمہیں خبر نہیں کہ بنی اسرائیل والے کو کیا آفت پہنچی تھی کہ جب انہیں پیشاب لگ جاتا تو قینچیوں سے جگہ کاٹ ڈالتے تھے اس نے انہیں منع کیا تو اپنی قبر میں عذاب دیا گیا ۴؎ اسے ابوداؤد ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے ان سے انہوں نے ابوموسی سے۔

۱؎ حسنہ ان کی والدہ کا نام ہے،والد کا نام عبداللہ ابن مطاع ہے،آپ صحابی ہیں۔

۲؎ ورقہ چمڑے کی وہ ڈھال ہے جس میں لکڑی اور پٹھا استعمال نہ کیا جائے۔ہلکی ہوتی ہے،جنگ میں تلوار کا وار آسانی سے روک لیتی ہے۔ڈھال کی آڑمیں پیشاب کرنے سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے وقت پورے جسم کا چھپانا ضروری نہیں،صرف شرمگاہ کا چھپ جانا کافی ہے،کیونکہ ڈھال چھوٹی ہوتی ہے۔

۳؎ اسلام سے پہلے عربی مردبے دھڑک سب کے سامنے ننگے پیشاب پاخانہ کرلیا کرتے تھے۔ستر اور شرمِ حجاب اسلام نے سکھایا وہ لوگ اس تہذیب کا مذاق اڑاتے تھے،جیسے آج بعض بے دین جاہل بعض اسلامی احکام داڑھی،نماز وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔یہ ایسے ہی ہے جیسے نکٹے ناک والوں کا نکو کہہ کر مذاق اڑائیں۔

۴؎ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیشاب کے احکام بہت سخت تھے کہ اگر کپڑے میں لگ جائے جلا ڈالو،اوراگر بدن پر لگ جائے تو اتنی کھال چھیل ڈالو۔ان میں ایک شخص نے بنی اسرائیل کو مشورہ دیا کہ ایسا نہ کرو۔اس مشورے پر وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوا،حالانکہ اس نے ایسی چیزسے روکا تھا جو نفس پر سخت گراں تھی اور تو مجھے اس حجاب اور حیاسے منع کررہا ہے جو نہ تکلیف دہ ہے نہ نفس پر بھاری،بتا تیرا کیا حال ہوگا؟اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کوئی بنی اسرائیل ہوگا اور یہ واقعات اس زمانہ میں مشہور ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ تو دیکھو کہ اس کے مذاق کا کوئی جواب نہ دیا،نرمی سے مسئلہ سمجھادیا۔

	روایت ہے حضرت مروان اصفر سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمرکو دیکھا کہ انہوں نے اپنی سواری قبلہ رخ بٹھالی پھر بیٹھ کر اس کی جانب پیشاب کرنے لگے ۲؎ میں نے کہا اے ابوعبدالرحمان کیا اس کی ممانعت نہیں ہے ۳؎ فرمایا کہ اس سے جنگل میں منع کیا گیا ہے مگر جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز آڑکرے

	تو کوئی مضائقہ نہیں ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎آپ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام ہیں،تابعی ہیں،آپ سے ایک دو حدیثیں مروی ہیں۔
۲؎ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ جنگل کا ہے،جیسا کہ جواب سے معلوم ہورہا ہے،نیز جنگل ہی میں سواری پر بیٹھا جاتا ہے۔
۳؎اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عام صحابہ اورتابعین میں یہی مشہور تھا کہ مطلقًا قبلہ رو پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے،تب ہی تو اس تابعی کو حضرت ابن عمر کے اس فعل پر تعجب ہوا،لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔
۴؎یہ حضرت ابن عمر کا اجتہادی فتویٰ ہے۔یہ جنگل اوربستی کا فرق حدیث مرفوع میں نہیں اور اس فتوے کی وجہ یہ ہے جو اسی باب میں پہلے گزر چکی ہے،ہم وہاں ہی اس پر مکمل گفتگو کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانے سے نکلتے تو فرماتے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز دور کی اور مجھے عافیت(راحت بخشی) ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎یہاں دونعمتوں پر خدا کا شکر ہے تکلیف دہ چیز یعنی فضلہ کا نکل جانا اورراحت کا ملنا اس طرح کہ اس کے ساتھ یہ آنتیں باہر نہ آگئیں۔یہ بات معمولی معلوم ہوتی ہے مگرغورکرو تو عظیم الشان نعمت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ جب جنات کا وفدحضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوا ۱؎تو عرض کیایارسول اللہ اپنی امت کو منع فرمادیں کہ ہڈی گوبر یا کوئلہ سے استنجاء نہ کریں کیونکہ اس میں اللہ نے ہماری روزی کی ہے تب ہم کو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اپنے اوراپنی قوم کی طرف سے ایمان لانے کےلیے جنات کے ایمان کا واقعہ کئی بار ہوا ہے،ان میں سے ایک موقعہ پر حضرت ابن مسعود حضور کے ساتھ تھے اسی بار یہ حکم فرمایا گیا۔
۲؎پہلے کہا جاچکاہے کہ کوئلہ اورہڈیاں جنات کی خوراک ہیں اورگوبران کے جانوروں کی،لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ مؤمن جن گنداگوبر کیوں کھاتے ہیں اور نہ یہ اعتراض کہ جب وہ گندا گوبر کھالیتے ہیں تو انہیں انسان کی گندگی بھی کھالینی چاہیئے کیونکہ ان کے جانور کی غذا یہ گندگی نہیں ہے۔

باب السواک

مسواک کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ مسواک اور سواک سَوْكٌ سے بنا بمعنی ملنا،مسواک دانتوں کے ملنے کا آلہ۔شریعت میں مسواک وہ لکڑی ہے جس سے دانت صاف کئے جاتے ہیں۔سنت یہ ہے کہ یہ کسی پھول یا پھلدار درخت کی نہ ہو،کڑوے درخت کی ہو،موٹائی چھنگلی کے برابر ہو،لمبائی بالشت سے زیادہ نہ ہو،دانتوں کی چوڑائی میں کی جائے نہ کہ لمبائی میں،بے دانت والا انسان اور عورتیں انگلی پھیر لیا کریں۔مسواک اتنے مقام پر سنت ہے: وضوء میں،قرآن شریف پڑھتے وقت،دانت پیلے ہونے پر،بھوک،یا دیر تک خاموشی،یا بے خوابی کی وجہ سے منہ سے بو آنے پر۔احناف کے ہاں مسواک سنتِ وضو ہے نہ کہ سنت نماز،لہذا باوضو آدمی نماز کے لیے مسواک نہ کرے۔امام شافعی کے ہاں سنت نماز ہے نہ کہ سنت وضو اور وجہ ظاہر کہ ان کے ہاں خون وضو نہیں توڑتا تو اگر مسواک سے دانت میں خون نکل بھی آیا تو نماز درست ہوگی۔لیکن ہمارے ہاں بہتا خون وضو توڑ دیتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر یہ نہ ہوتا کہ اپنی امت پر دشواری کروں گا تو انہیں عشاء میں دیر کا اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا ۱ (بخاری مسلم)	

۱یعنی ان پر فرض کردیتا کہ نماز عشاء تہائی رات پر پڑھیں،اور ہر نماز کے لیے وضو کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور باذن الٰہی احکام کے مالک ہیں،جو چاہیں فرض کریں،جو چاہیں حرام کہ فرماتے ہیں میں فرض کردیتا۔خیال رہے کہ یہ حدیث امام شافعی کے نزدیک اپنے ظاہر پر ہے مگر ہمارے ہاں ہر نماز سے مراد اس کا وضو ہے یعنی وضو پوشیدہ ہے،کیونکہ ابن خزیمہ،حاکم،بخاری شریف نے "کتاب الصوم" میں انہی ابوہریرہ سے یہی حدیث روایت کی مگر اس میں بجائے "صَلوٰۃٍ کے عِنْدَکُلِّ وُضُوءٍ" ہے اور احمد وغیرہ کی روایت ہے "عِنْدَکُلِّ طُھُوْرٍ" وہ حدیثیں اس کی تفسیر ہیں۔خیال رہے کہ وضو میں مسواک کی زیادہ تاکید ہے ورنہ وضو کے علاوہ پانچ جگہ اور بھی مسواک سنت ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔امام احمد کی روایت میں ہے کہ مسواک کی نماز بغیر مسواک کی ستر نمازوں سے افضل ہے۔

روایت ہے شریح ابن ہانی سے ۱فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کیا کام کیا کرتے تھے؟ فرمایا مسواک ۲ (مسلم)	

۱؎ صحیح یہ ہے کہ حضرت شریح مجتہدین تابعین سے ہیں،اور آپ کے والد ہانی ابن یزید صحابی ہیں،حضرت شریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوچکے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانی سے پوچھا کہ تمہارے کتنے بچے ہیں؟عرض کیا تین۔شریح،عبداللہ اور مسلم۔فرمایا تمہاری کنیت ابو شریح ہے،آپ سیدنا علی مرتضٰی کے مخصوص ساتھی ہیں،بلکہ آپ کے قاضی رہے ہیں،جنگ جمل و صفین میں آپ کے ساتھ تھے،۷۸ھ؁ میں شہید کیئے گئے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ مسواک وضو کے علاوہ بھی کرنی چاہیئے۔مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ مسواک کے ستر فائدے ہیں:جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مرتے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے ،یہ "پائیریا"سے محفوظ رکھتی ہے،گندہ دہنی دور کرتی ہے،دانتوں و معدے کو قوی کرتی ہے،آنکھوں میں روشنی دیتی ہے۔دیکھو شامی وغیرہ۔ اور افیون میں ستر برائیاں ہیں:جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے خرابیٔ خاتمہ کا اندشیہ ہے۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیئے رات میں اٹھتے تو اپنا منہ شریف مسواک سے ملتے۱؎ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی وضو بلکہ استنجے سے بھی پہلے،پھر وضو میں اس کے علاوہ کیونکہ مسواک بیدار ہونے کی بھی سنت ہے اور وضو کی بھی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دس چیزیں نبیوں کی سنت سے ہیں ۱؎ مونچھ کٹانا ۲؎ داڑھی بڑھانا ۳؎ مسواک،ناک میں پانی لینا،ناخن کٹانا ۴؎ پورے دھونا ۵؎ بغل کے بال اکھیڑنا ۶؎ زیر ناف کے بال مونڈنا ۷؎ پانی خرچ کرنا یعنی استنجاء کرنا ۸؎ راوی کہتے ہیں کہ میں دسویں بات بھول گیا ممکن ہے کلی ہو ۹؎ (مسلم)اور ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کی بجائے ختنہ ہے ۱۰؎ میں نے یہ روایت نہ تو صحیحین میں پائی ہے اور نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے جامع والے نے اور یوں ہی خطابی نے "معالم السنن"میں بروایت ابوداؤد عمار ابن یاسر سے روایت کیا ۱۱؎

۱؎ فطرت کے لغوی معنی ہیں پیدائش،رب فرماتا ہے: "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"مگر اصطلاح میں ان سنت انبیاء کو فطرت کہا جاتا ہے جن پر ہمارے حضور بھی عامل رہے۔

۲؎ اتنی کہ اوپر کے ہونٹ کی سرخی نمودار ہوجائے،اس سے زیادہ کترانا بھی منع ہے اور منڈانا بھی ممنوع۔بعض علماء نے مجاہدین کو بحالت جنگ مونچھیں بڑھانے کی اجازت دی ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۳؎ چار انگشت واجب اس سے قدرے زیادہ جائز ہے،بہت زیادہ مکروہ،چار انگشت سے کم کرنا سخت منع اور منڈانا حرام،نیز ہندوؤں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے۔اگر عورت کے داڑھی نکل آئے تو اسے منڈادے۔خیال رہے کہ ٹھوڑی کے نیچے والے بال ایک مشت کے بعد کٹوائے اور اس کے آس پاس اسی مناسبت سے کہ بالوں کا حلقہ بن جائے جیسا کہ سیدنا ابن عمر کا طریقہ تھا(بخاری شریف)قرآن حکیم فرماتا ہے: "لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ"۔معلوم ہوا کہ ایک مشت داڑھی سنت انبیاء ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہے۔

۴؎ ہاتھوں اور پاؤں کے اس طرح کہ پہلے داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے شروع کرکے چھنگلی پر ختم کردے، پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرکے انگوٹھے پر ختم کردے،پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹ لے، اس کے بعد داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کرے۔جمعہ کے دن کٹوانا مستحب ہے اور جمعرات کے دن بعد نماز عصر بہت بہتر۔ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں ایک بار کاٹ لے۔چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے۔

۵؎ کھانا وغیرہ کھاکر یا کوئی اور کام کرکے،مراد پوروں سے پوری انگلیاں ہیں۔

۶؎ اکھیڑنا سنت ہے،منڈانا جائز ہے۔

۷؎ سنت ہے۔چونے وغیرہ سے صاف کردینا بھی جائز،قینچی سے کاٹ دینا خلاف۔سنت ان احکام میں عورتیں اور مراد برابر ہیں۔(مرقاۃ)

۸؎ یعنی پیشاب پاخانہ کا استنجاء پانی سے کرنا سنت ہے،اور اگر نجاست روپے بھر سے زیادہ ہو تو فرض۔

۹؎ راوی سے مراد مصعب ہیں یازکریا ابن ابی زائدہیں۔(مرقاۃ)

۱۰؎ لڑکے کا ختنہ سنت ہے۔ساتویں دن سے لے کر ساتویں سال تک کردیا جائے،بلوغ سے پہلے ہونا ضروری ہے،بعد بلوغ ستر اس کے لیے کھولنا حرام ہے۔جو جوان آدمی ایمان لائے تو اگر ممکن ہو تو ختنہ کا کام جاننے والی عورت سے اس کا نکاح کردیا جائے،کہ وہ ختنہ کرے ورنہ نہیں۔

۱۱؎ یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ پہلی فصل میں غیر صحیحین کی روایت لے آئے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسواک منہ صاف کرنے والی ہے۔اللہ کی رضا کا سبب ہے ۱؎ اسے شافعی واحمد دارمی ونسائی نے روایت کیا اور بخاری نے اپنی صحیح میں بغیر اسناد روایت کیا۔	

۱؎ یعنی اس میں دین ودنیا کی بھلائی ہے۔خیال رہے کہ مسواک سے مسلمان کا مسواک کرنا بنیّتِ عبادت مراد ہے،کفار کی مسواک اور مسلمانوں کی عادتًا مسواک اگرچہ منہ تو صاف کردے گی مگر رضائے الٰہی کا ذریعہ نہ بنے گی،نیز اگرچہ مسواک میں دنیوی اور دینی بہت فوائد

ہیں، مگر یہاں صرف دو فائدے بیان ہوئے۔یا اس لئے کہ یہ بہت اہم ہیں یا کیونکہ باقی فوائد بھی ان دو میں داخل ہیں۔منہ کی صفائی سے معدے کی قوت اور بے شمار بیماریوں سے نجات ہے اور جب رب راضی ہوگیا پھر کیا کمی رہ گئی۔

روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں سے ہیں ۱؎ شرم۔ایک روایت میں ہے ختنہ ۲؎ عطر ملنا، مسواک اور نکاح ۳؎ (ترمذی)	

۱؎ سنت قولی یا فعلی،لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ عیسیٰ و یحیٰ علیہما السلام نے نکاح نہیں کیا کیونکہ ان بزرگوں نے اپنے متبعین کو نکاح کی رغبت ضرور دی۔

۲؎ بعض نسخوں میں حناء بھی ہے بمعنی مہندی مگر یہ غلط ہے،کیونکہ مردوں کو ہاتھ پاؤں میں زینت کے لیے مہندی لگانا کسی نبی کی سنت نہیں بلکہ ممنوع رہا،داڑھی میں مہندی لگانااسلام کی سنت ہے کسی نبی نے نہیں لگائی۔(مرقاۃ)حیا سے مراد وہ شرم جو انسانوں کو برائی سے روک دے۔ختنہ سنت ابراہیمی علیہ السلام ہے کہ آپ سے لے کر ہمارے نبی تک ہر نبی کے دین میں رہا۔مرقاۃ وغیرہ میں ہے کہ حسب ذیل انبیاء ختنہ شدہ پیدا ہوئے:حضرت آدم،شیث،نوح،ہود،صالح،لوط،شعیب،یوسف،موسیٰ ،سلیمان،زکریا،عیسی،ہنظلہ،حضور محمد مصطفے علیہم الصلوۃ والسلام۔شامی نے بھی کچھ فرق سے یہ مسئلہ بیان کیا۔

۳؎ عطر سے مراد مطلقًا خوشبو کا استعمال ہے کپڑوں میں ہو یا بدن میں۔خیال رہے کہ یہاں چار کا عدد حصر کے لیے نہیں اور بھی بہت سنت انبیاء ہیں جن میں یہ چار بھی ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات و دن میں جب بھی سو کر اٹھتے تو وضو سے پہلے مسواک کرتے تھے ۱؎ (احمد،ابوداؤد)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ مسواک وضوء کی مسواک کے علاوہ ہے جس کا شمار وضوء میں نہ تھا۔یعنی بیدار ہو کر بھی مسواک کرتے تھے اور وضو میں بھی۔اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے علاوہ ہر اس جگہ مسواک سنت ہے جہاں منہ میں بو پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرکے مجھے دھونے کے لیئے دیتے تھے تو میں پہلے اس سے مسواک کرلیتی تھی پھر دھوکر آپ کو دیتی تھی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسواک دھو کر کی جائے،اور کرنے کے درمیان بھی دوبارہ دھوئی جائے،اور دھو کر رکھی جائے۔دوسرے یہ کہ مسواک دوسرے سے دھلوانا بھی جائز ہے۔تیسرے یہ کہ دوسرے کی مسواک کرنا جائز ہے اگروہ اس سے ناراض نہ ہو۔چوتھے یہ کہ حضور کا لعاب شریف برکت کے لئے استعمال کرنا سنت صحابہ

ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ تبرکًا یہ مسواک کرتیں،پھر دھوکر حضور کی خدمت میں پیش کرتیں،ورنہ عورتوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ بجائے مسواک،سکڑا،مسّی استعمال کریں،انگلی سے دانت صاف کریں،کیونکہ ان کے مسوڑے کمزور ہوتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کررہاہوں میرے پاس دو شخص آئے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہے،میں نے مسواک چھوٹے کو دی تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیجئے لہذا میں نے بڑے کو دیدی ۱؎ (مسلم بخاری)

۱؎ غالبًا وہ دونوں ایک ہی طرف ہوں گے اور چھوٹا حضور سے قریب ہوگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب کا لحاظ فرماتے ہوئے پہلے اس کو دی تو رب کی طرف سے حکم ہوا کہ قرب پر بڑائی کو ترجیح دیجئے۔اگرچہ یہ واقعہ خواب کا ہے مگر نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے لہذا اب حکم یہی ہے کہ مسواک یا کوئی اور چیز ترتیب وار دینا ہے تو بڑے کو پہلے دی جائے،بشرطیکہ دونوں ایک ہی جانب میں ہوں۔اور اگر دونوں طرف ہوں تو پہلے داہنے والے کو دی جائے،پھر بائیں والے کو،جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے لہذا احادیث میں سے تعارض نہیں۔خیال رہے کہ وہ دونوں خواب میں آنے والے فرشتے ہوں گے جو شکل انسانی میں آئے اور مسواک بطور تمثیل دکھائی گئی تاکہ اس سے شرعی مسائل معلوم ہوں کہ اپنی مسواک دوسرے کو استعمال کے لیے دے سکتے ہیں اور طریقہ دینے کا یہ ہوگا،جیسے داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو فرشتے شکل انسانی میں آئے اور بکریوں کا مسئلہ پیش کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام جب بھی آئے ۱؎ تو مجھ سے مسواک کرنے کو کہا میں ڈرا کہ کہیں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل ڈالوں ۲؎۔(احمد)

۱؎ سنتوں کی تعلیم دینے کے لئے یعنی جو سنت بتائی مسواک ساتھ میں عرض کی،لہذا حدیث میں یہ اعتراض نہیں کہ ہر آیت قرآنی کے ساتھ بھی مسواک کا حکم آیا۔خیال رہے کہ حکم دینے والا اللہ تعالٰی ہے۔جبرئیل امین پہنچانے والے ہیں یہاں حکم کی نسبت سبب کی طرف ہے اوریہ حکم استحبابی ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں کہ مسواک فرض ہو۔

۲؎ کہ اتنی زیادہ مسواک کرو جن سے مسوڑے چھل جائیں ان کے باربار عرض کی وجہ سے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم سے مسواک کے متعلق بہت کہا ۱؎

۱؎ یعنی بار بار اور ہر طرح تمہیں مسواک کی رغبت دی کہ کبھی اس کے دینی فائدے بیان کیے اور کبھی دنیوی،نیز ہمیشہ اس پر عمل کرکے دکھایا تاکہ تم بھی ہمیشہ مسواک کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ مسواک کرنا فرض نہیں ورنہ روش بیان کچھ اور ہوتی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کررہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا تو آپ کو نبی مسواک کے متعلق وحی گئی بڑے کا لحاظ کیجئے یعنی بڑے کو مسواک دیجئے۱؎(ابوداؤد)

۱؎ غالبًا یہ بیداری کا واقعہ ہے خواب کے واقعہ کے علاوہ لہذا یہ اس خواب کی تعبیر ہے اور ہوسکتا ہے کہ اسی خواب کا ذکر ہو۔اس کی شرح خواب کی حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

	روایت ان ہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نماز کے لیئے مسواک کی جائے وہ اس نماز پر ستر گنا زیادہ ہے جس کے لیئے مسواک نہ کی جائے۱؎اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱؎حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔ستر کا عدد بیان زیادتی کے لیے ہے جیسے اردو میں کہا جاتا ہے بیسوں،سینکڑوں۔بعض علماء نے فرمایا کہ کبھی سنت کا ثواب فرض و واجب سے بڑھ جاتا ہے۔دیکھو جماعت پنج گانہ نماز کے لئے واجب ہے اور جمعہ اور عیدین کے لئے فرض،مگر اس کا ثواب ستائیس گنا۔اورمسواک سنت ہے اوراس کا ثواب ستر گنا۔یوں ہی سلام کرنا سنت اور جواب سلام فرض مگر سلام کا ثواب جواب سے زیادہ ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ جماعت کے ستائیس درجے ایسے ہوں جس کا ہر درجہ مسواک کے ستر درجوں کے برابر ہو۔

	روایت ہے ابو سلمہ سے۱؎ وہ زید ابن خالد جہنی سے۲؎ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ جانتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا اورنمازعشاء کو تہائی رات تک پیچھے ہٹا دیتا۳؎فرماتے ہیں کہ زید ابن خالد مسجد میں نماز کے لیئے یوں آتے تھے کہ ان کی مسواک ان کے کان پر ہوتی۔جیسے منشی کے کان میں قلم جب بھی نماز کو کھڑے ہوتے تو مسواک کرلیتے پھر وہاں ہی مسواک رکھ لیتے۴؎اسے ترمذی و ابوداؤد نے روایت کیا مگر ابوداؤد نے لَاَخَّرْتُ کا ذکر نہ کیاترمذی

	نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ آپ کا نام عبداللہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہے،قرشی زہری ہیں،مدینۂ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں،عظیم الشان تابعی ہیں،۷۲ سال عمر پائی، ۹۷ھ میں وفات ہوئی۔

۲؎ مشہور صحابی ہیں،عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں ۷۸ھ مقام کوفہ میں فوت ہوئے۔(مرقاۃ واشعہ)

۳؎ یعنی یہ دونوں چیزیں فرض کردیتا کہ بغیر مسواک نماز ہی نہ ہوتی اور تہائی رات سے پہلے نماز عشاء ناجائز ہوتی۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک احکام بنایا ہے کہ چاہیں فرض کریں چاہیں نہ کریں۔

۴؎ یہ حضرت زید ابن خالد کا اپنا اجتہاد تھا۔ان کے سوا کسی صحابی نے بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کبھی نہ کیا۔حضرت زید "كُلِّ صَلٰوةٍ" سے ہر نماز سمجھے حالانکہ وہاں نماز کا وضو مراد ہے،جیسا کہ ہم شروع میں تحقیقًا عرض کرچکے ہیں۔یہ عمل ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ زیور کی حدیث سن کر وضو میں بغل تک ہاتھ دھوتے تھے۔لہذا یہ عمل قابلِ تقلید نہیں۔میں نے کویت میں بعض شوافع کو دیکھا کہ ان کے گلے میں مسواک پڑی رہتی ہے،ہر نماز کی نیت پر مسواک کرتے جاتے تھے،حالانکہ مسواک کا کھڑا کرکے رکھنا سنت ہے۔غالب یہ ہے کہ حضرت زید نے "كُلِّ صَلٰوةٍ" سے ہروقت کی نماز سمجھا نہ کہ ہر نماز،لہذا آپ ایک وقت کی ساری نماز کے لئے ایک دفعہ مسواک کرلیتے تھے۔مگر کویت کے وہ حضرات اور آگے بڑھ گئے کہ ہر نماز کے لیے کئی کئی بار مسواک کرنے لگے۔اللہ تعالٰی حدیث کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔آمین!

باب سنن الوضوء

باب وضوء کی سنتیں۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ سنن سنت کی جمع ہے۔سنت کے لغوی معنی ہیں طریقہ،اور روش،رب فرماتا ہے:"سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا" اور فرماتا ہے:"سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ"۔شریعت میں سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمان ہیں جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں اور حضور کے وہ اعمال جو امت کے لیے لائق عمل ہیں۔لہذا منسوخ اور مخصوص اعمال سنت نہیں،جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عادۃً کیا وہ سنت زائدہ ہے،اور جسے عبادۃً کیا وہ سنت ھدیٰ میں سے ہے،جسے ہمیشہ کیا وہ سنت مؤکدہ،جسے کبھی کبھی کیا ہو سنت غیر مؤکدہ،اور اگر ہمیشہ کر کے تاکیدی حکم بھی دیا تو واجب۔خیال رہے کہ وضو میں فرائض،سنتیں،مستحبات تو ہیں واجب کوئی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے تو برتن میں اپنا ہاتھ نہ ڈالے تاآنکہ تین بار دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اہل عرب تہبند باندھتے تھے اور بارہاپیشاب کا استنجا صرف ڈھیلے سے کر کے سو جاتے تھے۔حدیث کا مطلب یہ کہ چونکہ لوگوں کا عمل یہ ہے تو ہوسکتا ہے کہ سوتے میں ہاتھ،یا مقام استنجاء کو پسینہ آیا ہو،تہبند کھل گیا ہو اور تمہارا ہاتھ وہاں لگ گیا ہو جہاں پیشاب ڈھیلے سے خشک کیا گیا تھا،اور پسینہ کی وجہ سے ناپاک ہوگیا ہو،اب اگر تم مٹکے یا ناند میں اپنا ہاتھ ڈال دوگے تو پانی نجس ہوجائے گا۔لہذا پہلے کلائیوں تک تین بار ہاتھ دھولو۔اس حدیث کی بناء پر علماء کا بڑا اختلاف ہے،بعض نے اس دھونے کو مطلقًا فرض مانا۔بعض نے صرف سونے کے بعد۔اور بعض نے اس پانی کو نجس مانا جس میں اس طرح ہاتھ ڈال دیا جائے۔احناف کے نزدیک یہ دھونا مطلقًا سنت وضو ہے۔خواہ سو کر اٹھے یا نہ،یا سونے سے پہلے ڈھیلے سے استنجاء کیا ہو یا نہ،تہبند باندھا ہو یا نہ کیونکہ ہاتھ کا وہاں لگنا علتِ حکم نہیں،حکمت حکم ہے۔علت و حکمت کا فرق خوب دھیان میں رکھنا چاہیئے۔خیال رہے کہ نیند یا حدث ہے پیشاب کی طرح،یا سبب حدث ہے مباشرت کی طرح،ورنہ پیشاب کے بعد یہ ہاتھ دھونا فرض،نہ مباشرت کے بعد،تو نیند کے بعد کیوں فرض ہوگا۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو پھر وضو کرے تو تین بار ناک جھاڑے کیونکہ شیطان اس کے بانسے پر رات گزارتا ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔اور شیطان سے مراد وہ قرین ہے جوہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے،بیداری میں برے کام کے مشورے دیتا ہے،نیند میں ناک میں جا بیٹھتا ہے تاکہ دماغ میں برے خیالات پیدا کرے۔چونکہ ناک اس سے متلوّث ہو چکی لہٰذا وضو میں اسے بھی دھولیا جائے۔خیال رہے کہ جیسے ناک جھاڑنا ہر وضو میں سنت ہے نیند کے بعد ہوایااور وقت،ایسے ہی کلائی تک ہاتھ دھونا بھی ہر وضو میں سنت ہے کیونکہ یہ علتِ حکم نہیں بلکہ حکمتِ حکم ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاں گندا آدمی بیٹھ جائے وہ جگہ دھو دینا بہتر ہے کہ وضومیں ناک اسی لئے دھوئی گئی کہ اس میں گنداشیطان بیٹھ گیا تھا۔

	عبداللہ ابن زید ابن عاصم سے کہا گیا ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے تو آپ نے پانی منگایاپھراپنے ہاتھوں پرڈالا دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے ۲؎ پھر کلی کی اور ناک جھاڑی(تین بار)پھر تین بار منہ دھویاپھرہاتھ دوبار کہنیوں تک دھوئے پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا کہ انہیں آگے پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصے سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر لوٹا لائے حتی کہ اسی جگہ لوٹ آئے جہاں سے شروع کیا تھا ۳؎ پھر اپنے پاؤں دھوئے ۴؎ (مالک و نسائی)اورابوداؤد کی روایت بھی اسی طرح ہے جیسے جامع والے نے ذکر کیا ۵؎

۱؎ آپ انصاری مازنی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے۔عبداللہ ابن زید ابن عبداللہ دوسرے ہیں وہ اذان والے کہلاتے ہیں۔مشہور یہ ہے کہ آپ نے حضرت وحشی کے ساتھ مل کر مسلیمہ کذاب کو قتل کیا،آپ جنگ احد میں حضور کے ساتھ رہے،جنگ حرہ میں ۶۳ھ؁ شہید ہوئے۔

۲؎ دوبار ہاتھ دھونا بیان جواز کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس طرح بھی وضو ہوجاتا ہے ورنہ تین بار ہاتھ دھونا سنت ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے تین باراعضاءدھوکرفرمایا کہ جو اس پر زیادتی کمی کرے اس نے برا کیا،حضرت عبداللہ نے صرف اعمال وضو کا ذکر فرمایااسی لیے بسم اللہ یا نیت کا ذکر نہ کیا نہ اعضاء کی دعاؤں کا،مسواک وضو سے خاص نہیں اورموقعوں پر بھی ہوتی ہے اس لئے اس کا ذکر بھی نہ فرمایا۔(مرقاۃ)

۳؎ ظاہر یہی ہے کہ سر شریف کا مسح ایک بار ہی کیا تین بار مسح سے سر دھلے گا اور سر کا دھونا سنت نہیں۔خیال رہے کہ چہارم سر کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت ہے،یہاں مسح سنت کا ذکر ہے۔ہر ہاتھ کی تین انگلیاں کھوپڑی کے اگلے حصہ پر رکھے پھر آخر سر تک لے جائے واپسی میں یہ انگلیاں علیحدہ کرکے صرف ہتھیلیاں سر کے دونوں طرف لگائے اور آگے کو کھینچ لائے،یہ ہی یہاں مراد ہے۔کلمہ کی انگلی سے اندرون کان کا مسح کرے اور انگوٹھے سے بیرون کا،مسح سر کا طریقہ مستحب یہ ہی ہے۔

۴؎ مع ٹخنوں کے تین بار،جیسا کہ دوسری روایت میں ہے،لہٰذا یہ حدث بعض لحاظ سے مجمل ہے۔

۵؎ یعنی ابن اثیر نے جو جامع الاصول کے مؤلف ہیں جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع فرمائی ہیں۔اس عبارت میں مصنف پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں وہ روایت نقل فرمائی جو مسلم وبخاری کی نہیں۔

	اور مسلم،بخاری میں ہے کہ عبداللہ ابن زیدابن عاصم سے کہا گیا کہ آپ ہمارے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کریں تو آپ نے برتن منگایااس سے ہاتھوں پر پانی لے کرتین باردھویاپھراپنا ہاتھ برتن میں ڈالاپھرنکالا ۱؎ پھرایک چلوسے کلی کی اور ناک میں پانی لیا ۲؎ یہ تین بار کیا پھر اپنا ہاتھ ڈال کر نکالااپنا منہ تین باردھویا،پھر ہاتھ ڈال کر نکالاتو کہنیوں تک دو دو بار ہاتھ دھوئے پھر ہاتھ ڈال کر نکالا تو سر کا مسح کیا تو اپنا ہاتھ آگے پیچھے لے گئے پھر ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوئے ۳؎ پھرفرمایا حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یوں ہی تھا ۴؎ اورایک روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو آگے پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر واپس لائے حتی کہ اسی جگہ لائے جہاں سے شروع کیا تھا پھر اپنے ہاتھ دھوئے اور ایک روایت میں ہے کہ کلی کی،ناک میں پانی لیا اور ناک جھاڑی تین بار تین چلو پانی سے ۵؎ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا ۶؎ یہ تین بار کیا اوربخاری کی روایت میں ہے کہ سر کا مسح کیا تو ہاتھ آگے پیچھے ایک بار لے گئے ۷؎ پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے انہیں کی دوسری روایت میں ہے کہ تین بار کلی کی اور ناک جھاڑی ایک چلو سے۔

۱؎ یعنی چھوٹا برتن موجود نہ تھابڑے گھڑے یا مٹکے میں پانی تھاتو آپ نے کلائی تک ہاتھ توپانی انڈیل کر دھوئے،پھرکلی وغیرہ کے لیے اس میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔خیال رہے کہ مذہب حنفی میں مستعمل پانی وہ ہے جس سے حدث یعنی حکمی ناپاکی دور کی جائے،یااسے ثواب کی نیت سے وضویاغسل میں استعمال کیا جائے یہاں ان میں سے کچھ بھی نہ ہواکیونکہ ہاتھوں کا حدث تو دھل کرجاتارہا اوراب جو ہاتھ ڈالا وہ پانی لینے کے لئے تھا نہ کہ ثواب کے لئے دھونا مقصود نہیں۔لہذایہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

۲؎ اسی طرح کہ ایک چلو کے آدھے سے کلی کی اور آدھاپانی ناک میں لیا،یہ بیان جواز کے لیے کیا،ورنہ مستحب یہ ہے کہ کلی علیحدہ چلو سے کرے اورناک میں علیحدہ چلو سے لے۔لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں کیونکہ ہمارے ہاں اس طرح بھی جائز ہے اگر چہ خلاف مستحب ہے،جیسے دو دوبارہاتھ دھوناجائزہے مگرخلاف مستحب ہے۔

۳؎ یہاں ثُمَّ تاخیر کے لیے نہیں کیونکہ اعضاء کو یکے بعد دیگرے فورًا دھونا ہمارے یہاں سنت ہے۔امام مالک کے ہاں فرض۔بلکہ یہ ثُمَّ محض بیان ترتیب کے لیے ہے،جیساکہ بہت جگہ قرآن شریف میں بھی یوں ہی مذکورہوا۔

۴؎ یعنی اکثر اوقات حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا وضوءیوں ہی ہواکرتا تھا۔یہ بھی حضرت عبداللہ کے علم کے لحاظ سے ہے،ورنہ حضور کا اکثر وضو تین باراعضاءدھوکرہوتا تھا،جیسا کہ احادیث میں ہے۔

۵؎ یعنی ہر کام علیحدہ تین چلو پانی سے کیا،کلی علیحدہ تین چلو سے،پھر ناک میں پانی علیحدہ تین چلوؤں سے تاکہ تمام احادیث متفق ہوجائیں۔

۶؎ جیساکہ شوافع کرتے ہیں۔ان کے ہاں فردکلی فرداستنشاق سے آگے ہو۔ہمارے ہاں تینوں کلیاں تینوں ناک کے پانی سے مقدم ہوں مگر یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے،لہذا ہمارے خلاف نہیں،ہم بھی اسے جائز کہتے ہیں۔

۷؎ یعنی مسح ایک بار کیا۔یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ مسح سر ایک بارہو۔امام شافعی کے ہاں مسح بھی تین بار ہونا چاہیئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا اس پر زیادتی نہ فرمائی ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی ہرعضو ایک بار دھویا اور اس وضو میں ایک بار پر زیادتی نہ کی۔یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دویاتین بار دھونے کا ذکر ہے کیونکہ ایک باریادوبار دھونا بیان جواز کے لیے ہے۔اورتین بار دھونا بیان استحباب کے لئے۔یاپانی کم ہونے پر ایک دوباراعضاءدھوئے اورپانی کافی ہونے پر تین بار۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو کیا۔(بخاری)	

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے ادارے میں وضو کیا ۱؎ تو فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں آپ نے تین تین بار وضو کیا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ مقاعد جمع مقعدکی ہے یعنی لوگوں کے بیٹھنے اورجمع ہونے کی جگہ جیسے بازار،کمیٹی،گھر یا ادارے اور چوپالیں وغیرہ۔صحابہ کرام تبلیغ کے لیے لوگوں کے مجمعوں میں جاتے اور انہیں احکام دین سکھاتے تھے۔

۲؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو وضو کی حاجت نہ تھی صرف لوگوں کو سکھانے کے لئے انہیں دکھاکر وضو کیا۔اور ظاہر یہ ہے کہ دھونے والے اعضاء تین بار دھوئے لیکن مسح ایک ہی بار کیا،تین تین باراعضاء کا دھونا عام طور پر تھا،ایک یا دوبارانہیں دھونا کبھی کبھی وہ بھی بیان جواز کے لیے۔لہٰذا یہ حدیث نہ دیگر احادیث سے متعارض ہے نہ ہمارے خلاف۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے حتی کہ جب ہم اس پانی پر پہنچے جوراہ میں تھاتو عصر کے وقت ایک قوم نے جلدی کی کہ جلدی میں وضو کیا۱؎ ہم ان تک پہنچے اور ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں جنہیں پانی نہ لگا تھاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ایڑیوں کے لئے آگ کا ویل ہے۲؎ وضو پوراکرو(مسلم)	

۱؎ یعنی ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قافلے کے پچھلے حصے میں تھےاور وہ حضرات اگلے حصے میں وہ ہم میں سے پہلے پانی پر پہنچ گئے اورجلدی میں وضو کیا۔معلوم ہوا کہ وضوبھی نمازکی طرح اطمینان سے کرنا چاہیئے۔

۲؎ ویل کے معنی افسوس بھی ہیں اور دوزخ کے ایک طبقے کا نام بھی ہے،یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔یعنی اگر اعضائے وضوء میں سے کوئی عضو ناخن برابر سوکھارہ گیا تو وہ شخص ویل میں جانے کا مستحق ہے،اس سے تین مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ جب موزے نہ پہنے ہوں تو وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے،مسح جائز نہیں اسی پر تمام صحابہ کرام اہل بیت اطہار اور ساری امت کا اجماع ہے۔حضرت علی ہمیشہ پاؤں دھویا ہی کرتے تھے جیساکہ خودشیعوں کی کتب سے بھی ثابت ہے۔دوسرے یہ کہ مغسولہ اعضاء کو مکمل دھونا فرض ہےحتی کہ انگوٹھی کے نیچے اوربالیوں اوربلاک کے سورخوں میں پانی پہنچانا وضو اورغسل میں فرض ہے۔تیسرے یہ کہ گناہ صغیرہ پر بھی سخت عذاب ہوسکتاہے۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پیشانی اورعمامہ اورموزوں پر مسح کیا۲؎ (مسلم)	

۱؎ آپ مہاجر ہیں،ثقفی ہیں،خندق کے سال اسلام لائے،حضور کے ساتھ عرصہ تک رہے،پھر امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم رہے،ستر سال عمر پائی، ۵۰ھ میں کوفہ میں وفات ہوئی۔

۲؎ ب بمعنی علیٰ ہے۔اور ناصیہ سے مراد سر کا اگلا حصہ جو کل سر کاچوتھائی ہوتاہے،یعنی حضور نے چہارم سر کا مسح کیا۔یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ کی قوی دلیل ہے کہ مسح سر میں چہارم حصہ فرض ہے،زیادتی سنت۔امام مالک کے ہاں پورے سر کا مسح فرض۔اورامام شافعی رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک ایک بال کا چھولینا بھی کافی ہے۔یہ حدیث ان دونوں بزرگوں کے خلاف ہےکیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے چہارم سر سے کم مسح کبھی نہ کیا،اگر ایک بال کا مسح کافی ہوتا تو بیان جواز کے لیےکبھی حضور اس پرعمل فرماتے،کم سے کم مسح کی حدیث یہی ہے۔اور اگر پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو آپ اس

موقعہ پر چہارم سرپرکفایت نہ فرماتے۔خیال رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر عمامہ شریف پکڑ لیاتھا تاکہ گر نہ جائے،دیکھنے والے سمجھے کہ آپ عمامہ کا بھی مسح کررہے ہیں اس لئے ایسی روایت کردی عمامہ پر مسح کرنا قرآن شریف کی خلاف ہے فرماتا ہے:"وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ "۔لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہارم سر کا مسح کیا اورباقی عمامہ کا،نیز اگر عمامہ کا مسح ہوتا تو سر کے مسح کا نائب ہوتا اورنائب اور اصل جمع نہیں ہوسکتے۔یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک پاؤں دھولو اور ایک پاؤں کے موزے پر مسح کرلو یا آدھا وضو کرلو اور آدھا تیمّم،نیز چمڑے اورموٹے سوتی موزوں پر مسح جائز ہے جب کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہرے رہیں۔اس کی پوری بحث آئندہ آئے گی۔ان شاء اللہ!

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدر طاقت اپنے تمام کاموں میں داہنے سے شروع فرمانا پسند کرتے تھےاپنی طہارت میں اور کنگھی کرنے اور نعلین پہننے میں ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ تین چیزیں بطور مثال ارشاد فرمائی گئیں ورنہ سرمہ لگانا،ناخن و بغل کے بال لینا،حجامت اور مونچھیں کٹوانا،مسجد میں آنا اور مسواک کرنا وغیرہ سب میں سنت یہ ہے کہ داہنے ہاتھ یا داہنی جانب سے ابتداء کرے کیونکہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ داہنی طرف رہتا ہے اس کی وجہ سے یہ سمت افضل ہے حتی کہ داہنا پڑوسی بائیں پڑوسی سے زیادہ مستحق سلوک ہے۔(اشعۃ اللمعات)علماء فرماتے ہیں کہ دوسری مسجدوں میں صف کا داہنا حصہ بائیں سے افضل مگر مسجد نبوی میں بایاں حصہ داہنے سے افضل کیونکہ وہ روضۂ مطہرہ سے قریب ہے۔روضۂ مطہرہ دل ہے اور دل بائیں طرف ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔صوفیائے کرام کے اقوال بے دلیل نہیں ہوتے کیونکہ جب نیکیاں لکھنے والے فرشتے کی وجہ سے داہنا حصہ بائیں سے افضل ہوا تو وہاں قرب مصطفوی کی وجہ سے بائیں سمت افضل ہوگی۔چنانچہ سرکار فرماتے ہیں کہ نماز میں داہنی جانب نہ تھوکو نہ جوتا رکھو کیونکہ ادھر رحمت کا فرشتہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نےجب تم پہنواور جب وضو کرو تو داہنے سے شروع کرو ۱؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ پہننا کرتا،پائجامہ،جوتاان سب کو شامل ہے۔اور وضو میں غسل و تیمّم بھی داخل ہے۔اَیَامِن ایمن کی جمع ہے جویمین یایمن سے بنا بمعنی برکت و مبارک۔چونکہ اسلام میں داہنا حصہ مبارک مانا گیا کہ قیامت میں نیکوں کے نامۂ اعمال بھی اسی ہاتھ میں ہوں گے اسی لئے اسے ایمن یا یمین کہتے ہیں۔یعنی جب کچھ پہنو تو داہنے ہاتھ پاؤں میں پہلے،بائیں میں بعد میں پہنواور جب وضو یا غسل و تیمّم کرو تو داہنی جانب سے شروع کرو مگر اتارنے میں اس کے برعکس۔

	روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے ۱؎فرماتے ہیں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کا وضو نہیں جس نے اس پر اللہ کا نام نہ لیا ۲؎ اسے ترمذی وا بن ماجہ نے روایت کیا احمدوابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے اور دارمی نے حضرت ابوسعید خدری سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا اس کے شروع میں بڑھایا کہ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۳؎	

۱؎ آپ کی کنیت ابوالاعور ہے،قرشی ہیں،عدوی ہیں،قدیم الاسلام ہیں،عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں،سوائے بدر کے تمام جنگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے،حضرت عمر کی ہمشیرہ فاطمہ آپ کے نکاح میں تھیں جن کے ذریعہ حضرت عمرفاروق اسلام لائے،سترسال سے زیادہ عمر ہوئی،مقام عتیق تھاوہیں ۵۱ھ میں وصال ہوا،آپ کی میت شریف مدینہ منورہ لائی گئی،جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا عام علماء کے نزدیک سنت مستحبہ ہے اور یہاں کمال کی نفی ہے یعنی جو کوئی وضو کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو کامل نہیں،جیسے حدیث شریف میں ہے کہ مسجد سے قریب رہنے والے کی بغیر مسجد نماز نہیں ہوتی،یعنی نماز کامل نہیں ہوتی کیونکہ رب نے فرمایا جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنا منہ ہاتھ دھوؤ الخ،وہاں بسم اللہ کی قید نہیں،نیز تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،ابن مسعود اور ابن عمر کی حدیث آرہی ہے کہ جو وضو کے اول میں بسم اللہ پڑھے اس کا تمام جسم پاک ہوجاتا ہے اور جو نہ پڑھے تو اس کے صرف اعضاءِ وضو پاک ہوتے ہیں۔ان تمام سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ وضو میں فرض یا واجب نہیں،لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن کے خلاف ہے نہ دیگر احادیث کے۔

۳؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہاں دو غلطیاں ہیں:ایک یہ کہ اس حدیث کے حضور سے راوی خود ابوسعید خدری ہیں نہ کہ ان کے والد۔دوسرے یہ کہ جملہ حدیث میں نہیں کہ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں بلکہ حدیث "عَلَیْہِ" پر ختم ہوگئی۔

روایت ہے حضرت لقیط ابن صبرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وضو کے متعلق خبر دیجئے فرمایا وضو پورا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اورناک کے پانی میں مبالغہ کرو مگر جب تم روزہ دار ہو ۲؎ (ابوداؤد)ترمذی اور نسائی نے روایت کی اور ابن ماجہ و دارمی نے بین الاصابع تک روایت کی۔	

۱؎ آپ کا نام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے،کنیت ابو رزین عقیلی ہیں،مشہور صحابی ہیں،طائف والوں میں آپ کا شمار ہے۔

۲یعنی اعضاء پورے دھوؤ اور تین تین بار دھوؤ ہاتھوں،اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو،اگر پاؤں کی انگلیاں چپٹی ہوئی ہوں کہ بغیر خلال ان میں پانی نہ پہنچے تو خلال ضروری ہے،ورنہ سنت۔حق یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں میں بھی خلال کرنا چاہیئے،اس خلال میں چھنگلی شرط نہیں جیسے بھی ہوجائے کافی ہے۔ناک میں پانی بانسے تک پہنچانا ضروری ہے حتی کہ غسل میں فرض ہے اور اتنا چڑھانا کہ حلق میں اتر جائے بہتر ہے مگر روزے کی حالت میں صرف بانسے تک پہنچائے،اگر حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔(اشعۃ اللمعات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم وضوکرو تو اپنی ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کرو۱(ترمذی)اور ابن ماجہ نے اسی طرح روایت کی اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱بہتر یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے ساتھ کرے اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال پاؤں دھونے کے ساتھ کرے لیکن اگر یہ دونوں خلال پاؤں دھوکر کئے جب بھی جائزکیونکہ واؤ صرف جمع چاہتا ہے۔

روایت ہے مستورد ابن شداد سے۱فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو کرتے تو اپنی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے۲(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱آپ قرشی ہیں،قبیلہ بنی فہر سے ہیں،اولًا کوفہ میں،پھر مصر میں قیام رہا،حضور کی وفات کے وقت آپ بچے تھے لیکن سمجھدار تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا سماع ثابت ہے۔

۲یعنی بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے اس طرح خلال کرتے کہ داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع فرماتے اور بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم فرمادیتے،یہ خلا ل ہمارے ہاں مستحب ہے،امام مالک کے نزدیک فرض۔لہٰذا کرنا چاہیئے تاکہ اختلاف سے بچ جائیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لےکر ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے جس سے اپنی داڑھی کا خلا ل کرتے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے یوں ہی حکم دیا ہے۱(ابوداؤد)	

۱ظاہر یہ ہے کہ داڑھی شریف کا یہ خلال چہرہ دھونے کے ساتھ تھا نہ کہ وضو کے بعد۔اور اَمرِ رب سے مراد وحی خفی یعنی الہام ہے یا بواسطۂ جبریل۔معلوم ہوا کہ حضور پر وحی صرف قرآن ہی کی نہیں ہوئی اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔خیال رہے کہ یہ امر وجوب کا نہیں بلکہ استحبابی ہے کیونکہ داڑھی کا خلال کسی کے ہاں فرض نہیں۔

روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی	

	اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے ا(ترمذی،دارمی)

ا یعنی اکثر نہ کہ ہمیشہ اس طرح کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں شریف ٹھوڑی کے نیچے سے داڑھی کی جڑ میں کنگھی کی طرح ڈال کر داڑھی کے نیچے لے جاتے تھے۔

	روایت ہے حضرت ابو حیہ سے ا فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا آپ نے وضو کیا تو اپنے ہاتھ دھوئے تاآنکہ انہیں صاف کردیا پھر تین بار کلی تین بارناک میں پانی کیا پھر اپنا منہ وکہنیاں تین تین بار دھوئے ایک بار سر کا مسح کیا ۲ پھر اپنے قدم ٹخنوں تک دھوئے ۳ پھر کھڑے ہوئے تو طہارت کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیا ۴ پھرفرمایا میں نے چاہا تمہیں دکھادوں کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیسا تھا ۵

ا آپ کا نام عمرو ابن نصر،کنیت ابوحیہ ہے،ہمدان کے باشندے ہیں،تابعی ہیں،حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

۲ صاف معلوم ہوا کہ اعضاء کا دھونا تین تین بار سنت ہے مگر مسح ایک ہی بار۔یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے۔

۳ یعنی مع ٹخنوں کے تین بار دھوئے۔اِلٰی بمعنی مع ہے اور چونکہ پہلے تین تین بار کا ذکر ہوچکا ہے اس لیے یہاں ذکر نہ کیا۔

۴ معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے،چونکہ اس پانی سے ایک عبادت ادا کی گئی اس لئے یہ برکت والا بھی ہے اورحرمت والا بھی،جیسے آب زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم سے پیدا ہوا اس لئے اس کی بھی حرمت ہے وہ بھی کھڑے ہوکرپیاجاتا ہے،صحابہ کبارحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا غسالہ پیتے اور آنکھوں سے لگاتے تھے۔بعض مریدین اپنے پیر کا جھوٹا پانی اور ان کا دیا ہوا تبرک کھڑے ہو کر کھاتے پیتے ہیں اس احترام کی اصل یہ احادیث ہیں۔

۵ یعنی مجھے اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی تمہاری تعلیم کے لیے تمہیں وضو کرکے دکھایا۔معلوم ہوا کہ عملی تبلیغ بھی ضروری ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدخیر سے ا فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علی کو دیکھ رہے تھے جب انہوں نے وضو کیا اوراپنادا ہنا ہاتھ ڈالا تو منہ بھرکر کلی کی اور ناک میں پانی لیااور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑی یہ تین بار کیا پھر فرمایا کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دیکھنا پسند ہوتوحضور کا وضو یہ تھا ۲ (دارمی)

۱؎آپ کا نام عبد خیر ابن یزید،کنیت ابو عمارہ ہے،کوفہ کے رہنے والے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے،اس لئے آپ جلیل القدر تابعی ہیں،حضرت علی کے ساتھیوں میں سے ہیں،ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔
۲؎یہ حدیث مختصر ہےجس میں صرف کلی اور ناک کے پانی کا ذکر ہے ورنہ حضرت علی مرتضی نے پورا وضو کرکے دکھایاتھا۔ہاتھ ڈالنے سے مراد بڑے برتن میں ہاتھ ڈال کر کلی وغیرہ کے لیے چلو بھرنا ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ایک ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا۲؎یہ تین بار کیا۔(ابوداؤد ترمذی)

۱؎آپ کانام عبداللہ ابن زیدابن عبد ربہ ہے،انصاری ہیں،خزرجی ہیں،بیعت عقبہ اور جنگ بدر وغیرہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ۱ھ؁ میں آپ نے ہی خواب میں اذان دیکھی،آپ ہی کی عرض کی ہوئی اذان اسلام میں مروج ہے۔خود بھی صحابی ہیں اوروالدین بھی،چونسٹھ سال عمر پائی۔
۲؎اس کے دومعنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ ہر چلو کے آدھے سے کلی کی اور آدھے سے ناک میں پانی لیاجیسا کہ مذہب شافعی ہے۔دوسرے یہ کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اورناک میں‌لپ سے نہ کئے جیسے کہ منہ دھوتے وقت بلکہ ایک ہاتھ سے کئے لہذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سرو کانوں کا مسح فرماتے تھے اندرونی کانوں کا کلمہ کی انگلیوں سے ۱؎بیرونی کا اپنے انگوٹھوں سے۲؎(نسائی)

۱؎کلمہ کی انگلی کہ کفار عرب سبابہ کہتے تھے،یعنی گالیاں دینے والی انگلی،چونکہ گالی گلوچ کرتے وقت اس انگلی سےاشارہ کرتے جاتے تھے اس لیے اس کا یہ نام رکھا تھا۔اسلام نے اس کا نام سباحہ یا **مسبحہ** رکھا یعنی تسبیح پڑھنے والی انگلی،اور اردو زبان میں اسے کلمے کی انگلی کہا جاتا ہےکیونکہ یہ انگلی تسبیح اور کلمے میں استعمال ہوتی ہے کہ پہلے اسی پر شمار کی جاتی ہے۔
۲؎یعنی سر کے مسح کے بعد اسی پانی سے نہ کہ دوسرے پانی سے،لہذا یہ حدیث حنفیوں کی دلیل ہے۔امام شافعی کے ہاں کان کا اندرونی حصہ منہ کے ساتھ دھویا جاتاہے اور بیرونی حصے کاسر کے ساتھ مسح ہوتاہے۔یہ حدیث ان کے خلاف ہے،نیز ایک ہی عضو کادھلنااور مسح خلاف قانون ہے۔غسل و مسح جمع نہیں ہوناچاہیئے۔بعض آئمہ کے نزدیک کان کے مسح کے لیے الگ پانی لیتے ہیں یہ حدیث ان کے بھی خلاف ہے۔

	روایت ہے حضرت ربیع بنت معوذ سے ۱؎انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے دیکھا تو آپ نے اپنے اگلے پچھلے حصہ،سر کا اور کنپٹیوں اور کانوں کا ایک بار مسح کیا۲؎اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وضو

	کیا تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں کے سوراخوں میں ڈالیں۳؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ترمذی نے پہلی روایت اوراحمدوابن ماجہ نے دوسری روایت نقل کی۔

۱؎آپ انصاریہ،نجاریہ ہیں،بیعت الرضوان میں موجود تھیں،آپ کے دادا کا نام عفرا ہے۔

۲؎اس حدیث سے صراحتًا معلوم ہوا کہ کان کا شمار سر میں ہے اس کا مسح ہوگا دھویا نہ جائے گا اور مسح ایک بار ہوگا نہ کہ تین بار،لہذا یہ حنفیوں کے قوی دلیل ہے۔کنپٹیاں چہرے میں داخل ہیں کیونکہ چہرے کی حد چوڑائی میں کان کی لَو سے دوسرے کان کی لَو تک ہے لہذا چہرے کے ساتھ تین بار دھوئی جائیں گی۔کان کے مسح کے ساتھ حضور کی انگلیاں کنپٹی پر بھی لگ گئی ہوں گی اور یہ سمجھیں کہ آپ اس کا مسح فرمارہے ہیں جیسا کہ عمامہ کے مسح میں ذکر کیا گیا۔لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں کنپٹیوں کے دھونے کا حکم ہے۔

۳؎یہ بھی سنت ہے۔خیال رہے کہ دونوں کا مسح ایک ساتھ ہوگا داہنے سے شروع کرنا ان اعضاء میں ہوتا ہے جو دونوں ایک ساتھ نہ دھوئے جاسکتے ہیں اسی لئے کلائی تک دونوں ہاتھ ایک ساتھ دھوئے جاتے ہیں اور کہنی تک ترتیب وار کہ پہلے داہنا پھر بایاں۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوکرتے دیکھا اورآپ نے اپنے سر کا اس پانی سے مسح نہ کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا تھا۱؎ اسے ترمذی نے روایت کیا اور مسلم نے کچھ زیادتیوں کے ساتھ۔

۱؎یعنی مسح کے لیے الگ پانی لیا ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے مسح نہ کیا۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے۱؎کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کیا فرماتے ہیں کہ آپ آنکھ کے کونوں کو بھی ملتے تھے اور فرمایا کہ دونوں کان سر سے ہیں ۲؎اسے ابن ماجہ،ابوداؤد اورترمذی نے روایت کیا دونوں نے کہا حماد فرماتے ہیں مجھے خبر نہیں کہ یہ قول کہ کان سر سے ہیں آیا ابوامامہ کاقول ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے۳؎

۱؎ آپ کا نام سعد ابن حنیف ہے،انصاری،خزرجی،اوسی ہیں،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے،اسی لئے آپ کا شمار تابعین میں ہے،۸۲سال عمر پائی ۱۰۰ھ میں وصال ہوا۔ابو امامہ باہلی اورہیں وہ صحابی ہیں۔

۲؎یعنی ان کے ظاہروباطن کا مسح سر ہی کے پانی سے ہوگا چہرے کے ساتھ دھوئے نہیں جائیں گے۔خیال رہے کہ آنکھ کے کویوں پر انگلی پھیرلینا تاکہ پانی ان کے اندر پھیل جائے سنت ہے۔یہاں مسح سے یہی مراد ہے کیونکہ کوئے کے مسح کا کوئی قائل نہیں۔

۳؎ظاہر یہی ہے کہ یہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان شریف ہے کیونکہ ابوامامہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے سلسلے میں یہ فرمارہے ہیں،نیز کانوں کا سریا چہرے سے ہونا سن کر ہی کہا جاسکتا ہے،نہ کہ اپنی رائے سے کہ وضوء کے احکام عقل سے وراء ہیں لہذا یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ ایک بدوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوکروضو کے متعلق پوچھنے لگے تو آپ نے اسے تین باروضوکرکے دکھایا اورفرمایاوضو یوں ہی ہے جو اس پر زیادتی کرے اس نے گناہ کیا تعدی کی اور ظلم کیا۱؎ اسے نسائی ابن ماجہ نے روایت کیا ابوداؤد نے اس کے معنی کو۔

۱؎گناہ تو ترک سنت کا ہوا،اور تعدی تین سے زیادہ کرنے پر کیونکہ دھونے کی حدتین بار ہے اور ظلم اپنی جان پر کیا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی،پانی میں اسراف کیا،اپنے نفس پر بے فائدہ مشقت ڈالی جو کوئی تین سے زیادہ کو سنت سمجھ لے تو اس کا اعتقاد بھی غلط ہوا۔بہرحال تین سے کمی ہوسکتی ہے زیادتی نہیں ہوسکتی،نیز تین بار دھونے میں سارے عضو کے دھل جانے کا یقین ہوجاتا ہے اس پر زیادتی شیطانی وسوسہ کی بناء پر ہوسکتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے۱؎کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی میں تجھ سے جنت کی داہنی طرف سفید محل مانگتا ہوں تو فرمایا کہ میرے بچے اللہ سے جنت مانگواور دوزخ سے اس کی پناہ مانگو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس امت میں وہ قوم ہوگی جو وضو اور دعا میں حد سے تجاوز کیا کرے گی۲؎ (احمدوابوداؤد وابن ماجہ)

۱؎ آپ قبیلہ مزینہ کے ہیں،بیعت الرضوان میں حاضر ہوئے،مدینہ طیبہ قیام رہا،عہدِ فاروقی میں آپ کو بصرے بھیجا گیا تاکہ لوگوں کو علم سکھائیں،وہاں ہی ۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

۲؎دعا میں تجاوز تو یہ ہے کہ ایسی تعیّن کی جائے جس کی ضرورت نہیں جیسے ان کے صاحبزادہ نے کیا۔فردوس مانگنا بہت بہتر ہے کہ اس میں شخصی تعین نہیں نوعی تقرر ہے اس کا حکم دیا گیا ہے۔وضو میں حد سے بڑھنا دو طرح ہوسکتا

ہے:تعداد میں زیادتی اور عضو کی حد میں زیادتی جیسے پاؤں گھٹنے تک دھونا اور ہاتھ بغل تک کہ یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں۔

روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ وضو کا ایک شیطان ہے جسے **ولہان** کہا جاتا ہے[1]تو پانی کے وسوسوں سے بچو[2](ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد محدثین کے نزدیک قوی نہیں کیونکہ ہم نے خارجہ کے سوا کسی کو نہ جانا جو اسے مرفوعًا نقل کرے اور خارجہ ہمارے دوستوں کے نزدیک قوی نہیں۔	

[1] **ولہان وَلَہٌ** سے بنا،بمعنی حیرت یا حرص۔چونکہ یہ شیطان وضو کرنے والے کو حیرت میں ڈال دیتا ہے اور پانی کے زیادہ استعمال پر حریص کرتا ہے اس لئے اسے ولہان کہا جاتا ہے۔زیادتی عشق کو بھی **ولہ** اور عاشق حیرت زدہ کو بھی ولہان کہتے ہیں۔شیطان کی جماعتیں مختلف ہیں۔جن کے علیحدہ علیحدہ کام ہیں ان میں سے ایک جماعت کا یہ کام اور یہ نام ہے۔

[2] دل میں جو شک بلا دلیل پیدا ہواسے وسوسہ کہا جاتا ہے۔بلاوجہ یہ خیال کرنا کہ شاید پانی نجس ہو،شاید کپڑوں پر چھینٹیں پڑ گئیں ہوں،شاید پانی پورے عضو پر نہ بہاہو،یہ سب کچھ وسوسے ہیں۔بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ ہاتھوں کی لکیروں میں پانی پہنچاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو کرتے تو اپنا چہرہ اپنے کپڑے کے کنارے سے پونچھتے[1] (ترمذی)	

[1] اس سے چندمسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وضوء کے بعد اعضائے وضوء کا پونچھنا ممنوع نہیں بشرطیکہ تکبرانہ نہ ہو۔ہاں مستحب یہ ہے کہ زیادہ مبالغہ سے نہ پونچھے،تری کا کچھ اثر باقی رہنے دے۔دوسرے یہ کہ اعضاء کی تری ماء مستعمل نہیں،پانی کے جوقطرے عضو سے الگ ہوجائیں وہ مستعمل ہیں جو بعض کے نزدیک نجس ہیں مگر حق یہ ہے کہ پاک تو ہیں لیکن پاک کر نہیں سکتے۔وہ جو حدیث پاک میں آیا کہ حضرت میمونہ نے حضور انور کی خدمت میں وضو کے بعدرومال پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور اعضاء جھاڑتے ہوئے تشریف لے گئے اس کی وجوہ دوسری ہوسکتی ہیں۔رومال صاف نہ ہویااس وقت جلدی ہو۔مرقاۃ نے فرمایا مستحب یہی ہے کہ نہ پونچھے لیکن پونچھنا بھی بلاکراہت جائز ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے اعضاء شریف پونچھا کرتے تھے[1]روایت کیا ترمذی نے اور فرمایا کہ یہ حدیث قوی	

الاسناد نہیں اور ابومعاذ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۲	

۱؎ یعنی کبھی کبھی نہ کہ ہمیشہ کیونکہ ابھی گزر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دامن سے منہ شریف پونچھا،بعض میں یہ بھی ہے کہ اعضاء بالکل نہ پونچھے،بعض روایات میں ہے کہ وضوء کا پانی قیامت میں نور ہوگا۔غرض کہ احادیث میں تعارض نہیں کبھی وہ اعمال کئے کبھی یہ۔

۲؎ ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کو ضعیف کہا،پہلی حدیث کو رشدابن سعداور عبدالرحمان ابن زیاد افریقی کی وجہ سے اور اس حدیث کو ابومعاذ کی وجہ سے اور فرمایا کہ بعض لوگ اعضائے وضو پونچھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں عبادت کے اثر کو دور کردینا ہے اور وضوء کا پانی تسبیح بھی کرتا ہے۔واللہ اعلم!

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ثابت ابن ابی صفیہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر سے جو محمد باقر ہیں۲؎ عرض کیا آپ کو حضرت جابر نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار دو دو بار تین تین بار وضو کیا فرمایا ہاں۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ ان کی کنیت ابوحمزہ ہے،یمنی ہیں،ازدی ہیں،محمد ابن علی باقر کے ہم نشین تھے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ کوفہ میں رہتے تھے،اور نہایت ضعیف اور بہت وہمی تھے،عقیدۃً رافضی تھے چھپے ہوئے۔لہذا یہ حدیث ضعیف۔

۲؎ آپ محمد ابن علی یعنی(زین العابدین)ابن حسین ابن علی ہیں۔رضوان اللہ علیم۔لقب امام باقر یعنی علم کو چیرنے والے،کنیت ابو جعفر،مدینہ منورہ کے عظیم الشان فقیہ اور بڑے محدث ہیں۔امام زین العابدین،عبداللہ ابن عمر اور حضرت جابر سے بے شمار احادیث لی ہیں۔عظیم الشان تابعی ہیں،ولادت شریف ۵۶ھ میں ہوئی،۶۳ سال عمر شریف پائی، ۱۱۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی،جنت البقیع میں مزار پرانوار ہے۔فقیر نے زیارت کی ہے۔

۳؎ حدیث لینے کے تین طریقے ہیں:ایک یہ کہ شاگرد پڑھے استاد سنے۔دوسرے یہ کہ استاد پڑھے شاگرد سنے۔تیسرے یہ کہ شاگرد حدیث کے الفاظ عرض کرکے پوچھے کہ کیا یہ حدیث آپ نے روایت کی ہے؟استاد کہے ہاں،یہاں تیسری قسم کی روایت ہے۔مطلب یہ ہے کہ حضور نے وضوء کے اعضاء کبھی ایک ایک بار دھوئے،کبھی دودو بار،کبھی تین تین بار۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو کیااور فرمایا کہ یہ نور پرنور ہے۱؎	

۱؎یعنی اعضائے وضو دو دو بار دھوئے اور اسے نور پر نور قرار دیا کیونکہ ایک بار دھونا فرض ہے،دوسری بار سنت،فرض بھی نور ہے اور سنت بھی،یعنی قیامت میں مسنون عمل کرنے والوں کا نور بہت تیز ہوگا،لہٰذا جو تین تین بار اعضاء دھوئیں گے وہ بھی افضل ہیں۔

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو کیااورفرمایا کہ یہ میرا اورمجھ سے اگلے نبیوں کا وضو ہے اورحضرت ابراہیم کا وضو ہے۱؎ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیانووی نے شرح مسلم میں دوسری کو ضعیف بتایا۔

۱؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ وضو اسلام کے ساتھ خاص نہیں،پہلی امتوں میں بھی تھا،ہاں چہروں کی چمک اس امت کی خصوصیات سے ہے۔دوسری یہ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی وضو کیا کرتے تھے۔چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم وسارہ نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور جریج اسرائیلی نے وضوکیااور نماز پڑھی۔غرض کہ وضوء بڑی پرانی سنت ہے۔تیسرے یہ کہ تین تین بار اعضائے وضو دھونا بہت افضل ہے کیونکہ سنت انبیاء ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یادوباراعضاء دھونابیان جواز کے لیے ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے۱؎اور ہم کو ایک ہی وضواسوقت تک کافی ہوتا جب تک بے وضو نہ ہوتے۲؎(دارمی)

۱؎مرقاۃ نے فرمایا کہ اولًا حضور پر ہر نماز کے لیے وضو کرنا فرض تھا،پھر یہ فرضیت منسوخ ہوئی جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہورہا ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے۔اورہوسکتا ہے کہ فرضیت کے منسوخ ہونے کا بعد کا ذکر ہوا اوراکثری حال مراد ہو،یعنی حضور اکثر ہر نماز کے لیے وضو فرمالیتے تھے۔اس آیت کے ظاہر پر عمل فرماتے ہوئے"اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغۡسِلُوۡا"الایہ۔اب بھی ہر نماز کے لیے وضو کرلینا خواہ پہلاوضوہومستحب ہے۔خیال رہے کہ یہاں نماز سے نماز فرض مراد ہے اورنمازاشراق فجر کے وضوء سے پڑھنا مستحب ہے۔

۲؎یعنی ہم لوگ اکثر ایک وضو سے چند نمازیں پڑھ لیتے تھے۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چار نمازیں پڑھیں تھیں۔اور بعض صحابہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے مگر وہ واقعات اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں اکثری حالت کا ذکر ہے۔

	روایت ہے حضرت محمدابن یحیٰی ابن حبان سے۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے عبید اللہ ابن عبداللہ ابن عمر سے کہا

	کہ بتایئے تو کہ عبداللہ ابن عمر ہرنماز کے لئے وضو کرتے تھے باوضو ہوں یا بے وضو یہ کس سے لیا تو کہنے لگے کہ انہیں اسماء بنت زید ابن خطاب نے خبری دی۲؎ کہ عبداللہ ابن حنظلہ ابن ابی عامر غسیل نے انہیں خبر دی تھی ۳؎ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیئے وضو کا حکم دیا گیا تھا باوضو ہوں یا بے وضو۴؎ لیکن جب یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار ہواتو ہرنماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو موقوف کیا گیا ان سے مگر حدث سے۵؎ فرمایا عبداللہ سمجھتے تھے کہ ان میں اس کی طاقت ہے(یعنی ہرنماز کے لیئے تازہ وضو کی)تووفات تک ہی کرتے رہے۶؎(احمد)

۱؎ آپ فقیہ تابعی ہیں،انصاری ہیں،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،امام مالک کے استاد ہیں، ۱۲۱ھ میں وفات پائی،علم وعبادت میں بڑے مشہور تھے۔

۲؎ یہ اسماء حضرت عمر کی بھتیجی ہیں،حضرت زید ابن خطاب عمر فاروق کے بڑے بھائی ہیں،جو آپ سے پہلے اسلام لائے،مہاجرین اولین میں سے ہیں،بدر اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے،خلافت صدیقی جنگ یمامہ میں ۱۲ھ میں شہادت پائی۔حضرت اسماء بھی صحابیات میں سے ہیں۔

۳؎ یہ عبداللہ بھی صحابی ہیں،ان کے والد بھی صحابی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات برس تھی،واقعہ کربلا کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید ابن معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تو سب نے انہیں کے ہاتھ پر بیعت کی،اسی وجہ سے یزید نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی جس کا نام جنگ حرہ ہے اسی میں آپ شہید ہوئے،حضرت حنظلہ کی شہادت اورآپ کا غسیل ملائکہ ہونا پہلے مذکورہ ہوچکاہے۔حنظلہ کا باپ،ابو عامرراہب کافرمرا،حضرت حنظلہ غزوۂ احد میں حالت جنابت شہید ہوئے،اس لئے انہیں فرشتوں نے غسل دیا لہذا"**غسیل الملائکہ**" کہلائے۔

۴؎ یعنی معراج میں خصوصی طور پر آپ کو ہرنماز کے لئے وضو کا حکم تھا نہ کہ امت کے لئے۔

۵؎ یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں اور نہ امام شافعی کی مُؤیّد کیونکہ وہ بھی ہر نماز کے لئے مسواک مستحب مانتے ہیں اوریہاں فرضیت کا ذکر ہے،نیز بعد میں یہ حکم بھی منسوخ ہوگیاکیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور ہر نماز کے لیے مسواک نہ کی۔خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پراولًا ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا،پھر مسواک فرض رہی،پھر وہ بھی منسوخ ہوگئی۔

۶؎ انہوں نے سمجھا کہ فرضیت منسوخ ہوگئی مگر استحباب باقی ہے اور یہ صحیح تھا اب بھی اگرکوئی اس پر عمل کرے ثواب ہوگا۔

روایت ہے عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد پر گزرے جب وہ وضو کررہے تھے تو فرمایا اے سعد یہ اسراف کیسا(فضول خرچی)عرض کیا کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟فرمایا ہاں۔اگرچہ تم بہتی نہر پر ہو[1] (احمدوابن ماجہ)	

[1] حضرت سعدیاتو ضرورت سے زیادہ پانی بہارہے تھے،یابجائے تین کے چارپانچ باراعضاء دھورہے تھے،یا اعضاء کی حدود میں زیادتی کررہے تھے ان سب سے منع فرمادیا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں یہ تمام باتیں منع ہیں اوران کاکرنا جرم۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ وابن مسعود وابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو وضو کرے اور اللہ کا نام لے تو وضو اس کے سارے جسم کو پاک کردیتا ہے اور جو وضو کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو صرف وضو کی جگہ ہی کو پاک کرتا ہے[1]	

[1] یہاں گناہ سے پاکی مراد ہے یعنی وضو کے اول میں **بسم اللہ** پڑھ لینے کی برکت سے سارے جسم کے بیرونی اوراندرونی گناہ معاف ہوجاتے ہیں کیونکہ جسم میں دل اور دماغ بھی داخل ہے۔**بسم اللہ** نہ پڑھنے سے ظاہری اعضاء کے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں اسی لئے فقہا فرماتے ہیں **بسم اللہ** سے وضو شروع کرنا سنت ہے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیئے وضو کرتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو ہلاتے تھے[1] ان دونوں کو دارقطنی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اخیر کو۔	

[1] انگوٹھی اگر تنگ ہو کہ بغیر ہلائے اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو وضو میں اس کا ہلانا فرض ہے اور اگر ڈھیلی ہو کہ بغیر ہلائے بھی نیچے پانی پہنچ جائے تو اس کا ہلانا مستحب ہے،یہ حدیث دونوں کو شامل ہے۔

باب الغسل

نہانے کا بیان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

1 اسلام میں غسل چار طرح کے ہیں: فرض، سنت، مستحب اور مباح۔فرض غسل تین ہیں۔جنابت سے، حیض سے، نفاس سے۔جنابت خواہ شہوت سے منی نکلنے کی وجہ سے ہو یا صحبت سے انزال ہو یا نہ ہو۔غسل سنت پانچ ہیں: جمعہ کا غسل، عیدین کا غسل،احرام کے وقت کا غسل، عرفہ کے دن کا غسل۔غسل مستحب بہت ہیں: مسلمان ہوتے وقت، مردے کو نہلا کر،قربانی کے دن، طواف زیارت کے لیے،مدینہ منورہ حاضری کے موقعہ پر،وغیرہ۔غسل مباح جو ٹھنڈک وغیرہ کے لیے کیا جائے۔اس باب میں بہت سے اقسام کے غسل بیان ہوں گے۔غسل میں تین فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تمام ظاہری بدن پر پانی بہانا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی عورت کے چاروں شانے کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل واجب ہوگیا اگرچہ انزال نہ ہوا1(مسلم،بخاری)

1 اس کی شرح وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا کہ جب ختنہ ختنہ میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہے،وہی یہاں مراد ہے یعنی جب مشتہات عورت سے صحبت کی جائے اور حشفہ غائب ہوجائے تو غسل واجب ہوگیا۔چار شانوں سے چار ہاتھ پاؤں مراد ہیں،اور بیٹھنے کا ذکر اتفاقًاہے،ورنہ جس صورت سے بھی صحبت ہو غسل واجب ہے۔بہت چھوٹی غیر مشتہات بچی اور جانور سے صحبت کرنے میں انزال شرط ہے بغیرانزال غسل واجب نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانی پانی سے ہی ہے 1(مسلم) شیخ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

1 یعنی غسل کرنا منی نکلنے سے ہی واجب ہے جب کہ شہوت سے ہو۔

	اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پانی کا صرف پانی سے ہونا احتلام میں ہے 1 اسے ترمذی نے روایت کیا میں نے اسے بخاری ومسلم میں نہ پایا۔

۱؎ یعنی اگرچہ حدیث صحبت کے متعلق ہے تب تو منسوخ ہے اسکی ناسخ ابوہریرہ کی گزشتہ حدیث ہے،نیزوہ حدیث جو آگے آرہی ہے۔اوراگراحتلام کے بارے میں ہے تومحکم ہے کہ اب بھی احتلام میں انزال کے بغیر غسل واجب نہیں۔اس کا ذکر اگلی حدیث میں بھی آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا۱؎ یارسول اللہ یقینًا اللہ تعالٰی حق سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو فرمایا ہاں جب پانی دیکھے۲؎ تو ام سلیم نے منہ چھپالیا اور بولیں یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۳؎ فرمایا ہاں تمہارا ہاتھ گرد آلود ہو ورنہ بچہ اپنی ماں کے ہم شکل کیوں ہوتا ہے۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ کے نام میں اختلاف ہے،کنیت ام سلیم ہے،مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں،ان سے حضرت انس پیدا ہوئے،مالک کے قتل کے بعدابوطلحہ کے نکاح میں آئیں،اس وقت تک ابو طلحہ مشرک تھے تو آپ نے اس شرط سے نکاح کیا کہ وہ مسلمان ہوجائیں۔

۲؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر ہے یعنی خواب کی صورت میں بغیر تری دیکھے غسل واجب نہیں خواہ منی ہو یا مذی،کیونکہ کبھی منی پتلے ہونے کی صورت میں مذی محسوس ہوتی ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ جو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوں انہیں احتلام بھی نہیں ہوتا،یعنی رب تعالٰی انہیں زنا کے خیال سے بھی پاک رکھتا ہے یہ ہے ازواج پاک کی عصمت۔

۴؎ سبحان اللہ!کیسا حکیمانہ جواب ہے۔مقصد یہ ہے کہ احتلام کی علت یا احتلام کی وجہ منی ہے اورمنی عورت میں بھی ہے،لہذا احتلام بھی عورت کو ہونا چاہیئے۔اور منی کا ثبوت یہ ہے کہ کبھی بچہ ماں کی ہم شکل ہوتا ہےجب ماں کی منی باپ کی منی پر غالب ہو۔ہاتھ کا خاک میں ملنا بدعا نہیں بلکہ عرب والے کبھی محبت میں بھی یہ کلمہ بولتے ہیں۔جیسے اردو میں منڈی،مشٹنڈی،پنجابی میں رڑ جائیں اوترجائیں وغیرہ۔

مسلم نے ام سلیم کی روایت سے یہ زیادتی کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد ان میں سے جو غالب یا پہلے ہو بچہ اس کے مشابہ ہوگا۱؎	

۱؎ یہ اصلی حالت ہے ورنہ کبھی کمزور مرد کی منی پتلی اور کمزور ہوجاتی ہے اور طاقتورعورت کی منی سفیداور گاڑھی،بچہ ماں باپ کی مخلوط منی سے بنتا ہے جس کے اجزاءزیادہ ہوں گے بچہ اس کی جنس سے ہوگا۔یعنی اگر عورت کی منی کے زیادہ اجزاء ہیں تو لڑکی ہوگی ورنہ لڑکا،اور رحم میں جس کی منی پہلے گرے گی بچہ اس کی شکل پر ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو یوں شروع کرتے کہ پہلے دونوں ہاتھ دھوتے [۱] پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے [۲] پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے تو ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو ڈالتے۔پھر اپنی تمام کھال پر پانی بہاتے [۳] (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ یوں شروع کرتے کہ برتن میں ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر استنجاء کرتے پھر وضو فرماتے [۴]

[۱] خیال رہے کہ انبیاءکرام کو احتلام کبھی نہیں ہوتا جیسا کہ طبرانی میں روایت میں ہے ان کی جنابت صرف صحبت سے ہوتی ہے۔یہ ہاتھ کا دھونا وضو سے پہلے ہے کیونکہ وضو کا ذکر آگے آرہا ہے۔چونکہ اس زمانہ میں عموماً بڑے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا جاتا تھا،اس لئے یہاں ہاتھ دھوئے جاتے تھے،نیز ہاتھ میں گندگی کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

[۲] کہ اگر تختہ وغیرہ پر ہوتے تو پاؤں بھی دھولیتے اور اگر کچی زمین پر ہوتے تو پاؤں غسل کے بعد دھوتے۔

[۳] زلفوں والے آدمی کے لئے اب بھی سنت ہے کہ پہلے زلفوں کا خلال کرے اور سر کو دھوئے،پھر تمام جسم کے ساتھ بھی سر پر پانی ڈالے۔

[۴] اس سے معلوم ہوا کہ غسل سے پہلے استنجا کرنا بھی سنت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت میمونہ نے [۱] کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے غسل کا پانی رکھا پھر میں نے آپ کو کپڑے سے آڑ کردی [۲] اور آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی بہایا پھر انہیں دھویا پھر ہاتھوں پر بہایا پھر انہیں دھویا پھر داہنے ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا اور استنجا کیا پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا انہیں صاف کیا پھر اسے دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لیا اور اپنا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر پر پانی بہایا اور اپنے تمام جسم پر بہایا [۳] پھر وہاں سے ہٹ گئے اور اپنے قدم شریف دھوئے میں نے کپڑا پیش کیا قبول نہ فرمایا [۴] اور ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے

	تشریف لے گئے۔(مسلم،بخاری) اور اس کے لفظ بخاری کے ہیں۔

۱؎ آپ کا نام میمونہ بنت حارث ہلالیہ عامریہ ہے،پہلے آپ کا نام برہ تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل فرمایا،زمانہ جاہلیّت میں مسعود ابن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں،اس کے بعد ابو رہم کے نکاح میں آئیں،ان کے فوت ہوجانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ ۷ھ میں عمرہ قضاء کے موقع پر مکہ معظّمہ سے دس میل دور مقام سرف میں آپ سے نکاح کیا،اللہ کی شان کہ ۶۱ھ میں نکاح کی جگہ ہی آپ کی وفات ہوئی،آپ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی ہیں،جن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نکاح نہیں کیا۔ام الفضل یعنی عبداللہ ابن عباس کی والدہ اور اسماء بنت عمیس کی آپ ہمشیرہ ہیں،یعنی عبداللہ ابن عباس کی خالہ۔

۲؎ اگرچہ آپ تہبند باندھ کر غسل فرماتے تھے لیکن پھر بھی آپ چادرتان کر سامنے کھڑی ہوگئیں زیادتی ستر کے لیے۔لہذا چاہیئے یہ کہ تہبند باندھ کر غسل میں نہائے،بعض نے کہا کہ اس کے معنی ہیں پانی کو ڈھک دیا،مگر یہ درست نہیں۔(مرقاۃ)

۳؎ غسل کی ترتیب یہ ہوئی کہ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں،پھر استنجاء،پھر وضو کیا جائے،پھر جسم پر بہایا جائے۔چونکہ کچی زمین پر غسل فرمایا تھا اس لیے وضوء کے ساتھ پاؤں نہ دھوئے بلکہ بعد میں دھوئے اگر پختہ زمین پر غسل ہو تو پاؤں پہلے دھولیے جائیں۔خیال رہے کہ یہاں مسح سر کا ذکر نہیں یا تو حضور نے مسح کیا ہی نہیں کیونکہ سر کے دھلنے میں مسح بھی ہوجاتا ہے،یا مسح کیا تھا مگر ذکر نہیں لہذا یہ حدیث پہلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں مسح کا ذکر ہے۔

۴؎ یا اس لئے کہ کپڑا صاف نہ تھا یا آپ جلدی میں تھے،یا وقت گرمی کا تھا،جسم کی تری اچھی معلوم ہوتی تھی،یا اس لئے کہ غسل ووضو کا پانی نہ پونچھنا افضل۔بہرحال اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پونچھنا ممنوع ہے کیونکہ پچھلی روایتوں میں پونچھنے کا ثبوت بھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ وضواور غسل کے بعد جسم پر جو تری رہ جاتی ہے وہ ماء مستعمل نہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ انصار کی ایک بی بی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں بتایا کہ یوں غسل کریں پھر فرمایا کہ مشک کا ٹکڑا لے کر اس سے پاک کرو بولیں اس سے کیسے پاکی کروں فرمایا اس سے پاکی کرو بولیں اس سے کیسے پاکی کرو فرمایا سبحان اللہ! اس سے پاکی کرو ۱؎ تو انہیں میں نے اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ خون کی جگہ ٹکڑا لگاؤ ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ خفیہ مسائل کے متعلق تعلیم اشاروں کنایوں سے چاہیئے،خصوصًا اجنبی عورتوں کے سامنے کہ ان بی بی صاحبہ کے بار بار پوچھنے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کی وضاحت نہ فرمائی۔مقصد یہ تھا کہ غسل کرنے کے بعد مشک کا ٹکڑا یا مشک میں بھیگے ہوئے کپڑے کا ٹکڑا وہاں پھیر لیں جہاں خون پہنچتا ہے تاکہ خون کی بو جاتی رہے۔بعض نسخوں میں مُمَسَّك بھی ہے یعنی مشک میں بسا ہوا کپڑا۔

۲؎ سبحان اللہ! اس سے حضرت عائشہ صدیقہ کی ذہانت معلوم ہوئی کیوں نہ ہو کہ مزاج شناس رسول ہیں،بڑی فقیہہ عالمہ ہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا جنابت کے غسل کے لیئے انہیں کھولا کروں فرمایا نہیں تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو۔پھر اپنے پر پانی بہالیا کروتو پاک ہوجاؤ گی۱؎(مسلم)	

۱؎اسی بناء پرفقہاءفرماتے ہیں کہ عورت پر غسل میں سارے بال بھگونا فرض نہیں تمام کی جڑیں بھیگ جانا کافی ہیں۔اگر مرد کے بال ہوں تو پورے بھگونے پڑیں گے۔تین بار کی قید یقین حاصل کرنے کے لیے ہے ورنہ اگر ایک لپ سے ہی تمام جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو کافی ہے۔اوراگرتین لپوں میں بھی نہ پہنچے تو ڈالنا ضروری ہے اور اگر اتنے سخت بال بندھے ہوں کہ بغیر کھولے ہوئے تمام کی جڑیں نہ بھیگ سکیں تو کھولنا ضروری ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد(دورطل) سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے پانچ مد تک غسل فرماتے تھے۱؎(بخاری،مسلم)	

۱؎حنفیوں کے نزدیک مددورطل کا ہوتا ہے،اور ایک رطل چالیس تولہ کا،اور ایک صاع چار مد کا۔لہذا پاکستانی وزن سے ایک رطل نصف سیر کااورایک مد ایک سیراور صاع چار سیرلیکن مداوررطل کی مقدار میں اختلاف ہے،نیز ہلکی چیز صاع میں کم آئے گی اور بھاری زیادہ،اس لئے احتیاط یہ ہے کہ فطرہ میں آدھا صاع گندم تقریبًا سوا دو سیر مانے جائیں یعنی ایک صاع میں پانی اندازاً چارسیراور گندم ساڑھے چار سیر سمائے گی۔خیال رہے کہ غسل اور وضو میں پانی مقرر نہیں۔سنت یہ ہے کہ وضو ایک سیر پانی سے کم نہ ہو اورغسل چار سیر سے۔

روایت ہے حضرت معاذہ سے۱؎فرماتی ہیں فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جومیرے اورآپ کے درمیان ہوتا۲؎پس آپ جلدی کرتے مجھ پر حتی کہ میں کہتی کہ میرے لیئے بھی چھوڑیئے فرماتی ہیں کہ وہ دونوں جنابت میں ہوتے۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ معاذہ بنت عبداللہ عدویہ ہیں،۸۳ھ میں آپ کا وصال ہوا،آپ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ چوڑے منہ والا جس میں دونوں کے ہاتھ بخوبی پڑ سکیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ وہ حضرات تہبند باندھ کر غسل کیا کرتے تھے اگرچہ خاوند اور بیوی کا آپس میں حجاب نہیں۔خیال رہے کہ اگر جنبی یا بے وضو ہاتھ دھوکر ضرورةً گھڑے یا مٹکے میں ہاتھ ڈال دے تو پانی مستعمل نہ ہوگا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا،لیکن اگر پاؤں یا سر ڈال دے تو پانی مستعمل ہوجائے گاکیونکہ یہ بلا ضرورت ہے،نیز اگر بغیر دھوئے یا بے ضرورت ہاتھ ڈالے تو پانی مستعمل ہوجائے گا۔خیال رہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو غسل یا وضو کرنا مکروہ ہے مگر ایک ساتھ غسل کرنا مکروہ نہیں۔

۳؎ معلوم ہوا کہ غسل کی حالت میں باتیں کرنا جائز ہے۔بشرطیکہ تہبند بندھا ہو ننگے باتیں کرنا منع۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیاجو تری تو پائے اور خواب یاد نہ ہو فرمایا غسل کرے اور اس کے بارے میں پوچھا گیاجو خیال کرے کہ اسے احتلام ہوا ہے اور تری نہ پائے فرمایا اس پر غسل نہیں ۱؎ ام سلیم نے عرض کیا کہ کیا عورت پر بھی غسل ہے جو یہ دیکھے فرمایا ہاں عورتیں مردوں کی مثل ہیں ۲؎ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اوردارمی اور ابن ماجہ نے "لَاغُسْلَ عَلَیْه" تک روایت کی۔	

۱؎ کیونکہ احتلام میں منی کا نکلنا غسل واجب کرتا ہے خواب یاد ہو نہ ہو۔تری مطلق غسل واجب کردے گی اگرچہ مذی ہو کیونکہ کبھی پتلی منی مذی ہی محسوس ہوتی ہے،یہی ہمارا مذہب ہے،یہ حدیث ہماری دلیل ہے۔

۲؎ یعنی اکثر احکام عورتوں مردوں کے یکساں ہیں اسی لئے قرآن و حدیث میں مذکر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور عورتیں اس میں داخل ہوتی ہیں۔شقائق جمع شقیقہ کی ہے بمعنی ٹکڑا و حصہ،اسی لئے بھائی کو شقیق کہا جاتا ہے۔حضرت حوا آدم علیہ السلام کا جزو بدن تھیں لہذا عورتیں مردوں کا حصہ ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کو جب ختنہ ختنے میں غائب ہوجائے تو غسل واجب ہے میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا تو ہم نے غسل کیا ۱؎(ترمذی و ابن ماجہ)	

۱؎ اُمّ المؤمنین نے اپنے فعل کا ذکر اظہاریقین کے لیے کیا یعنی میں یہ مسئلہ سناسنایا نہیں کہہ رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس پر عمل کرکے تجربہ کرچکی ہوں اوراس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس مسئلے میں مہاجرین و انصار کا بڑا اختلاف ہوگیا تھا۔انصار کہتے تھے کہ بلا انزال غسل واجب نہیں تب ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ تم جھگڑا مت کرو میں

اس کا فیصلہ حضرت عائشہ صدیقہ سے کراتا ہوں ضرورت کے موقع پر قرآن کریم نے بھی ایسی چیزوں کی تشریح فرمائی ہے فرماتا ہے: "لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ" اورفرماتا ہے: "بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ" وغیرہ،لہذاحدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے لہذابال دھوؤ اور کھال صاف کرو۱(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اور حارث ابن وجیہ راوی بوڑھے تھے اس مقام کے لائق نہیں۲	

۱اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ غسل میں جسم کے سارے بال بھگونا فرض ہیں اگر ایک بال بھی خشک رہ گیا تو غسل نہ ہوگا۔دوسرے یہ کہ اگر بدن پر خشک مٹی،گندھا ہوا آٹایاموم لگا رہ گیا جس کے نیچے پانی نہ پہنچا،تب بھی غسل نہ ہوگا لہذا اگر ناخنوں پر نیلی پالش لگی ہوئی ہے تو غسل درست نہیں،کیونکہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچے گا۔خیال رہے کہ گھنی داڑھی وضو میں مانع نہیں،کیونکہ اس میں بڑی مشقت ہے،وضو روزانہ کئی بار ہوتا ہے،غسل میں اس کے نیچے پانی پہنچاناچاہیئے۔(مرقاۃ)

۲یعنی وجہ بڑھاپے کے انکا حافظہ کمزور ہوگیا تھا،اس لئے انکی روایت چنداں قوی نہیں۔لفظ شیخ عدالت کی تعریف اورحافظہ کی جرح کے لیے آتاہے یہاں جرح کے لئے ہے جیساکہ اگلی عبارت سے ظاہر۔

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جنابت میں ایک بال کی جگہ چھوڑ دے جسے نہ دھوئے تو اسے آگ میں ایسا ایسا عذاب کیا جائے گا۱حضرت علی فرماتے ہیں اسی لیئے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں اسی لیئے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں اسی لیئے میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں تین بار۲اسے ابوداؤد،دارمی نے روایت کیا مگر ان دونوں نے مکرر نہ کیا اسی لیئے دشمن ہوگیا میں اپنے سر کا۔	

۱یعنی عذاب پر عذاب ہوگا ایک تو ناپاک رہنے کا دوسرے تمام نمازیں برباد کرنے کا لہذا غسل میں بڑی احتیاط چاہیئے۔ناف،بغل،کان کی لو،ان میں بہت خیال سے پانی پہنچائے کہ یہاں اکثر بغیر توجہ پانی نہیں پہنچتا۔

۲یعنی زلفیں یاپٹے نہیں رکھواتا،ہمیشہ بال کٹواتا،منڈاتا رہتا ہوں۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اورتمام صحابہ رضی اللہ عنھم نے سواء حج کے اور کبھی سر نہ منڈوایا،اس حدیث سے علی مرتضی کا ہمیشہ سر منڈانا ثابت نہیں ہوسکتا کہ آپ بال کٹواتے ہوں،اگر منڈواتے بھی ہوں تو منڈوانے کا جواز ثابت ہوگا،نہ کہ اس کی سنّیت،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سرمنڈوانا وہابیوں نجدیوں کی علامت قرار دیا،لہذا ہمیشہ ہی اورخصوصًا اس زمانہ میں سنی مسلمان سرمنڈانے کی عادت سے بچیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۱(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ کیونکہ غسل سے پہلے وضو فرمالیتے تھے،وہ وضو نماز کے لئے کافی ہوتا تھا،بلکہ اگر کوئی شخص بغیر وضو کئے بھی غسل کرے اور پھر نماز پڑھ لے تو جائز ہے،کیونکہ طہارت کبریٰ کے ضمن میں طہارت صغریٰ بھی ہوجاتی ہے اور بڑے حدث کے ساتھ چھوٹا حدث بھی جاتا رہتا ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر شریف ناپاکی کی حالت میں خطمی سے دھوتے اسی پر کفایت کرتے ۱؎ کہ سر پر پانی نہ ڈالتے ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی غسل سے پہلے خطمی سے سر دھوتے،پھر تمام بدن کے ساتھ سر نہ دھوتے تاکہ خطمی کا کچھ اثر باقی رہے اور پہلا پانی کا بہالینا غسل کے لیے کافی مانا گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر غسل کے اعضاء آگے پیچھے دھلیں تو غسل درست ہے۔
۲؎ یعنی غسل کے ساتھ خالص پانی سر پر نہ ڈالتے وہ ہی خطمی والا پانی کافی تصور فرماتے۔

	روایت ہے حضرت یعلی سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں نہاتے دیکھا ۲؎ تو آپ منبر پر چڑھے،پھر اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی حیا دار ہے،پردہ پوش ہے،حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے ۳؎ تو جب تم میں سے کوئی نہائے تو پردہ کرلیا کرے ۴؎(ابوداؤد نسائی)اور نسائی کی روایت میں ہے کہ اللہ پردہ پوش ہے جب تم میں سے کوئی نہانا چاہے تو کسی چیز سے آڑ کرلیا کرے ۵؎

۱؎ یعلی دو ہیں ایک یعلی ابن امیہ،دوسرے یعلی ابن مرہ دونوں صحابی ہیں،پتہ نہیں کہ یہاں کون یعلی مراد ہیں۔
۲؎ یہ صاف میدان میں تنہا تھے۔اسی لئے ننگے نہارہے تھے کہ وہاں اس وقت کوئی دیکھ نہ رہا تھا،نیز عرب میں اسلام سے پہلے کوئی شرم وحیاء نہ تھا،حیاء و شرم تو اسلام نے سکھائی۔
۳؎ اگرچہ اکیلا ہو مرد تو تہبند باندھ کر میدان میں نہا سکتا ہے کہ اس کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے لیکن عورت غسل خانے یا آڑ ہی میں نہائے،کیونکہ اس کا ستر سر سے پاؤں تک ہے۔
۴؎ فقہاء فرماتے ہیں کہ تنہائی میں بلاوجہ ننگا ہونا منع ہے۔اللہ سے حیا چاہیئے۔
۵؎ تنہائی میں آڑ کرنا مستحب ہے،اور سب کے سامنے واجب یہ امر دونوں کو شامل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ پانی سے پانی ہے اول اسلام میں اجازت تھی پھر اس سے منع کردیا گیا ۱؎ (ترمذی ابوداؤ،د دارمی)

۱؎ یعنی شروع اسلام میں بغیر انزال صحبت کرنے سے غسل واجب نہ ہوتا تھا،اب حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا نزال ہو یا نہ ہو۔مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں اول صرف عقیدۂ توحید فرض ہوا،پھر سورۂ مزمل والی نماز یعنی رات کی،پھر پنج گانہ نماز کی فرضیت سے نماز شب کی فرضیت منسوخ ہوگئی،پھربعد ہجرت روزے اور زکوۃ وغیرہ فرض ہوئے۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میں نے جنابت سے غسل کیا اور فجر پڑھ لی۔پھر دیکھا کہ ناخن برابر جگہ کو پانی نہ پہنچا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اس جگہ ہاتھ پھیر لیتے تو کافی ہوتا۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اگرغسل کے وقت وہاں ہاتھ پھیرلیتے تو پانی بہہ جاتایاغسل کے بعدوضو وغیرہ کے وقت ہاتھ پھیر کر پانی بہا لیتے تو بھی کافی ہوتا،اب وہ جگہ دھوؤ اورنمازدوبارہ پڑھو۔حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس جگہ پر صرف مسح کافی تھا،پانی بہانے کی حاجت نہیں،کیونکہ غسل میں سارے جسم پر پانی بہانا فرض ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرغسل کا کوئی عضو سوکھا رہ گیا اوربہت دیر کے بعدپتا لگے تووہ دوبارہ غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ صرف وہ جگہ دھودینا کافی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نمازیں پچاس تھیں اور جنابت کا غسل سات باراور کپڑے سے پیشاب دھوناسات بار۱؎ پس حضور انور عرض کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پانچ رہیں اورجنابت کا غسل ایک بار اور کپڑا پیشاب سے دھونا ایک بار۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی معراج میں اولًا یہ احکام دیئے گئے،پھر وہاں ہی منسوخ ہوگئے،جیسا کہ آگے آرہا ہے ان احکام پر عمل کسی نے نہیں کیا کیونکہ عمل سے پہلے نسخ جائز ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ تینوں نسخ معراج کی رات ہی میں ہوگئے۔بعض نے فرمایا کہ شروع اسلام میں غسل اور کپڑا دھونا سات سات بار رہا جس پر کچھ روزعمل ہوا۔خیال رہے کہ امام شافعی کے نزدیک نجس کپڑا ایک بار دھونا ہی فرض ہے،جیسے وضو اور غسل میں ایک بار اعضاء دھونا فرض اور ہمارے امام صاحب کے یہاں جب کپڑے پر نجاست نظر نہ آتی ہو تو اتنا دھونا فرض ہے کہ اس کی پاکی کا گمان غالب ہوجائے اس طرح کہ تین بار دھوئے اور ہر دفعہ نچوڑے۔مگرصاحبین کے نزدیک بھی جوکپڑے نچوڑنے کے قابل نہ ہوں جیسے بہت موٹی دریاں یا نہایت کمزور نازک ریشمی کپڑے ان میں بھی اس قدر پانی بہنا کافی ہوتاہے،لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔

باب مخالطۃ الجنب ومایباح لہ

جنبی سے اختلاط کا باب اور کیا چیزیں جنبی کو جائز ہیں[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] جنبی جنابت سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں دوری و علیحدگی۔شریعت میں حدث اکبر جس سے غسل واجب ہو جنابت کہلاتاہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان مسجد ونماز وغیرہ سے علیحدہ رہتا ہے۔مذکر،مونث ایک اور چند سب کو جنب کہا جاسکتا ہے۔اختلاط سے مراد اس کے ساتھ کھانا،پینا،اٹھنا،بیٹھنا،مصافحہ،معانقہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے[1] حالانکہ میں ناپاک تھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑلیا[2] میں آپ کے ساتھ چلا حتی کہ آپ بیٹھ گئے میں چپکے سے نکل گیا منزل میں آیا غسل کیا پھر حاضر ہوا حالانکہ آپ تشریف فرما تھے[3] فرمایا اے ابوہریرہ کہاں تھے؟ میں نے واقعہ عرض کیا فرمایا سبحان اللہ!مؤمن گندہ نہیں ہوتا[4] یہ بخاری کے لفظ ہیں مسلم کی روایت میں اس کے معنی ہیں اور قُلْتُ کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ مجھے ملے حالانکہ میں جنبی تھا میں نے غسل کے بغیر آپ کے پاس بیٹھنا ناپسند کیا[5] بخاری کی دوسری روایت میں ایسے ہی ہے۔	

[1] یہ نہ فرمایا کہ میں حضور سے ملا کیونکہ آپ کا ارادہ ملنے کا نہ تھا اتفاقًا ملاقات ہوگئی،آپ تو غسل کرنے جارہے تھے۔

[2] محبت اور شفقت کی بناپر نہ کہ چلنے میں امداد لینے کے لیے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔

[3] یہ ہے صحابہ کا انتہائی ادب،اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں مصافحہ وغیرہ سب ممنوع ہے مگر حیاء اور ادب کی وجہ سے اس وقت عرض نہ کرسکے،خیال تھا کہ بعد میں مسئلہ پوچھ لوں گا چونکہ اس کے ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا،اس لئے خاموشی اختیار کی۔

[4] یعنی جنابت نجاست حقیقیہ نہیں تاکہ جنبی سے مصافحہ وغیرہ منع ہو۔خیال رہے کہ کافر بھی نجس نہیں قرآن کریم میں جو مشرکوں کو نجس فرمایا گیا اس سے گندگی اعتقاد مراد ہے۔اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنبی کا پسینہ یا جھوٹا نجس نہیں۔دوسرے یہ کہ غسل جنابت میں دیر لگانا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ جنابت کی حالت میں ضروری کام کاج کرنا جائز ہے۔چھوتھے یہ کہ جنبی سے مصافحہ،معانقہ بلکہ اس کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا جائز۔

۵؎ احتیاطًا یہ سمجھے ہوئے کہ شاید جنبی پر نجس حقیقی کے احکام جاری ہوں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمرابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ انہیں رات میں جنابت پہنچتی ہے۱؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کرو عضو خاص دھولو پھر سوجاؤ۲؎ (بخاری و مسلم)	

۱؎ تو کیا اس وقت غسل کروں یا صبح کو،وہ سمجھے یہ تھے کہ شاید فورًا غسل واجب ہے اور کبھی فورًا غسل دشوار ہوتا ہے۔
۲؎ یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ وضو کرکے سونا سنت مستحبہ ہے بغیر وضو سونا نہ حرام ہے نہ مکروہ۔(مرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور کچھ کھانا یاسونا چاہتے تونماز کا وضو فرمالیتے۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ بھی سنت مستحبہ ہے۔علماءفرماتے ہیں کہ بحالت جنابت بغیر وضو کھانا پینا رزق گھٹاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے پھردوبارہ جانا چاہے تو بیچ میں وضو کرے۱؎ (مسلم)	

۱؎ یہ بھی سنت مستحبہ ہے۔بہتر تو یہ ہے کہ ہر بار غسل کرے لیکن فقط وضو بھی جائزاور بلاوضو بھی درست۔بیچ میں طہارت سے لذت،صحت،قوت سب کچھ حاصل ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک غسل سے اپنی ساری بیویوں پر دورہ فرماتے تھے۱؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی چندبیویوں کے پاس تشریف لے جاتے اورسب سے آخر میں غسل فرماتے۔ظاہر یہ ہے کہ درمیان میں وضو فرماتے ہوں گے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج حضرت خدیجہ،عائشہ،حفصہ،ام حبیبہ،ام سلمہ،سودہ،زینب،میمونہ ام مساکین،جویریہ،صفیہ رضی اللہ عنھن ہیں۔جن میں حضرت خدیجہ کی موجودگی میں کسی سے نکاح نہ فرمایا۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس جنتیوں کی طاقت دی گئی اور ایک جنتی میں سَومردوں کی طاقت ہوگی لہذا حضورمیں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی،نیز آپ کے ذمہ بیویوں کے درمیان عدل واجب نہ تھا اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے اسی لیے ایک شب میں تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے ورنہ ہم کو ایک کی باری میں دوسری کے پاس جانا درست نہیں۔بعض نے فرمایا کہ حضور باری والی کی اجازت سے یہ عمل فرماتے ہوں گے مگر یہ درست نہیں۔(ازمرقاۃ وغیرہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ	

علیہ وسلم ہر وقت ذکر الٰہی کرتے تھے۱؎(مسلم)ہم ابن عباس کی حدیث ان شاءاللہ کھانوں کے باب میں بیان کریں گے۲؎

۱؎یعنی جنابت وطہارت ہر حال میں زبان شریف سے کلمۂ طیبہ اورتمام وظائف وغیرہ پڑھا کرتے تھے کیونکہ جنابت میں صرف تلاوت قرآن حرام ہے۔

لطیفہ: مجھ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ جنابت میں درود شریف سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نام کی بے ادبی ہوگی،میں نے جواب دیا کہ اگر سمندر میں گندہ آدمی نہالے تو گندہ پاک ہوجاتا ہے سمندر ناپاک نہیں ہوتا۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سمندر ہے ہم گندے ہیں،نیز جو عورتیں حیض و نفاس کی حالت میں مرتی ہیں انہیں مرتے وقت کلمہ اور درود کی بلاشبہ اجازت ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ذکر زبانی جہری کرتے تھے جبھی تو آپ سنتی تھیں۔خیال رہے کہ حضرات قادریہ و چشتیہ وغیرہم کے ہاں ذکر بالجہر افضل ہے ان کا ماخذ یہ حدیث بھی ہوسکتی ہے۔

۲؎یعنی مصابیح میں وہ حدیث اسی مقام پر تھی مگرصاحب مشکوۃ نے اسے مناسبت کی وجہ سے وہاں ذکر کیا جس میں فرمایا گیا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے بغیروضو کئے کھانا تناول فرمالیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی نے لگن میں غسل کیا ۱؎ حضورنےاس سے وضوکرنا چاہاانہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں ناپاک تھی۔فرمایا پانی تو ۱؎ ناپاک نہیں ہوتا ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)دارمی نےاس کی مثل۔

۱؎ وہ بیوی حضرت میمونہ تھیں۔اور لگن میں غسل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پانی لے کر غسل کیانہ کہ اس میں بیٹھ کر یعنی بقیہ پانی حضرت میمونہ کافضالہ تھاغسالہ نہ تھا۔

۲؎یعنی عورت کے فضالے سے مردوضووغسل کرسکتاہے۔خیال رہے کہ تیسری فصل میں اس سے ممانعت بھی آرہی ہے مگروہ ممانعت بیان کراہت کے لئے ہے اور یہ حدیث بیان جواز کے لیے یعنی عورت کے فضالے سے مرد کاوضو یا غسل کرنا بہتر نہیں لیکن اگر کرے تو جائز ہے۔

اور شرح سنہ میں انہیں سے وہ حضرت میمونہ سے راوی مصابیح کے الفاظ سے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنابت سے غسل فرماتے پھر میرے غسل

	سے پہلے مجھ سے گرمی حاصل کرتے[1] اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی اور شرح سنہ میں مصابیح کے الفاظ ہیں۔

[1] اس طرح کہ میرے ساتھ بستر میں لیٹ جاتے اور بغیر کپڑے وغیرہ کی آڑ کے اپنا جسم پاک مجھ سے مس فرماتے۔اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کا جسم پاک ہے اور اس سے معانقہ جائز۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم پاخانہ سے آتے تو ہمیں قرآن پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے تھے[1] جنابت کے سوا حضور کو قرآن سے کوئی چیز نہ روکتی تھی [2] (ابوداؤد،نسائی) ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] یعنی پاخانہ سے تشریف لاکر بغیر وضو کئے اور ہاتھ دھوئے کلی کئے قران کی تلاوت بھی فرمالیتے اور کھانا بھی کھالیتے۔معلوم ہوا کہ بغیر وضو تلاوت بھی جائز ہے اور کھانا پینا بھی درست،اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہاتھ دھو کر کھایا جائے۔یہ عمل شریف بیان جواز کے لئے ہے۔

[2] یعنی حدث اکبر ہی تلاوت قرآن سے مانع ہے۔حدث اصغر یعنی بغیر وضو قرآن چھونا ممنوع ہے،تلاوت جائز ہے۔خیال رہے کہ جنبی کو تلاوت قرآن ممنوع ہے لیکن قرآنی دعائیں بہ نیت دعا پڑھ سکتے ہیں۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں[1] (ترمذی)

[1] یہاں شئی سے مراد پوری آیت ہے۔اور حائضہ کے حکم میں نفاس والی عورت بھی داخل ہے یعنی حائضہ،نفاس والی،جنبی قران کریم کی پوری آیت تلاوت نہ کرے۔یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت سے کم کی بھی تلاوت جائز نہیں ایک دو لفظ پڑھ دینا جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان گھروں کو مسجد سے پھیر دو[1] کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لیئے مسجد کو حلال نہیں کرتا[2] (ابوداؤد)

[1] اولًا بعض صحابہ کے گھر کے دروازے مسجد نبوی شریف میں تھے جن کی وجہ سے گھروں میں آنا جانا مسجد کے راستے سے ہوتا تھا۔حکم دیا کہ ان گھروں کے دروازے اور طرف نکالو یہ موجودہ دروازے بند کردو۔

[2] یعنی اگر دروازے مسجد میں رہے تو جنبی،حائضہ،نفساء مسجد سے گزریں گے حالانکہ انہیں مسجد میں بیٹھنا بھی حرام ہے۔یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے۔امام شافعی وغیرہم کے ہاں مسجد سے گزرنا جائز ہے،وہاں ٹھہرنا حرام ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی

دلیل ہے۔قرآن کریم میں جو ارشاد ہوا"وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ"وہاں"عابری سبیل"سے مراد مسافر ہے،یعنی جنابت کی حالت میں بغیر غسل نماز کے قریب نہ جاؤ ہاں اگرمسافرہو اورپانی نہ پاؤ تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لو وہاں مسجد سے گزرنا مراد نہیں،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو مالک احکام بنایا ہے فرماتے ہیں میں حلال نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ حلال وحرام حضورکرتے ہیں(صلی اللہ علیہ وسلم)۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں تصویرہو اور نہ اس میں جس میں کتا اورجنبی ہو[1](ابوداؤد،نسائی)

[1] یہاں فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے جو بلا ضرورت حرمت و عزت سے رکھی جائے۔اورکتے سے مرادبلا ضرورت محض شوقیہ طورپر پالاہوا کتاہے۔جنبی سے مراد وہ شخص ہے جوبلاضرورت شرعیہ بے غسل رہا کرے۔لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ کبھی روپیہ پیسہ میں فوٹو ہوتے ہیں جوہرگھر میں رہتے ہیں،نہ یہ کہ کھیتی یا گھر بار کی حفاظت یا شکار کے لیے کتا پالنا جائز ہے،نہ یہ کہ رات کو جنبی وضو کرکے رات گزار سکتا ہے،نہ یہ کہ اگر ان گھروں میں فرشتے نہیں آتے تو ان لوگوں کی حفاظت یانامۂ اعمال کی تحریر کون کرتا ہے یا ان کی جان کون نکالے گا۔

	روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کے قریب بھی فرشتے نہیں آتے کافر مردار خلوق سے لتھڑاہوا اورجنبی مگر یہ کہ وضو کرے[1](ابوداؤد)

[1] یہاں بھی فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔کافر مردارسے کافر کا جسم مرادہے زندہ ہو یا مردہ،یعنی کفار کے پاس رحمت کے فرشتے نہیں آتے اسی لئے کفار کے مجمع میں نماز نہ پڑھے،کفارکو نماز استسقاء کے لیے ساتھ نہ لے جائے۔خلوق اس خوشبو کا نام ہے جس میں زعفران وغیرہ ہوتے ہیں اس کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔مردوں کو صرف ایسی خوشبو لگانی چاہیئے جو خوشبو دے رنگ نہ دے یہاں مردوں کے لئے ممانعت مقصود ہے،عورتیں اس حکم سے علیحدہ ہیں۔(مرقاۃ وغیرہ)یونہی جنبی سے مراد وہ جنبی ہے جو ناپاک رہنے کا عادی ہو،نماز کے اوقات میں گندارہے۔لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔دوسری احادیث سے متعارض نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ رات میں جنبی ہونے والا اگر یوں ہی بغیر وضو کئے سوجائے تو رحمت کے فرشتے نہ آئیں گے،وضو کرکے سونا چاہیئے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی بکر ابن محمدابن عمرو ابن حزم سے[1]کہ وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن حزم کو لکھا[2]اس میں یہ تھا کہ قرآن کو صرف پاک آدمی ہی چھوئے[3](مالک دار قطنی)

۱؎ آپ خود،آپ کے والد اوردادا تمام تابعین میں سے ہیں،آپ مدینہ منورہ کے بڑے عالم،متقی،تابعی ہیں۔انس بن مالک اورعروہ ابن زبیروغیرہ صحابہ سے احادیث لیں،ستر سال عمر پائی،۱۳۵ھ میں وفات ہوئی۔آپ کے دادا محمدابن عمرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں ۱۰ھ میں مقام نجران میں پیدا ہوئے،۵۳ سال عمر پائی،حرہ کی جنگ میں شہید ہوئے ۶۳ھ میں۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو ابن حزم انصاری کو یمن کے ایک علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجا تب انہیں ایک فرمان نامہ لکھ کر عطا فرمایا جس میں فرائض،سنتیں،صدقات وغیرہ تحریر تھے۔اس کا یہاں ذکر ہے۔

۳؎ یعنی اس فرمان نامہ میں دوسرے احکام کے علاوہ یہ حکم بھی تھا کہ قرآن کریم صاف پاک آدمی ہی چھوئے نہ تو اسے بے وضو ہاتھ لگائے،نہ جنبی،نہ حائضہ ونفساء۔خیال رہے کہ بلاحائل قرآن چھونا ان تمام کو حرام ہے،ہاں جزداں یاکسی کپڑے کے ساتھ چھوناجائزہے جیسے کہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے:"لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ"۔

روایت ہے حضرت نافع سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ کسی کام میں گیا حضرت ابن عمرنے اپنی حاجت پوری کرلی ۲؎ اور آپ کی اس دن کی حدیث یہ تھی کہ فرمایا ایک آدمی گلیوں میں سے کسی گلی میں گزراحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ملاقات ہوگئی ۳؎ حالانکہ آپ پاخانہ یا پیشاب سے آئے تھے ۴؎ اس نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۔حتی کہ وہ شخص جب گلی میں چھپ جانے کے قریب ہوا تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے جن سے اپنے چہرے کا مسح کیا پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور اپنے ہاتھوں پر پھیرے پھر اس شخص کا جواب دیا ۵؎ اورفرمایا کہ مجھے تمہارے جواب دینے میں رکاوٹ صرف یہ تھی کہ میں پاک نہ تھا ۶؎ (ابوداؤد)	

۱؎ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت نافع سیدناعبداللہ ابن عمر کے آزادکردہ غلام ہیں،تابعین میں سے ہیں،ویلم کے رہنے والے،۱۱۷ھ میں وفات پائی،بڑے عالم متقی تھے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں حاجت سے مرادکوئی ضروری کام ہے نہ کہ استنجاء جیساکہ بعض لوگوں نے سمجھایعنی آپ کسی کام کے لیے گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔

۳؎ یعنی اتفاقاً حضورعلیہ الصلوۃ والسلام سے ملاقات ہوگئی اس وقت ملاقات کا ارادہ نہ تھا۔

۴؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پیشاب یا پاخانہ سے بالکل فارغ ہوکر تشریف لائے تھے یعنی ڈھیلے پانی کا استنجاء بھی کرچکے تھے کیونکہ عادت کریمہ یہ نہیں تھی کہ پیشاب پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجاء کرتے ہوئے بازاروں یا گلیوں میں چلیں،بلکہ خاص موقعہ پر ہی خشک کرلیتے تھے کہ اس طرح چلنا مروت کے خلاف ہے۔

۵؎ جب اس شخص نے سلام کیا تو کوئی لائق تیمّم دیوار سامنے موجود نہ تھی۔اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دیوار تک پہنچے اتنے میں وہ شخص گلی کے کنارے پر پہنچ گیا،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فورًا ہی تیمّم کیوں نہ کرلیا۔اس سے معلوم ہوا کہ پکی دیوار پر تیمّم جائز ہے،یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔تیمّم کے لئے صرف ریت یا خشک مٹی ضروری نہیں۔

۶؎ یعنی میں اس وقت بے وضو تھا اور جواب میں کہنا ہوتا ہے "**وعلیکم السلام**"سلام اللہ تعالٰی کا نام بھی ہے اگرچہ یہاں وہ معنی مراد نہیں پھر بھی اس لفظ کا احترام کرتے ہوئے میں نے بغیر وضو یہ لفظ بولنا مناسب نہ سمجھا۔حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خاص انوار الہیہ کی تجلی ہورہی تھی جس کا اثر یہ تھا کہ آپ نے بغیر طہارت سلام کا لفظ بھی منہ نہ سے نکالا،یہ خصوصی حکم ہے،لہذا اس حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاخانے سے آکر قرآن پڑھاتے تھے،دعائیں پڑھتے تھے،وضو سے پہلے **بسم اللہ** پڑھتے تھے اوریہاں بغیر وضو سلام کا لفظ بھی نہیں بولتے،کہ وہ عام حکم شرعی تھا اور یہ حکم خصوصی۔شریعت وطریقت،فتوٰی وتقوٰی میں فرق ہے۔نہ یہ اعتراض ہے کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم درست نہیں ہوتا،پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تیمّم کیوں کیا؟اس تیمّم سے نماز وغیرہ نہ پڑھی صرف جواب سلام دیا،نماز جنازہ جارہی ہو تو پانی کے ہوتے تیمّم جائز ہے مگر اس سے دوسری نماز نہیں پڑھ سکتے۔یہاں بھی جواب کا وقت جارہا تھا،آدمی چھپا جارہا تھا اس لیے یہ عمل فرمایا۔غرض کہ یہ حدیث بے غبار ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جواب سلام میں دیر لگانا ضرورۃً جائز ہے اور اس دیر لگ جانے پر معذرت کردینا سنت ہے تاکہ اس کو رنج نہ ہو۔

روایت ہے حضرت مہاجرابن قنفذ سے ۱؎ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ پیشاب کر رہے تھے ۲؎ انہوں نے سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ وضو کرلیا۔پھر ان سے معذرت کی اور فرمایا کہ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ بغیر پاکی کے اللہ کا ذکر کروں ۳؎ (ابوداؤد)اور نسائی نے "**حَتّٰی تَوَضَّأَ**"تک روایت کی اور فرمایا کہ جب وضو کرلیا تو اس کا جواب دیا۔	

۱؎ آپ کا نام خلف ابن عمیر ہے،لقب مہاجر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم سچے مہاجر ہو آپ قریشی ہیں،تیمی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،بصرہ میں قیام رہا،وہاں ہی وفات ہوئی۔

۲؎ پیشاب یاپاخانہ کرنے والے پرسلام کرنا منع ہے اور اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں،لیکن قضائے حاجت کے بعد جواب دے دیا جائے تو جائز ہے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔چونکہ ان صحابی کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اسی لئے انہوں نے اس حالت میں سلام کیا۔

۳؎ اس کی پوری بحث اوپر گزر چکی۔یہاں ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرکے جواب دیاکیونکہ یہاں سلام کرنے والے کہیں جا نہ رہے تھے،بلکہ حضور کے پاس ہی تھے۔اس لئے جواب کی جلدی نہ تھی،وضو کیا،پھر جواب دیا وہاں سلام والاجارہا تھا،لہذا فرق ہوگیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے پھر سوجاتے پھر جاگتے ۱؎ پھر سوجاتے۔(احمد)

۱؎ یعنی بحالت جنابت اولًا وضو کرکے سوجاتے،پھر جاگتے،پھر دوبارہ سونے کے لئے وضونہ کرتے پہلا وضو کافی ہوتا،کیونکہ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی۔فقہاء فرماتے ہیں کہ ہم کو بھی یہ درست ہے کہ اولًا وضو کرکے سوجائیں پھراگرجاگ جائیں تو سونے کے لئے دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں پہلا وضو ہی کافی ہے۔(اشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت شعبہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ناپاکی سے غسل کرلیتے تو داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات بارپانی ڈالتے ۲؎ پھر استنجاءکرتے ایک دفعہ بھول گئے کہ کتنی بار پانی ڈالا ہے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم فرمایا تمہاری ماں نہ رہے تمہیں کس چیزنے جاننے سے روکا ۳؎ پھرنماز کا سا وضو کرتے پھر اپنے جسم پر پانی بہاتے پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی طہارت فرماتے تھے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ شعبہ ابن دینارہیں،سیدنا عبداللہ ابن عباس کے آزادکردہ غلام ہیں۔امام نسائی فرماتے ہیں کہ شعبہ ضعیف ہیں،دیگرمحدثین ان کی توثیق کرتے ہیں۔

۲؎ کیونکہ ہاتھ میں نجاست لگی ہوئی تھی اورشروع اسلام میں نجاست سات بار دھوئی جاتی تھی،پھر سات کا حکم منسوخ ہوگیا،استحباب اب بھی باقی ہے۔(ازمرقات)لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں تین بار ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ہوسکتا ہے کہ آپ یہ عمل کبھی کرتے ہوں نہ کہ ہمیشہ۔

۳؎ماں نہ رہے پیار میں بھی بولتے ہیں اورعتاب میں بھی۔یہاں دونوں احتمال ہیں۔مولیٰ اور استاد کو حق ہے کہ بلاوجہ بھی عتاب کردے۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ شاگرد کو اپنے استاد کے ہرحال کا خیال رکھنا چاہیئے تاکہ بوقت ضرورت استاد کو بھی بتاسکے،اورلوگوں تک بھی پہنچاسکے۔یہاں ہاتھ دھونے کی گنتی مراد ہے۔

۴؎کبھی کبھی یا سات کا حکم منسوخ ہونے سے پہلے یا اس وقت جب کہ نجاست سخت ہوکر بغیرسات بارکے نہ چھوٹے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱؎فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں پردورہ فرمایا ان کے پاس بھی غسل کیا اور انکے پاس بھی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہیں کرلیتے فرمایا کہ یہ خوب پسندیدہ اور بہت صاف ہے۲؎ (احمدوابوداؤد)	

۱؎آپ کا نام اسلم ہے کنیت ابو رافع،قبطی ہیں،حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے آزادکردہ غلام ہیں،بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رہے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی خبر حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو انہی نے پہنچائی اور اسی خوشی میں حضور علیہ الصلاۃوالسلام نے انہیں آزاد کیا۔ان کے باقی حالات پہلے گزر چکے ہیں۔

۲؎چونکہ ہر دفعہ غسل کے لئے ابو رافع ہی پانی لاتے ہوں گے،اس لئے انہیں اندازے سے پتا لگا کہ آپ ہر بار غسل جنابت فرمارہے ہیں۔تب یہ سوال کیا اس قسم کے اظہار میں اور مسئلہ پوچھنے میں نہ عقلًا کوئی مضائقہ ہے نہ شرعًا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل شریف سے مسائل معلوم ہوئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر چند بار صحبت کی جائے تو ہر دفعہ نہالینا سنت ہے۔باقی بحث اسی باب میں پہلے گزرچکی۔

روایت ہے حضرت حکم ابن عمرو سے ۱؎فرماتے ہیں کہ منع فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ مردوعورت کی طہارت سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)اورترمذی نے ان دونوں سے زیادہ کیافرمایاعورت کے جوٹھے سے اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔	

۱؎آپ صحابی ہیں،غفاری ہیں،بصرہ میں قیام رہا،زیاد نے پہلے آپ کو بصرہ کا،پھر خراسان کا حاکم بنایا، ۵۱ھ؁ مقام مرہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۲؎یہ ممانعت تنزیہی ہے یعنی عورت کے غسل یا وضو سے بچے ہوئے پانی سے مرد کا غسل یا وضو کرنا بہتر نہیں،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باراپنی بعض ازواج کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا اورفرمایا کہ پانی جنب نہیں ہوتاکیونکہ وہ حدیث بیان جواز کے لئے ہےاور یہ بیان استحباب کے لئے ہے۔

	روایت ہے حمید حمیری سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے ملا جوحضرت ابوہریرہ کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں چار سال رہے۲؎ فرمایا منع کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے سے غسل کرے۳؎ مسدد نے یہ بڑھایا۴؎ کہ دونوں ایک ساتھ چلو لیں۵؎ اسے ابوداؤد،نسائی نے روایت کیااور احمدنے اس کے اول میں یہ بھی زیادتی کی کہ حضور نے منع فرمایا اس سے کہ ہم میں سے کوئی روزانہ کنگھی کرے یا غسل خانہ میں پیشاب کرے۶؎ اسے ابن ماجہ نے عبداللہ ابن سرجس سے روایت کیا۔

۱؎ آپ حمید ابن عبدالرحمٰن ہیں،بصرہ کے باشندے،قبیلہ حمیر سے ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں اپنے زمانہ میں بڑے عالم تھے۔

۲؎ وہ صحابی یا حکم ابن عمروہیں یاعبداللہ ابن سرجس اوریاعبداللہ ابن مغفل،چونکہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لئے صحابی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں۔

۳؎ یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے یعنی ایسا کرنا بہتر نہیں اگر کرے تو حرج بھی نہیں۔

۴؎ آپ کا نام مسدد(دال کے فتح)سے ابن مسرحد ہے،تبع تابعین میں ہیں،بصرہ کے باشندے ہیں، ۱۲۸ھ میں وفات ہوئی۔

۵؎ یعنی اگرعورت و مرد ایک برتن سے وضو یا غسل کریں تو آگے پیچھے چلو نہ لیں بلکہ ایک ساتھ لیں تاکہ ان میں سے کوئی دوسرے کے فضلہ سے طہارت نہ کرے اگرچہ آئندہ چلوؤں میں فضلے سے ہی طہارت ہوگی مگر یہ معاف ہے۔

۶؎ غسل خانہ میں پیشاب کرنا وسوسہ کی بیماری پیدا کرتا ہے خصوصًا جب کہ پانی نکلنے کی کوئی نالی وغیرہ نہ ہو اور روزانہ بال کاڑھنے مانگ نکالنے میں غفلت پیدا ہوتی ہے۔یہ کام کبھی کبھی کرنا سنت ہے،بال پراگندہ رکھنا بھی ٹھیک نہیں۔

باب احکام المیاہ

پانیوں کے احکام کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ پانی بہت سی قسم کے ہیں: بارش کا پانی، چشمے، کنوئیں، تالاب وغیرہ کا پانی، جاری اور غیر جاری، مستعمل اور غیر مستعمل، حیوانات کا جھوٹا اور دھوپ وغیرہ سے گرم شدہ پانی اور ان پانیوں کے احکام جداگانہ ہیں اس لئے مِیَاہ بھی جمع لائے اور احکام بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے پانی میں جو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرے گا ۱؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا تم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں ٹھہرے پانی میں غسل نہ کرے لوگوں نے کہا کہ اے ابوہریرہ پھر کیا کرے فرمایا اس میں سے لے لے ۲؎	

۱؎ یعنی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ اس سے پانی نجس ہو کر غسل و وضو وغیرہ کے قابل نہ رہے گا جس سے اسے بھی تکلیف ہوگی اور دوسروں کو بھی۔اور بہت سے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا مناسب نہیں کہ اگرچہ وہ ناپاک تو نہ ہوگا لیکن اس کے پینے یا وضو کرنے سے دل کراہت کرے گا۔پہلی صورت میں ممانعت تحریمی ہے اور دوسری صورت میں تنزیہی۔یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ دو قلے پانی نجاست پڑنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔اگر ناپاک نہ ہوتا تو یہ ممانعت اس تاکید سے نہ فرمائی جاتی۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ تعالٰی آگے آئے گی۔

۲؎ یعنی چھوٹے حوض یا گڑھے میں جو پانی بھرا ہو جنبی اس میں گھس کر نہ نہائے بلکہ چلوؤں،لپّوں،یا برتن سے لے کر الگ نہائے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تھوڑا پانی جنبی کے گھس جانے سے ماء مستعمل بن جاتا ہے لہذا جنبی یا بے وضو اگر کنوئیں میں گھسا تو پانی مستعمل ہوگیا۔دوسرے یہ کہ ناپاک آدمی بوقت ضرورت ناند یا چھوٹے حوض میں سے چلو یا لپ بھر سکتا ہے اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جائے ۱؎(مسلم)	

۱؎ ٹھہرا پانی خواہ دو قلے ہوں یا اس سے کم و بیش اس میں پیشاب پاخانہ ممنوع ہے بلکہ اس میں تھوک و رینٹ ڈالنا بھی برا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ رات کو ٹھہرے پانی میں پیشاب ہرگز نہ کرے کہ اس وقت وہاں جنات رہتے ہیں تکلیف پہنچائیں

گے،ہاں تالاب وغیرہ کا یہ حکم نہیں۔تالاب وہ ہے کہ اگر اس کے ایک کنارے سے پانی ہلایا جائے تو دوسرے کنارے کا پانی نہ ہلے یعنی سوہاتھ کی سطح والا پانی اسی کو آب کثیر بھی کہتے ہیں اس سے کم پانی قلیل کہلاتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے [1] فرمایا مجھے میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئیں عرض کیا یارسول اللہ میرا بھانجا بیمار ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیئے دعائے برکت کی [2] پھر وضو فرمایا میں نے وضو کا پانی پیا [3] پھر میں آپ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو آپ کے کندھوں کے درمیان مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی [4] (مسلم،بخاری)

[1] آپ ازدی ہیں،خذلی، ۲ھ میں پیدا ہوئے،اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے،اس وقت سات سال کے تھے،نوعمر صحابی ہیں،عہد فاروقی میں بازار مدینہ کے حاکم تھے۔

[2] غالبًا آپ کے سر میں درد ہی تھا جوحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی برکت سے جاتارہااس ہاتھ کی برکت یہ ہوئی کہ حضرت سائب کی عمرسو۱۰۰سال ہوئی لیکن نہ کوئی بال سفید ہوا اور نہ دانت گرا۔(مرقاۃ)اس سے معلوم ہوا کہ بیماروں کو بزرگوں کے پاس دم درود کے لیے لے جانا اور بزرگوں کا تکلیف کی جگہ ہاتھ پھیرنا سنت سے ثابت ہے۔

[3] فضالہ شریف(بچاہوا پانی) یا غسالہ(دھوون شریف)دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔صحابہ کرام اس غسالہ شریف کو حاصل کرنے کے لئے لڑتے تھے۔خیال رہے کہ امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک وضو یا غسل کاغسالہ نجس ہے مگر ہمارا غسالہ نہ کہ حضور کا،وہ تو تبرک اورنور ہے حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریف امت کے لئے پاک ہیں۔(مرقاۃواشعۃ)

[4] مہر نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کے نیچے دوکندھوں کے درمیان ایک پارۂ گوشت تھا جس پر کچھ تل تھے۔کبوتری کے انڈے یا مسہری کی گھنڈی کے برابر پارۂ گوشت نہایت چمکیلا اور نورانیت تھا،تل سیاہ آس پاس بال،ان کے اجتماع سے یہ جگہ نہایت بھلی ہوتی تھی نیچے سے دیکھو تو پڑھنے میں آتا تھا "اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ"اوپر سے دیکھو تو پڑھاجاتاہے"تَوَجَّہَ حَیْثُ کُنْتَ فَاِنَّکَ مَنْصُوْرٌ"اسے مہرنبوت اس لیے کہتے تھے کہ گزشتہ آسمانی کتب میں اس مہر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم النبیّین ہونے کی علامت قرار دیا گیا تھا وفات کے وقت یہ مہر شریف غائب ہوگئی تھی۔اس میں اختلاف ہے کہ بوقت ولادت موجود تھی یا نہیں۔بعض نے فرمایا کہ شق صدر کے بعد فرشتوں نے جو ٹانکے لگائے تھے ان سے یہ مہر پیدا ہوگئی تھی۔صحیح یہ ہے کہ بوقت ولادت اصل مہرموجود تھی مگر اس کا ابھار ان ٹانکوں کے بعدہوا۔ان شاءاللہ اس کی زیادہ تحقیق آخر کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے بیان میں کی جائے گی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں پوچھا گیا جو میدانی زمین میں ہو اور اس پر چوپائے اور درندے آتے ہوں فرمایا جب پانی دو قلے ہو تو گندگی کو نہیں اٹھاتا (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ نجس نہیں ہوتا ۱؎

۱؎ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ دو مٹکے پانی گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔مٹکوں سے حجر کے مٹکے مراد لیتے ہیں جو ڈھائی مشک کا ہوتا ہے اور شرعی پچاس من کا۔روافض بھی یہی کہتے ہیں۔ہمارے امام اعظم اس حدیث پر چند طرح گفتگو فرماتے ہیں:ایک یہ کہ حدیث صحیح نہیں حتی کہ امام بخاری کے استاد علی ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔دوسرے یہ کہ حدیث اجماع صحابہ کے خلاف ہے کہ ایک بار چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس وابن زبیر نے تمام صحابہ کی موجودگی میں کنواں پاک کرنے کا حکم دیا کسی نے انکار نہ کیا حالانکہ چاہ زمزم میں ہزاروں قلے پانی تھا۔تیسرے یہ کہ لفظ قلہ مشترک ہے جس کے بہت معانی ہیں۔چنانچہ پہاڑ کی چوٹی،اونٹ کا کوہان،سر کی کھوپڑی،بڑے مٹکے سب کو قلہ کہا جاتا ہے۔پھر مٹکے کی مقدار حدیث میں معین نہیں،اتنے اجمال کے ہوتے ہوئے اس حدیث پر عمل کیونکر کیا جاتا ہے۔چوتھے یہ کہ یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر قلتین میں اتنی گندگی گر جائے جس سے پانی کی بو،مزہ یا رنگ بدل جائے تو پانی نجس ہو جاتا ہے،مگر اس حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نجس نہیں ہوتا۔پانچواں یہ کہ یہ حدیث اس معنی سے دوسری احادیث صحیحہ کے سخت خلاف ہوگی۔حضور نے فرمایا کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب نہ کرو،نیز ارشاد فرمایا کہ جب کتا پانی کے برتن میں منہ ڈال دے تو پانی ناپاک اور برتن بھی پلید ہو گیا۔ان دونوں حدیثوں میں قلتین کا استثناء نہیں کیا گیا۔چھٹے یہ کہ لَمۡ یَحۡمِلۡ کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قلتین میں پانی نجاست کو برداشت نہیں کرتا،یعنی نجس ہو جاتا ہے،رب فرماتا ہے:"مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا"۔عرف میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص صدمہ نہیں اٹھا سکتا۔ساتویں یہ کہ اس حدیث کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب جاری پانی کو دو انسانوں کے قد کے برابر بہنے کا موقع مل جائے تو گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوگا،وہ ماء جاری ہے اس کی طرح کہ ایک گڑھے سے پانی آرہا ہے دوسرے میں گر رہا ہے دونوں گڑھوں کے درمیان دو قد انسانی قریبًا دس فٹ کا فاصلہ ہے تو چونکہ یہ پانی جاری ہے لہذا گندگی سے ناپاک نہ ہوگا۔اس صورت میں حدیث پر کوئی اعتراض نہ پڑے گا لہذا مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہایت قوی ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنویں سے وضو کریں ۱؎ وہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے لتے کتوں کے گوشت اور گندگیاں ڈالے جاتے تھے ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ۳؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،و نسائی)

۱؎ یہ کنواں مدینہ منورہ محلّہ بنی ساعدہ میں واقع ہے،بنی ساعدہ خزرج کا ایک قبیلہ ہے۔فقیر نے اس کنوئیں کی زیارت بھی کی ہے اور اس کا پانی بھی پیا ہے۔

۲؎ یعنی یہ کنواں گویا مدفون کوڑی تھا کہ مدینہ کی گلیاں و کوچے صاف کرکے کوڑا کرکٹ وہاں ڈال دیا تھا جیسے ہمارے ہاں بھی ایسے گڑھے دیکھے گئے ہیں۔

۳؎ اَلْمَاءُ میں الف لام عہدی ہے یعنی یہ پانی پاک ہے ان گندگیوں سے ناپاک نہیں ہوتا۔امام شافعی کے نزدیک تو اس لئے کہ وہ پانی قلتین سے زیادہ تھا،امام اعظم کے نزدیک اس لیے کہ وہ پانی جاری تھا یعنی مدفون نہر پر یہ کنواں واقع تھا جیسا کہ مکہ مکرمہ میں نہر زبیدہ پر اور مدینہ طیبہ میں نہر زرقاء پر تمام کنوئیں ہیں جو بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں دبی ہوئی نہر،امام اعظم کا قول قوی ہے کیونکہ قلتین تو کیا سینکڑوں قلے پانی اتنی گندگی پڑنے سے بگڑ جائے گا ہمارے کنوئیں میں اگر ایک بلی پھول پھٹ جائے تو پانی سڑ جاتا ہے،لہٰذا یہ حدیث امام شافعی کے خلاف ہوگی۔ہاں جاری پانی چونکہ سب کچھ بہا کر لے جائے گا،اس لئے کہ اس کے ناپاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اب بھی بیر بضاعہ وغیرہ میں جھانک کر دیکھو تو پانی بہتا ہوا نظر آتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا عرض کیا یارسول اللہ ہم سمندر میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا پانی لے جاتے ہیں اگر اس سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کیا کریں۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے۲؎ اور اس کا مردار حلال۳؎ (مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ سائل کو شبہ یہ تھا کہ سمندر کا پانی سخت کڑوا ہے پینے کے قابل نہیں لہذا اس آیت کے تحت نہیں آتا:"وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا"کیونکہ بارش کا پانی میٹھا اور مطہر ہے اور سمندر کا پانی میٹھا نہیں تو چاہیئے کہ مطہر بھی نہ ہو۔

۲؎ یعنی سمندر کے پانی کا یہ مزہ اصلی ہے یا زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے کسی نجاست نے اس کا مزہ نہیں بدلا لہٰذا پاک بھی ہے،مطہر بھی۔خیال رہے کہ اگر کنوئیں کا پانی بہت ٹھہرا رہنے کی وجہ سے بدمزہ یا بدبودار ہوجائے تو پاک رہے گا۔

۳؎ احناف کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ مچھلی کو ذبح کرنا ضروری نہیں۔اگر ہمارے پاس آکر مرجائے یا سمندر کی موج اسے کنارے پر پھینک جائے جس سے وہ مرجائے تو حلال۔لیکن اگر اپنی بیماری سے مرکر پانی پر تیر جائے تو حرام کیونکہ اب وہ سمندر کا مردار نہیں،بلکہ بیماری کا مردار ہے،بعض آئمہ نے اس کے معنی یہ سمجھے کہ پانی کا ہر جانور حلال حتی کہ مینڈک کچھوا وغیرہ بھی مگر یہ معنی درست نہیں کیونکہ دریائی انسان اور دریائی سور کو وہ بھی حرام جانتے ہیں۔تو انہیں بھی حدیث میں قید لگانی پڑے گی۔

	روایت ہے ابو زید سے وہ عبداللہ ابن مسعود سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کی رات ۱؎ ان سے فرمایا کہ تمہارے برتن میں کیا ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا نبیذ ہے۲؎ فرمایا کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا۳؎ ابوداؤد،احمد،ترمذی نے زیادہ کیا کہ پھر اس سے وضو فرمایا۔ترمذی کہتے ہیں کہ ابو زید مجہول ہے۴؎

۱؎ یعنی جس رات جنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تبلیغ کرنے کے لئے ابن مسعود کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر تشریف لے گئے حضرت ابن مسعود کے پاس حسب عادت پانی کا لوٹا تھا۔

۲؎ یعنی کھجور کا زلال(نتھرا ہوا شربت)کہ رات کو کھجوریں پانی میں بھگودی جائیں،صبح کو نتھارلیا جائے۔

۳؎ یہ فرماکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے وضو کیا جیسا کہ مصابیح کی روایت میں ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ کھجور کے شربت سے وضو جائز ہے بشرطیکہ گاڑھا نہ پڑا ہو بلکہ خوب پتلا ہو۔

۴؎ یعنی ان کے حالات کا علم نہ ہوسکا کہ کیسے تھے۔لیکن امام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابو زید عمروابن حریث کے آزادکردہ غلام ہیں،ان سے راشد ابن کیسان اورابو رقاق نے روایت لی ہے اور جس راوی سے ایسے محدثین روایت لےلیں وہ مجہول نہیں رہتا۔توریشتی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بہت سی ضعیف اسنادوں سے مروی ہے لیکن بہت ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہوجاتی ہیں دیکھو کتب اصول حدیث۔

	حضرت علقمہ بروایت صحیح حضرت عبداللہ ابن مسعود سے نقل ہے فرماتے ہیں میں جنات کی رات حضور کے ساتھ تھا ہی نہیں ۱؎(مسلم)

۱؎ خیال رہے کہ **لیلۃ الجن** چھ ہیں:ایک بار بقیع الغرقد میں جنات کو تبلیغ اسلام کی اس میں حضرت ابن مسعود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،دوبار مکہ معظّمہ میں ایک بارمدینہ طیبہ میں زبیر ابن عوام ہمراہ تھے۔لہذاعلقمہ کی یہ روایت بھی درست ہے کہ ابن مسعود ہمراہ نہ تھے،اور وہ بھی درست ہے کہ ہمراہ تھے اور نبیذ کاواقع پیش آیا۔یا علقمہ کی روایت کا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابن مسعود "**لیلۃ الجن**" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبلیغ کے وقت نہ تھے کیونکہ حضور ان کو دور چھوڑ گئے تھے اور آپ کے اردگرد حصار کے لئے گول خط کھینچ کر فرما گئے تھے کہ اس سے آگے نہ نکلنا جیسا کہ دوسری روایات میں ہے،اسی سے صوفیائے کرام حصار کے مسائل مستنبط کرتے ہیں۔لہذاحضرت علقمہ کی یہ حدیث اس دوسری حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقاۃ و اشعۃ)خیال رہے کہ کھجور کے نبیذ سے وضوجائزہونا خلاف قیاس ہے کیونکہ نبیذ مطلق پانی نہیں اور وضو صرف مطلق پانی سے ہی ہوسکتا ہے مگرچونکہ حدیث پاک میں واردہوگیالہذا سواء کھجور کی نبیذ کے اور کسی نبیذ سے وضو جائز نہیں جیسے کشمش وغیرہ کا نبیذ۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ امام اعظم حدیث کے مقابل قیاس پرعمل کرتے ہیں۔**نعوذ باﷲ**!

یہ بھی خیال رہے کہ کھجور کے نبیذ سے وضو جب ہی درست ہے جب کہ گاڑھا نہ ہو پانی کے اجزاء غالب ہوں اگر کھجور کے اجزاء غالب ہوگئے ہوں اورپانی گاڑھا پڑ گیاہوتو وضو جائز نہیں،تیمّم کیا جائے۔اوراگر اس غلبہ میں شک ہو تو وضو بھی کرے اور تیمّم بھی۔لہٰذا امام صاحب سے جو مروی ہے کہ آپ نے کبھی تو نبیذ سے وضو کا حکم دیا،کبھی وضو سے منع فرمایا،تیمّم کا حکم دیا اورکبھی دونوں کا،یہ مختلف حالات میں ہے۔

روایت ہے حضرت کبشہ بنت کعب ابن مالک سے[1] آپ ابوقتادہ کے فرزند کی بیوی تھیں۔ابو قتادہ ان کے پاس آئے[2] تو انہوں نے ابوقتادہ کے لیئے وضو کا پانی انڈیلا بلی آکر اس سے پینے لگی آپ نے اس کے لیئے برتن جھکادیا حتی کہ اس نے پی لیا کبشہ فرماتی ہیں کہ مجھے ابوقتادہ نے اپنی طرف دیکھتے ہوئے ملاحظہ کیا تو بولے بھتیجی کیا تم تعجب کرتی ہو بولیں ہاں تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں وہ تو تم پر پھرنے والے یا پھرنے والیوں میں سے ہے[3](مالک،احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ا بن ماجہ،دارمی)	

[1] آپ خود بھی صحابیہ ہیں،آپ کے والد کعب ابن مالک بھی صحابی ہیں،جن کی توبہ کا واقعہ مشہور ہے،جن کے بارے میں سورۂ توبہ کی آیات اتری ہیں،عبداللہ ابن ابی قتادہ کی زوجہ ہیں۔

[2] آپ کا نام حارث ابن ربیع ہے،انصاری ہیں،مشہورشاہ سوار ہیں،آپ کے بیٹے کا نام عبداللہ ہے۔

[3] اس حدیث سے بعض علماء نے اس پر دلیل پکڑی کہ بلی کا جوٹھا نہ تو ناپاک ہے نہ مکروہ اس سے بلا کراہت وضو جائز ہے۔ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر بلی چوہا نجاست کھاکربغیر منہ صاف کئے برتن میں ڈال دے تو پانی بھی نجس اور برتن بھی گندا۔اوراگرمنہ صاف کرکے پانی پی جائے تو وہ پانی مکروہ ہے اور اس سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی۔امام صاحب کا قول قوی ہے۔اوران علماءکا اس حدیث سے استنباط ضعیف کیونکہ یہ حضرت ابو قتادہ کا اجتہاد ہے حضور نے صرف یہ فرمایاکوئی نجس نہیں یعنی اس کا جسم ناپاک نہیں اس میں یہ کہاں ہے کہ اس کا لعاب اور جوٹھا بھی بالکل پاک ہے۔دیکھو کتے کا سوکھا جسم نجس نہیں مگر اس کا جوٹھا نجس ہے۔طحاوی شریف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور فرماتے ہیں جب بلی برتن چاٹ جائے تو اسے ایک یا دو باردھوؤ،نیز اسی طحاوی میں ہے کہ سیدنا ابن عمر کتے،بلی اورگدھے کے جوٹھے سے وضو نہیں کرتے تھے،بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔اس کے متعلق اور بہت سی روایات طحاوی میں منقول ہیں۔نیز جس کا گوشت ناپاک اور حرام ہو اس کا جوٹھا بھی پاک نہ ہوگا،بلی کاگوشت ناپاک اور حرام ہے لہٰذا اس کا جوٹھاناپاک ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ یہ گھروں میں آتی جاتی ہے،نیز نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتی لہٰذا جوٹھا مکروہ ہے جیسے چھوٹے بچے جونجاست سے پرہیز نہ کرسکیں اگر وہ پانی میں ہاتھ ڈال دیں تو پانی مکروہ ہوتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوداؤد ابن صالح ابن دینار سے وہ	

اپنی والدہ سے راوی کہ ان کی مالکہ نے انہیں ہریسہ دے کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا ۱ میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا مجھے اشارہ کیا کہ رکھ دو ۲ ایک بلی آئی جو اس میں سے کھاگئی جب حضرت عائشہ نماز سے فارغ ہوئیں تو آپ نے وہاں سے ہی کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔فرمانے لگیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں وہ تو تم پر گھومنے والوں سے ہے ۳ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے تھے ۴ (ابوداؤد)	

۱ داؤد ابن صالح مدنی ہیں،جلیل القدر تابعی ہیں،ابو قتادہ انصاری کے آزادکردہ غلام ہیں،آپ کی والدہ بھی کسی کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ہریسہ ہرس سے بنا بمعنی سخت کوٹنا عرب کا مشہور حلوہ ہے۔

۲ انگلی سے اشارہ کیایاسر کی حرکت سے نماز میں بوقت ضرورت اتنا ہلکاسا اشارہ جائز ہے۔

۳ اس میں بھی حضرت عائشہ صدیقہ کا اجتہاد ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے جسم کو پاک فرمایا،لعاب یا جوٹھے کا ذکر نہیں کیا۔

۴ یہ جملہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف نہیں کیونکہ اس سے وضو صرف مکروہ تنزیہی ہے۔حضور نے بیان جواز کے لیے کیا اور ممکن ہے کہ دوسرا پانی نہ ہونے پر اس سے وضو کیا گیا ہو۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم گدھوں کے جوٹھے سے وضو کرلیں فرمایا ہاں اور اس سے بھی جنہیں تمامی درندوں نے بھی جوٹھا کیا ۱ (شرح سنہ)	

۱ اس حدیث کی بناء پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام درندوں کا جوٹھا پاک ہے۔امام اعظم و امام احمد کے ہاں نجس۔امام اعظم کا قول قوی ہے،اور اس حدیث میں تالابوں کا پانی یا بہتا ہوا پانی مراد ہے جو نجاست پڑجانے سے ناپاک نہیں ہوتا۔جیسا کہ تیسری فصل میں آرہا ہے۔ورنہ یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ کتا و سور بھی درندے ہیں تو چاہیئے کہ ان کا جوٹھا بھی پاک ہو،جب درندوں کے گوشت نجس ہیں تو ان کا جوٹھا بھی نجس ہونا چاہیئے کیونکہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔خیال رہے کہ گدھے کا جوٹھا پاک تو ہے مگر اس کی مطہریت میں شک ہے کیونکہ اس میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف ہے۔بلا ضرورت اس سے وضو نہ کرے۔اگر دوسرا پانی نہ ملے تو وضو بھی کرے،اس کے ساتھ تیمّم بھی۔

روایت ہے حضرت ام ہانی سے ۱ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ نے اس لگن سے وضو کیا	

جس میں گندھے آٹے کا اثر تھا۲(نسائی و ابن ماجہ)	

۱آپ کا نام فاختہ یا عاتکہ ہے،علی مرتضی کی حقیقی بہن ہیں،آپ کے گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی،ہُبَیْرَہ ابن ابی وہب کی زوجیت میں تھیں،بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا مگر نکاح نہیں ہوسکا،فتح مکہ کے دن ایمان لائیں،امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۵۰ھ کے بعد وفات پائی۔
۲یعنی صرف اثر تھا۔پانی اس سے نہ سفید پڑا نہ گاڑھا،ایسے پانی سے بلاکراہت وضو جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت یحیٰی ابن عبدالرحمان سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اس قافلہ میں تشریف لے گئے جن میں حضرت عمرو ابن عاص تھے حتی کہ ایک حوض پر پہنچے تو عمرو نے کہا اے حوض والے کیا تیرے حوض پر درندے ہوتے ہیں؟۱تو حضرت عمر ابن خطاب نے فرمایا اے حوض والے نہ بتانا کیونکہ ہم درندوں پر اور درندے ہم پر آتے ہیں۲(مالک)	

۱یعنی اگر درندے اس سے پانی پیتے ہوں تو ہم اس سے نہ وضو و غسل کریں اور نہ پئیں۔انہیں آب قلیل وکثیر کا فرق معلوم نہ تھا۔
۲یعنی چونکہ یہ پانی کثیر ہے لہذا کسی جانور کے پی جانے سے نجس نہیں ہوتا اور کسی گندگی کے پڑ جانے سے گندا نہیں ہوتا،تاوقتیکہ پانی کی بو یا مزا اور رنگ گندگی کی وجہ سے نہ بدلے۔یہ حدیث گزشتہ حدیث جابر کی تفسیر ہے،اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوی دلیل ہے۔

اور رزین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ کہا کہ بعض راویوں نے حضرت عمر کے فرمان میں یہ بڑھایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو درندے اپنے پیٹوں میں لے گئے وہ ان کا اور جو بچ رہا وہ ہمارا پانی بھی ہے اور طہارت بھی۱	

۱اس جملے میں بھی آب کثیر ہی مراد ہے۔لہذا یہ حدیث ہماری دلیل ہے نہ کہ شوافع کی۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مطلق پانی کے لئے ہے تھوڑا ہو یا بہت مگر یہ توجیہ اگلی آنے والی حدیث کے خلاف ہے۔ نیز فصل ثانی کے شروع میں گزر گیا کہ جب پانی دو قلے ہو تو درندوں کے پینے سے ناپاک نہ ہوگا اگر درندوں کا جھوٹا پاک ہے تو وہاں دو قلوں کی قید کیوں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں جن پر درندے کتے اور گدھے سب آتے ہیں ان سے وضو کرنا کیسا فرمایا	

	کہ وہ جو اپنے پیٹوں میں لے گئے وہ ان کا جو بچا وہ ہمارا وہ ہمارے لئے پاک کن ہے۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎ یہ حدیث گزشتہ کی تفسیر ہے،یعنی جب پانی زیادہ ہو تو درندوں کے پینے سے ناپاک نہ ہوگا۔خیال رہے کہ ان احادیث میں ان حوضوں کی مقدار کا ذکر نہیں۔ہمارے امام صاحب کے ہاں سو۱۰۰ہاتھ مربع پانی کثیر ہے،جس کی دلیل بیر "بالوعہ" کا مسئلہ ہے۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ایک کنوئیں کا حریم دس۱۰ہاتھ ہے کہ اس حدیث میں دوسرا کنواں نہ کھودا جائے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے آپ نے فرمایا کہ دھوپ کے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو اس لئے کہ وہ کوڑھ پیدا کرتا ہے۱؎(دارقطنی)

۱؎ یہ اگرچہ فاروق اعظم کا قول ہے،لیکن صحابہ کرام کی موجودگی میں ہے اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا جس سے یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے ہر پانی مراد ہے تھوڑا ہو یا زیادہ،لہذا حوض کا پانی جب دھوپ میں گرم ہوجائے تو اس سے وضو نہ کیا جائے۔

باب تطہیر النجاسات

نجاستوں کے پاک کرنے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یہاں نجاستوں سے حقیقی ناپاکیاں مراد ہیں نہ کہ حکمی کیونکہ انکا ذکر تو پہلے ہو چکا وضو اور غسل کی بحث میں۔چونکہ حقیقی نجاستیں بہت سی قسم کی ہیں۔خفیفہ،غلیظہ وغیرہ اس لئے نجاست جمع فرمایا گیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پی جائے تو اسے سات بار دھوؤ (مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا تم میں سے کسی کے برتن کی پاکی جب اس میں کتا چاٹ جائے تو اسے ساتھ بار دھوئے پہلی بار مٹی سے[1]

[1] یہی مذہب ہے امام شافعی وغیرہ فقہاء و اکثر محدثین کا کہ کتے کے چاٹنے پر،برتن کا سات بار دھونا اور مٹی سے مانجنا ان کے ہاں فرض ہے۔ہمارے امام اعظم رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہے کہ اس کے دھونے میں نہ تعداد مقرر ہے نہ مٹی سے صاف کرنا لازم،بلکہ گندگی کا اثر دور کرنا ضروری ہے کہ مٹی وغیرہ کا برتن جس میں مسام ہوں تین بار دھویا جائے۔تانبہ،شیشہ وغیرہ جس میں مسام نہ ہوں اس کا ایک بار دھونا یا پونچھ دینا کافی ہے۔اس لئے کہ دارقطنی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کتا ب،برتن چاٹ جائے تو اسے تین بار،پانچ بار،یا سات بار دھوؤ۔نیز ابن عربی نے مرفوعًا روایت کی کہ جب کتا برتن چاٹ جائے تو پانی پھینک دو اور برتن تین بار دھولو۔نیز دارقطنی نے بسند صحیح حضرت عطاء سے روایت کی کہ خود حضرت ابوہریرہ کا یہ عمل تھا جب ان کا برتن کتا چاٹ جاتا تو پانی گرادیتے اور برتن تین بار دھو ڈالتے،لہذا سات بار کی حدیث منسوخ ہے اور یہ احادیث مذکورہ ناسخ۔اولًا کتوں کا پالنا ممنوع اور ان کا قتل کرنا واجب تھا،اس ہی زمانہ میں یہ پابندیاں بھی تھیں۔جب ضرورۃً کتا پالنا جائز قرار دیا گیا اور اس کا قتل واجب نہ رہا تو سات بار کا حکم بھی منسوخ ہوگیا،نیز اگر کتا یا سور برتن میں پیشاب کردے تو تین بار دھونا کافی۔کتے کا لعاب تو پیشاب سے بدتر نہیں،لہذا اس میں بھی تین بار دھونا کافی ہونا چاہیئے۔یہ سات کا حکم ایسا ہی ہے جیسے شروع میں شراب کے برتنوں کا توڑ دینا فرض تھا،پھر وہ حکم نہ رہا۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کردیا اسے لوگوں نے پکڑلیا اوران سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو[1] اور اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہادو[2]

	کیونکہ تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے مشکل میں ڈالنے والے نہیں بھیجے گئے۳ (بخاری)

۱؎یعنی اسے نہ مارو پیٹوکیونکہ یہ شرعی احکام سے ناواقف ہے۔اسلام سے پہلے لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اور سب کے سامنے ننگے ہونے کو عیب نہ جانتے تھے،نیزوہ مسجد کے آداب وغیرہ سے بے علم تھے۔معلوم ہوا کہ ناواقف پر سختی نہ کی جائے اسے نرمی سے سمجھایا جائے۔

۲؎بعض نے فرمایا کہ **سجل** اور **ذنوب** کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ڈول بڑاہویاچھوٹا۔بعض نے کہا ہے کہ **سجل** بڑے ڈول کو کہتے ہیں،اور **ذنوب** مطلقاًڈول کو۔خیال رہے کہ یہ **سجل** س کے زبر،ج اور ل کے سکون سے ہے،س اور ج کے زیر اور ل کے شدّ سے **سجل**،بمعنی کاتب و منشی،یونہی **ذنوب** ذ کے زبر سے بمعنی ڈول اور ذ کے پیش سے **ذنب** کی جمع،بمعنے گناہ۔

۳؎خیال رہے کہ زمین اگرچہ سوکھ کر پاک ہوجاتی ہے لیکن زمین کا دھونا بہت ہی بہتر ہے کہ اس سے گندگی کا رنگ و بو بھی جلدی جاتا رہتا ہے اور اس سے تیمّم بھی جائز ہوجاتا ہے۔اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ ناپاک زمین بغیر دھوئے پاک نہیں ہوسکتی جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد دھلوانا اس لئے تھا کہ وقت نماز قریب تھا،زمین جلدی سوکھ کر پاک نہ ہوسکتی تھی،نیز مسجد میں پاکی کے علاوہ صفائی بھی چاہیئے اور یہ دھلنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ہم حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگا تو حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے فرمایاٹھہر ٹھہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے نہ روکو چھوڑ دو۱؎لوگوں نے چھوڑ دیا حتی کہ اس نے پیشاب کرلیا پھرحضورصلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلاکر فرمایا کہ یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لیئے نہیں یہ توصرف اللہ کے ذکرنمازاور تلاوت قرآن کے لیئے ہیں یاجیسا حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۲؎فرماتے ہیں کہ قوم کے ایک آدمی کو حکم دیا وہ پانی کا ڈول لایا جسے اس پر بہادیا۔(مسلم،بخاری)

۱؎کیونکہ پیشاب بیچ میں روکنے سے سخت بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فن طب سے پورے واقف ہیں اور امت پر بہت رحیم وکریم۔فرمایا مسجد دُھل جائے گی،لیکن اگر یہ بیمارہوگیاتو اس کو اورہم کوسخت دشواری ہو گی۔

۲؎اس میں مبلغین کو طریقۂ تبلیغ کی تعلیم ہے کہ تبلیغ اخلاق اورنرمی سے ہونی چاہیئے۔

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! فرمایئے تو ہم میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے مل دے پھر پانی سے دھو دے پھر اس میں نماز پڑھ لے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس حدیث سے چندمسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حیض کا خون نجاست غلیظہ ہے اس لئے اس کے دھونے میں مبالغہ کرنا چاہیئےاسی لئے سرکار نے دھونے سے قبل ملنے کا حکم دیا۔دوسرے یہ کہ ناپاک کپڑا دھلتے ہی پاک ہوجاتا ہے اس لئے سوکھنا شرط نہیں۔تیسرے یہ کہ **نضح** کے معنی چھڑکنایاچھینٹا دینا نہیں بلکہ دھونا ہیں کیونکہ حیض کا خون پانی کے چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا،خوب دھویا جاتا ہے،لہذایہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا اس کا دھونا ضروری ہےکیونکہ وہاں بھی لفظ **نضح** ہی آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت سلیمان ابن یسار سے ۱؎فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے منی کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے فرمانے لگیں کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھوتی تھی پس آپ نماز کو تشریف لے جاتے تھے حالانکہ دھونے کا اثر آپ کے کپڑے میں ہوتا۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ ام المؤمنین حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام ہیں،فقیہ،تابعی ہیں،عطاء بن یسار کے بھائی ہیں،۷۳ سال کی عمر پائی ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

۲؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ منی نجس ہے،رینٹ یا تھوک کی طرح پاک نہیں،جیسا کہ شوافع کا خیال ہے ورنہ دھونے کی ضرورت نہ پڑتی۔دوسرے یہ کہ اپنی بیوی سے منی کا کپڑا دھلوانا جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی خدمت ہے۔تیسرے یہ کہ نجس کپڑا دھونے کے بعد ہی پاک ہوجاتا ہے۔چوتھے یہ کہ گیلے کپڑے میں نماز جائز ہے۔

روایت ہے حضرت اسود ۱؎اورہمام سے۲؎وہ حضرت عائشہ سے راوی فرماتی ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی تھی(مسلم)	

۱؎آپ کا نام اسود ابن ہلال محاربی نخعی ہے،علقمہ ابن قیس کے بھتیجے ہیں،ابراہیم نخعی کے ماموں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا،دیدار نہ کرسکے،خلفائے راشدین کے ساتھیوں میں سے ہیں،۸۰ حج وعمرے کئے،تاوفات ہمیشہ روزہ دار رہے اور دو شب میں ایک ختم قرآن کرتے تھے، ۸۴ھ میں وصال ہوا۔(مرقاۃ و اشعہ)

۲؎آپ نخعی تابعی کوفی ہیں، ۶۵ھ میں وفات پائی،حضرت عائشہ صدیقہ و ابن مسعود وغیرہم صحابہ کی زیارت کی۔

	اور علقمہ اسود کی ایک روایت میں حضرت عائشہ سے اسی طرح ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ اسی میں نماز پڑھ لیتے۱؎

۱؎اس حدیث سے امام شافعی فرماتے ہیں کہ منی پاک ہے کیونکہ یہ انسان کا مادۂ پیدائش ہے،کیسے ہوسکتاہے کہ ایسی پاک چیز ناپاک سے پیدا ہو،ہمارے امام صاحب کے نزدیک منی نجس ہے،ورنہ اس کے نکلنے سے غسل واجب نہ ہوتا،ہاں آسانی کے لئے خشک منی کا مل کرجھاڑدینا کافی ہے،جیسے کہ کھلیان کا گندم جس پر بیل پیشاب پاخانہ کرتے ہیں تقسیم سے پاک ہوجاتاہے،اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گوبراور پیشاب پاک ہو۔یہ بھی ضعیف ہے کہ پاک انسان ناپاک منی سے کیسے بنا،ماں کا دودھ جو انسان کی پہلی غذا ہے حیض کے خون سے بنتا ہے،بلکہ خود منی خون سے بنی ہے تو کیا خون کو بھی پاک کہو گے۔یہ تو خدا کی شان ہے کہ ناپاک کو پاک سے اورپاک کوناپاک سے بناتا ہے۔چنانچہ دارقطنی نے حضرت عمار ابن یاسر سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا اے عمارپانچ چیزوں سے کپڑا دھوؤ:پیشاب،پاخانہ،قے،خون،اور منی۔وہ جو حدیث ابن عباس مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منی تھوک و رینٹ کی طرح ہے جس کا کپڑا یاگھاس سے پونچھ دینا کافی ہے۔اولًا تو وہ حدیث صحیح نہیں اگر صحیح مان لی جائے تو ان احادیث سے مرجوح یا منسوخ ہے کیونکہ اگر اباحت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔(فتح القدیرومرقاۃ واشعہ)

	روایت ہے ام قیس بنت محصن سے ۱؎کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو جو کھانا نہ کھاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں حضور نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کردیاحضور نے پانی منگایا اس پر پانی بہادیا خوب نہ دھویا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ حضرت عکاشہ ابن محصن کی بہن ہیں،قبیلہ بنی اسد سے ہیں،مکہ معظّمہ میں اسلام لائیں،پھر ہجرت کی۔

۲؎اس حدیث کی بناءپربعض لوگوں نے کہا کہ شیرخوارلڑکے کا پیشاب پاک ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ ناپاک تو ہے لیکن صرف پانی کے چھینٹے سے پاک ہوجاتا ہے،دھونے کی ضرورت نہیں۔ہمارے امام صاحب کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے،دھونا فرض۔یہاں نَضَحٌ کے معنی پانی بہاناہےنہ کہ چھینٹا دینا اور لَمْ یَغْسِلْ کے معنی ہیں بہت مبالغہ سے نہ دھویاکیونکہ ایسے لڑکے کا پیشاب پتلا اورکم بدبودار ہوتاہے،ورنہ یہی نَضَحٌ حضرت اسماء کی حدیث میں حیض کے خون کے بارے میں آچکا ہے

اگر یہاں اس لفظ سے شیرخوارلڑکے کا پیشاب پاک مانا جائے یا وہاں چھینٹا مانا جائے تو حیض کا خون بھی پاک ماننا پڑے گا اور وہاں چھینٹا کافی ماننا پڑے گا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کھال پکالی جائے تو پاک ہوجاتی ہے۱(مسلم)	

۱یعنی مردار کی کھال دھوپ میں خشک کرلی جائے یانمک یا کیکر کی چھال چھڑک کر سکھالی جائے تو پاک ہوجائے گی۔انسان اورسور کے سوا تمام کھالوں کا حکم یہی ہے کھال کے دھونے کی ضرورت نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ حضرت میمونہ کی لونڈی کو بکری صدقہ دی گئی وہ مرگئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتارلی تم اسے پکالیتے اور نفع اٹھاتے لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو مردار ہے فرمایا کہ اس کا کھانا صرف حرام ہے۱(مسلم،بخاری)	

۱اس سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کی کھال پکنے سے پاک ہوجاتی ہے،حتی کہ مردار کے بال،سوکھی ہڈیاں،پٹھے پاک ہیں۔سواء کھانے کے اور کام میں لائے جاسکتے ہیں۔دیکھو ہاتھی کادانت اورمری بھینسوں کے سینگ وغیرہ کی کنگھیاں اور کنگن بنائے جاتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا کو ہاتھی کے دانت کے کنگن پہنائے۔

روایت ہے سودہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے فرماتی ہیں کہ ہماری بکری مرگئی ہم نے اس کا چمڑا پکالیا پھرہم اس میں نبیذ بناتے رہے حتی کہ وہ پرانی مشک بن گئی ۱(بخاری)	

۱اس سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال اگر پختہ طور پر پکالی جائے تو بھیگ کر بھی ناپاک نہ ہوگی،ہاں اگر صرف دھوپ سے پکائی گئی ہے تو بھیگ کربدبو بھی دے گی اورناپاک بھی ہوجائے گی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت لبابہ بنت حارث سے ۱فرماتی ہیں کہ حضرت حسین ابن علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے کہ آپ کے کپڑے پرپیشاب کردیا۲ میں نے عرض کیا کہ اور کپڑا پہن لیجئے اپنا تہبند مجھے دے دیجئے کہ دھوؤں فرمایا لڑکی کے پیشاب کو خوب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب سے پانی بہادیا جاتا	

ہے ۳؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کی کنیت ام فضل ہے،قبیلہ بنی عامر سے ہیں،حضرت میمونہ کی ہمشیرہ اور سیدنا عباس کی زوجہ ہیں،حضرت عباس کی اکثر اولاد آپ سے ہی ہے،بی بی خدیجہ کے بعد سب سے پہلے عورتوں میں آپ اسلام لائیں،عبداللہ بن عباس اور فضل ابن عباس جیسے اسلام کے شہزادوں کی ماں ہیں۔

۲؎ عشاق کہتے ہیں کہ نانا کی گود میں پیشاب کرنا سنت حسین ہے اور نواسے سے اپنے کپڑوں پر پیشاب کرانا سنت رسول اللہ ہے۔سنا گیا ہے کہ حضرت مجدد سرہندی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرے ایک نواسہ(یعنی بیٹی کالڑکا)ہوگا اس بچے سے میری قبر پر پیشاب کرادیا جائے پھر قبر دھودی جائے کیونکہ ساری سنتوں پر میں نے عمل کیا،نواسے سے پیشاب کرالینے کی سنت ادا نہیں ہوسکی،یہ سنت میری قبر پر ادا کرائی جائے۔سبحان اللہ!فتوٰی عشق کچھ اور ہی ہے۔

۳؎ کیونکہ شیر خوار بچی کا پیشاب بچے کے پیشاب سے زیادہ بدبودار ہوتا ہے،نیز کپڑے پر پھیلتا زیادہ ہے اس لئے معمولی پانی سے دھلتا نہیں،لڑکے کا پیشاب اس کے برعکس ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی خلاف نہیں۔

اور ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ابی سمح سے ہے فرماتے ہیں کہ لڑکی کے پیشاب سے دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹا دیا جاتا ہے ۱؎	

۱؎ یہ ش حضرت ابوسمح کا اپنا قول ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان،وہ اپنے خیال میں **ینضح** کے معنی کررہے ہیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں **نضح** کے معنی پانی بہانا ہے نہ کہ چھینٹا مارنا۔خیال رہے کہ ابوسمح کا نام ایاد ہے اور آپ حضور کے آزاد کردہ غلام وخادم ہیں،بعض علماء نے فرمایا کہ چھوٹے لڑکوں کو عموماً والد اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور مجلس میں لے جاتے ہیں اس لئے ان کے پیشاب دھونے میں آسانی کی گئی،لڑکیاں اکثر ماں کی گود ہی میں رہتی ہیں،اس لئے اس کی نرمی کی ضرورت نہ تھی۔**واللہ تعالٰی اعلم بالصواب!**

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے پلیدی کو روندے تو مٹی اس کے لیئے پاکی ہے ۱؎(ابوداؤد)اور ابن ماجہ کی روایت میں اس کے معنی ہیں۔	

۱؎ یہاں نجاست سے سوکھی ناپاکی مراد ہے یعنی اگر جوتے یا چمڑے کے موزے سے سوکھی ناپاکی لگ جائے تو آئندہ چلنے کی وجہ سے وہ الگ ہوجائے گی،نیز اگر گیلی ناپاکی بھی جوتے وغیرہ میں لگ کر سوکھ جائے وہ بھی زمین سے رگڑ کھاکر پاک ہوجاتی ہے مگر تر ناپاکی جب تک کہ تر رہے رگڑ سے پاک نہیں ہوسکتی،نیز غیرول والی نجاست جیسے پیشاب یا شراب اگر جوتے یا موزے میں لگ کر سوکھ جائے تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگا،یہ حدیث مجمل ہے اس کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کرو۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ ان سے کسی عورت نے کہا میرا دامن لمبا ہے اور میں گندی جگہ میں چلتی	

ہوں آپ بولیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسے بعد والی زمین پاک کردے گی ا (مالک،احمد،ترمذی، ابوداؤد،دارمی)ان دونوں نے کہا کہ وہ عورت ابراہیم ابن عبدالرحمان بن عوف کی ام ولد تھیں ۲	

ا یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ ابراہیم کی ام ولد مجہول ہیں۔علماءامت کا اس پر اجماع ہے کہ ناپاک کپڑا بغیر دھوئے پاک نہیں ہوسکتا۔چونکہ یہ حدیث صحت کو پہنچتی ہی نہیں،نیز اجماع امت بھی اس کے خلاف ہے۔لہٰذا احادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں۔اور ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں سوکھی ناپاک مراد ہو یعنی اگر کپڑے سے سوکھا گوبر وغیرہ لگ گیا تو آگے جاکر جدا ہوجائے گا کپڑا پاک ہوجائے گا۔

۲ ان کا نام حُمَیْدَہْ تھا ان کے حالات زندگی کا پتہ نہیں ملا۔

روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے ا فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال پہننے اور اس پر سوار ہونے سے منع فرمایا ۲ (ابو داؤد،نسائی)	

ا مشہور صحابی ہیں،اہل شام سے ہیں،قبیلہ بنی کندہ سے ہیں،شامیوں کا وفد اسلام لانے کے لئے جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اس میں آپ بھی تھے،حمّص میں قیام رہا، ۸۷ھ میں شام میں وفات پائی۔

۲ اس لئے نہیں کہ وہ نجس ہیں بلکہ اس لئے کہ اس سے تکبروغرور پیدا ہوتا ہے اور یہ ممانعت تنزیہی ہے۔درندوں کی کھال پر سوار ہونا،بیٹھنا،ان کی پوستین پہننا وغیرہ سب مکروہ وتقویٰ کے خلاف ہے۔

روایت ہے حضرت ابی الملیح ابن اسامہ سے وہ اپنے والد سے ا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور نے درندوں کی کھالوں سے منع فرمایا ۲ (احمد،ابوداؤد،نسائی)اور ترمذی اور دارمی نے یہ بڑھایا یہ کہ بچھایا جائے۔	

ا آپ کا نام عامر ابن اسامہ ابن عمیر ہے،ہُزلی ہیں،جلیل الشان تابعی ہیں،آپ کے والد اسامہ صحابی ہیں۔

۲ اس کی شرح پہلی حدیث میں گزر چکی،یعنی ان پر بیٹھنے،سوار ہونے،پہننے سے منع فرمایا اور ممانعت تنزیہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابی الملیح سے کہ انہوں نے درندوں کے چمڑوں کی قیمت کوناپسند جانا ا (ترمذی)	

ا پکانے سے پہلے،کیونکہ وہ نجس ہے اس کی بیع جائز نہیں یاپکانے کے بعد بھی۔اس صورت میں یہ ابوالملیح کا اپنا مذہب ہے۔تمام آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔یہ روایت ترمذی کی ہے مگر مصنف کو نہ ملی اس لیے انہوں نے یہاں سفیدی چھوڑ دی ہے۔

	اور روایت ہے عبداللہ ابن عکیم سے[1] فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا کہ تم نہ مردار کی کھال سے نفع اٹھاؤ نہ پٹھے سے[2]۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

[1] آپ تابعین میں سے ہیں کہ حضور کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے،قبیلہ بنی باہلہ سے ہیں یا جہنیہ سے،حضرت عمر فاروق،ابن مسعود،حضرت حذیفہ سے ملاقات ہے،کوفہ میں قیام رہا۔

[2] کچی کھال کو اہاب کہتے ہیں اور پکی کو جلد۔مردار کی کچی کھال بھی نجس ہے اور پٹھا بھی کہ نہ اس سے نفع لینا جائز نہ اس کی تجارت حلال۔پکانے اور خشک کرنے کے بعد سب کچھ جائز ہے کہ مردار کا سینگ،ناخن وغیرہ جن میں زندگی کا اثر نہیں ہوتا اور جن کے کاٹنے سے اسے تکلیف بھی نہیں ہوتی ان سے نفع اٹھانا مطلقًا جائز ہے،یہی تمام آئمہ کا مذہب ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کی کھالوں سے نفع حاصل کرنے کا حکم دیا جب پکالی جائیں[1]۔(مالک،ابوداؤد)

[1] یہ حکم اباحت اور اجازت کا ہے نہ کہ وجوب کا۔مردار سے مراد خنزیر اور انسان کے سوا باقی حیوانات ہیں۔خیال رہے کہ مردار کی کھال تو پک کر پاک ہوتی ہے،لیکن ذبح شدہ جانور کی کچی کھال بھی پاک ہے،جانور حلال ہو یا حرام حدیث بالکل صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت میمونہ سے فرماتی ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ حضور پر گزرے جو اپنی مری بکری کو گدھے کی طرح کھینچ رہے تھے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال لے لی ہوتی وہ بولے کہ یہ تو مردار ہے[1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے پانی اور ببول کے پتے پاک کردیتے ہیں[2]۔(احمد وابوداؤد)

[1] انکا یہ خیال تھا کہ قرآن پاک کا فرمان "حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ"مرادکی ہرچیز کو شامل ہے کہ نہ اس کا کھانا جائز اور نہ اس کی کسی چیز کا استعمال کسی طرح حلال،اس خیال پر وہ اسے پھینکنے کے لئے جارہے تھے۔معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کی سمجھ ناممکن ہے۔

[2] خیال رہے کہ کھال کی پاکی کے لئے دھونا فرض نہیں لہذا یہاں پانی سے مراد کچی دباغت ہے یعنی دھوکر سکھا لینا،اور ببول کی پتے اور چھال سے مراد پکی دباغت ہے،اور ہوسکتا ہے کہ پانی سے مراد دھونا ہی ہو،اور حکم استحبابی ہو یعنی کھال دھوکر پکانا بہت بہتر ہے۔

روایت ہے حضرت سلمہ ابن محبق سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک میں ۲؎ ایک کے گھر تشریف لے گئے وہاں مشک لٹکی ہوئی تھی آپ نے پانی مانگا وہ بولے یارسول اللہ یہ مردار کی کھال ہے فرمایا اس کا پکالینااس کی پاکی ہے ۳؎ (احمدوابوداود)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،شام کے رہنے والے۔بعض لوگوں نے **محبق** کی ب کو زیر پڑھا ہے مگر صحیح فتح ہے۔آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایت لی ہیں۔

۲؎ تبوک مدینہ منورہ اورشام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے،غزوۂ تبوک ۹ھ میں ہوا یہ حضور کا آخری باقاعدہ غزوہ ہے۔

۳؎ ان لوگوں نے اپنے خیال میں اس مشک کو ناپاک خیال کیاہواتھا اور اس کا پانی پیتے نہ تھے بلکہ گارے وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔حضور نے ارشادفرمایا کہ یہ پکنے سے پاک ہوچکی ہےاس کا پانی پینا جائز ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے بنی عبدالاشہل کی ایک بی بی صاحبہ سے ۱؎ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارا مسجد کا راستہ غلیظ ہے جب بارش ہو تو ہم کیا کریں ۲؎ فرمایا کیااس کے بعد اس سے اچھا راستہ نہیں ہے میں بولی ہاں فرمایا تو وہ اس کے بدلے میں ہے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ ان بی بی صاحبہ کا نام نہ معلوم ہوسکا نہ حالات زندگی مگر چونکہ صحابیہ ہیں لہذا یہ بے علمی مضر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں،رب فرماتا ہے: "وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی"۔

۲؎ یعنی خشک زمانہ میں وہاں گزرنا بھی آسان اوراس کی گندگی جوتوں کو لگتی بھی نہیں مگر بارش میں گندگیاں جوتوں کو لگ جاتی ہیں اس صورت میں جوتے ناپاک ہوں گے یا پاک۔

۳؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ اگر جسم والی تر نجاستیں جوتے یا چمڑے کے موزے کو لگ جائیں تو وہ خشک مٹی سے رگڑ کر پاک ہوجاتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔پیشاب،پتلی نجاستیں بغیر دھلے پاک نہیں ہوسکتیں،نیز کرتے کے دامن یا پائجامہ بغیر دھلے پاک نہ ہوں گے۔لہذا یہ حدیث واضح ہے فقہی مسئلہ اس کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اورننگے پاؤں چلنے سے وضو نہ کرتے تھے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ پاؤں ہی نہ دھوتے تھے،کیونکہ اس میں نجاست نہ لگی ہوتی تھی۔صرف ننگے پاؤں چلنااور اس میں گردوغبار لگ جانااسے نجس نہیں کردیتا۔دوسرے یہ کہ اگر پاؤں نجس بھی ہوجاتے تو صرف پاؤں دھولیتے تھے وضونہ کرتے تھے کیونکہ وضوحدث سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی عضو میں ظاہری گندگی لگ جانے سے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے لیکن صحابہ اس کی وجہ سے مسجد نہ دھوتے تھے۱؎ (بخاری)	

۱؎ اس حدیث کی شرح پہلے گزر چکی۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ کتے کا جسم سوکھا ہو یا گیلا نجس نہیں اور اس کے مسجد میں آجانے کی وجہ سے زمین گندی نہ ہوگی،ہاں کتے کا لعاب ناپاک ہے یا کتا نجاست میں بھیگا ہو تب اس کا جسم ناپاک۔خیال رہے کہ اس حدیث میں اسلام کے ابتدائی حالات کا ذکر ہے۔جب مسجد نبوی میں نہ دروازہ تھا نہ کوئی آڑ اور نہ مسجد کے احترام کے اتنے سخت احکام تھے،پھر بعد میں مسجد میں دروازے بھی لگائے گئے،کتا تو کیا وہاں نہ سمجھ بچوں کا لانا،نجس کپڑے پہن کر آنا حتّٰی کہ جس کے بدن سے بوآرہی ہو،یا جس نے کچاپیاز اور لہسن کھایا ہو،یا منہ میں بدبو ہو ان کا داخلہ تک منع کردیا گیا،جیساکہ "باب المساجد" میں اس قسم کی بہت سی احادیث آئیں گی۔لہذا اس حدیث کو دیکھ کر اب مسجدوں کو بے آڑ رکھنا یا وہاں ہر گندے اور ناپاک کو آنے دینا درست نہیں،ہاں حکم یہی ہے کہ اگر اتفاقًا مسجد میں کتا گھس جائے جس کے جسم پر تر ناپاکی نہ ہو تو اسکو دھونا واجب نہیں۔

روایت ہے حضرت براء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں جس کا گوشت کھایا جائے۔	

اور جابر کی روایت میں ہے کہ جس کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب سے کوئی حرج نہیں۱؎	

۱؎ یعنی حلال چرندوں کا پیشاب پاک ہے۔اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک مانا مگر ہمارے امام صاحب کے ہاں ناپاک ہے،انکی دلیل وہ حدیث ہے جو باب "عذابِ قبر" میں گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب کی چھینٹوں سے بچو کہ عمومًا عذابِ قبر اس سے ہوتا ہے۔اور جسکی قبر پر کھجور کی تر شاخ گاڑھی تھی اس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اونٹوں کا چرواہا تھا۔اس میں حرج سے مراد سخت حرج ہے یعنی جیسے حرام جانوروں کا پیشاب نجاست غلیظہ ہوتا ہے کہ ایک درہم کی بقدر لگنے سے کپڑا نجس ہوجاتا ہے،ایسا حلال جانوروں کا پیشاب نہیں بلکہ وہ نجاست خفیفہ ہے کہ چہارم کپڑا آلودہو تو ناپاک ہوگا۔لہذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔عرینہ والوں کی حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹوں کا پیشاب کی اجازت دی،اس کی تحقیق اسی حدیث کے ماتحت کی جائے گی۔ان شاء اللہ یہاں صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ سخت ضرورت کے موقع پر دواءً حرام چیز کا استعمال جائز ہے۔

باب المسح علی الخفین

موزوں پر مسح کرنے کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ وضو کُل ہے اور مسح جز،نیز موزے کا مسح پاؤں دھونے کا نائب ہے اس لیے اس باب کو وضو کے بعد لائے۔خیال رہے کہ مسح موزے پر ہوتا ہے نہ کہ موزے میں،نیز چمڑے کے موزے پر مسح ہوگا نہ کہ باریک کپڑے یا سوت کے اس لیئے مصنف نے عَلٰی اور خُفَّین ارشاد فرمایا۔خیال رہے کہ موزے کا مسح اشارۃً قرآن شریف سے اور صراحۃً بے شمار احادیث سے ثابت ہے،لہذا اس کا انکار گمراہی ہے۔حضرت انس سے پوچھا گیا کہ اہل سنت کی علامت کیا ہے،فرمایا "تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ وَحُبُّ الْخَتَنَیْنِ وَالْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ"۔خواجہ حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی سب موزوں پر مسح کے قائل تھے۔امام کرخی فرماتے ہیں کہ مسح کے منکر کے کفر کا اندیشہ ہے کیونکہ موزے کا مسح متواتر احادیث سے ثابت ہے۔خیال رہے کہ ابن عباس و عائشہ صدیقہ نے اولًا اس مسح کا انکار کیا تھا،پھر تمام صحابہ کی موافقت فرمائی،حضرت عائشہ صدیقہ بھی مسح کی قائل ہیں۔وہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ فرماتی ہیں میرا پاؤں کٹ جائے تو اچھا موزے پر مسح کرنے سے،یہ محض غلط اور بناوٹی ہے۔

	روایت ہے حضرت شریح ابن ہانی سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالب سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا۲؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیئے تین دن رات اور مقیم کے لیئے ایک دن رات مقرر فرمائی ۳؎(مسلم)

۱؎ آپ تابعی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں پیدا ہوچکے تھے،آپ کے والد ہانی صحابی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابو شریح رکھی،حضرت علی مرتضٰی کے مخصوص ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ کا سوال مدت مسح کے متعلق تھا نہ کہ طریقۂ مسح یا دلائل مسح کے متعلق،جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی مسافر بحالت سفر ایک بار موزے پہن کر مسلسل تین دن و رات مسح کرسکتا ہے۔اور مقیم ایک دن و رات۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں کہ علی مرتضٰی نے اس مدت کی تعیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی۔دوسرے یہ کہ مدتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اول سے آخر تک ایک حال پر رہیں،یعنی مثلًا پہنتے وقت بھی مقیم ہوں اور آخر تک مقیم رہیں۔اگر پہنتے وقت تو مقیم تھا مگر مدت ختم ہونے سے پہلے مسافر ہوگیا تو اب مسافر کی مدت پوری کرے گا۔یوں ہی مسافر اگر مقیم ہوجائے تو مقیم کی مدت پوری کرے۔تیسرے یہ کہ مسح کی مدت حدث کے وقت سے شروع ہوگی کہ نہ پہننے کے وقت سے،نہ مسح کے وقت سے۔چوتھے یہ کہ شرعًا مسافر وہ ہے جو تین دن کی راہ کا

سفر کرے اس سے کم سفر سے مسافر نہ ہوگا۔ورنہ ایک دن مسافت کا مسافر اس حدیث پر عمل نہیں کرسکتا،حالانکہ حدیث ہرمسافر کو عام ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"**جاءالحق**"حصہ دوم میں دیکھو۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی مغیرہ فرماتے ہیں کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم ایک دن فجرسے پہلے پاخانے گئے میں آپ کے ساتھ ایک برتن لے گیا[1] جب واپس آئے تو آپ کے ہاتھ شریف پر برتن سے پانی ڈالنے لگا آپ نے اپنا ہاتھ اورمنہ دھویا[2] آپ پر اونی جبہ تھا آپ کہنیوں سے چڑھانے لگے لیکن جبے کی آستین تنگ تھی[3] تو آپ نے اپنے ہاتھ شریف جبے کہ نیچے سے نکالے اور جبہ اپنے کندھوں پرڈال لیا[4] کہنیوں تک ہاتھ دھوئے،پھر پیشانی اورپگڑی پر مسح کیا[5] پھر میں نے آپ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا فرمایا انہیں رہنے دوکیونکہ میں نے انہیں پاکی پر پہنا ہے[6] پھر ان پر مسح فرمالیا،پھرآپ سوار ہوئے اور میں بھی ہم قوم تک پہنچے جونماز کے لیئے کھڑے ہوچکے تھے انہیں عبدالرحمان ابن عوف نماز پڑھا رہے تھے ایک رکعت پڑھا چکے تھے[7] جب انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا[8] حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک رکعت پائی جب انہوں نے سلام پھیرا تو حضور انور کھڑے ہو گئے میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوگیا جو رکعت رہ گئی تھی ہم نے پڑھ لی[9] (مسلم)	

[1] تاکہ حضور پانی سے استنجاء اور وضو کریں۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خدمت کے لیے حاضر رہنا اور بغیر حکم کے تیاریٔ خدمت کرنا سنت صحابہ ہے اورنماز کی تیاری وقت نماز سے پہلے سنت ہے۔

[2] اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ وضو میں دوسرے سے مدد لینا سنت سے ثابت ہے۔دوسرے یہ کہ بزرگوں کو اس طرح وضوکرانا کہ لوٹا خادم کے ہاتھ میں ہوسنت صحابہ ہے۔خیال رہے کہ یہاں کلی اور ناک میں پانی کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ دونوں چہرے میں داخل ہیں۔

۳؎ پشمینہ اور انکے لباس پہنناجوکہ صوفیائے کرام کا طریقہ ہے،اسی لئے انہیں صوفی کہا جاتا ہے(صوف والے)۔اس کا ماخذ یہ حدیث ہے حضور کی آستین خوب کشادہ ہوتی تھیں یہ تنگ آستینوں والا جبہ کسی جہاد میں غنیمتًا آیا ہوگا۔یہاں مرقاۃ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کفار کے بنائے ہوئے کپڑے اور دوسرے ملک کی وضع کا لباس پہننا جائز ہے،ان کپڑوں پر خوامخواہ ناپاک ہونے کا وہم نہ کرو۔حضرت عمر فاروق نے حَبِیرہ کے حلے پہننے سے ممانعت فرمائی اورفرمایاسناگیاہے کہ وہ لوگ کپڑے پیشاب سے دھوتے ہیں،ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ عہدنبوی میں یہ جوڑے ہم نے بھی پہنے ہیں اور حضور نے بھی تب آپ نے اپنا حکم واپس لیا۔دوسری قوم کا لباس پہننا جائز ہے۔بشرطیکہ وہ کفار یافساق کی علامت نہ ہو۔

۴؎ نیچے قمیض اور تہبند بھی تھا،ورنہ بے پردگی ہوتی۔اس سے معلوم ہوا کہ بیک وقت کرتہ واسکٹ اچکن وغیرہ چند کپڑے پہنناجائز ہے۔

۵؎ پیشانی سے مراد سر کا اگلا چوتھائی حصہ ہے کہ یہ عمومًا پیشانی کی بقدرہی ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حضور ہمیشہ پورے سر کا مسح ہی کرتے تھے۔چہارم سر کا مسح اس حدیث سے ثابت ہے یہ فرض اور وہ سنت۔سرکار نے عمامہ پر مسح نہیں کیا تھا،بلکہ اسے پکڑا تھا تاکہ گر نہ جائے،حضرت مغیرہ اسے مسح سمجھے۔لہٰذا یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ آپ نے فرمایا عمامہ پر مسح جائز نہیں۔جب تک کہ سر پر ہاتھ نہ پھیرا۔(مرقاۃ)

۶؎ یعنی پہلے وضو کرلیا،پھر موزے پہنے ہیں۔خیال رہے کہ اگر کوئی شخص پہلے پاؤں دھو کر موزے پہن لے پھر وضو کے باقی اعضاء دھوئے تب بھی جائز ہے۔اس حدیث سے یہی ثابت ہورہا ہے کہ فرمایا موزے پہنتے وقت میرا پاؤں پاک تھے۔یہ نہ فرمایا کہ میں باوضو تھا۔

۷؎ یہ اس لئے ہوا کہ جماعت صحابہ کو خیال گزرا کہ حضور نے اورجگہ نمازپڑھ لی ہوگی کیونکہ سرکار ان سے دور تھے اور حالت سفر کی تھی،ورنہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نماز نہ پڑھتے تھے اگرچہ وقت تنگ ہوتا،جیسا کہ بہت سی روایات میں ہے۔

۸؎ کہ پیچھے نہ ہٹو نماز پڑھاتے رہو۔اس سے چند مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صحابہ کرام عین نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ کا خیال رکھتے تھے۔دوسرے یہ کہ صحابہ نماز میں حضور کا ادب کرتے تھے جس سے ان کی نماز ناقص نہ ہوتی،بلکہ کامل ترہوجاتی تھی۔تیسرے یہ کہ اگر عین جماعت نماز کی حالت میں حضور تشریف لے آئیں تو موجودہ امام کی امامت منسوخ ہوگئی اوراس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام ہوں گے ورنہ حضرت عبدالرحمان پیچھے ہٹنے کی کوشش نہ کرتے۔چوتھے یہ کہ اس امام کو اگرحضور امامت کا حکم دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوکرامامت کرے گا۔پانچویں یہ کہ افضل کی نماز مفضول کے پیچھے جائز ہے۔خیال رہے کہ حضور نے صرف یہ ایک رکعت دوسرے کے پیچھے پڑھی ہے باقی تمام نمازیں پڑھائی ہیں کسی کے پیچھے پڑھی نہیں،ایسا ہی واقعہ صدیق اکبر کو بھی پیش آیا تھا حضور نے انہیں اقامت پر قائم رہنے کااشارہ کیا تھا مگر صدیق اکبر نہ مانے اور مقتدی بن گئے وہ صدیق اکبر کا ادب تھا اور یہ حضرت عبدالرحمان کی فرمانبرداری،دونوں اللہ کے پیارے ہیں مگر صدیق صدیق ہی ہیں۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسبوق اپنی باقیماندہ رکعت ادا کرنے کے لئے امام کے دو طرفہ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوا جیسا کہ "فَلَمَّا سَلَّمَ" سے معلوم ہوا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو بکرہ سے[1] وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے مسافر کو تین دن ورات کو اور مقیم کو ایک دن ورات تک موزوں پر مسح کی اجازت دی جب کہ پاک ہو کر پہنے ہوں[2] اثرم نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ اور دار قطنی نے۔اور خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یوں ہی منتقی میں ہے[3]	

[1] آپ کا نام شریف نفیع ہے، ثقفی ہیں، مشہور صحابی ہیں، غزوۂ طائف میں ایمان لائے،آخر عمر شریف میں بصرہ میں قیام رہا، ۴۹ھ میں وہیں وفات پائی۔

[2] اس کی پوری شرح اور اس سے مسائل کا استنباط پہلے گزر چکا۔عام علماء کا یہی قول ہے کہ مسافر تین دن سے زیادہ اور مقیم ایک دن سے زیادہ مسح نہیں کرسکتے۔ہاں حنفیوں کے نزدیک یہ مدت حدث کی وقت سے شروع ہوگی۔

[3] منتقی ابن تیمیہ حنبلی کی کتاب ہے۔(مرقاۃ) شیخ فرماتے ہیں کہ یہ خطابی کی تصنیف ہے۔

روایت ہے حضرت صفوان ابن عسال[1] سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو تین دن رات موزے نہ اتاریں[2] مگر جنابت سے لیکن پاخانہ پیشاب اور نیند سے (موزے نہ اتاریں)[3] (ترمذی،نسائی)	

[1] مشہور صحابی ہیں، قبیلہ بنی مراد سے ہیں، کوفہ میں قیام رہا، حضور کے ساتھ بارہ غزووں میں شریک رہے۔

[2] یہ حکم اجازت کا ہے نہ کہ وجوبی، کیونکہ مسافر کو تین دن تک مسح کرنا جائز ہے۔

[3] یعنی حدث اصغر میں موزوں کا مسح درست اور حدث اکبر میں ناجائز، غسل میں پاؤں دھونا ہی فرض ہیں۔اس عبارت میں عجیب لطف ہے کہ اِلّا نے نفی توڑ کر ثبوت کیا، پھر لٰکِنْ نے اِلّا کا ثبوت توڑ کر نفی پیدا کی، اس پر نحویوں نے معرکۃ الآرا بحثیں کی ہیں۔

روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا تو آپ نے موزے کے اوپر نیچے مسح فرمایا[1] (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے اور میں نے ابوزرعہ اور محمد یعنی امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو ان بزرگوں نے فرمایا کہ صحیح نہیں یوں ہی ابوداؤد نے اسے ضعیف فرمایا[2]	

۱؎ یہ حدیث ضعیف ہے،اور ان احادیث کے خلاف ہے جن میں صرف اوپر کے مسح کا ذکر ہے،لہٰذا لائق عمل نہیں،مسح صرف موزے کے اوپر ہوگا نہ کہ نیچے،جیسا کہ اگلی احادیث میں آرہا ہے۔یہی ہمارے امام صاحب کا مذہب ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تلوہ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا ہو اور داہنے ہاتھ سے اوپر مسح کیا ہو دیکھنے والے سمجھے کہ آپ نیچے بھی مسح کررہے ہیں۔

۲؎ اس حدیث کے ضعف کی دو وجہیں ہیں:ایک یہ کہ اس کی اسناد حضرت مغیرہ تک متصل نہیں،بلکہ اس کے راوی وَرّاد ہیں،یعنی حضرت مغیرہ کے غلام۔دوسرے یہ کہ اس کی اسناد میں ثور ابن یزید،رجا ابن حَیْوَہ جیسے راوی ہیں،اور ثور کی ملاقات رجا سے ثابت نہیں،نیز یہ حدیث حضرت مغیرہ کی اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں فقط اوپر کا ذکر ہے،لہٰذا حدیث میں اضطراب بھی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)

۱؎ یہ حدیث صحیح بھی ہے اور متصل بھی اس میں صرف ظاہر موزہ کا ذکر ہے نیچے کا نہیں،یہی ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور پاتابوں پر مسح کیا ۱؎ (احمد ترمذی ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اونی یا سوتی موزوں کو جراب کہا جاتا ہے۔ان پر مسح تین صورتوں میں جائز ہے:ایک یہ کہ بہت موٹے ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہر جائیں،چلنے پھرنے سے ڈھلک نہ جائیں۔دوسرے یہ کہ اس کے صرف تلے میں چمڑا سلا ہو جسے منعّل کہتے ہیں۔تیسرے یہ کہ اس کے ظاہری قدم پر بھی چمڑا سلا ہو جسے مجلد کہتے ہیں۔یہاں پہلی صورت کی جرابیں مراد ہیں یعنی موٹی نعلین سوتی پاتابے کہلاتے ہیں جو جرابوں پر ان کی حفاظت کے لیے پہنے جاتے ہیں۔اگر یہ باریک ہوں کہ مسح کی تری جراب تک پہنچ جائے تو ان پر مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت مغیرہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ بھول گئے فرمایا بلکہ تم بھول گئے مجھے میرے رب عزوجل نے اسی کا حکم دیا ۱؎ (احمد،ابوداؤد)

۱؎ چونکہ حضرت مغیرہ نے اس سے پہلے موزوں کا مسح نہ دیکھا تھا،اس لیے یہ سوال کیا اور بزرگوں کی طرف بھول کی نسبت کرنا خود اپنی غلطی اور بھول ہے،اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم طریقۂ ادب بھول گئے۔اس حدیث کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ موزوں پر مسح قرآن شریف سے بھی ثابت ہے،کیونکہ "وَ اَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ"

میں ایک قرات اَرۡجُلُ کے لام کے کسرہ سے بھی ہے اور عام قرات فتح سے۔مطلب یہ ہوا کہ موزے پہنے ہوں تو مسح کرو،نہ پہنے ہوں تو دھولو۔اور ممکن ہے کہ یہاں اللہ کا حکم سے مراد وحی خفی ہو۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے[1] (ابوداؤد)دارمی نے اس کے معنی کی روایت کی۔

[1] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ موزوں کے صرف ظاہر پر مسح ہوگا نہ کہ تلے پر جیساکہ ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔دوسرے یہ کہ اگر عقل حکم شرع کے خلاف ہو تو عقل مردود ہے،اور حکم شرع مقبول۔دیکھو حضرت علی کی عقل کہتی تھی کہ موزے کے نیچے مسح ہونا چاہیئے کیونکہ زمین سے وہی حصہ لگتا ہے اور گندگی سے وہی قریب رہتا ہے مگر حکم شرعی کے مقابل آپ نے اپنی رائے چھوڑدی۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو میں پیشاب سے غسل واجب کرتا اور منی سے وضو کیونکہ پیشاب بالاتفاق نجس ہے اور منی بعض علماء کے ہاں پاک بھی ہے۔اور میں لڑکی کو لڑکے سے دگنی میراث دیتاکیوں کہ لڑکی کمزور ہے۔(مرقاۃ)

باب التیمم

تیمم کاباب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تیمّم لغت میں قصد اور ارادے کو کہتے ہیں۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ"۔شریعت میں پاکی کی نیت سے زمین پر دوبارہاتھ مارکرچہرے اور ہاتھوں پر پھیرنے کو تیمّم کہتے ہیں۔تیمّم جنابت سے بھی ہوتا ہے اور بے وضو سے بھی،دونوں کا طریقہ ایک ہی ہے صرف نیت میں فرق ہے،تیمّم صرف جنس زمین سے ہوسکتا ہے۔جنس زمین وہ ہے جو زمین سے پیدا ہو اور آگ میں نہ گلے،نہ راکھ بنے،اس کے مسائل فقہ میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم کو دوسروں لوگوں پر تین چیزوں سے بزرگی دی گئی ۱؎ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح کی گئیں۲؎ہمارے لیئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ۳؎اور جب پانی نہ پائیں تو اس کی مٹی پاک کرنے والی کردی گئی ۴؎(مسلم)

۱؎ یعنی یہ تین چیزیں وہ ہیں جو ہماری امت کو ملیں ہمارے سوا کسی کو ان میں سے ایک بھی نہ ملی۔خیال رہے کہ یہ تین حصر کے لیے نہیں کیونکہ اس امت کی اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں۔

۲؎ یعنی نمازوں کی صفیں جماعت میں اور غازیوں کی صفیں میدانِ جہاد میں ایسی اعلٰی اور افضل ہیں جیسے مقرب فرشتوں کی صفیں بارگاہِ الٰہی میں بوقتِ عبادت۔

۳؎ کہ ہرجگہ نماز ہوسکتی ہے،پچھلی امتوں کی نمازیں صرف گرجوں اور کنیسوں ہی میں ہوسکتی تھیں،زمین میں،پہاڑ،دریائی اور ہوائی جہازوغیرہ سب داخل ہیں۔خیال رہے کہ روڑی،قبرستان،بت خانہ،مذبحہ وغیرہ میں نماز درست نہیں۔مگر یہ ایک عارضہ کی وجہ سے ہےاگریہ عارضہ ہٹ جائے تو نمازدرست،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۴؎ پانی نہ پانے سے مراد اس کے استعمال پر نہ قادرہوناہے،خواہ اس لیے کہ پانی موجود نہ ہو یا اس لیے کہ موجود تو ہو،مگر دشمن یا موذی کی وجہ سے استعمال نہ کرسکے۔مٹی سے مراد جنس زمین کی ہر چیز ہے۔ریتا،پتھر،کان کا نمک،پتھری،کوئلہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمران سے فرماتے ہیں کہ ہم حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ

	نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا جو الگ تھا قوم کے ساتھ نماز نہ پڑھی فرمایا اے فلاں تجھے قوم کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روکا۱؎ عرض کیا مجھے جنابت پہنچی اور پانی ہے نہیں تو فرمایا تیرے لیے مٹی ہے۲؎ وہ تجھے کافی ہے۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی تو نے جماعت کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟اس عتابانہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نماز سے علیحدہ بیٹھا رہنا برا ہے اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ جو جماعت سے نماز نہ پڑھ سکے وہ جماعت اولیٰ کے وقت جماعت کی جگہ نہ بیٹھے کہ اس میں جماعت سے روگردانی ہے بلکہ وہاں سے چلا جائے۔

۲؎ امام شافعی یہاں **صعید** کے معنی مٹی کرتے ہیں،ان کے نزدیک تیمّم صرف مٹی سے ہوسکتا ہے۔امام اعظم و امام مالک **صعید** کے معنی روئے زمین کرتے ہیں(**مَاصَعِدَ عَلَی الْاَرْضِ**)،اس لئے ان دو بزرگوں کے ہاں ہر جنس زمین سے تیمّم جائز۔ان دو بزرگوں کی دلیل بخاری شریف کی حدیث جابر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"**وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًاوَّطُهُوْرًا**"اس میں ہر قسم کی زمین کو مطہر قرار دیا گیا۔بخاری شریف کی یہ حدیث "**صعید**"اور پچھلی حدیث جس میں"**تربت**" کا ذکر ہوا،کی تفسیر ہے۔

۳؎ غالبًا ان صاحب کو تیمّم کا طریقہ آتا تھا مگر یہ خبر نہ تھی کہ تیمّم جنابت سے بھی ہوجاتا ہے،اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طریقہ نہ بتایا۔

	روایت ہے حضرت عمار سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر ابن خطاب کی خدمت میں آیا اور وہ بولا کہ میں جنبی ہوجاتاہوں اور پانی پاتانہیں۱؎ تب حضرت عمار نے عرض کیا کہ اے امیرالمؤمنین کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اورآپ سفر میں تھے آپ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں خوب لوٹا پھرنماز پڑھ لی۲؎ پھر میں نے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیاتوفرمایاکہ تم کو یہ کافی تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونکا۳؎ پھر انہیں منہ اور ہاتھ پر پھیر لیا۴؎(بخاری)اور مسلم میں اسی کی مثل ہے اس میں یہ بھی ہے کہ تمہیں یہ کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارتے پھر پھونک لیتے پھر انہیں اپنے منہ اور ہاتھوں پر

پھیر لیتے۵	

۱؎ تو کیا کروں؟آپ نے جواب دیا نماز نہ پڑھو جب تک کہ پانی نہ ملے اس لئے کہ تیمّم صرف وضو کے موقعہ پر ہوسکتا ہے۔(مرقاۃ) یا آپ جواب سے خاموش رہے کیونکہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔(اشعۃ اللمعات) خیال رہے کہ حضرت عمرو ابن مسعود جنابت تیمّم کے قائل نہ تھے،حضرت ابن مسعود نے مسئلہ معلوم ہونے پر اس سے رجوع کرلیا لیکن عمر فاروق نے توقف کیا۔

۲؎ یعنی سفر میں مَیں اور آپ جنبی ہوگئے پانی تھا نہیں تیمّم کا مسئلہ کسی کو معلوم نہ تھا آپ نے تو پانی کے انتظار میں نماز ہی نہ پڑھی اور میں نے تیمّم غسل کو غسل پر قیاس کیا اور تمام جسم پر مٹی لگائی۔اس سے معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں ضرورت کے وقت صحابہ کرام قیاس کرتے تھے،نیز کبھی قیاس میں غلطی بھی کرجاتے تھے لیکن حضور انہیں غلطی پر ملامت نہ فرماتے تھے بلکہ اصلاح فرمادیتے تھے،چونکہ خطاء اجتہادی پر گرفت نہیں۔

۳؎ تاکہ تیمّم میں چہرے پر مٹی نہ لگ جائے کیونکہ تیمّم کا مقصد پاکی ہے نہ کہ چہرہ لیتھڑ کر سادھو بن جانا اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ فیشن کے لئے چہرے پر پوڈر وغیرہ ملنا ناجائز ہے،کہ یہ مثلہ ہے یعنی چہرہ بگاڑنا۔

۴؎ اس ظاہری معنی کی بناء پر امام احمدواوزاعی تیمّم میں ایک بار ہی ہاتھ مارتے ہیں،لیکن پہلے بھی گزر گیا اور آئندہ بھی آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمّم میں دوبارزمین پر ہاتھ مبارک مارے اور اسی کا حکم بھی دیا،لہذا یہاں مراد نہیں بلکہ بیانِ نوعیت ہے،یعنی جنابت کے تیمّم میں زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں صرف مٹی پر ہاتھ مارکر چہرے وہاتھوں پر پھیرلینا کافی ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ ہو،نیز یہاں **کفین** سے مراد ہتھیلیاں یا کلائیاں نہیں بلکہ کہنیوں تک پورے ہاتھ ہیں جیساکہ دیگر احادیث میں ہے یہ حدیث مجمل ہےاور وہ احادیث اس کی تفصیل۔کبھی یَدٌ بول کر کلائیاں مراد لیتے ہیں جیسے "**فَاقْطَعُوْۤا اَیۡدِیَهُمَا**"۔

۵؎ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرکے بھی دکھایا ہو اور فرما بھی دیا ہو،لہذا ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں،بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر فاروق کو یہ واقعہ یاد نہ آیا اورحضرت عمار سے کہا اے عمار خدا سے ڈرو۔

روایت ہے حضرت جہیم ابن حارث ابن صمّہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا جب کہ آپ پیشاب کررہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا حتی کہ آپ دیوار کی طرف گئے اسے لاٹھی سے جو آپ کے ساتھ تھی کھرچا ۲؎ پھراپنے ہاتھ دیوار پر لگائے پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا ۳؎ پھر میرا جواب دیا ۴؎ میں نے یہ روایت نہ تو صحیحین میں پائی اور نہ کتاب حمیدی میں لیکن اسے شرح سنہ میں ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے ۵؎	

۱؎ مشہورصحابی انصاری ہیں،ابی ابن کعب کے بھانجے ہیں،امیرمعاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔
۲؎ کیونکہ دیوار کے ظاہری حصے پرپاپلیدی تھی یا کیڑے مکوڑے اس کھرچنے سے تیمّم کے لئے پاک وصاف مٹی ظاہر ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی دیوار پر بغیر اجازت تیمّم کرلینا اورضرورۃً کچھ کھرچ لینا جس سے دیوار کو نقصان نہ ہوجائز ہے۔
۳؎ یعنی دوبارہاتھ مارے ایک بار چہرے کے لیے اوردوسری بار کہنی تک ہاتھوں کے لئے۔
۴؎ خیال رہے کہ قضاء حاجت کی حالت میں سلام کرنا منع اور اگر کوئی کر دے تو جواب واجب نہیں۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب دینا اخلاق کریمانہ کی بناءپرتھا۔اس کی تحقیق "بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ"میں کی جاچکی ہے کہ حضور کا یہاں جواب سلام کے لیے تیمّم کرنا ایک خاص حال تھا اورطہارت وغیرطہارت ہر حال میں ذکرخدا کرنا قانون شرعی تھا،نیز پانی کے ہوتے ہوئے تیمّم کرنا ایسا تھا جیسے نماز جنازہ کے لئے تیمّم کرلینا،لہذا نہ حدیثیں متعارض ہیں اور نہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ تیمّم جائزکیونکرہوا۔
۵؎ یہ مصنف پر اعتراض ہے کہ وہ فصل اول میں غیرشیخین کی روایت لے آئے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے ابو ذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاک مٹی مسلمان کا آب وضو ہے اگرچہ دس سال پانی نہ پائے ۱؎ پھر جب پانی پائے تو اس سے اپنا بدن دھوئے کہ یہ یقینًا بہتر ہے ۲؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)نسائی نے اس کی مثل روایت کی دس سال کے قول تک۔	

۱؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ تیمّم وضو کی طرح طہارت مطلقہ اور کاملہ ہے،لہذا ایک تیمّم سے ایک وقت میں بھی چند نمازیں پڑھ سکتے ہیں اور ایک وقت کے تیمّم سے کئی وقت تک نمازیں پڑھ سکتے ہیں کیونکہ اسے حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے وضو قراردیا تو جووضو کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔امام شافعی کے ہاں تیمّم ضرورت طہارت ہے کہ وقت نماز نکل جانے سے تیمّم ٹوٹ جاتا ہے اور ایک تیمّم سے چند نمازیں نہیں پڑھ سکتے۔سیدنا ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ ہرنماز کے لیے الگ تیمّم کرتے تھے۔یہ استحبابًا تھا جیسے وضو پر وضوکرلینا۔
۲؎ بہترسے مراد اصل ہے یعنی پانی اصل طہارت ہے اور اس کی عدم موجودگی میں تیمّم اس کا نائب،جب اصل آگیاتو نائب کی گنجائش نہ رہی۔اس کامطلب یہ نہیں کہ تیمّم بھی جائزہےمگر وضوبہتر،رب فرماتاہے :"اَصۡحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسْتَقَرًّا"۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفرمیں گئے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا	

	جس نے اس کے سر میں زخم کردیا پھر اسے احتلام ہوگیا تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میرے لیئے تیمّم کی اجازت پاتے ہو وہ بولے تیرے لیئے تیمّم کی اجازت نہیں پاتے ۱؎ تو تَو پانی پر قادر ہے اس نے غسل کرلیا پس مر گیا ۲؎ جب ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس کی خبر دی گئی فرمایا انہیں خداغارت کرے اسے انہوں نے ماردیا ۳؎ جب جانتے نہ تھے پوچھ کیوں نہ لیا بے علمی کا علاج پوچھ لینا ہے ۴؎ اسے یہ کافی تھا کہ تیمّم کرلیتا اوراپنے زخم پر کپڑا لپیٹ لیتاپھر اس پر ہاتھ پھیرلیتا اور باقی جسم دھو ڈالتا ۵؎ (ابوداؤد)

۱؎ مگر وہ سمجھے کہ تیمّم بیمار کے لئے نہیں صرف پانی نہ ملنے کی حالت میں ہےکیونکہ رب فرماتا ہے: "**فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا**"یہ ہے اجتہاد کی غلطی اورخطاء۔

۲؎ یہ ہے صحابہ کا تقویٰ اورخوف خدا کہ جان دیدی مگر نماز چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

۳؎ یعنی یہ لوگ اس کی موت کا سبب بن گئے نہ ایسا فتویٰ دیتے نہ وہ غسل کرکے وفات پاتا اور یہ بددعا اظہار ناراضی کے لئے ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خطا اجتہادی کی بنا پر قتل بھی واقع ہوجائے تب بھی مجتہدپرقصاص،یادیت،بلکہ گناہ بھی نہیں۔لہٰذا حضرت علی و امیرمعاویہ وعائشہ صدیقہ کی جنگوں میں جو مسلمانوں کا کشت وخون ہوا اس کی پکڑ کسی پر نہیں۔

۴؎ یعنی انہیں چاہیئے تھا کہ اسے خود حکم نہ دیتے بلکہ میرے پاس آنے تک صبر کرتے مجھ سے مسئلہ پوچھتے۔

۵؎ امام اعظم کے نزدیک **وَیُعَصِّبُ** کا واؤ بمعنی اَوْ ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر وہ غسل بالکل نہ کرسکتا تھاتب تو تیمّم کرلیتا اوراگرصرف سر پر پانی ڈالنامضرتھا تو زخم پر پٹی باندھ کرمسح کرلیتا باقی جسم دھولیتا۔امام شافعی اس واؤ کو جمع کے لئے مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں تیمّم بھی کرلے اورغیرمجروح حصے کا غسل بھی،لیکن امام اعظم کا قول بہت قوی ہے کیونکہ تیمّم غسل کا نائب ہے اور نائب واصل کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔نیزمحدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف بھی ہے،دیکھومرقاۃ۔خیال رہے کہ مشکوک پانی کی صورت میں غسل و تیمّم دونوں کرتے ہیں اس کی وجہ ہماری اپنی بے علمی ہے کہ یہ پانی مطہرہے یا نہیں،وہاں اصل ونائب کا اجتماع نہیں،وہاں یا غسل ہی طہارت ہے یا تیمّم ہی۔

	اور ابن ماجہ نے حضرت عطاء ابن رباح سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں کہ دوشخص سفرمیں گئے وقت نمازآگیا ان کے ساتھ پانی نہ تھا تو انہوں نے پاک مٹی سے تیمّم کرلیاپھر نمازپڑھ لی پھروقت ہی میں پانی پالیاتو ان میں سے ایک نے وضو سے نمازلوٹائی دوسرے نے نہ لوٹائی ۱؎پھردونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوئے یہ ماجراعرض کیا تو جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تو نے سنت پالی اورتیری نماز کافی ہوگئی اورجس نے وضو کرکے لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تجھے دوہرا ثواب ہے۲؎اسے ابوداؤد،دارمی نے روایت کیانسائی نے اس کی مثل۔

۱؎یہ ہوا اجتہاد کا اختلاف،ان میں ایک صاحب ہی حق پر تھے مگر کسی نے کسی پر اعتراض نہ کیا۔ہم جو کہا کرتے ہیں کہ چاروں مذہب برحق،اس کا مطلب یہی ہے کہ کسی پر ملامت یا اعتراض نہیں۔اس کاماخذیہی حدیث ہے۔

۲؎اس لئے کہ فرض پہلے ادا ہوچکاتھا،دوسری نمازنفل بن گئی اورنفل کاثواب بھی ملتا ہے،یہ مطلب نہیں کہ اجتہاد کادگنا ثواب ملایہ تو پہلے کو ملاہوگا کہ اس کا اجتہاد درست تھا۔خطاءاجتہادی پر ایک ثواب ہوتا ہے اور صحیح اجتہاد پردوہرا۔

	اور نسائی وابوداؤدنے عطاابن یسارسے مرسلًاروایت کی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو الجہیم ابن حارث ابن صمہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاہ جمل کی طرف سے تشریف لائے ۱؎تو آپ کو ایک شخص ملااس نے سلام کیاحضورانورصلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا حتی کہ آپ ایک دیوار کے پاس تشریف لائے توچہرہ اورہاتھوں کا مسح کیاپھراسے سلام کاجواب دیا۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎جمل ایک بستی ہے جسے مدینہ بھی کہتے ہیں،یہ کنواں اس کی طرف منسوب ہے اوراب اس بستی کا نام بئر جمل ہوگیا،یہیں حضرت علی مرتضٰی و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی جنگ ہوئی۔

۲؎یعنی تیمّم کے بعد اس کا ذکر ابھی کچھ پہلے گزر چکا۔اورپوری تحقیق "بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ"میں بھی گزر گئی۔

	روایت ہے حضرت عمار ابن یاسر سے وہ بیان کرتے تھے

	کہ صحابہ نے پاک مٹی سے نمازفجر کے لیئے تیمّم کیا جب کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو انہوں نے مٹی پر اپنے ہاتھ پھیرے پھر ایک بار اپنے منہ پر ہاتھ پھیرلیا پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارے تو اپنی ہتھیلیوں سے پورے ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا[1] (ابوداؤد)

[1] اس حدیث کی بناء پر امام زہری فرماتے ہیں کہ تیمّم میں ہاتھوں کا مسح بغلوں تک کیا جائے مگر صحیح یہی ہے کہ کہنیوں تک مسح ہو،کیونکہ تیمّم وضوء کانائب ہے اوروضوء میں ہاتھ کہنی تک ہی دھوئے جاتے ہیں۔ان صحابہ کا یہ عمل اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے،انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت دیکھی"**فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ**"۔اوربعض صحابہ کا اجتہاد واجب العمل نہیں خصوصًا جب کہ حدیث مرفوع کے مخالف واقع ہوجائے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وضوء میں بغل تک ہاتھ دھوتے تھے۔حضرت عمار ابن یاسر غسل کے تیمّم کے لیئے زمین پر لوٹے تھے۔

باب الغسل المسنون

مسنون غسل کاباب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎غسل غ کے فتح سے بمعنی دھونا،غ کے زیر سے،بمعنی نہانے یا دھونے کا پانی،غ کے پیش سے،بمعنی نہانا۔یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔غسل پانچ قسم کا ہے:غسل فرض،واجب،سنت،مستحب،مباح۔غسل فرض تین ہیں:حیض سے،نفاس سے،جنابت سے۔غسل واجب ہے:میت کوغسل۔غسل سنت پانچ ہیں:جمعہ کا،عیدین کا،احرام کے وقت،عرفہ کے دن۔غسل مستحب چندہیں:میت کو نہلا کر،فصد کھلوا کر،اسلام لاتے وقت،ٹھنڈک،صفائی وغیرہ کے لیے نہانا غسل مباح ہے۔اس باب میں سنت اورمستحب غسلوں کا ذکرہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیئے آئے توغسل کرلیاکرے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اما م اعظم اورجمہور علماء کے نزدیک یہ حکم وجوب کا نہیں بلکہ سنت کا ہے اوریہ حدیث منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔امام مالک اوراحمدکے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے ان کے ہاں غسل نماز جمعہ واجب ہے،مگرامام اعظم کا قول قوی ہے،جیسا کہ آئیندہ صحیح روایت میں آرہا ہے کہ جمعہ کے غسل کا وجوب منسوخ ہوچکا ہے۔خیال رہے کہ غسل نمازجمعہ کے لیے سنت ہے،لہٰذا جن پرجمعہ فرض نہیں ان کے لئے یہ غسل سنت بھی نہیں جیسا کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا،بعض علماءنے اَحَدٌ کو نصب اورجمعہ کو ضمہ پڑھا ہے اور حدیث کے معنی یہ کئے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس جمعہ کا دن آئے غسل کرے،ان کے نزدیک غسل جمعہ مطلقًا سنت ہے،نماز جمعہ فرض ہویانہ ہو،لہٰذاچاہیئے یہ کہ جمعہ کاغسل صبح کے بعد کیا جائے رات میں کرلینے سے یہ سنت ادا نہ ہوگی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پرواجب ہے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎اگرواجب بمعنی ثابت ہو تو حدیث محکم ہے منسوخ نہیں اوراگر بمعنی ضروری ہے تو منسوخ ہے،جیسا کہ آئیندہ آرہا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل جمعہ جمعہ کے دن کی وجہ سے ہے،نماز جمعہ فرض ہویانہ ہو۔بہت سے علماء کا یہ بھی قول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم ہے ہر مسلمان پر کہ ہر سات دن میں ایک دن غسل کرے جس میں سر و جسم دھوئے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں ایک دن سے مراد جمعہ کا دن ہے جیسا کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوا۔اورلزوم سے لغوی لزوم مراد ہے نہ کہ شرعی۔مطلب یہ ہے کہ ہفتہ میں جمعہ کے دن غسل کرلینا چاہیئے تاکہ بدن بھی صاف ہوجائے او کپڑے بھی اور جمعہ کی بھیڑ میں مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو،چونکہ سر میں میل جوئیں زیادہ ہوجاتی ہیں،اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر کیاورنہ جسم میں یہ بھی داخل تھا۔غسل میں کلی اورناک میں پانی لینا اور تمام جسم کا دھونا ہمارے ہاں فرض ہے۔غسل سے پہلے وضوکرلینا داہنی طرف سے ابتداء کرنا سنتیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعہ کے دن وضو کرے تو خیراوراچھا کیااورجو نہائے تونہانا بہت اچھا ہے ۱؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،دارمی)

۱؎یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ غسل جمعہ فرض یا واجب نہیں سنت ہے۔اس کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایاحضورنے جوجمعہ کے دن غسل کرکے نماز کے لئے آئے،مجھ سے قریب بیٹھے،خاموشی سے خطبہ سنے تو اس کے دس دن کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میت کوغسل دے وہ خود بھی غسل کرے ۱؎(ابن ماجہ)احمدوترمذی نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جومیت کو اٹھائے وہ وضو کرے ۲؎

۱؎عام علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔میت کو نہلا کرغسل کر لینا بہتر ہے کیونکہ میت کے غسالہ کے چھینٹے جسم پر پڑھنے کا احتمال ہے۔جامع اصول میں ہے کہ حضرت ابوبکرصدیق کی زوجہ اسماءبنت عمیس نے صدیق اکبرکی وفات کے بعدغسل دیاپھرصحابہ سے بولیں کہ میں روزے دارہوں اور ٹھنڈک بہت ہے کیا مجھے غسل کرنا ضروری ہے؟سب نے کہا نہیں۔

۲؎اٹھانے کی وجہ سے نہیں بلکہ نماز جنازہ کے لئے کہ میت کے جنازہ گاہ میں پہنچتے ہی نمازجنازہ میں شرکت کرسکے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چارچیزوں سے غسل کرتے تھے جنابت(ناپاکی)سے اورجمعہ کے دن اور سنگھی لگوانے

	سے اور میت کو نہلانے سے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یہاں غسل سے مراد غسل کا حکم دینا ہے،یعنی ان چاروں موقعوں پر غسل کا حکم دیتے تھے،کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی میت کو غسل نہیں دیا،جیسے حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو رجم کیا یعنی رجم کا حکم دیا(مرقاۃ وغیرہ)مگر ان حکموں میں غسل جنابت کا حکم وجوبی ہے اور باقی احکام سنت کے،چونکہ سنگھی پچھنے میں خون کی چھینٹیں جسم پر پڑجاتی ہیں اورخون نکلنے سے گرمی اور کمزوری پیداہوجاتی ہے لہذا اس کے بعد غسل کرلینا بہتر ہے۔

	روایت ہے قیس ابن عاصم سے ۱؎ کہ وہ مسلمان ہوئے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی اور بیری سے غسل کریں ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،تمیم کے وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، ۹ھ؁ میں ایمان لائے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دبروالوں یا بادیہ نشینوں کے سردار ہیں،بہت حکیم،عاقل و عابد تھے،بصرہ میں قیام رہا۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام لاتے وقت کلمہ پڑھنے سے پہلے غسل کرنا بہتر ہے۔کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کافر زمانۂ کفر میں جنبی ہوا،پھر اسلام لایا تو اس پر جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہے۔بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سرمنڈانے کا حکم بھی دیا تھا اسی لئے اسلام لاتے وقت سر منڈانا بھی سنت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عکرمہ سے فرماتے ہیں ۱؎ کہ کچھ عراقی لوگ آئے ۲؎ اور بولے کہ اے ابن عباس کیا آپ جمعہ کے دن کا غسل واجب سمجھتے ہیں فرمایا نہیں،لیکن یہ بہت پاکی ہے اور غسل کرنے والے کے لیئے اچھا ہے اور جو غسل نہ کرے اس پر ضروری نہیں ۳؎ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل شروع کیسے ہوا۔لوگ مشقت میں تھے کہ اون پہنتے اور اپنی پیٹھ پرمزدوریاں کرتے تھے ان کی مسجد تنگ تھی جس کی چھت نیچے تھی جو صرف چھپّر(خس پوش)تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گرم دن میں تشریف لائے اور لوگ اسی اون میں پسینہ پسینہ تھے کہ ان سے بو پھیل گئی جس کی وجہ سے بعض نے بعض سے تکلیف پائی ۴؎ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بو پائی ۵؎ تو فرمایا اے لوگو جب یہ دن ہواکرے تونہالیاکرو،اور چاہیئے کہ ہرایک اپنا بہترین

	تیل و خوشبو مل لیا کرے ۶؎ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پھر اللہ نے مال دیا ۷؎ اورلوگوں نے اون کے علاوہ اچھے لباس پہنے اور کام کاج سے چھوٹ گئے ۸؎ ان کی مسجد فراخ ہوگئی ۹؎ اور پسینہ سے جو بعض کو بعض سے تکلیف پہنچتی تھی وہ جاتی رہی۔(ابوداؤد)

۱؎ آپ بربری ہیں،سیدناعبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما کے غلام ہیں،تابعین میں سے ہیں اور مکہ مکرمہ کے فقہاء میں سے ہیں،اپنے زمانہ کے بڑے عالم تھے،۸۲ سال عمر ہوئی،۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

۲؎ عراق ملک عرب کا پانچواں صوبہ ہے،طول میں عبّادان سے موصل تک اورعرض میں قادسیہ سے حلوان تک پھیلا ہوا ہے،اس کادارالخلافہ بغداد ہے۔کوفہ اوربصرہ وہاں کے مشہورشہرہیں،کربلااورنجف بھی عراق کی ہی بستیاں ہیں۔

۳؎ قریبًا تمام صحابہ کا یہی مذہب ہے اورجمہورعلماء بھی اس غسل کو سنت ہی مانتے ہیں۔

۴؎ وہ بھی ایسا کہ لکڑیوں کے ستون قائم کرکے کھجور کی شاخوں اورپتوں کی چھت ڈال دی گئی تھی،بارش میں پانی چھنتاتھااورعام دنوں میں دھوپ مگراس مسجد کا درجہ عرش معلٰی سے افضل تھا کہ یہاں کے امام امام الانبیاء تھے(صلی اللہ علیہ وسلم)۔معلوم ہوا کہ مسجد کا کمال عمارت سے نہیں بلکہ امام سے ہے۔

۵؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ صحابہ نے اس کی شکایت نہ کی کیونکہ صابروں کے سردار تھے۔دوسرے یہ کہ حضورکو اپنی امت کے دکھ درد کا بڑا خیال ہے کیونکہ نہ ہو وہ امت کے رکھوالے ہیں کوئی اپنا دکھ بیان کرے یا نہ،سب کا خیال ہے۔حضور کی یہ خبر گیری قیامت تک ہے،رب فرماتاہے:"عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ مَاعَنِتُّمۡ"۔

۶؎ تیل سروجسم میں اورخوشبوکپڑوں میں۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مجمعوں میں اچھے کپڑے پہن کر جانا چاہیئے،شادی،عرس،تبلیغ کے جلسے سب میں اس بات کا خیال رکھا جائے۔مجلسوں میں ہار پھول ڈالنے کی اصل یہ حدیث ہے۔

۷؎ چونکہ یہ مال اسلام کے ظہوراورمسلمانوں کے غلبہ کی علامت تھی اس لیے اسے خیرفرمایا،ورنہ اکثرفقرغنا سے اورصبر شکرسے افضل ہے۔

۸؎ کیونکہ جہادوں میں بہت غنیمتیں ہاتھ آئیں اور مسلمان لونڈی غلاموں کے مالک ہوئے۔

۹؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب خودمسجد بڑھائی۔اشعۃ میں ہے کہ پھر سیدناعمرفاروق نے مسجد میں توسیع کی،پھر عثمان غنی نے اپنے زمانۂ خلافت میں بہت شانداراوروسیع مسجد بنائی،محراب عثمانی اب تک آپ کی یادگارموجودہے۔خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام میں اولًاغسل جمعہ فرض تھا مذکورہ وجوہات سے،پھرسنت رہ گیافرضیت منسوخ ہوگئی۔

باب الحیض

حیض کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] غسل مسنون کے بعدفرض غسلوں کاذکرفرمارہے ہیں۔حیض اورحوض کے لغوی معنی بہنا ہیں۔شریعت میں عورتوں کے ماہواری خون کوجورحم سے آئے حیض کہاجاتاہے۔ولادت کے بعد آنے والا خون نفاس کہلاتا ہے۔بیماری کا خون استحاضہ۔حیض کی مدت کم از کم تین دن رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن و رات۔نفاس کی کم مدت ایک ساعت اورزیادہ چالیس دن ہے،استحاضہ کی کوئی مدت نہیں۔حیض و نفاس کے احکام جنابت کی طرح ہیں کہ اس میں نمازوروزہ،قرآن شریف پڑھنا،چھونا،مسجدمیں جاناسب حرام ہے۔

روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ یہودی[1] جب ان میں عورت حائضہ ہوتی تو نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ انہیں گھروں میں ساتھ رکھتے[2] حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ مسئلہ حضور سے پوچھاتو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری "لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں" الخ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحبت کے سوا سب کچھ کرسکتے ہو[3] یہ خبریہود کو پہنچی توبولے کہ یہ صاحب ہمارے دینی کاموں میں سے کوئی چیز بغیر مخالفت کیئے نہیں چھوڑتے[4] پھر حضرت اسیدابن حضیر[5] اور عباد ابن بشر[6] حاضر ہوئے بولے یارسول اللہ! یہودایساایسا کہتے ہیں توکیاہم حائضہ سے صحبت بھی نہ کرلیا کریں[7] تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور غصہ میں بدل گیاحتی کہ ہم سمجھے کہ آپ ان پر ناراض ہوگئے[8] وہ دونوں چلے گئے ان کے پیچھے حضور کی بارگاہ میں دودھ کاہدیہ آیا توحضورنے ان کے پیچھے آدمی بھیجا(بلانے کے لیئے)پھرانہیں دودھ پلایا تب سمجھے کہ حضوران پر ناراض نہ ہوئے۔(مسلم)	

۱؎ یعقوب علیہ السلام کی اولاد یہودی کہلاتی ہے،اس لئے کہ انکے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا یا اس لئے کہ انہوں نے بچھڑے کی پرستش سے اعلیٰ درجے کی توبہ کی۔قرآن کریم میں ہے "اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ" غرض کہ ان کی نسبت یا اپنے جد کی طرف ہے یا اس نیک عمل کی طرف۔

۲؎ اکثر ہندو قبیلوں میں یہ رواج اب بھی ہے مگر یہ عمل اکثر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی حائضہ کے ساتھ رہنا،بسنا،اس کے ہاتھ کی چیز کھانا،اس کے ساتھ لیٹنا،بیٹھنا،بلکہ معانقہ وغیرہ سب حلال،ہاں اس سے صحبت حرام قطعی ہے جس کا منکر کافر ہے۔

۴؎ یعنی انکے دین کا دارومدار ہماری مخالفت پر ہے کہ جسے ہم براجانیں اسے یہ جائز کہہ دیتے ہیں۔یہود کی یہ بکواس اسلام اور پیغمبر اسلام پر بہتان تھی،اسلام نے کسی کی ضد میں اچھی چیز کو برا اور بری چیز کو اچھا نہ کہا۔

۵؎ آپ انصاری ہیں،اوسی ہیں،حضرت مصعب ابن عمیر کے ہاتھ پر سعد ابن معاذ سے پہلے اسلام لائے،دوسری بیعت عقبہ میں شریک تھے،بدر اور تمام غزوات میں حضور کیساتھ رہے۔

۶؎ آپ انصاری ہیں،قبیلہ بنی عبدالاشہل سے ہیں،حضور کی ہجرت سے پہلے مصعب کے ہاتھ پر اسلام لائے،تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۷؎ تاکہ یہود کی پوری مخالفت ہوجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں کفار سے نفرت کمال درجہ کی تھی اور یہ نفرت کمال ایمان کی علامت ہے۔

۸؎ حضور کا یہ اظہار غضب بڑی مصلحت پر مبنی تھا وہ یہ کہ منصوص احکام کسی قوم کی مخالفت کے لئے نہیں بدلے جا سکتے،داڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹانا اسلام کا حکم ہے،لیکن اب سکھوں کی مخالفت کے لئے داڑھی منڈائی نہ جائے گی۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض احکام صراحۃً دیئے جاتے ہیں،بعض اشارۃً۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے آپ مجھے حکم دیتے،میں تہبند باندھ لیتی تو مجھ سے جسم مس کرتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی ۱؎ اور اپنا سر مبارک بحالت اعتکاف میری طرف نکال دیتے میں دھوتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ سے مساس جائز ہے مگر یہ اس کے لئے ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اگر صحبت کر لینے کا اندیشہ ہو تو نہ کرے،جیسے روزے دار کے لئے بیوی کا بوسہ کہ جوان کے لئے مکروہ،بوڑھے کے لئے جائز۔اپنا واقعہ اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ میں سنی سنائی نہیں کہہ رہی ہوں بلکہ تجربہ سے کہتی ہیں میرا خود عمل رہا یہ ایک قسم کی تبلیغ ہے

بے تہذیبی نہیں۔آج ڈاکٹر طبّی مسائل نہایت کھلے کھلے بیان کرتے ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"**لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ**"اسے بدتہذیبی کہناحماقت ہے۔

۲؎کیونکہ حضور کے حجرے کا دروازہ مسجد میں تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ معتکف مسجد سے نکل نہیں سکتا لیکن بعض اعضاء نکال سکتا ہے۔اور حائضہ اپنے خاوند کی خدمت کرسکتی ہے کہ اس کے جسم کو چھو سکتی ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ میں بحالت حیض پیتی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھ کر پیتے اور میں بحالت حیض ہڈی چوستی پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ کی جگہ رکھتے ۱؎(مسلم)

۱؎اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اپنی بیوی کا جھوٹھا کھانا پینا جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے۔فقہاءجومرد کوعورت کا جھوٹھا کھانا منع کرتے ہیں وہاں اجنبی عورت مراد ہے۔لہٰذا وہ مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک نہایت سادہ اور بے تکلف تھی امت کو سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔تیسرے یہ کہ ہڈی منہ سے چوسنا سنت ہے،کانٹے سے کھانا طریقہ نصاریٰ ہے۔چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ وہ خوش نصیب بی بی ہے کہ بارہاانکا لعاب حضور کے لعاب کے ساتھ جمع ہوا،خصوصًا وفات شریف کے وقت مسواک میں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہڈی چوسنا،گوشت چوسنا،گوشت چھوڑانے کے لئے نہ ہوتا تھا وہ تو پہلے چھوٹ چکا ہوتا تھا بلکہ محبوبیت ظاہر فرمانے کے لئے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تکیہ لگاتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر قرآن تلاوت کرتے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎معلوم ہواکہ حائضہ عورت کے زانویاگود میں سر رکھ کر قرآن پڑھنا جائز ہےکیونکہ حائضہ کی نجاست حکمی ہے حقیقی نہیں۔مردہ غسل دینے سے پہلے نجس حقیقۃً بھی ہوتا ہے اس لئے قبل غسل اس کے پاس بلا ڈھکے ہوئے قرآن پڑھنا منع ہے،لہٰذا یہ حدیث اس مسئلے کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی گود قرآن اور قرآن والے محبوب کی رحل بنی،اس وقت بھی اورحضورعلیہ الصلوۃ والسلام کی وفات کے وقت بھی،کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال آپ کی گود میں ہوا اور آپ کا حجرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ بنا،لہٰذا آپ کی گود اور آپ کا حجرہ عرش عظیم سے بڑھ کرہے،اللہ تعالٰی اس دامن میں مجھ سے نالائق گنہگار کو جگہ دے۔آمین!شعر

انکا پہلو ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ان کے حجرہ میں قیامت تک بنی ہیں جاگزیں

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں مجھے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے ہم کو چٹائی دے دو میں

	بولی کہ میں تو حائضہ ہوں فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے [1] (مسلم)

[1] یعنی تم کو اس حالت میں مسجد میں جانا منع ہے نہ کہ وہاں سے ہاتھ بڑھا کر کچھ لے لینا۔اب بھی یہ ہی مسئلہ ہے کہ حائضہ وجنبی مسجد سے باہر رہتے ہوئے مسجد میں ہاتھ ڈال کر چیز اٹھاسکتے ہیں۔اس حدیث میں چٹائی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ملک کی چٹائی ہوگی نہ کہ مسجد کی وقف چٹائی کیونکہ موقوفہ چٹائی کو گھر میں لاکر اس پر نماز ممنوع ہے۔

	روایت ہے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر میں نماز پڑھتے تھے جس کا کچھ حصہ مجھ پر ہوتا اور کچھ حصہ حضور پر حالانکہ میں حائضہ ہوتی [1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی ایک ہی چادر مجھ پر بھی ہوتی اور بحالت نماز حضور پر بھی۔اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم نجس حقیقی نہیں،ورنہ ایسا کپڑا جس کا بعض حصہ نجاست پر ہو اسے اوڑھ کر یا پہن کر نماز پڑھنا ممنوع ہے۔خیال رہے کہ اس حدیث کے یہ الفاظ نہ بخاری میں ہیں،نہ مسلم میں،بلکہ اس کا بعض مضمون بخاری میں ہے۔(مرقاۃ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حائضہ عورت سے جماع کرے یا عورت کے پاخانہ کی جگہ یا کاہن کے پاس جائے اس نے محمد مصطفے پر اترے ہوئے کا انکار کیا [1] اسے ترمذی،ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ان دونوں کی روایت میں یہ ہے کہ کاہن کے کہے ہوئے کی تصدیق کرے تو کافر ہوگیا۔ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو صرف حکیم اثرم سے جانتے ہیں جو ابوتمیمہ سے [2] وہ ابوہریرہ سے راوی ہیں۔

[1] یعنی یہ تینوں شخص قرآن وحدیث کے منکر ہو کر کافر ہوگئے۔خیال رہے کہ یہاں سے شرعی کفر ہی مراد ہے اسلام کا مقابل۔اور ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو عورت سے دبر میں،یا بحالت حیض صحبت کو جائز سمجھ کر صحبت کریں،اور کاہن نجومی کو عالم الغیب جان کر اس سے فال کھلوائیں،یا غیبی خبریں پوچھیں۔اور اگر گناہ سمجھ کر یہ کام کریں تو فسق ہے،کفر نہیں۔یا یہاں کفر سے مراد لغوی معنی ہیں ناشکری،رب فرماتا ہے: "وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ"۔خیال رہے کہ حائضہ سے صحبت کرنے کی حرمت نص قرانی سے ثابت ہے،رب فرماتا ہے: "قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ"۔اور عورت سے دبر میں صحبت کی حرمت قطعی قیاس قطعی سے ثابت ہے،ان دونوں کا منکر کافر ہے۔اس قسم کی

احادیث حرمت قطعی ثابت نہیں کرسکتیں۔اس کی بحث اسی جگہ مرقاۃ میں دیکھواور ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول قیاس کی بحث میں۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ احادیث ظنیہ ہیں اور حرمت قطعی ثابت کرنے کے لئے قطعی دلیل درکار ہے۔

۲؎ابو تمیمہ جہیمی کا نام ظریف ابن مجالد ہے،حکیم ابن اثرم کو بعض محدثین نے ضعیف فرمایا،ظریف کو بعض نے ثقہ کہا،ان کا انتقال ۹۷ھ میں ہوا،امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ! مجھے میری بیوی سے بحالت حیض کیا کام حلال ہے فرمایا وہ جو تہبند سے اوپر ہو اور بچنا اس سے بھی بہتر ہے ۱؎(رزین)محی السنۃ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد قوی نہیں۔	

۱؎یعنی حائضہ عورت جب کہ پائجامہ یا تہبند مضبوطی سے باندھے ہو تو اس کے ساتھ لیٹنا اور اس سے بوس وکنار درست ہے لیکن بچنا بہتر،خصوصًا اس جوان کو جو ایسی حالت میں اپنے نفس پر قابو نہ رکھتا ہو۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شریف خود کرنا بیان جواز کے لیے ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غیر مستحب بلکہ مکروہ کاموں پر عمل فرما کر جواز ثابت کرتے تھے،یہ تبلیغ کی قسم تھی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بھی ثواب ملتا تھا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کر بیٹھے تو آدھا دینار خیرات کرے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی،ابن ماجہ)	

۱؎یہ حکم استحبابی ہے،یعنی چونکہ اس نے بڑا گناہ کیا جس سے وہ عذاب کا مستحق ہوگیا۔صدقہ وخیرات عذاب دفع کرنے کے لئے اکسیر ہے،اس لئے ایسا کردے ورنہ اس گناہ کا اصل کفارہ تو توبہ ہی ہے۔آج کل بعض علماء جو بعض گناہوں پر خیرات وصدقہ کا حکم دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔یہاں وہ شخص مراد ہے جو حرام جانتے ہوئے یہ جرم کرے اور اگر حلال جان کر ایسا کیا تو کافر ہوگیا دوبارہ اسلام لائے اور تجدید نکاح کرے۔

روایت ہے انہی سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب خون سرخ ہو ایک دینار دے اور جب خوب پیلا ہو تو آدھا دینار ۱؎(ترمذی)	

۱؎حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث متن واسناد دونوں کے لحاظ سے مضطرب ہے کیونکہ انہیں کی بعض روایات میں ہے کہ پانچ دینار خیرات کرے،بعض میں ہے کہ ایک دینار اور اگر نہ ہو سکے تو آدھا دینار،بعض میں ہے کہ اگر حیض کا جوش نہ ہو خون سرخ آرہا ہو تو ایک دینار خیرات کرے اور اگر حیض کا جوش ٹوٹ چکا ہو اور خون کا رنگ پیلا پڑ چکا ہو تو آدھا دینار۔خیال رہے کہ دینار دس درہم کا ہوتا ہے اور درہم ساڑھے چار آنہ کا،لہذا دینار قریبًا پونے تین روپے کا ہوا،چونکہ سونے کا بھاؤ بہت تیز ہے تو دینار کی قیمت بھی زیادہ ہوگئی مگر ان احکام میں وہ ہی اس زمانہ کی قیمت معتبر ہوگی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھااور عرض کیا اپنی بیوی سے بحالت حیض مجھے کیا چیز حلال ہے فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کا تہبند مضبوط باندھ دو پھر تہبند کے اوپر تمہارا کام ہے ۲؎ اسے مالک ودارمی نے مرسلًا روایت کیا۔

۱؎ آپ اہلِ مدینہ سے ہیں، جلیل الشان تابعی ہیں، حضرت عمرفاروق کے آزادکردہ غلام ہیں، بڑے عالم تھے حتی کہ امام زین العابدین آپ کی مجلس میں شرکت فرماتے اور آپ سے احادیث لیتے تھے۔(اشعہ ومرقات)

۲؎ یعنی حائضہ سے صحبت حرام ہے اورجب وہ ازار باندھے ہوتو اس سے بوس وکنار حلال۔اس کی بحث گزر چکی کہ جوان مرد کوممنوع بوڑھے کو مباح،کہ اسے صحبت کربیٹھنے کاخطرہ کم ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب میں حائضہ ہوتی تو بستر سے چٹائی پراتر آتی پھرہم حضورصلی اللہ علیہ وسلم سے قریب نہ ہوتے یہاں تک کہ ہم پاک ہوجاتے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی ہم تمام ازواج پاک بحالت حیض حضورانور کے پاس نہ لیٹتے تھے بلکہ علیحدہ چٹائی پر آپ کے بستر سے دور،یہ تو ہمارااپنا عمل تھا کہ اس حالت میں آپ کے پاس لیٹنے،بیٹھنے کی جرات وہمت نہ کرتے تھے،ہاں اگر حضورانورخودہی ہم کوبلالیتے تو تعمیل حکم کرتے تھے،لہذایہ حدیث ان گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں مباشرت اور مس ثابت ہے کہ وہ حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہواہے اوریہاں ازواج پاک کی اپنی ہمت و جرات کا ذکر ہے۔بعض نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے اورگزشتہ احادیث ناسخ مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

باب المستحاضہ

مستحاضہ کاباب ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

؎ مستحاضہ وہ عورت ہے جسے استحاضہ کا خون آتا ہو۔استحاضہ بیماری ہے جس میں عورت کی رگ کھل کر خون جاری ہوجاتاہے۔یہ خون حیض یانفاس کانہیں ہوتا،اس کی کوئی مدت نہیں اور اس میں نماز،روزہ،صحبت،مسجد میں داخلہ کچھ بھی منع نہیں،بلکہ اس کاحکم معذورکاساہے کہ ایک وقت وضو کرکے نمازپڑھتی رہے اگرچہ خون آتا رہے وقت نکل جانے پر وضو ٹوٹ جائے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہاسے فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابوحبیش حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوئیں ۱؎ اوربولیں کہ یارسول اللہ! میں استحاضے والی عورت ہوں کہ پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا نماز چھوڑدوں فرمایانہیں یہ تو رگ ہے حیض نہیں ۲؎ جب تمہارا حیض آیا کرے تو نماز چھوڑدیاکرواورجب چلاجائے تو خون دھوڈالاکرو پھر نمازپڑھ لیاکرو ۳؎ (مسلم وبخاری)

۱؎ مسئلہ پوچھنے اوردین حاصل کرنے کے لئے،آپ فاطمہ بنت حبیش ابن عبدالمطلب ابن اسدابن عبدالعزیٰ ابن قصی ابن کلاب ہیں،یہ عبدالمطلب حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نہیں وہ تو عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں۔

۲؎ یعنی رحم کے قرب کی کوئی رگ کھل گئی ہے جس سے یہ خون جاری ہوگیا ہے رحم کا خون نہیں ہے،لہذا اس کے احکام حیض و نفاس کے سے نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ عورت عالم سے مسئلہ پوچھنے میں اورعالم مسئلہ بتانے میں شرم نہ کرے ورنہ دین کی تبلیغ کیسے ہوگی۔

۳؎ یعنی استحاضہ کی بیماری لگنے سے پہلے تمہیں جن تاریخوں میں حیض آتا تھا وہ ہی تاریخیں اب بھی حیض کی مانو،ان میں نمازوغیرہ چھوڑدو اوران تاریخوں کے بعد خون استحاضہ کاشمارکرو اور نمازوغیرہ شروع کردو اور جس عورت کو بالغہ ہوتے ہی استحاضہ شروع ہوجائے،حیض کی تاریخیں مقرر نہ ہونے پائیں وہ ہر مہینہ کے اول دس دن حیض شمار کرے اور بیس دن استحاضہ کے کہ اسی میں احتیاط ہے۔یہاں خون دھو ڈالنے سے مراد اگرحیض کا خون ہے تب تو دھوڈالنے سے مراد غسل کرنا ہے کیونکہ حیض جانے پر غسل فرض ہے۔اوراگراستحاضہ کا خون مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اپنے بدن وکپڑے سے استحاضہ کاخون دھوکرپھروضوکرکے نمازپڑھ لیا کرو۔اس میں غسل واجب نہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ مستحاضہ حیض کے بعد غسل ضرورکرے گی مگر یہاں صرف خون دھونے کا حکم دیا گیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے عروہ ابن زبیر سے وہ فاطمہ بنت ابی حبیش سے راوی کہ وہ مستحاضہ ہوجاتی تھیں ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حیض کا خون ہوتووہ کالاخون ہوتاہے جوپہچان لیاجاتاہے ۱؎ تو جب یہ ہوتونماز سے رک جاؤ اورجب دوسراہوتووضوکرو اور نمازپڑھو کہ وہ تورگ ہے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ یہ اکثر کا حکم ہے نہ کہ کلیہ،یعنی اکثرحیض کاخون سیاہ ہوتاہے جوپہچان لیاجاتاہے،ورنہ کبھی یہ خون سرخ،پیلابھی ہوتاہے اورفرق مشکل ہوجاتاہے۔

۲؎ اس کا مطلب پہلے بیان ہوچکا کہ زمانہ استحاضہ میں ہر نماز کے وقت وضو کرکے نماز پڑھو،یہ مطلب نہیں کہ حیض گزرنے پر صرف وضو کرلو اس وقت تو غسل فرض ہے،لہذا یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون گراتی تھی ۱؎ اس کے متعلق حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا ۲؎ فرمایا کہ وہ رات دن مہینے کے گن لے جن میں اس بیماری کے لگنے سے پہلے حیض آتا تھا مہینے میں اتنے دن نماز چھوڑ دے پھرجب یہ دن گزرجائیں تو غسل کرے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھے پھرنمازپڑھتی رہے ۳؎ (مالک،ابوداؤد،دارمی) نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔	

۱؎ ان بی بی صاحبہ کا نام معلوم نہ ہوسکا۔تُهْرَاقُ اور تَهْرِيْقُ دونوں طرح روایت ہے لا زائدہ ہے۔باب افعال کا مضارع معروف یامجہول تُرِيْقُ یاتُرَاقُ تھا۔

۲؎ یعنی خود تو شرم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ سکیں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ سے پوچھا،حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے انہیں مسئلہ بتایا۔خیال رہے کہ ان پاک بیبیوں کے مختلف حال تھے،بعض تو تحقیق مسئلہ کو شرم پر مقدم رکھتی تھی،اوربعض شرم سے خود نہ پوچھتیں دوسرے ذریعہ سے دریافت کرالیتی تھیں،وہ سب اللہ کی پیاری تھیں"وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"سب سے جنت کاوعدہ ہوچکاہے۔

۳؎ یعنی مستحاضہ اپنے ہر مہینہ کے دو حصے کرے،ایک حصہ کو حیض شمار کرے،تین دن سے دس دن تک جس قدر پہلے حیض آتا رہا ہو وہ حیض باقی استحاضہ۔مستحاضہ کولنگوٹ باندھنے کا حکم استحبابی اوراحتیاطی ہے تاکہ خون سے مصلے اورکپڑے

گندے نہ ہوں وجوبی نہیں،اگربغیرلنگوٹ کسی اورذریعہ سے یہ مقصدحاصل ہوجائے تو وہ کرے اوراگرکسی طرح خون رکتا نہ ہوتونمازپڑھتی رہے اگرچہ خون مصلے پرٹپکتارہےجیساکہ دوسری روایات میں ہے۔تمام معذوروں کو یہی حکم ہے جیسے نکسیر،سلسل بول والے لوگ۔

	روایت ہے حضرت عدی ابن ثابت سے ۱؎وہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے راوی یحیٰی ابن معین کہتے ہیں کہ عدی کے دادا کانام دینارہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ والی کے لیئے فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے زمانہ میں جن میں اسے حیض آتا تھانماز چھوڑدیا کرے پھرنہائے اورہرنماز کے وقت وضوکرے ۲؎اور روزے رکھے اور نمازپڑھے ۳؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎یہ عدی کوفی ہے،انصاری ہے،اس پر رفض کا شبہ کیا گیا ہے۔(مرقاۃ)بعض نے فرمایا کہ ثابت ان کے باپ کا نام ہے،بعض نے فرمایا دادا کا نام ہے اوردینارپڑدادا،باپ کا نام قیس ابن الحطیم ہے۔واللہ اعلم!عدی کوفہ میں روافض کی مسجدکا امام تھا، ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔

۲؎یعنی غسل تو صرف ایک بار کرے حیض ختم ہونے پراور وضو ہرنمازکے وقت کیا کرے،جیسا کہ مستحاضہ عورت کا حکم ہے لہذا "عِنۡدَکُلِّ صَلٰوۃٍ" تَتَوَضَّاہُ کا ظرف ہے نہ کہ تَغۡتَسِلُ کا۔

۳؎چونکہ روزہ مستحاضہ کے لئے نماز سے زیادہ اہم ہے کہ اس پر زمانۂ حیض کے روزوں کی قضاءہے،نمازکی نہیں لہذاروزے کونمازپرمقدم رکھاگیا۔

	روایت ہے حضرت حمنہ بنت جحش سے ۱؎فرماتی ہیں کہ مجھے بہت سخت استحاضہ آتاتھا۲؎میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے اوریہ خبردینے حاضرہوئی میں نے حضورکو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر پایا۳؎میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے بہت سخت استحاضہ آتا ہے آپ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں مجھے تو اس نے روزہ نماز سے روک دیاہے۴؎فرمایا میں تمہارے واسطے گدی تجویز کرتا ہوں کہ یہ خون چوس لے گی ۵؎عرض کیا وہ تو اس سے زیادہ ہے فرمایا تو لنگوٹ باندھو۶؎عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے فرمایاتوکپڑارکھ لو ۷؎عرض کیاوہ خون اس سے بھی زیادہ ہے میں تو خون

	ڈالتی بہاتی ہوں۸؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو دوباتوں کا حکم دیتا ہوں ان میں جو کرلوگی وہ دوسرے سے کفایت کرے گا اگر دونوں کرسکو تو تم جانو۹؎ فرمایا یہ بیماری شیطان کے چوکھوں ہی سے ایک چوکھ ہے۱۰؎ تم چھ یا سات دن حیض کے شمار کرلیا کرو رب کے علم میں۱۱؎ پھر نہالیا کرو،پھر جب یہ سمجھو کہ تم خوب پاک اور صاف ہوگئیں تو تئیس یاچوبیس دن ورات نمازیں پڑھو،روزے رکھو۱۲؎ کہ یہ تمہیں کافی ہوگا،ہر مہینہ یوں ہی کرلیاکروجیسے عموماً عورتیں اپنے حیض وطہر کے اوقات میں ناپاک وپاک رہتی ہیں۱۳؎ اور اگر تم اس پر طاقت رکھو کہ ظہردیر سے اور عصر جلدی پڑھو تو ایک غسل کرو اوردو نمازیں ظہرو عصر جمع کرلیاکرو اورمغرب دیر سے عشاء جلدی پڑھو تو غسل کرو اور دونمازیں جمع کرلو تو ایساکرو اورفجر کے ساتھ غسل کرو تو ایساکرلیاکرو۱۴؎ اور روزے رکھو اگر اس پر قادر ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں کاموں میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے ۱۵؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ آپ حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش کی بہن اورحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں۔اولًا حضرت مصعب ابن عمیر کے نکاح میں تھیں ان کی شہادت کے بعد طلحہ ابن عبداللہ کے نکاح میں آئیں رضی اللہ عنہما۔

۲؎ یعنی مجھے استحاضہ کا خون بہت آتا تھااوربہت عرصہ تک رہا،کثیرہ اورشدیدہ میں ان دونوں کی طرف اشارہ ہے۔یہاں استحاضہ پر مجازًا حیض بولاگیا۔

۳؎ یعنی اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی باری میری بہن زینب بنت جحش کے گھر تھی اس سے مجھے پوچھنے میں اور آسانی ہوگئی۔

۴؎ کیونکہ حضرت حمنہ سمجھی ہوئی تھیں کہ حیض کی طرح استحاضہ میں بھی نماز روزہ ممنوع ہے۔یہ عرض و معروض اپنے علم کے مطابق ہے۔

۵؎ یعنی گدی وغیرہ کا مشورہ اس لئے ہے کہ خون کپڑوں کو نہ لگےاورکپڑے خراب نہ ہوں لہذا یہ مشورہ ہے حکم نہیں۔

۶؎ اس طرح کہ نیچے گدی رکھو فرج سے متصل اس پر کپڑے کا لنگوٹ کس کر باندھو تاکہ خون نہ ٹپکے۔

۷؎ اس طرح کہ نیچے روئی کی گدی ہو اوپر لنگوٹ اورلنگوٹ پر تیسرا کپڑاجوخون جذب کرنے میں مدد دے۔

۸؎ ثج بہنے والی بارش کو کہتے ہیں۔رب فرماتا ہے:"مَآءً ثَجَّاجًا"یعنی مجھے خون ایسا آتا ہے جیسے بارش کا بہنے والاپانی جوکسی تدبیرسے نہ ٹھیرتاہے نہ کسی چیزمیں جذب ہوتاہے۔

۹؎ یعنی اگرہمارے بتائے ہوئے دونوں کام کرلو تو بہتورنہ ایک ہی عمل کافی ہے،یعنی ایک پرعمل رخصت ہے دونوں پر عمل عزیمت۔

۱۰؎ یعنی یہ جوخون کی زیادتی شیطان کے اثرات سے ہے کہ اس نے تیرے رحم کی رگ میں انگلی ماری جس سے یہ بیماری پیداہوگئی۔معلوم ہوا کہ جیسے انسان کی مار سے بیماریاں پیداہوجاتی ہیں،سرپھٹ جاتے ہیں،ایسے ہی شیطان کے اثر سے بعض بیماریاں پیداہوجاتی ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ"۔معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو چھوکردیوانہ کردیتاہے،فرماتا ہے:"وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ"۔معلوم ہوا کہ شیطان کے اثر سے نسیان و بھول کا مرض پیدا ہوجاتا ہےیا مطلب یہ ہے کہ یہ وہم کہ مجھ پرنمازفرض نہ رہی،یااستحاضہ نمازسے روکتاہے یہ شیطان کی طرف سے ہےیاحیض ونفاس کا خلط ہوجانا اس میں فرق نہ کرسکناشیطان کی طرف سے ہے۔

۱۱؎ علم اللہ سے مراد اللہ کا حکم ہے،یعنی اس بیماری سے پہلے تمہارے متعلق جواللہ کا حکم تھا کہ مہینہ میں اتنے دن حیض جس میں نمازیں معاف،اتنے دن کی پاکی جن میں نمازفرض یاعلم اللہ سے مراد اللہ کابتاناہے،یعنی جو کچھ رب نے تمہیں اس بیماری سے پہلے اپنے ایام حیض اورزمانۂ طہارت کے متعلق علم بخشا تھا اس کا لحاظ رکھو وہ ہی حساب اب بھی ہوگا۔

۱۲؎ یعنی اگرتمہیں اس بیماری سے پہلے مہینہ میں چھ دن حیض آتا تھااورچوبیس دن پاک رہتی تھیں تو اب بھی وہ ہی حساب رکھو۔اوراگرسات دن حیض تئیس دن پاکی رہا کرتی تھی تو وہی حساب اب بھی رکھو اور ایام حیض گزرنے پرصرف ایک بارغسل کرلیاکروباقی دنوں میں ہرنمازکے وقت وضوکرکے نمازپڑھتی رہو اگرچہ خون آتا رہے تمہیں یہ کافی ہے۔

۱۳؎ یعنی اس مسئلہ میں استحاضہ کی بیماری والی کا حال تندرست عورتوں کی طرح ہی ہوگا۔

۱۴؎ یہ عمل خوب پاکی وصفائی کا ذریعہ بھی ہے اوراس بیماری کا علاج بھی،حضورحکیم جان وایمان بھی ہیں،اور حکیم اجسام بھی۔اس عمل کا خلاصہ یہ ہے کہ مستحاضہ عورت روزانہ تین بارغسل کرے ایک تو فجر کی نماز کے لیے اور دوسرا ظہر کے آخری وقت کہ نہاتے ہی ظہر پڑھے اورظہر پڑھتے ہی وقت عصر آجائے وہ بھی پڑھ لے،ظہر آخروقت میں ادا کرے عصر اول وقت میں۔تیسراغسل مغرب کے آخر وقت میں جس غسل سے نمازمغرب وعشاءدونوں اداہوجائیں،مغرب آخر وقت عشاءاول وقت،جیسے مسافربحالت سفرنمازیں جمع کرتاہے،یہ جمع نمازبھی حکم شرعی لازمی نہیں،اگرعورت پانچوں نمازوں کے لئے پانچ غسل کرے تو بہت اچھا۔غرض کہ یہ مشورہ ہے حکم لزومی نہیں۔فقیر کی یہ شرح **بفضلہ تعالٰی** اس حدیث کو حل کردے گی اور مذہب حنفی کے خلاف نہ ہوگی۔امام اعظم اس عورت کو یہ اختیاردیتے ہیں رضی اللہ عنہ۔یہی قول ہے حضرت علی،ابن مسعود،ابن زبیراوراکثرتابعین کارضی اللہ عنہم۔

۱۵؎ یعنی صرف ایک بارغسل کرنے سے روزانہ تین بارغسل کرنا مجھے بہت پسند ہے کہ اس میں پاکی وصفائی بھی زیادہ ہے اوران شاءاللہ صحت و تندرستی بھی،لہذا روزانہ پانچ بارغسل کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت اسماء بنت عمیس سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ فاطمہ بنت ابی حبیش اتنی مدت سے استحاضہ میں مبتلا ہیں ۲؎ کہ نماز نہ پڑھ سکیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ ۳؎ یہ تو شیطان کی طرف سے ہے ۴؎ وہ لگن میں بیٹھ جایا کریں ۵؎ جب زردی پانی پر دیکھ لیں ۶؎ تو ظہر و عصر کے لیئے ایک غسل کرلیا کریں اور مغرب وعشاء کے لیئے ایک غسل اور فجر کے لیئے ایک غسل ۷؎ اوران کے درمیان وضوکرتی رہیں ۸؎ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱؎ مشہور صحابیہ ہیں،بہت عاقلہ صالحہ عابدہ تھیں،اولًا حضرت جعفر ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں انہیں کے ساتھ آپ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی،ان سے آپ کے تین بیٹے ہوئے عبداللہ ابن جعفر،محمد،عون۔حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں جن سے محمد ابن ابوبکر پیدا ہوئے۔حضرت صدیق کی وفات کے بعد حضرت علی مرتضی کے نکاح میں آئیں جن سے یحیٰ ابن علی پیدا ہوئے۔آپ سے حضرت عمر،عبداللہ ابن عباس،ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابہ نے احادیث نقل کیں۔

۲؎ کیونکہ وہ سمجھیں کہ حیض کی طرح استحاضہ بھی نماز سے مانع ہے لیکن جب استحاضہ بند ہی نہ ہوا تو گھبرائیں کہ کب تک نماز سے محروم رہوں تب مسئلہ پوچھا۔خیال رہے کہ اس صورت میں آپ کو استحاضہ کے زمانے کی نمازیں قضا کرنے کا حکم دیا گیا مگر یہاں اس کا ذکر نہ ہوا کیونکہ مسئلہ سے بے خبری عذر نہیں،ہاں اس پر عتاب نہ ہوا کہ بے خبری کی وجہ سے قصور موجب عتاب نہیں۔

۳؎ یہ سبحان اللہ تعجب کے لیے ہے کہ تم جیسی عاقلہ سنجیدہ بی بی نے بغیر دریافت کئے نماز چھوڑدی ہم سے یا فقہاء صحابہ سے مسئلہ معلوم کرنا چاہیئے تھا۔

۴؎ یعنی استحاضہ کی بیماری شیطانی اثر سے ہے۔اس کی تحقیق پچھلی حدیث میں گزر چکی کہ جب ہوا و پانی بلکہ مٹی وغذا میں بیمار کردینے کا اثر موجود ہے تو شیطان بھی اثر کرکے بیمار کرسکتا ہے یا تمہارا بغیر پوچھے نماز چھوڑے رہنا شیطانی اثر اوراس کی دھوکہ سے ہے۔خیال رہے کہ اللہ کے محبوب بندوں پر بھی شیطان کا داؤ چل جاتا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کو گندم کھانے کی رغبت شیطان ہی نے دی"فَاَزَلَّهُمَا الشَّیۡطٰنُ"ہاں ان مقبولوں کو شیطان گمراہ نہیں کرسکتا گمراہی اور چیز ہے،فسق اور چیز

اورخطاو غلطی اور،رب فرماتا ہے:"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ"اورخود شیطان نے کہا تھا"لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ"۔

۵؎ یعنی پانی کی لگن پر بھرکربیٹھ جائیں تاکہ اس سے وقت ظہر کی روانگی اورعصر کی آمد معلوم کرلیں(اشعۃ مرقاۃ وغیرہ)،یاخود اس بھری لگن میں بیٹھ جایاکریں ٹھنڈک کے لئے تاکہ اس ٹھنڈک سے مرض کازور ٹوٹ جائے۔

٦؎ یعنی پانی پرآفتاب کی شعائیں زرد ہوکرپڑنے لگیں جس سے معلوم ہواکہ اب وقت عصر قریب ہے توغسل کرکے ظہر وعصرپڑھیں۔(مرقات وغیرہ)یا جب استحاضہ کے خون کا اثرپانی پرنمودار ہوجائے کہ پانی کا رنگ زرد پڑجائے تب لگن سے نکل آیا کریں۔پہلی توجیہ پر یہ لگن کا عمل وقت معلوم کرنے کے لیےہے۔دوسری توجیہ پر یہ عمل علاج کے لئے ہے۔خیال رہے کہ دھوپ کا پیلا پڑنااورہے،یہ تو عصر کے آخر وقت ہوتا ہے جب نماز مکروہ ہوجاتی ہے اور پانی پر شعاعوں کی زردی معلوم ہونا کچھ اور،یہ ظہر کے آخر وقت ہوتا ہے،لہذا حدیث بے غبار ہے۔

۷؎ یعنی روزانہ تین بارغسل کرلیا کریں تاکہ اللہ انہیں استحاضہ کی بیماری سے شفاء دے جیسے کہ پہلے گزرچکا کہ یہ حکم علاج کے طورپر ہے،حکم شرعی نہیں اور نہ مستحاضہ پر یہ غسل شرعًا واجب۔

۸؎ یعنی اگران کے سواءاوروقت نفل یا تلاوت قرآن وغیرہ کے لئے وضوکرنا ہوتوصرف وضوکافی ہے غسل نہ کریں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم محض علاج کے لئے ہے۔

اور فرمایا کہ مجاہد حضرت ابن عباس سے راوی ہیں کہ جب ان پر غسل بھاری پڑا تو انہیں دونمازیں جمع کرنے کا حکم دیا ۱؎	

۱؎ یعنی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں دن میں صرف تین غسلوں کا حکم دیا ان کی مجبوری کی وجہ سے، ورنہ پانچ بارغسل اور بھی بہتر تھا۔معلوم ہوا کہ یہ حکم علاج کے لئے ہے شرعی نہیں۔دو نمازیں جمع کرنے سے مراد صرف صورۃً جمع کرنا ہے کہ ظہر آخر وقت میں پڑھے عصر اول وقت میں نہ کہ حقیقۃً جمع کرنا،کہ مستحاضہ کے لئے نمازیں جمع کرنے کا کوئی قائل نہیں۔مسافر میں اختلاف ہے ہمارے امام صاحب کے ہاں وہ بھی جمع نہیں کرسکتا۔

کتاب الصلوۃ

نماز کا بیانہ

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎صَلٰوۃ صَلّیٰ سے بنا بمعنی گوشت بھونتا،آگ پرپکانا،رب فرماتا ہے:"سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ"۔نیز آگ سے لکڑی سیدھی کرنے کو تصلیہ کہاجاتاہے،چونکہ نماز اپنے نمازی کے نفس کو مجاہدہ ومشقت کی آگ پر جلاتی ہے،نیزاسے سیدھا کرتی ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔اب صلوٰۃ کے معنی دعا،رحمت،انزال،رحمت،استغفار،سرین ہلاناہیں۔چونکہ یہ سب چیزیں نماز میں ہوتی ہیں اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔اسلام میں سب اعمال سے پہلے نماز فرض ہوئی،یعنی نبوت کے گیارہویں سال ہجرت سے دو سال کچھ ماہ پہلے،نیزساری عبادتیں اللہ تعالٰی نے فرش پر بھیجیں مگر نماز اپنے محبوب کو عرش پربلاکردی اس لئے کلمہ شہادت کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔جونمازسیدھی کرکے پڑھے تونمازاسے بھی سیدھا کردیتی ہے۔نماز کے اسرارا‌ورنکات ہماری کتاب "اسرارالاحکام"اور"تفسیر نعیمی"پارہ اول میں دیکھو۔نمازیں چارقسم کی ہیں:فرض،واجب،سنت مؤکدہ،نفل۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے کہ پانچ نمازیں اورجمعہ سے جمعہ تک او رمضان سے رمضان تک درمیان کے گناہ مٹانے والی ہیں ۱؎جب کبیرہ گناہوں سے بچارہے ۲؎(مسلم)	

۱؎یعنی نمازپنجگانہ روزانہ کے صغیرہ گناہ کی معافی کا ذریعہ ہے،اگر کوئی ان نمازوں کےذریعہ گناہ نہ بخشواسکاتو نمازجمعہ ہفتہ بھر کے گناہ صغیرہ کا کفارہ ہے،اگر کوئی جمعہ کے ذریعہ بھی گناہ نہ بخشواسکا کہ اسے اچھی طرح ادانہ کیاتورمضان سال بھر کےگناہوں کا کفارہ ہے،لہذااس حدیث پریہ اعتراض نہیں کہ جب روزانہ کے گناہ پنجگانہ نمازوں سے معاف ہوگئے تو جمعہ اوررمضان سے کون سے گناہ معاف ہوں گے۔خیال رہے کہ گناہ کبیرہ جیسے کفروشرک،زنا،چوری وغیرہ یوں ہی حقوق العباد بغیر توبہ وادائے حقوق معاف نہ ہوتے۔

۲؎خیال رہے کہ جو اعمال گنہگاروں کی معافی کا ذریعہ ہیں وہ نیک کاروں کی بلندی درجات کا ذریعہ ہیں،چنانچہ معصومین اور محفوظین نماز کی برکت سے بلند درجے پاتے ہیں۔لہذاحدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر چاہیئے کہ نیک لوگ نمازیں نہ پڑھیں کیونکہ نمازیں گناہوں کی معافی کے لئے ہیں وہ پہلے ہی سے بے گناہ ہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پرنہرہو کہ اس میں روزانہ پانچ دفعہ نہائے کیا کچھ میل	

رہے گا لوگوں نے عرض کیا کہ بالکل میل نہ رہے گافرمایا یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ ان کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے [1] (مسلم،بخاری)	

[1] یہاں خطاؤں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں،کبیرہ گناہ اور حقوق العباد اس سے علیحدہ ہیں کہ وہ نماز سے معاف نہیں ہوتے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔خیال رہے کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پنجگانہ کو نہر سے تشبیہ دی نہ کہ کنوئیں سے دو وجہ سے:ایک یہ کہ کنوئیں میں اگر گھسا جائے تو اکثر اس کا پانی نہانے کے لائق نہیں رہتا کیونکہ وہ پانی جاری نہیں،نہر کا پانی جاری ہے ہر ایک کو ہر طرح پاک کردیتا ہے،یوں ہی نماز ہر طرح پاک کردیتی ہے کیسا ہی گندا ہو۔دوسرے یہ کہ کنوئیں کا پانی تکلف سے حاصل ہوتا ہے،رسی ڈول کی ضرورت پڑتی ہے کمزور آدمی پانی کھینچ نہیں سکتا مگر نہر کا پانی بے تکلف حاصل ہوتا ہے،ایسے ہی نماز بے تکلف ادا ہوجاتی ہے جس میں کچھ نہیں کرنا پڑتا اور جب دروازے پر نہر ہو تو غسل کے لئے دور جانا بھی نہیں پڑتا۔خیال رہے کہ گناہ دل کا میل ہے اور نماز میلِ دل کے لیے پانی۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ ایک مرد نے کسی عورت کا بوسہ لیا [1] پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا آپ کو یہ خبر دی [2] تب اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ دن کے کناروں اور رات کی ساعتوں میں نماز قائم کرو [3] نیکیاں گناہ دور کرتی ہیں اس نے کہا یارسول اللہ! کیا یہ صرف میرے لیئے ہے فرمایا میری ساری امت کے لیئے اور ایک روایت میں ہے کہ میری امت سے جو یہ عمل کرے [4] (مسلم وبخاری)	

[1] ان مرد کا نام ابوالیسر ہے،کھجوروں کی دکان کرتے تھے،ایک عورت خریدنے کے لئے آئی،ان کا دل اس کی طرف مائل ہوگیا،بولے اچھی کھجوریں گھر میں ہیں،اس بہانے سے اندر لے جاکر بوسہ لے لیا،وہ بولی اللہ کے بندے خدا سے ڈر،یہ سخت نادم ہوئے اس لئے ثابت ہوا کہ اجنبی عورت سے تنہائی بڑی خطرناک ہے۔(اشعۃ مرقاۃ)

[2] صحابہ کرام خطائیں معاف کرانے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس آیت پر یہ عمل کرتے ہوئے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" الایہ۔اب بھی ہم گنہگاروں کو معافی کے لیے اس آستانے پر حاضری ضروری ہے۔یہ خیال نہ کرو کہ وہ صرف مدینہ میں رہتے ہیں بلکہ مؤمنوں کے سینے ان کا کاشانۂ رحمت ہیں۔

[3] مرقاۃ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کرتا ہوں عصر کے بعد یہ آیت اتری۔خیال رہے کہ نماز فجر اور ظہر دن کے اس کناروں کی نمازیں ہیں اور عصر ومغرب دوسرے کنارے کی اور عشاء رات کی،لہذا یہ آیت پانچویں نمازوں کو شامل ہے،زلف زلفت سے بنا،بمعنی قرب یعنی رات کا وہ ٹکڑا جو دن سے قریب ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ"۔

۴؎ یعنی یہ آیت اگرچہ تیرے بارے میں اتری مگر اس کا حکم عام ہے۔کوئی مسلمان کوئی گناہ صغیرہ کرے اس کی نمازیں وغیرہ معافی کا ذریعہ ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اجنبیہ سے خلوت اور بوس وکنار گناہ صغیرہ ہے،ہاں یہ جرم بار بارکرنے سے کبیرہ بن جائے گاکیونکہ صغیرہ پر دوام کبیرہ ہے اوریہ جان کربوس وکنارکرنا کہ نماز سے معاف کرالیں گےکفر ہے،کہ یہ اللہ پر امن ہے۔یہ حدیث اس کے لئے ہے جو اتفاقًا ایسا معاملہ کر بیٹھے پھر شرمندہ ہوکر توبہ کرے،لہذاحدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس میں ان حرکتوں کی اجازت دے دی گئی۔یہاں مِنْ اُمَّتِی فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ آسانیاں صرف اس امت کے لئے ہیں گزشتہ امتوں کی معافی بہت مشکل ہوتی تھی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حاضرہوا بولایارسول اللہ!میں حدکو پہنچ گیا۱؎وہ مجھ پر قائم فرمادیجئے فرماتے ہیں اس سے حضور نے کچھ پوچھا نہیں ۲؎نماز حاضر ہوئی اس نے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۳؎جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرلی وہ کھڑا ہوگیا عرض کیایارسول اللہ!میں نے حدپائی مجھ پراللہ کی کتاب قائم کردیں۴؎فرمایا کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی عرض کیا ہاں فرمایا اللہ نے تیرا گناہ یا تیری حدبخش دی۵؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی میں نے ایساگناہ کرلیا جو شرعی سزا کا باعث ہے۔حد سزائے مقرر کو کہتے ہیں جیسے زانی کے لئے سنگساری اورچور کے ہاتھ کاٹنا۔تعزیروہ سزا ہے جو شرعًا مقرر نہ ہوقاضی اپنی رائے سے مقرر کرے۔ان بزرگوں نے کوئی معمولی گناہ کیا تھا مگر سمجھے یہ کہ شاید اس میں بھی سزائے شرعی ہوگی۔یاحدلغوی معنی میں ہےیعنی مطلقًا سزا۔

۲؎ کیونکہ حضورانورکو کشف سے معلوم تھا کہ انہوں نے معمولی جرم کیا تھا اورپوچھنے سے ان کی رسوائی ہوگی یہ ہے شان ستاری۔(ازمرقاۃ)

۳؎ صرف ایک نمازیہ نمازعصرتھی جیسا کہ مرقاۃ وغیرہ میں ہے۔

۴؎ لائق حدہویا نہ ہوجوبھی فرمان الٰہی ہوحدیاکفارہ یاکوئی اورچیزاسی لئے یہاں کتاب اللہ فرمایا۔یہ صحابہ کرام کی قوتِ ایمانی ہے کہ دوسرے مجرم اپنے جرم چھپاکرجان بچانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ حضرات اپنے قصورظاہرکرکے جانوں پرکھیل کرایمان بچاتے ہیں۔

۵؎ یعنی جس گناہ کو تونے قابلِ حد سمجھا تھا وہ اس نماز کی برکت سے معاف ہوگیا،لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ نمازسے شرعی سزائیں معاف ہوجاتی ہیں۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ پرکبھی حدنہیں ہوتی اورسواءڈکیتی کی حد کے کوئی حد توبہ سے معاف نہیں ہوتی،ڈاکو اگرگرفتاری سے پہلے توبہ کرے تو سزا نہیں پاتا،یونہی اگر کافربعدزنا مسلمان ہوجائے تو رجم وغیرہ کا مستحق نہیں۔(مرقاۃ) شیخ عبدالحق نے فرمایا مَعَنَاسے معلوم ہوا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازپڑھناگناہوں کی معافی

کے لیے اکسیر ہے۔نماز کی عظمت امام کی عظمت کے مطابق ہے۔سبحان اللہ!جن کے ساتھ والی نماز مجرموں کو بخشوادے وہ ذات کریم خود کیسی ہوگی۔

568 - [5] (متفق عليه) وعن عبد الله بن مسعود قال : سألت النبي صلى الله عليه وسلم أي الأعمال أحب إلى الله قال : " الصلاة لوقتها " قلت ثم أي قال : " بر الوالدين " قلت ثم أي قال : " الجهاد في سبيل الله " قال حدثني بهن ولو استزدته لزادني	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ پیارا ہے فرمایاوقت پر نماز ۱؎ میں نے کہا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی میں نے کہا پھر کون سافرمایا اللہ کی راہ میں جہاد۲؎فرمایا مجھے حضور نے یہ باتیں بتائیں اگرزیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی ہمیشہ نمازیں وقت مستحبہ پراداکرنا۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کے بعدنماز کا درجہ ہے ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔جن روایتوں میں جہاد کو نماز سے پہلے بیان کیا گیا وہ بعض ہنگامی حالات میں ہے جب جہاد فرض عین ہوچکا ہو اور دشمن کی یلغار بڑھ گئی ہو،ورنہ ظاہر ہے کہ جہاد نماز ہی کے لئے ہوتا ہے۔یا یوں کہا جائے کہ سائلین کے لحاظ سے حضور کے جواب مختلف ہوئے،کسی کے لئے جہاد افضل تھا،کسی کے لیے غریبوں کو کھانا کھلانا،کسی کے لیے زبان کی حفاظت،کسی کے لئے چھپ کر خیرات،لہذا احادیث متعارض نہیں۔

۲؎یہ ترتیب سیدنا ابن مسعود کے حال کے لحاظ سے ہے،ورنہ بعض روایات میں اس کے برعکس بھی آیا ہے۔

۳؎یعنی میں نے سوال ہی اتنے کئے۔خیال رہے کہ ماں باپ کی خدمت کو نماز سے بہت مناسب ہے کہ نمازرب کی عبادت ہےاوریہ خدمت مربّی کی اطاعت اسی لیے قرآن شریف میں اس خدمت کو عبادت کے ساتھ بیان فرمایا گیا:"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا"الایہ۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے ۱؎(مسلم)

۱؎یعنی بندہ مؤمن اورکفر کے درمیان نماز کی دیوارحائل ہے جو اس تک کفرکونہیں پہنچنے دیتی جب یہ آڑ ہٹ گئی تو کفر کا اس تک پہنچنا آسان ہوگیا،ممکن ہے کہ آیندہ یہ شخص کفر بھی کر بیٹھے۔خیال رہے کہ بعض آئمہ ترک نماز کو کفربھی کہتے ہیں،بعض کے نزدیک بے نمازی لائق قتل ہے اگرچہ کافرنہیں ہوتا،ہمارے امام صاحب کے نزدیک بے نمازی کو مارپیٹ اورقید کیا جائے جب تک کہ وہ نمازی نہ بن جائے۔ہمارے ہاں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے نمازی قریب کفر ہے یا اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے یا ترک نماز سے مراد نماز کا انکارہے،یعنی نماز کا منکرکافرہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے فرض کیں ۱؎ جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اورانہیں صحیح وقت پرادا کرے اوران کا رکوع وخشوع پورا کرے ۲؎ اس کے لیئے اللہ کا وعدہ ہے کہ اسے بخش دے ۳؎ اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لیئے اللہ کا وعدہ نہیں اگرچاہے بخشے اور اگر چاہے اسے عذاب دے ۴؎ (احمد،ابوداؤد)مالک ونسائی نے اس کی مثل روایت کی۔	

۱؎ معلوم ہوا کہ نماز پنجگانہ کے سوا کوئی اور نماز فریضۂ اسلام نہیں۔عیدین اور وتر واجب ہیں فرض نہیں،نماز جمعہ ان پانچ میں ہی داخل ہیں،کیونکہ وہ ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیے جس پر جمعہ فرض ہے اس پر ظہر نہیں اور جس پر ظہر فرض ہے اس پر جمعہ نہیں۔یہ ناممکن ہے کہ کسی پر ظہر اور جمعہ دونوں فرض ہوں تو نمازیں چھ ہوجائیں گی۔نذر کی نماز اگرچہ فرض ہے مگر وہ فریضۂ اسلام نہیں۔

۲؎ چونکہ رکوع اسلامی نماز کی خصوصیات میں سے ہے،دوسری امت کی نمازوں میں عمومًا رکوع نہ تھا،نیز رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے،نیز رکوع ارکان نماز میں فاصل ہے،اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا،خشوع دل کا اور ہے،اعضاء کا اور۔یہ بحث ہماری "تفسیر نعیمی" میں دیکھو۔

۳؎ اس طرح کہ اس کے گناہ صغیرہ معاف کردے اور کبیرہ گناہ سے توبہ کی اور حقوق العباد ادا کرنیکی توفیق دے۔خیال رہے کہ نماز پورا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سارے شرائط ادا کئے جائیں،ایمان بھی نماز کی شرط ہے۔لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ نمازی آدمی جو چاہے گناہ کرے معاف ہوجائیں گے اور نہ یہ اعتراض کہ منافقین اور بہت سے بے دین نمازی تھے اور ہیں مگر ان کی مغفرت نہیں۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کافر نہیں اور ترک نماز کفر نہیں،کیونکہ کفر کی بخشش نہیں ہوتی،رب فرماتا ہے:"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنۡ یُّشْرَکَ بِہٖ" الایہ۔آیت میں شرک بمعنی کفر ہے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پانچ نمازیں پڑھو اوراپنے مہینہ کا روزہ رکھو اور اپنے مالوں کی زکوۃ دو اپنے حکم والے کی اطاعت کرو ۱؎ اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ ۲؎ (احمدوترمذی)	

۱؎ حکم والوں سے خلیفۃ المسلمین،اسلامی حکام،علمائے دین سب ہی مراد ہیں۔اطاعت سے مراد ان کے جائز احکام میں فرمانبرداری کرنا ہے،خلاف شرع حکم کی اطاعت لازم نہیں،چونکہ رمضان کے روزے صرف اسی امت پر فرض ہوئے اس لیئے شَھۡرُکُمۡ فرمایا،زکوۃ روزے کے بعد فرض ہوئی اس لئے اس کا ذکر بھی روزے کے بعد ہوا۔

۲؎ اعمال کی نسبت بندوں کی طرف کی اور جنت کی رب کی طرف تاکہ خریدوفروخت کے معنی ظاہر ہوں،فرماتا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی"۔خیال رہے کہ مختلف احادیث مختلف اوقات کی ہیں جس زمانہ میں کوئی عبادت نہ آئی تھی تب فرمایا گیا جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہوگیا جب نماز آگئی تو نماز ہی پر جنت کا وعدہ فرمایا گیا اورجب زکوۃ روزے وغیرہ بھی آگئے تب جنتی ہونے کے لئے ان اعمال کی بھی قید لگی،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اورانہیں نماز پر مارو جب وہ دس سال کے ہوں ۱؎ اور علیحدگی کردو ان کے درمیان خوابگاہ ہوں میں ۲؎ (ابوداؤد) یوں ہی اسے شرح سنہ میں انہی سے روایت کیا اورمصابیح میں ابن معبد سے۔

۱؎ ان عمروں میں اگرچہ ان پر نماز فرض نہیں کہ وہ نابالغ ہیں لیکن عادت ڈالنے کے لئے انہیں ابھی سے نمازی بناؤ،چونکہ دس سال کی عمر میں بچے کو سمجھ بوجھ کافی ہوجاتی ہے اس لئے مارنے کا بھی حکم دیا،چونکہ نماززیادہ اہم ہے اس لیے اس ہی پر مارو وغیرہ کا حکم دیا گیا۔مُرُوْا سے معلوم ہوا کہ بچے کو سات سال سے پہلے بھی رغبت دی جائے مگر اس کا حکم سات سال کی عمر میں۔

۲؎ یعنی بہن بھائیوں کو علیحدہ بستروں پر سلاؤ کہ اب وہ مراہق یعنی قریب بلوغ ہوگئے۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ معاہدہ جو ہمارے اوران کے درمیان ہے وہ نماز ہے ۱؎ تو جس نے اسے چھوڑدیا یقینًا کفر کیا ۲؎ (احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ ان سے مراد منافقین ہیں،یعنی مسلمانوں اورمنافقین کے درمیان نماز ہی ایک وہ چیز ہے جو منافقوں کے لئے باعث امان ہے کہ اسی وجہ سے ہم انہیں قتل نہیں کرتے اور ان پر اسلامی احکام جاری کرتے ہیں۔اب جو منافق نماز کو چھوڑ دے گا اس کا کفرظاہر ہوجائے گا اوروہ لائق قتل ہوگا۔

۲؎ یعنی نماز کے چھوڑنے سے اس منافق کا کفرظاہر ہوگیا۔یہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے "مَنۡ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ كَفَرَ" اس کا مطلب یہ نہیں کہ بے نمازی کافر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں

	کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۱؎ بولا یارسول اللہ میں نے مدینہ کے کنارے میں ایک عورت کو گلے لگالیا اور صحبت کی حد تک نہ پہنچا تو میں یہ ہوں میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں۲؎ حضرت عمر نے فرمایا اللہ نے تیری پردہ پوشی کی تھی کاش کہ تو بھی اپنے پر پردہ پوشی کرتا۳؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا وہ شخص کھڑا ہوکر چل دیا۴؎ اس کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا اسے بلایا اس پر آیت تلاوت فرمائی کہ نماز قائم کرو دن کے کناروں اور رات کی ساعتوں میں یقینًا نیکیاں گناہ مٹا دیتی ہیں یہ ماننے والوں کے لئے نصیحت ہے ۵؎ قوم میں سے ایک شخص نے عرض کیا۶؎ کہ یا نبی اللہ کیا یہ اسی کے لیئے ہے فرمایا سارے لوگوں کے لیئے۷؎ (مسلم)

۱؎ غالب یہ ہے کہ یہ صاحب ابوالیسر کے علاوہ اور کوئی ہیں کیونکہ دونوں قصوں میں فرق ہے۔

۲؎ یعنی زنا کے سواءاور سب کچھ کرلیا جو شرعی سزا تجویز ہو میں حاضر ہوں،وہ یہ سمجھ کر آئے ہوں گے اس کی سزا بھی رجم ہے کہ اسباب زنا گویا زنا ہی ہیں۔سبحان اللہ!یہ ہے قوتِ ایمانی اور خوفِ الٰہی۔

۳؎ یعنی خفیہ گناہ کی توبہ بھی خفیہ کرلیتا تو اچھا تھا کیونکہ چھپے گناہ پر اعلان کرنا برا ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ چھپے گناہ کی توبہ چھپ کرکرے اور علانیہ کی توبہ علانیہ کرے۔دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نیکیاں پیش کرنا ریا نہیں اور حضور پر اپنے گناہ ظاہر کرنا بخشوانے کے لئے گناہ نہیں۔بیمار اپنی بیماری طبیب پر ظاہر کرتا ہے علاج کے لیے،اس لیے حضور نے ان پر ملامت نہ فرمائی کہ تو نے اپنا گناہ کیوں ظاہر کیا،لہذا عمر فاروق کا فرمانا بھی برحق اور سرکار کی خاموشی بھی۔

۴؎ یہ چل دینا بھاگنے کے لئے نہ تھا بلکہ وہ سمجھے کہ شاید میرے بارے میں کوئی آیت کریمہ آئے گی تب مجھے بلا کر فیصلہ کردیا جائے گا اگر معافی ہوگی شکر کروں گا،سزا تجویز ہوگی تو برداشت کروں گا،لہذا ان صاحب پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر پوچھے کیوں چل دیئے کیونکہ یہ کام منع جب ہے جب لوٹنے کا ارادہ نہ ہو،جیسے اذان کے بعد مسجد سے نکلنا اس وقت ممنوع ہے جب لوٹنے کا قصد نہ ہو،یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ حضور کی مجلس سے بغیر پوچھے نہ جاؤ۔

۵؎ اس آیت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے گزر گئی۔مقصد یہ ہے کہ اس گناہ پر سزا کوئی نہیں کیونکہ یہ صغیرہ ہے جو تجھ سے اتفاقًا سرزد ہوگیا۔خیال رہے کہ حضور نے پہلے ہی اسے یہ آیت نہ سنادی بلکہ چلے جانے کے بعد اسے واپس بلاکر سنائی کیونکہ غالبًا حضور کو امید تھی کہ شاید اس کے بارے میں کوئی اور آیت اترے۔

۶؎ عرض کرنے والے عمر فاروق ہیں یا معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما۔

۷؎ کیونکہ اگرچہ اس آیت کا نزول خاص موقع پر ہوا لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔خیال رہے کہ یہاں اَلنَّاس سے مراد مسلمان ہیں،یعنی جو مسلمان پابندیٔ نماز کرے گا اس کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے رہیں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں تشریف لے گئے ۱؎ جب پتے جھڑ رہے تھے تو حضور نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑلیں ۲؎ فرمایا کہ پتے جھڑنے لگے راوی فرماتے ہیں کہ فرمایا اے ابوذر! میں نے کہا حضور حاضر ہوں فرمایا کہ جب مسلمان بندہ اللہ کی رضا کے لیئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے پتے اس درخت سے جھڑ گئے ۳؎ (احمد)

۱؎ مدینہ منورہ سے باہر کسی جنگل میں اور یہ موسم خزاں کا تھا جبکہ شاخیں ہلانے سے پتے جھڑ جاتے ہیں اور ویسے بھی پت جھاڑ ہوتا رہتا ہے۔

۲؎ غالبًا یہ درخت کوئی جنگل خودرو تھا جس کے پھل،پھول،پتے ہر راہ گیر توڑ سکتا ہے۔اور ہوسکتا ہے کہ درخت آپ کا اپنا ہو یا کسی ایسے شخص کا ہو جو حضور کے اس عمل شریف سے راضی ہو،ورنہ دوسرے کے درخت سے بلااجازت پتے وغیرہ جھاڑنا ممنوع ہے۔(مرقاۃ)

۳؎ یعنی اخلاص کی نماز موسم خزاں کی اس تیز ہوا کی طرح ہے جو پت جھاڑ کردیتی ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہاں گناہوں سے صغیرہ گناہ مراد ہے۔

	روایت ہے حضرت زید ابن خالد جہنی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دو رکعتیں پڑھے جن میں کچھ بھولے نہیں تو اللہ اس کے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے ۲؎ (احمد)

۱؎ آپ قبیلہ جہنیہ سے ہیں،کوفہ میں رہے،وہیں وفات پائی۔

۲؎ غالبًا ان دو رکعتوں سے مراد وضو کے نفل ہیں جیسا کہ دوسری حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔نہ بھولنے سے مراد دل کا حاضر رہنا ہے،یعنی جو کوئی حضور دل سے وضو کے نفل پڑھے تو اس کے سارے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں،اب باقی

نمازفرائض،سنتیں وغیرہ اس کے درجے بلند کریں گی۔خلاصہ یہ کہ جب نفل نمازکایہ فائدہ ہے تو فرائض اور واجبات کا کتنا بڑافائدہ ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے ایک دن نماز کا ذکرکیاتھافرمایا کہ جو اس پرپابندی کرے گا [1]نماز اس کے لیئے قیامت کے دن روشن دلیل اور نجات ہوجائے گی [2]اور جو اس پر پابندی نہ کرے گا تو اس کے لیئے نہ نور ہوگا نہ دلیل نہ نجات اور وہ قیامت کے دن قارون،فرعون،ہامان اورابی بن خلف کے ساتھ ہوگا[3] (احمد،دارمی،بیہقی،شعب الایمان)

[1]اس طرح کہ نمازہمیشہ پڑھے،صحیح پڑھے،دل لگا کر اخلاص کے ساتھ ادا کیا کرے۔یہی معنی ہیں نماز قائم کرنے کے جس کا حکم قرآن کریم نے بارہا دیا:"اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ"۔

[2]قیامت میں قبربھی داخل ہے کیونکہ موت بھی قیامت ہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ نمازقبرمیں اورپل صراط پر روشنی ہوگی،کہ سجدہ گاہ تیزبیٹری کی طرح چمکے گی،اورنماز اس کے مؤمن بلکہ عارف باللہ ہونے کی دلیل ہوگی،نیزاس نماز کے ذریعہ سے اسے ہر جگہ نجات ملے گی کیونکہ قیامت میں پہلا سوال نماز کا ہوگا اگر اس میں بندہ کامیاب ہوگیاتو ان شاءاللہ آگے بھی کامیاب ہوگا۔

[3]ابی ابن خلف وہ مشرک ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن اپنے ہاتھ سے قتل فرمایا۔مرقاۃ میں ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ بے نمازی کاحشران کافروں کے ساتھ ہوگا اورنمازی مؤمن کاحشران شاءاللہ نبیوں،صدیقوں،شہداءاورصالحین کے ساتھ ہوگا۔اس سے یہ لازم نہیں کہ بے نمازی کافر ہوجائے اورنمازی نبی،بلکہ بے نمازکوقیامت میں ان کفارکے ساتھ کھڑاکیاجاوے گاجیسے کسی شریف آدمی کو ذلیل کے ساتھ بٹھادینا اس کی ذلت ہے،لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔خیال رہے کہ قیامت میں ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگاجس سے اسے دنیامیں محبت تھی۔اور جس کی طرح وہ کام کرتا تھا،بے نماز چونکہ کافروں کے سے کام کرتا ہے لہذااس کا حشر بھی ان کے ساتھ ہوگا،نمازی نبیوں،صدیقوں کی نقل کرتا ہے لہذا ان کا حشر ان کے ساتھ ہوگا،اسی لئے کہتے ہیں کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی اور بروں کی نقل بھی بری۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شقیق سے [1]فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اعمال میں سے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہ سمجھتے تھے سواء نماز کے [2] (ترمذی)

۱؎ آپ عظیم الشان تابعی ہیں،حضرت عمر،علی،عثمان،وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی،قبیلہ بنی عقیل سے ہیں،بصرہ میں قیام رہا، ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

۲؎ کیونکہ اس زمانہ میں نمازپڑھنامؤمن کی علامت تھی اور نہ پڑھنا کافر کی پہچان جیسے آج سر پر چوٹی،نیچے دھوتی ہندو کی پہچان ہے،اس لئے وہ حضرات جسے نماز نہ پڑھتے دیکھتے سمجھتے کافرہوگا،لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں کہ نمازچھوڑناکفرہواور بے نمازی کافرہو،اور نہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں فرمایا گیا کہ مؤمن اگرچہ زانی ہوچورہوپھر بھی جنتی یعنی جنت کا مستحق۔

	روایت ہے حضرت ابی الدرداء سے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب نے وصیت کی کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تم مارڈالے جاؤیاجلادیئے جاؤ۱؎ اورفرض نمازجان کر نہ چھوڑو کہ جس نے اسے عمدًا چھوڑا اس سے ذمہ بری ہوگیا۲؎ اورشراب نہ پیؤ کہ یہ ہرشرکی چابی ہے۳؎(ابن ماجہ)

۱؎ وصیت سے مرادتاکیدی حکم ہے،رب فرماتا ہے:"یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوْلٰدِکُمْ"۔شرک نہ کرنے سے مراد دلی شرک ہے،یعنی عقیدۂ شرک اختیار نہ کرو۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمٰنِ"کیونکہ آیت میں سخت مجبورکو زبان سے کفر کہہ دینے کی اجازت دی گئی ہے اور یہاں عقیدۂ کفر رکھنے سے ممانعت ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں رخصت کا ذکرہواور یہاں عزیمت کا یعنی اگرچہ معذورکوکفر بولنے کی اجازت مگر ثواب اسی میں ہے کہ قتل ہوجاؤ مگر زبان سے کفر نہ نکالو۔

۲؎ یعنی بے نمازی سے اسلام کی امان اٹھ گئی اسے حاکم اس پر سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ نمازی اللہ کی امان میں رہتا ہے صدہا مصیبتوں سے محفوظ،بے نماز اس دولت سے محروم۔

۳؎ کیونکہ شراب عقل بگاڑ دیتی ہے اور عقل ہی برائیوں سے روکتی ہے،بے عقلی میں انسان سب کچھ کر بیٹھتا ہے۔خیال رہے کہ خمرصرف انگوری شراب کو کہتے ہیں،مگر یہاں ہرنشہ والی شراب مراد ہے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔

باب المواقیت

وقتوں کاباب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ **مواقیت** وقتوں کی جمع ہے۔میقات بمعنی وقت ہے،جیسے معیاد بمعنی وعدہ،میلاد بمعنی ولادت،معراج بمعنی عروج،یہاں نماز کے اوقات مراد ہیں۔نماز کے اوقات تین قسم کے ہیں:وقت مباح،وقت مستحب اور وقت مکروہ۔نماز کے اوقات تشریعی چیزیں ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں مگر ان میں حکمتیں ضرور ہیں۔یہ حکمتیں ہماری کتاب "**اسرار الاحکام**"میں دیکھو۔چونکہ نماز کے لئے وقت شرطِ اوّل ہے اس لئے صاحبِ مشکوۃ نے نماز کے بیان میں پہلے اس کا ذکر کیا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کا وقت ۱؎ جب ہے کہ سورج ڈھل جائے۲؎ اورآدمی کا سایہ اس کے قدکی برابرہو جائے۳؎ جب تک کہ عصرنہ آئے۴؎ اورعصرکاوقت جب تک ہے کہ سورج زرد نہ پڑجائے ۵؎ اورنمازمغرب کا وقت جب تک ہے کہ شفق غائب نہ ہوجائے۶؎ اورعشاء کی نمازکا وقت رات کے درمیانی آدھے تک ہے ۷؎ اورنماز صبح کا وقت صبح چمکنے سے اس وقت تک ہے کہ سورج نہ چمکے۔جب سورج چمک جائے تو نماز سے بازرہو۸؎ کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان نکلتا ہے ۹؎(مسلم)

۱؎ ظہر یا ظھور سے بنایاظہیرہ سے(دوپہری)چونکہ معراج کے بعد اولًا یہی نماز ظاہر ہوئی اور سب سے پہلے یہی پڑھی گئی،نیزیہ دوپہری میں اداکی جاتی ہے لہذا اسے ظہر کہاجاتاہے۔

۲؎ آفتاب صبح سے دوپہر تک چڑھتا ہے اور دوپہرسے شام تک پچھم کی طرف اترتا ہے جس حد پرچڑھنا ختم ہوجائے اور اس کے بعد اترنا شروع ہو وہ نصف النہار سے آگے بڑھنے کا نام زوال ہے،یہ زوال ہی وقت ظہر کی ابتداءہے وہی یہاں مراد۔

۳؎ زوال کے وقت سایہ برابر ہونا بعض ملکوں اوربعض زمانوں میں ہوگا۔سردی میں چونکہ سورج جنوب کی طرف ہوتا ہواجاتاہے لہذا اس وقت بعض جگہ یہ سایہ چیز کے برابرہوجاتاہے،لیکن کبھی بعض ملکوں میں اس وقت سایہ بالکل نہیں ہوتا یا ہوتا ہے مگر بہت تھوڑا۔جس زمانہ میں حضور نے یہ فرمایا ہوگا وہ موسم سردی کا ہوگا،لہذا یہ حدیث بالکل ظاہرہے اورآیندہ حدیثوں کے خلاف نہیں جن میں اس سایہ کی مقدار تسمہ کی برابربیان فرمائی گئی کیونکہ وہاں موسم گرمی کا ذکر ہے اوریہاں

سردی کا اور ہوسکتا ہے کہ اس جملہ میں ظہر کا آخری وقت مراد ہو اور حدیث کے معنی یہ ہوں کہ آفتاب ڈھلنے سے ظہر شروع ہوتی ہے اور ایک مثل سایہ پر ختم،اس صورت میں یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے کیونکہ ہمارے ہاں دو مثل پر ظہر کا وقت نکلتا ہے ان کے ہاں ایک مثل پر لیکن ان کی یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ اس میں اصلی سایہ کا ذکر نہیں،امام شافعی کے ہاں اصلی سایہ کے علاوہ ایک مثل سایہ چاہیئے۔

۴؎ پہلی تفسیر پر یہ جملہ ظہر کے آخر وقت کا بیان ہے اور دوسری تفسیر پر پہلے جملہ کی تاکید ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ظہر و عصر کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں یعنی ظہر جاتے ہی عصر آجاتی ہے۔

۵؎ یہ عصر کے وقتِ مستحب کا بیان ہے یعنی دھوپ پیلی پڑنے سے پہلے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہیئے،ورنہ غروب آفتاب تک وقت عصر ہے،جیساکہ مسلم و بخاری کی روایات میں ہے۔خیال رہے کہ آفتاب ڈوبنے سے بیس منٹ قبل پیلا پڑتا ہے۔

۶؎ یعنی مغرب کا وقت آفتاب ڈوبنے سے شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہونے پر ختم۔امام اعظم کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو آسمان کے مغربی کنارے پر سرخی کے بعد نمودار ہوتی ہے۔اور امام شافعی و صاحبین کے نزدیک سرخی کا نام شفق ہے،یعنی سفیدی کا وقت امام صاحب کے نزدیک مغرب ہے،یہی قول سیدنا ابوہریرہ،امام اوزاعی اور عمر ابن عبدالعزیز کا ہے۔اور امام شافعی کے نزدیک یہ وقت عشاء ہے،یہی قول سیدنا عبداللہ ابن عمر اور ابن عباس کا ہے۔احتیاط یہ ہے کہ سفیدی آنے سے پہلے مغرب پڑھ لے اور سفیدی ڈوبنے کے بعد عشاء پڑھے تاکہ اختلاف سے بچ جائے۔

۷؎ یہاں بھی وقتِ مستحب مراد ہے،یعنی مستحب یہ ہے کہ آدھی رات سے پہلے پڑھ لے ورنہ وقت عشاء صبح صادق تک رہتا ہے۔درمیانی سے مراد یا درمیانی رات ہے،یا درمیانی آدھا یعنی راتیں لمبی بھی ہوتی ہیں،چھوٹی بھی اور درمیانی بھی،تم درمیانی رات کے آدھے تک پڑھ لو،یا پورے آدھے تک نماز پڑھ لو،نہ کم نہ زیادہ۔

۸؎ یعنی سورج نکلتے وقت کوئی نماز نہ پڑھو،نہ نفل،نہ فرض۔یہاں دو مسئلے سمجھنا چاہیئے:ایک یہ کہ تین وقت مطلقًا نماز ممنوع ہے،سورج نکلتے وقت،بیچ دوپہر یعنی نصف النہار پر،سورج ڈوبتے وقت کہ ان اوقات میں فرض و نفل نماز بلکہ سجدہ ہی حرام ہے،البتہ سورج ڈوبتے وقت آج کی عصر درست ہے۔دوسرے یہ کہ جب تک سورج میں تیزی نہ آجائے تب تک طلوع مانا جائے گا یعنی سورج چمکنے سے بیس منٹ تک سجدہ حرام ہے۔

۹؎ یعنی ایک شیطان سورج نکلتے وقت سورج کے سامنے اس طرح کھڑا ہوجاتا ہے کہ سورج اس کے دونوں سینگوں کے درمیان معلوم ہو،تاکہ اپنے دوسرے شیاطین کو دکھائے کہ سورج کی پوجا کرنے والے مجھے پوج رہے ہیں،بہت مشرکین اس وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں اس کی طرف پانی پھینک کر اس کی تعظیم کرتے ہیں،مسلمانوں کو اس وقت سجدہ حرام ہے تاکہ مشرکوں سے مشابہت نہ ہو اور شیطان یہ نہ کہہ سکے کہ مسلمان مجھے سجدہ کررہے ہیں۔خیال رہے کہ سورج ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع کرتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ شیطان سورج کے ساتھ اسی طرح گردش کرتا ہے کہ جہاں سورج طلوع ہورہا ہو وہاں اس وقت وہ نمودار ہوتا ہے اس کی بہت تفسیریں ہیں۔

	روایت ہے حضرت بریدہ ا؎ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں پوچھا توفرمایا تم ہمارے ساتھ ان

	دو دنوں میں نماز پڑھو۲ تو جب سورج ڈھل گیا حضرت بلال کو حکم دیا اورانہوں نے اذان کہی پھر حکم دیا انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی۳ پھر انہیں حکم دیا تو عصر کی تکبیر کہی جب کہ سورج بلند سفید صاف تھا۴ پھر انہیں حکم دیا تو مغرب کی تکبیر کہی۵ جب سورج چھپ گیا پھر انہیں حکم دیا توعشاء کی تکبیر کہی جب شفق غائب ہوگئی پھر انہیں حکم دیا تو فجر کی تکبیر کہی جب کہ صبح چمکی پھر دوسرا دن ہوا تو انہیں حکم دیا ظہر کو ٹھنڈا کیا بلکہ اسے خوب ٹھنڈا کیا۶ اور عصر جب پڑھی کہ آفتاب اونچا تھا اس سے زیادہ دیر لگائی جو کل تھا۷ اور مغرب پڑھی شفق غائب ہونے سے پہلے۸ اور عشاء پڑھی تہائی رات گزرنے کے بعد اور فجر پڑھی خوب اجالا ہونے پر پھر فرمایا کہاں ہے نماز کے اوقات پوچھنے والا وہ شخص بولا میں ہوں یارسول اللہ تو فرمایا کہ تمہارے نماز کے اوقات اس کے درمیان ہیں جو تم نے دیکھا۹ (مسلم)

۱ آپ کا نام بریدہ ابن حصیب ہے،بنی اسلم قبیلہ سے ہیں،سواء بدر تمام غزوات میں حضور کے ساتھ رہے،خراسان میں غازیانہ شان سے گئے،مَرْو میں وفات پائی،وہاں ہی آپ کی اولاد اب تک ہے۔(مرقات)

۲ تاکہ تمہیں ہر نماز کے وقت کی ابتداء وانتہا معلوم ہوجائے۔پتا لگا کہ عملی تبلیغ قولی تبلیغ سے زیادہ مفید ہے۔غالبًا یہ صاحب کہیں باہر کے ہوں گے،ورنہ صحابۂ کرام تو ہر نماز حضور انور کے ساتھ ہی پڑھا کرتے تھے۔

۳ یعنی سورج ڈھلتے ہی بغیر توقف ظہر کی اذان کہلوائی پھر سنتوں کا وقت دے کر تکبیر کا حکم دیا لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ اذان کے بعد فورًا تکبیر ہوئی،سواء مغرب باقی تمام نمازوں میں اذان وتکبیر میں فاصلہ چاہیئے اس لئے یہاں ثُمَّ فرمایا گیا۔معلوم ہوا کہ تکبیر اذان سے کچھ بعد ہوئی۔

۴ یعنی عصر کے وقت آتے ہی عصر کی اذان کہلوائی دو مثل سایہ ہوجانے پر،جیسا اگلے باب میں ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔سورج کے صاف اور روشن ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ایک مثل سایہ پر اذان ہوئی،دومثل پر بھی سورج صاف ہوتا ہے۔

۵ یعنی مغرب کی اذان کہتے ہی تکبیر کہی چونکہ یہ اذان وتکبیر ملی ہوئی تھیں اس لئے صرف تکبیر کا ذکر ہوا۔

۶ یعنی ظہر آخر وقت ادا کی جب گرمی بالکل جاتی رہی وقت خوب ٹھنڈا ہوگیا۔غالبًا یہ گرمی کا موسم تھا ورنہ سردی میں تو ہر وقت ٹھنڈک رہتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آج ظہر ایک مثل سایہ کے بہت بعد پڑھی ورنہ ایک مثل سایہ تک سخت گرمی رہتی ہے،لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہوسکتی ہے۔

۷؎ یہاں بھی وقت مستحب کا ذکر ہے اگرچہ وقت عصر آفتاب غروب تک رہتا ہے مگر حضور نے سورج زرد پڑنے سے پہلے آج عصر پڑھی کراہت سے بچنے کے لئے۔

۸؎ اس سے معلوم ہوا کہ وقت مغرب سورج ڈوبنے سے شروع ہوکر شفق غائب ہونے تک رہتا ہے،یہ ہی قول ہمارے امام اعظم کا ہے۔امام شافعی و مالک علیہما الرحمۃ کے نزدیک وقت مغرب ادائے مغرب کی بقدر ہے،یہ حدیث ہمارے امام کی قوی دلیل ہے رضی اللہ عنہ۔

۹؎ پہلے عرض کیاجاچکا ہے کہ یہاں بعض نمازوں کے مستحب وقتوں کا ذکر ہے۔اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وقت مستحب کی ابتداء وانتہا یہ ہے،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوبار حضرت جبریل نے بیت اللہ کے پاس میری امامت کی ۱؎ تو مجھے ظہر پڑھائی جبکہ سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمہ کی برابر ہوا ۲؎ اور مجھے عصر پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا ۳؎ اور مجھے مغرب پڑھائی جبکہ روزے دار افطار کرتا ہے ۴؎ مجھے عشاء پڑھائی جب کہ شفق غائب ہوگئی ۵؎ اور مجھے فجر پڑھائی جب کہ روزے دار پر کھانا پینا حرام ہوتا ہے ۶؎ پھر جب کل ہوئی تو مجھے ظہر جب پڑھائی کہ چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا ۷؎ اور مجھے عصر جب پڑھائی کہ چیز کا سایہ دوگنا ہوگیا ۸؎ اور مجھے مغرب پڑھائی جب کہ روزے دار افطار کرتا ہے ۹؎ اور مجھے عشاء تہائی رات تک پڑھائی اور مجھے فجر پڑھائی اجالا کرکے پھر میری طرف متوجہ ہوئے عرض کیا اے محمد مصطفے ۱۰؎ یہ آپ سے پہلے نبیوں کے اوقات ہیں ۱۱؎ اور ان وقتوں کے درمیان وقت نماز ہے ۱۲؎ (ابوداؤد،ترمذی)	

۱؎ یعنی شبِ معراج کے سویرے جبریل امین نے دو دن مجھے نماز پڑھائی سب سے پہلے ظہر پڑھائی۔خیال رہے کہ حضرت جبریل حضور کے استاد نہیں بلکہ خادم ہیں،یہ نماز پڑھانا پیغامِ الٰہی پہنچانے کے لئے تھا۔یہ عملی رسالت تھی جو ادا کی اور کبھی مقتدی امام سے افضل ہوتا ہے۔حضور نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے نماز فجر پڑھی حالانکہ حضور نبی تھے وہ امتی،نیز اس امامت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے کیونکہ آج یہ نمازیں حضرت جبریل پر فرض ہوگئی

تھیں،جب رب نے انہیں یہ حکم دیا تو فرض ہوگئیں۔یہ واقعہ بیت اللہ کے دروازے سے متصل ہوا جہاں اب بھی لوگ نفل پڑھتے ہیں،یہاں حوض کی طرح جگہ نیچی ہے،غسلِ کعبہ کے وقت یہاں ہی زمزم بھراجاتا ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ حضرت جبریل کی یہ تعلیم امت کے لئے تھی نہ کہ حضور کے لئے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز کا طریقہ اس کے اوقات اوّل سے ہی جانتے تھے پہلی وحی جب آئی تو آپ غارحرا میں معتکف تھے،نیز معراج کو جاتے وقت بیت المقدس میں سارے رسولوں کو نماز پڑھا کر گئے،پھر بیت المعمور میں سارے فرشتوں کو نماز پڑھائی وہ تو نبیوں اور فرشتوں کے امام ہیں مگر امت کو تعلیم احکام کے نزول کے بعد ہوتی ہے۔

۲؎ یعنی اس دن آفتاب ڈھلنے پر انسان کا سایہ جوتہ کے تسمہ کے برابر تھا کیونکہ گرمی کا موسم تھا یہ سایہ موسموں کے لحاظ سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔خیال رہے کہ یہاں سایہ سے مراد عام انسانوں کا سایہ ہے نہ کہ حضور کا سایہ،نہ حضرت جبریل کا کہ یہ دونوں نور ہیں نور کا سایہ نہیں ہوتا،حضور کا سایہ نہ تھا اگرچہ سارے عالم پر انہیں کا سایہ ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب رسالہ "نور" میں دیکھو۔

۳؎ اس حدیث سے امام شافعی و صاحبین نے دلیل پکڑی کہ ایک مثل پر عصر کا وقت ہوجاتا ہے۔ہمارے امام اعظم کے نزدیک دو مثل پر ہوتا ہے۔مگر یہ حدیث ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں سایہ اصلی کا ذکر نہیں،حالانکہ ان بزرگوں کے نزدیک بھی عصر کا وقت سایہ اصلی کے سواء ایک مثل سایہ ہونے پر ہوتا ہے۔حق یہ ہے کہ اوقات کی یہ حدیث منسوخ ہے،جیسے کہ اس دن ہر نماز دو رکعت تھی ایسے ہی اس دن اوقات نماز یہ تھے،بعد میں نمازوں کی رکعتوں میں بھی زیادتی ہوئی اور اوقات میں بھی تبدیلی۔ان شاءاللہ اس کی تحقیق اگلے باب میں ہوگی اور ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ دوم میں بھی ملاحظہ کرو۔اس کی ناسخ احادیث کا بھی ذکر آرہا ہے۔

۴؎ یعنی آج کل جس وقت افطار ہوتا ہے اس وقت مغرب پڑھائی سورج ڈوبتے ہی،ورنہ اس دن نہ روزہ فرض تھا نہ افطار تھا۔روزے بعد ہجرت فرض ہوئے لہذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

۵؎ اس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی غروب آفتاب کی سرخی کے بعد وہ سفیدی شفق ہے اس کے چھپنے پر وقت عشاء ہوجاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے جیسا کہ ان شاءاللہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

۶؎ اس کا وہ ہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی آج کل جب پو پھٹنے پر روزہ دار کو کھانا پینا حرام ہوتا ہے اس وقت نماز فجر پڑھائی ورنہ اس وقت نہ روزے تھے نہ سحری وافطار۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ آج ظہر اس وقت پڑھائی جس وقت کل عصر پڑھائی تھی،یعنی ایک مثل سایہ پر۔لہذا یہ حدیث بالاتفاق منسوخ ہے۔کسی کا مذہب یہ نہیں کہ ظہر کا آخر اور عصر کا اول بالکل ایک وقت ہے،سب کے نزدیک ظہر کے بعد عصر کا وقت ہوتا ہے۔بعض نے فرمایا کہ یہاں تقریبی وقت مراد ہے یعنی قریبًا ایک مثل سایہ تھا ایک مثل سے کچھ ہی پہلے۔بعض نے فرمایا کہ نماز ظہر ختم ہونے پر ایک مثل ہوا نہ کہ شروع پر۔بعض نے فرمایا کہ ایک مثل مع سایہ اصلی کے مراد ہے،یعنی کل عصر پڑھائی ایک مثل پر،علاوہ سایہ اصلی کے اوپر،آج ظہر پڑھائی ایک مثل مع سایہ اصلی کے۔غرض کہ یہ حدیث مشکلات میں سے ہے حق یہ ہے کہ منسوخ ہے۔

۸؎ یہ خبر بھی بالاتفاق منسوخ ہے کیونکہ سب کے نزدیک وقت عصر آفتاب چھپنے پر ختم ہوتا ہے نہ کہ سایہ دوگنا ہونے پر بلکہ امام اعظم کے ہاں اس وقت عصر شروع ہوتی ہے۔

۹؎ یعنی مغرب دو دن ایک ہی وقت پڑھائی،امام شافعی و مالک کا یہ ہی قول ہے۔مگرہمارے ہاں یہ حدیث ہی منسوخ ہے۔پچھلی حدیث میں گزرگیاکہ حضورنے دوسرے دن مغرب شفق غائب ہونے سےکچھ پہلے پڑھائی۔اگر وقت مغرب صرف اداءِ نماز کے بقدرہوتا تو اس تاخیر کے کیا معنی ہیں؟اور وہ حدیث اس کے بعد کی ہے کیونکہ آج تو اسلام کی پہلی نمازیں اداہو رہی ہیں۔

۱۰؎ یہ کلمہ حضورانکسار کے طور پراپنے الفاظ میں ادا فرمارہے ہیں ورنہ حضرت جبریل نے نہایت ادب سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ یا حبیب اللہ،جیسے آج کوئی عالم کہے کہ مجھے جلسہ والوں نے کہا کہ تو بھی کچھ کہہ حالانکہ جلسے والے ادب سے عرض کرتے ہیں۔حضرت جبریل صرف نام شریف لے کر کیسے پکارسکتے ہیں یہ تو حکم قرآنی کے خلاف ہے،رب فرماتا ہے:"لَاتَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ"الایہ۔

۱۱؎ یعنی ان نمازوں میں سے جس نبی نے جو نمازپڑھی وہ ان ہی وقتوں میں پڑھی۔خیال رہے کہ کسی نبی پر یہ پانچ نمازیں جمع نہ ہوئیں یہ اجتماع حضور کی امت کی خصوصیت ہے،لہذا حدیث صاف ہے بلکہ ابوداؤد،بیہقی،ابن ابی شیبہ کہتے ہیں حضور نے فرمایا کہ نمازعشاءتم سے پہلےکسی امت نے نہ پڑھی،ہوسکتا ہے کہ یہ نمازبعض انبیاء نے پڑھی ہوں ان کی امت پر فرض نہ ہو جیسے آج نماز تہجد ہمارے حضور پر فرض تھی ہم پر فرض نہیں۔طحاوی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھاسے روایت کی کہ نماز فجرحضرت آدم نے پڑھی جب توبہ قبول ہوئی،نمازظہرحضرت ابراہیم نے پڑھی حضرت اسمٰعیل کا فدیہ دنبہ آنے پر،نماز عصر حضرت عزیرنے پڑھی جب سو برس کے بعدآپ زندہ ہوئے،نماز مغرب حضرت داؤد نے پڑھی اپنی توبہ قبول ہونے پر،مگر چار رکعت کی نیت باندھی تھی تین رکعت پر سلام پھیردیا تھک گئے تھے لہذا تین ہی رہ گئیں،نماز عشاء ہمارے حضور نے پڑھی۔بعض نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پڑھی جب آگ لینے طور پر گئے،خیریت سے نبوت لے کر آئے،بیوی صاحبہ کو بخیریت پایا کہ بچہ پیداہوچکاتھا۔**واللہ اعلم!**

۱۲؎ ظاہریہ ہے کہ ان دو دنوں میں صرف حضور نے حضرت جبریل کے ساتھ نمازیں پڑھیں ان میں صحابہ ساتھ نہ تھے جیسا کہ اَمَّنِی سے معلوم ہوا۔حضورصلی اللہ علیہ وسلم خودنماز پڑھ کرپڑھنے کا حکم دیتے تھے یا حضوربطورنفل حضرت جبریل کے ساتھ پڑھتے رہے اوربعدمیں صحابہ کو پڑھاتے رہے۔خیال رہے کہ معراج کے سویرے نماز فجر نہ پڑھی گئی نہ قضاء کی گئی کیونکہ قانون بیان سے پہلے عمل کے لائق نہیں ہوا،معراج کی رات نمازفرض ہوئی اورپہلے ظہر پڑھی گئی لہذا آج چارنمازیں ہوئیں پھر پانچ اس کی تحقیق ہماری کتاب "تفسیرنعیمی"وغیرہ میں دیکھو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن شہاب سے۱؎ کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزنے عصرکچھ دیرسے پڑھی۲؎ توان سے عروہ نے کہا کہ حضرت جبریل اترے انہوں نے حضورانورصلی اللہ

علیہ وسلم کے آگے نماز پڑھی۳؎ حضرت عمر نے ان سے کہا کہ جو کہتے ہو سمجھ کے کہواے عروہ۴؎ وہ بولے میں نے بشیر ابن ابی مسعود کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے ابی مسعود کو سنا کہ وہ کہتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا۵؎ کہ اترے حضرت جبریل انہوں نے میری امامت کی میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھران کے ساتھ نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی پھرانکے ساتھ نماز پڑھی پھران کے ساتھ نماز پڑھی اپنی انگلیوں پر پانچ نمازیں گناتے تھے۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ امام زہری کی کنیت ہے،آپ کا نام محمد ہے،کنیت ابوبکراورابن شہاب ہے،مشہورتابعی ہیں۔

۲؎ یعنی معمول سے زیادہ دیر سے پڑھی،عمر ابن عبدالعزیز خلفاء میں سے پانچویں خلیفہ برحق ہیں۔(مرقات)پانچواں اس لئے کہا گیا کہ حضرت امام حسن نے خلافت سے دستبرداری کرلی تھی،آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا ادب ہے حضرت عروہ نے یہ نہ کہا کہ حضور کو نماز پڑھائی بلکہ یوں کہا کہ آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھ کر دکھائی،حضرت عروہ عائشہ صدیقہ کے بھانجے اور حضرت اسماء کے فرزند ہیں۔آپ کے باغ کے کنوئیں کا پانی فقیر نے بھی پیا ہے۔

۴؎ یعنی اے عروہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت جبریل حضور سے آگے کھڑے ہوں،رب تو فرماتا ہے:"لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللہِ وَ رَسُوۡلِہٖ" تمہاری یہ خبر مجھے قرآن کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

۵؎ خیال رہے کہ حضرت عروہ ابن زبیر خود بھی صحابی ہیں مگر پھر بھی اسناد سے حدیث بیان کی۔مقصد یہ ہے کہ میں نے حضور سے خود بھی یہ حدیث سنی ہے،میرے علاوہ اورصحابہ نے بھی سنی اوران سے دوسرے مسلمانوں نے بھی۔غرض کہ بطور گواہی یہ اسناد پیش کی ورنہ جب صحابی خود حضور سے حدیث سن لیں تو انہیں اسناد کی ضرورت نہیں۔

۶؎ حضرت عروہ نے اس جگہ نماز کے اوقات کا ذکر نہ کیا کیونکہ حضرت عمرابن عبدالعزیز کو اس پر تو کوئی شبہ نہ تھا،انہیں شبہ یہ تھا کہ حضرت جبریل حضور حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کیونکر پڑھا سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو امام الاولین و الاٰخرین ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کو جاتے ہوئے سارے نبیوں کو نماز پڑھائی،بیت المقدس میں ان مقتدیوں میں حضرت جبریل و میکائل بلکہ سارے براتی فرشتے اس معراج والے دولہا(صلی اللہ علیہ وسلم)کے پیچھے تھے،آج حضرت جبریل امام کیسے ہوگئےاس لئے اسناد سے صرف نماز پڑھانے کا واقعہ عرض کیا۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ معراج کی نماز نمازِعشق تھی نہ کہ نماز شرعی ورنہ گزشتہ نبی یہ نماز نہ پڑھتے کہ بعد وفات احکام شرعیہ ختم ہوجاتے ہیں اوریہ نماز تھی اوراحکام شرعیہ لانے والے حضرت جبریل تھے،عشق حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)نے حضرت جبریل امین کو سکھایا اورشریعت کے احکام حضرت جبریل علیہ السلام لائے"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ وَسَلَّمَ"۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے آپ نے اپنے	

	حکام کو لکھا کہ میرے نزدیک سارے کاموں سے زیادہ اہم نماز ہے۱ جس نے اسے محفوظ رکھا اور اس کی پابندی کی اس نے اپنا دین محفوظ رکھا اور جس نے اسے ضائع کردیا تو وہ نماز کے سواء کو بہت ضائع کرے گا ۲ پھر لکھا کہ ظہر اس وقت پڑھو جب سایہ ایک گز ہوجائے ۳ یہاں تک پڑھو کہ ہر ایک کا سایہ اس کے برابر ہوجائے ۴ اور عصر جب پڑھو کہ سورج اونچا سفید صاف ہو جس قدر کہ سواء آفتاب ڈوبنے سے پہلے دو تین کوس چل لے ۵ اور مغرب جب پڑھو کہ سورج ڈوب جائے اور عشاء اس وقت کہ شفق غائب ہوجائے تہائی رات تک ۶ تو جو عشاء سے پہلے سوجائے خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، جو سوجائے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، جو سوجائے اس کی آنکھیں نہ سوئیں ۷ اور فجر پڑھو کہ تارے چمکتے ہوں گتھے ہوئے ہوں ۸ (مالک)

۱ یعنی سلطنت کے کام ملکی انتظام نماز کے بعد ہیں جب نماز کا وقت آجائے تو سارے کام ویسے ہی چھوڑ دو اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سلطان اسلام کو چاہیئے کہ رعایا کے دینی حالات سنبھالے صرف دنیا پر نظر نہ رکھے۔ دوسرے یہ کہ بڑوں کو سنبھالو چھوٹے خود سنبھل جائیں گے اسی لئے آپ نے حکام کو خصوصیت سے خطاب فرمایا۔

۲ حفظ سے مراد نماز کو درست کرکے پڑھنا ہے اور محافظت سے مراد ہمیشہ اور صحیح وقت پر پڑھنا۔ اس فرمان سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز کی پابندی تمام نیکیوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ایسے ہی نماز چھوڑنا گناہوں کا دروازہ کھولتا ہے، رب فرماتا ہے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ" الایہ۔

۳ سایہ سے مراد عام انسان کا سایہ ہے، گز سے شرعی گز مراد ہے، یعنی ۲۴ انگل یا ڈیڑھ فٹ۔ آپ کا یہ فرمان اس موسم کے لحاظ سے ہے جب خط لکھا تھا اس وقت اس ملک میں ایک ہاتھ سایہ ہونے پر ہی وقت ظہر شروع ہوتا ہوگا ورنہ مختلف وقتوں اور مختلف علاقوں میں وقت ظہر مختلف رہتا ہے۔

۴ اس قسم کی تمام احادیث امام شافعی کی دلیل ہیں کہ وقت ظہر ایک مثل پر ختم ہوجاتا ہے، امام اعظم کے نزدیک دو مثل تک وقت ظہر رہتا ہے، ان کے ہاں ایک مثل کی احادیث منسوخ ہیں ان کی ناسخ وہ احادیث ہیں جو اگلے باب میں آرہی ہیں۔ حضرت عمر کا یہ فرمان بیان مستحب کے لئے ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ ظہر ایک مثل تک پڑھ لو۔ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ ظہر ایک مثل تک پڑھ لے اور عصر دو مثل کے بعد ورنہ ظاہری معنی سے یہ حدیث امام شافعی کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک بھی اصلی سایہ کے سواء ایک مثل سایہ چاہیئے اور یہاں اصلی سایہ کا ذکر نہیں۔

۵؎ یعنی سورج ڈوبنے سے ۵۰منٹ پہلے کیونکہ بیس منٹ پہلے سورج پیلا پڑتا ہے۔یہ وقت کراہت ہے اس سے آدھا گھنٹہ پہلے عصر شروع کرنی چاہیئے اتنی دیر میں سوار دو تین کوس بخوبی چل لے گا۔
٦؎ یہاں بھی وقت مستحب ہی کا ذکر ہے ورنہ وقت مغرب شفق ڈوبنے تک رہتا ہے اور وقت عشاء صبح صادق تک،مگر مستحب یہ ہے کہ مغرب سورج ڈوبتے ہی پڑھ لی جائے اور عشاء تہائی رات سے پہلے۔
۷؎ جناب فاروق اعظم کی یہ بددعا اظہار غضب کے لئے ہے۔خیال رہے کہ نماز عشاء سے پہلے سوجانا اور عشاء کے بعد بلاضرورت جاگتے رہنا سنت کے خلاف اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند ہے لیکن نماز سے پہلے سوکر نماز ہی نہ پڑھنا اور ایسے ہی عشاء کے بعد جاگ کر فجر قضاء کردینا حرام ہے کیونکہ حرام کا ذریعہ بھی حرام ہوتا ہے۔
۸؎ یعنی فجر اندھیرے میں پڑھو،یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔امام اعظم کے نزدیک فجر اجیالا کرکے پڑھنی چاہیئے،امام صاحب کے دلائل اگلے باب میں آرہے ہیں۔اور اوقات نماز کی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اندازہ ظہر گرمی میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور سردی میں پانچ قدم سے سات قدم تک تھا ۱؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ یعنی حضور گرمی کے موسم میں اگر ظہر جلدی پڑھتے تو جب پڑھتے تھے کہ درمیانی انسان کا سایہ تین قدم ہوجاتا،اور اگر دیر میں پڑھتے تو اس وقت پڑھتے جب انسانی قد کا سایہ پانچ قدم ہوجاتا،اور سردی میں اگر جلدی پڑھتے تو پانچ قدم سایہ پر اور دیر میں پڑھتے تو سات قدم پر کیونکہ بمقابلہ گرمیوں کے سردی میں سایہ اصلی لمبا ہوتا ہے۔یہ اندازہ ملک عرب کے لحاظ سے ہے دیگر ممالک میں جاری نہیں ہوسکتا کیونکہ جگہ کا جس قدر عرض بلد زیادہ ہوگا اسی قدر سایہ لمبا ہوگا۔

باب التعجیل الصلوۃ

جلد نماز پڑھنے کا باب

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک نماز مغرب ہمیشہ اور نماز ظہر سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے کہ وقت داخل ہوتے ہی نماز شروع کردی جائے ان دو کے سوا باقی تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا مستحب ہیں۔امام صاحب کے نزدیک نماز جلدی پڑھنے کے معنے یہ ہیں کہ وقت شروع ہوتے ہی نماز پڑھ لی جائے دیر نہ لگائی جائے،بعض آئمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ نماز کا وقت آتے ہی پڑھ لی جائے مگر نماز عشاء میں تہائی رات تک دیر لگانا سب کے نزدیک مستحب ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کی تاخیر اور مغرب میں جلدی یونہی سردیوں میں ظہر کی جلدی پر سب متفق ہیں باقی نمازوں میں اختلاف ہے۔

روایت ہے حضرت سیار ابن سلامہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت ابی برزہ اسلمی کے پاس گئے ۲؎ ان سے میرے باپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرائض کیسے پڑھتے تھے وہ بولے کہ دوپہری کی نماز جسے تم پہلی کہتے ہو تب پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا ۳؎ اور عصر پڑھتے پھر ہم میں سے ایک کنارہ مدینہ میں اپنے گھر پہنچ جاتا حالانکہ سورج صاف ہوتا ۴؎ اور جو کچھ مغرب کے بارے میں فرمایا وہ میں بھول گیا اور آپ عشاء جسے تم عتمہ کہتے ہو اسے دیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے ۵؎ اور اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت ناپسند فرماتے تھے ۶؎ اور نماز فجر سے جب فارغ ہوتے جب کہ آدمی اپنے پاس والے کو پہچان لیتا حالانکہ آپ ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے ۷؎ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ عشاء کو تہائی رات تک تاخیر کرنے میں پروا نہ کرتے تھے اس سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،بصری،قبیلۂ بنی تمیم سے ہیں،بہت صحابہ سے ملاقات ہے۔

۲؎ آپ کا نام نفلہ ابن عبید ہے،صحابی ہیں،حضور کی وفات کے بعد مسلمان دور دور سے صحابہ کی زیارت کرنے،ان سے مسائل پوچھنے آیا کرتے تھے اس سلسلے میں آپ کی حاضری بھی تھی۔

۳؎ یعنی ظہر اول وقت پڑھ لیتے تھے،یہاں سردی کے زمانہ کی ظہر مراد ہے،ورنہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ حضور نے فرمایا ظہر ٹھنڈی کرو کیونکہ دوپہری کی گرمی دوزخ کی بھڑک سے ہے،لہذا یہ حدیث نہ اگلی حدیث سے متعارض ہے نہ حنفیوں کے خلاف۔

۴؎ یعنی آفتاب ڈوبنے سے قریبًا پچاس منٹ پہلے اور پیلا پڑنے سے آدھا گھنٹہ پہلے عصر پڑھتے تھے،قریبًا دس منٹ میں نماز سے فراغت ہوتی تھی،چالیس منٹ میں انسان بخوبی مدینہ منورہ کے کنارے پہنچ سکتا ہے۔یہ فقیر آدھے گھنٹے میں پیدل مسجد قباء شریف پہنچ جاتا تھا،لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ایک مثل میں پڑھتے تھے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔

۵؎ شریعت میں اس نماز کا نام عشاء ہے مگر بدوی لوگ عتمہ کہتے ہیں یعنی اونٹنی دوھنے کے وقت کی نماز۔خیال رہے کہ نماز کے وہی نام لینے چاہئیں جو شریعت نے مقرر کئے،ظہر کو پیشی،عصر کو دیگر،مغرب کو شام،اورعشاء کو خفتاں کہنا جیسا کہ پنجاب میں مروج ہے براہے۔یہاں تاخیر سے مراد تہائی رات تک دیر لگانا ہے،جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

۶؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی۔بات سے دنیاوی غیر ضروری باتیں مراد ہیں یہی مکروہ ہیں،لہذا دینی جلسے،دینی کتب کا مطالعہ عشاء کے بعد منع نہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد جلدی سوجاؤ صبح کو جلدی اٹھو۔

۷؎ یعنی فجر اتنی جلدی شروع کرتے کہ ساٹھ یا سو آیتیں پڑھ کر فارغ ہونے پر اتنا اجیالا ہوتا کہ ساتھی پہچان لیا جائے،یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جن کے نزدیک فجر اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔امام اعظم کے نزدیک یہ اندھیرا مسجد کا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا کیونکہ مسجد نبوی بہت گہری ہے،باہر کی روشنی وہاں بہت دیر میں پہنچتی ہے اور اگر مان لیا جائے کہ یہ وقت کا اندھیرا تھا تو یہ حضور کا خصوصی عمل ہے،فرمان آگے آرہا ہے کہ فرمایا فجر اجالا کرکے پڑھو کہ اس کا ثواب زیادہ ہے اور جب حضور کے فرمان و عمل شریف میں تعارض معلوم ہو تو فرمان کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ عمل میں احتمال ہے کہ آپ کی خصوصیات میں سے ہو۔خیال رہے کہ ایسی حدیث کوئی نہیں جس میں اندھیرے میں فجر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو مگر اجیالے کے حکم کی بہت حدیثیں موجود ہیں،نیز عام صحابہ فجر اجیالے میں ہی پڑھتے تھے۔حضرت علی قمبر سے فرمایا کرتے تھے اے قمبر خوب اجیالا کرو،خوب اجیالا کرو(طحاوی)صدیق اکبر جب فجر سے فارغ ہوتے تو محسوس ہوتا تھا کہ آفتاب نکلا چاہتا ہے۔(بیہقی)ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا جیسا اتفاق فجر وعصر کے اجیالے پر ہے ایسا بہت کم مسائل پر ہے۔(طحاوی وخسرو)فقیر نے "جاء الحق"حصہ دوم میں اجیالہ فجر کی انتیس[۲۹] احادیث پیش کی ہیں حتی کہ دیلمی کی روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر روشنی میں پڑھے اللہ اس کی قبر اور دل میں روشنی کرے۔

روایت ہے حضرت محمد ابن عمرو ابن حسن ابن علی سے فرماتے ہیں ہم نے جابر ابن عبداللہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا فرمایا ظہر دوپہری میں پڑھتے تھے اور عصر جب کہ سورج صاف ہوتا اور مغرب جب کہ سورج ڈوب جاتا ہے	

	اور عشاء جب لوگ زیادہ ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے اور جب تھوڑے ہوتے تو دیر میں پڑھتے اور صبح اندھیرے میں۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس کی شرح پہلے گزرگئی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو لوگوں کے اجتماع کا خیال رکھا جائے۔ریل کا سا وقت نہ ہو کہ نمازی ہوں یا نہ ہوں نماز پڑھ لی جائے۔دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کہ اگر لوگ کم ہوتے تو عشاء دیر سے پڑھتے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر پڑھتے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے ۱؎ (مسلم،بخاری) لفظ بخاری کے ہیں۔

۱؎ یہ گرمی فرش کی ہوتی تھی نہ کہ وقت کی۔سرکار ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے تھے مگر فرش تپا ہوتا تھا جیسے کہ اب بھی حرمین شریفین میں دیکھا جاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ نمازی اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر ضرورۃً سجدہ کرسکتا ہے،یہی امام صاحب کا قول ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو نماز ٹھنڈی کرو۔

	اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابوسعید سے ہے کہ ظہر ٹھنڈی کرو۱؎ کیونکہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے۲؎ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی تھی کہا تھا اے رب میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا رب نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں اور ایک گرمی میں یہ وہی تیز گرمی اور ٹھنڈک ہے جسے تم محسوس کرتے ہو۳؎ (مسلم،بخاری) اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو تیز گرمی تم پاتے ہو یہ دوزخ کی گرم سانس سے ہے اور جو تیز ٹھنڈک تم پاتے ہو یہ اس کی ٹھنڈی سانس سے ہے۔

۱؎ یہ حدیث ان تمام احادیث کی شرح ہے جن میں فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوپہری میں ظہر پڑھتے تھے،اس نے بتایا کہ وہاں جاڑوں کی ظہر مراد ہے،گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔اس سے حنفیوں کے دومسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ گرمی کی ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ ظہر کا وقت دومثل سایہ تک رہتا ہے کیونکہ ایک مثل تک ہر جگہ خصوصًا عرب میں بہت تپش رہتی ہے۔نیز بخاری،ابوداؤد و بیہقی،طحاوی،ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوذرغفاری سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفرمیں ظہرجب پڑھی جب کہ ٹیلوں کا سایہ پڑگیا اورٹیلہ کاسایہ ایک مثل کے بعدہی پڑتاہے،نیز بخاری شریف نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایایہود ان مزدوروں کی طرح ہیں جوصبح سے ظہرتک ایک قیراط پر کام کریں،عیسائی وہ مزدور ہیں جوظہر سے عصر تک ایک قیراط پر محنت کریں،اورتم وہ مزدورہوجوعصرسے مغرب تک دوقیراط کے بدلے کام کریں تمہارا کام کم اورمزدوری زیادہ۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ وقت عصروقت ظہرسے کم ہے ورنہ یہ مثال درست نہ ہوتی اگرایک مثل پرعصرشروع ہوجایاکرے تو اس کا وقت ظہرکی برابر بلکہ گرمیوں میں اس سے کہیں زیادہ ہوجائیگا۔اس مسئلہ پرامام صاحب کے اوربہت دلائل ہیں اگرشوق ہوتوہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ دوم کا یہ باب دیکھو۔

۲؎ خیال رہے کہ فلاسفہ کے نزدیک گرمی آفتاب کے قرب سے آتی ہے مگرآفتاب میں گرمی دوزخ سے آئی۔ہوسکتا ہے کہ گرمی آفتاب سے بھی ہو اور دوزخ کی بھڑک کی توجہ سے،اگرچہ گرمیوں کے موسم میں بعض پہاڑوں اوربعض مقامات پرٹھنڈک رہتی ہے لیکن یہ اس کے خلاف نہیں جیسے سورج کی گرمی ایک ہے لیکن اس کے اثر کا ظہور زمین پر مختلف،کہیں سردی،کہیں گرمی،ایسے ہی ادھر بھی ہے کہ بھڑک کی توجہ جہاں زیادہ ہے وہاں گرمی،جہاں کم ہے وہاں سردی،لہذا اس حدیث پر نہ تو آریوں اورعیسائیوں کاکوئی اعتراض ہوسکتا ہے نہ چکڑالویوں کا۔

۳؎ یعنی دوزخ جب اوپر کو سانس لیتا ہے تو دنیا میں عمومًا سردی کا زورہوتاہے اورجب نیچے کوسانس چھوڑتاہے تو عمومًا گرمی کی شدت۔خیال رہے کہ یہ حدیث بالکل ظاہری معنی پرہے کسی تاویل یاتوجیہ کی ضرورت نہیں ہرچیزمیں قدرت نے زندگی اورشعور بخشے ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"**فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ**"کفار کے مرنے پر آسمان و زمین نہیں روتے یعنی مسلمان کے مرنے پر روتے ہیں،اورفرماتاہے:"**وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ**"بعض پتھر اللہ کے خوف کی وجہ سے گرجاتے ہیں۔چکڑالویوں کوان احادیث پراعتراض کرنے سے پہلے یہ آیات دیکھنی چاہئیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر اس وقت پڑھتے تھے کہ سورج بلنداورصاف ہوتاتھاکہ جانے والا اطراف مدینہ کی طرف جاتاوہاں اس وقت پہنچ جاتاکہ سورج بلندہوتاحالانکہ بعض اطراف مدینہ سے چارمیل یا اس کی مثل تھے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے نہ تو یہ ثابت ہوتاہے کہ عصر دو مثل سے پہلے پڑھتے تھے اور نہ یہ کہ عصر اول وقت پڑھ لیتے تھے،حنفی وقت میں(غروب آفتاب سے ۵۰ منٹ پہلے)عصر پڑھ کر اتنی دور بے تکلف چلاجاسکتا ہے۔طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ اس وقت عصر پڑھتے جب دھوپ اونچے پہاڑ پر نظر آتی تھی۔اور سیدنا فاروق اعظم نے اپنے عمّال کو لکھا کہ صحابہ کرام نماز عصر دیر میں پڑھتے تھے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہواسورج کا انتظار کرتا رہے حتی کہ جب پیلا پڑجائے اور شیطان کے دو سینگوں کے بیچ آجائے تو کھڑا ہو کر چار چونچیں مارے کہ ان میں اللہ کا تھوڑا ہی ذکر کرے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ اس حدیث سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دنیوی کاروبار میں پھنس کر نماز عصر دیر سے پڑھنا منافقوں کی علامت ہے۔دوسرے یہ کہ غروب سے ۲۰ منٹ پہلے کراہت کا وقت ہے،وقت مستحب میں عصر پڑھنا چاہیئے۔تیسرے یہ کہ رکوع اور سجدہ بہت اطمینان سے کرنا چاہیئے،حضور نے جلد باز سجدے کو مرغ کے چونچ مارنے سے تشبیہ دی جو وہ دانہ چگتے وقت زمین پر جلدی جلدی مارتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کی نماز عصر جاتی رہی گویا اس کا گھر بار اور مال لٹ گیا ۱؎ ۔(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جیسے اس شخص کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی نہیں ہوسکتی ایسے ہی عصر چھوڑنے والے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے اس کی وجہ اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نماز عصر چھوڑدے اس کے عمل ضبط ہوگئے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ غالبًا عمل سے مراد وہ دنیوی کام ہے جس کی وجہ سے اس نے نماز عصر چھوڑی۔ضبطی سے مراد اس کام کی برکت کا ختم ہونا،یا یہ مطلب ہے کہ جو عصر چھوڑنے کاعادی ہوجائے اس کے لئے اندیشہ ہے کہ وہ کافر ہوکر مرے جس سے اعمال ضبط ہو جائیں،اس کا مطلب یہ نہیں کہ عصر چھوڑنا کفر وارتداد ہے۔خیال رہے کہ نماز عصر کو قرآن کریم نے بیچ کی نماز فرماکر اس کی بہت تاکید فرمائی،نیز اس وقت رات ودن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے اور یہ وقت لوگوں کی سیر و تفریح اور تجارتوں کے فروغ کا وقت ہے،اس لئے کہ اکثر لوگ عصر میں سستی کرجاتے ہیں ان وجوہ سے قرآن شریف نے بھی عصر کی بہت تاکید فرمائی اور حدیث شریف نے بھی۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب پڑھتے تھے تو ہم میں سے ایک اس وقت لوٹتا جب اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا ا۔(مسلم،بخاری)

ا۔یعنی مغرب سے فارغ ہوکر اتنا اجالا ہوتا تھا کہ کمان سے پھینکا ہوا تیر جہاں گرتا نظر آتا تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز مغرب ہمیشہ اول وقت پڑھنی چاہئے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ صحابہ نماز عشاء شفق غائب ہونے سے رات کی اگلی تہائی کے درمیان پڑھتے تھے ا۔(مسلم،بخاری)

ا۔اگر جلدی پڑھتے تو شفق غائب ہونے کے بعد پڑھتے کہ اس سے پہلے وقت عشاء ہوتا ہی نہیں،لہذا یہ حدیث حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر پڑھتے تھے پھر عورتیں اپنی چادروں میں لپیٹی ہوئی لوٹ جاتی تھیں اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں ا۔(مسلم،بخاری)

ا۔یہ اندھیرا یا تو مسجد کا ہوتا تھا کیونکہ مسجد نبوی بہت گہری تھی یا وقت کا کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر اول وقت میں ادا فرماتے تھے ان نمازی عورتوں کی وجہ سے تاکہ اندھیرے ہی میں اپنے گھر چلی جائیں پھر عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تب یہ حکم بھی بدل گیا۔پہلی صورت میں یہ حدیث محکم اور ہمارے واسطے لائق عمل ہے۔دوسری صورت میں یہ عمل اس وقت کے لحاظ سے ہے اور حضور کی خصوصیات سے۔ہم نے توجیہیں اس لئے کیں کہ آگے فجر اجیالے میں پڑھنے کا حکم آرہاہے اس توجیہ کی بنا پر یہ فعلی حدیث اس قولی کے خلاف نہ ہوگی۔غالبًا یہ بیبیاں سلام پھیرتے ہی دعا سے پہلے چلی جاتی تھیں جیساکہ فَيَنْصَرِفُ کی "ف"سے معلوم ہورہاہے اورمرد دعا کے بعد جاتے تھے تاکہ عورتوں اورمردوں کا اختلاط نہ ہو۔خیال رہے کہ حضرت عمر فاروق نے عورتوں کو مسجد سے روک دیا حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی تائید کی اور فرمایا کہ اگر حضور انور بھی آج کے حالات دیکھتے تو عورتوں کو مسجد سے روک دیتے افسوس ان لوگوں پر جو اس دور میں اپنی عورتوں کو بے پردہ سینما اور بازاروں میں بھیجیں۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے ا۔وہ حضرت انس سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اورزید ابن ثابت نے سحری کھائی جب سحری سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف اٹھے اورنماز پڑھ لی ہم نے حضرت انس سے کہا کہ ان بزرگوں کے سحری سے فراغت

	اور نماز کی مشغولیت میں کتنا فاصلہ تھا فرمایا اس قدر کہ کوئی شخص پچاس آیتیں پڑھ لے۲؎(بخاری)

۱؎ آپ مشہور تابعین میں سے ہیں،بہترین حافظ ومفسر تھے،مادر زاد نابینا تھے،حافظہ غضب کا پایا تھا،قبیلہ سَدُوس سے تھے،بصرے میں قیام تھے،۱۱۷ھ میں وفات پائی۔آپ سے خواجہ حسن بصری جیسے بزرگوں نے روایت لیں۔

۲؎ یعنی سحری بالکل آخروقت کھائی اور فجر بالکل اول وقت پڑھی۔مرقات نے فرمایا کہ سحری اور نماز فجر میں صرف اتنا فاصلہ حضور انور کی خصوصیات سے ہے کیونکہ آپ دین میں خطاء سے معصوم تھے حضور کو سحری اور نماز کے اوقات کا یقینی علم تھا۔ہمیں صرف اتنے فاصلہ پر فجر جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ ہم وقت کی پہچان میں غلطی کرکے،یا سحری وقت کے بعد کھالیں،یا نماز وقت سے پہلے پڑھ لیں۔خیال رہے کہ فجر جلدی پڑھنے کی عملی احادیث ہیں لیکن قولی حدیث ایک بھی نہیں مگر دیر سے فجر پڑھنے کی قولی حدیثیں بہت موجود ہیں،لہذا مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے حکام مسلط ہوں گے جو نمازوں کو فوت کردیا کریں گے یا ان کے وقتوں سے پیچھے کردیا کریں گے ۱؎ میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھ لیا کرنا اگر ان کے ساتھ بھی پالو تو پھر پڑھ لینا،کہ وہ تمہارے نفل ہوں گے۲؎(مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے حضور کو علوم غیبیہ بخشے۔دیکھو حضور نے اس جگہ ابوذرغفاری کی درازی عمر کی بھی خبر دی اور آیندہ لاپرواہ حکام کے تسلط کی بھی،یعنی اے ابوذر!خلفائے راشدین کے بعد تم زندہ رہو گے اور ایسے بے پرواہ اور ظالم حکام کا زمانہ پاؤ گے کہ تم انہیں نماز بھی صحیح وقت پر نہ پڑھوا سکو گے۔

۲؎ اس جملے سے بہت سے فقہی مسائل معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت کے لالچ میں نماز وقت مستحب سے نہ ہٹائی جائے بلکہ اکیلے پڑھ لی جائے۔دوسرے یہ کہ اگر حاکم صحیح وقت جماعت نہ ہونے دے تو مسجد میں یا گھر میں اپنی نماز علیحدہ پڑھ لے جیسا کہ آج حاجیوں کو نجدی حکام کی وجہ سے پیش آتا ہے۔تیسرے یہ کہ اگر ظالم حاکم کے سامنے مجبورًا کلمۂ حق نہ کہہ سکے تو گنہگار نہیں۔چوتھے یہ کہ نماز پڑھ چکنے کے بعد اگر جماعت ملے تو بہ نیت نفل اس میں شریک ہوجائے مگر یہ حکم صرف ظہر وعشاء میں ہے کیونکہ فجر وعصر کے بعد نفل مکروہ ہیں اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں۔پانچویں یہ کہ اگر ظالم حاکم کے ساتھ نماز نہ پڑھنے میں ایذاء اور تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو مجبورًا ان کے پیچھے نماز پڑھ لے مگر نماز لوٹالے جیسا کہ آجکل اہلِ سنت کو حرمین شریفین میں پیش آتا ہے۔چھٹے یہ کہ نفل والے کی نماز فرض والے کے پیچھے جائز ہے۔ساتویں یہ کہ اگر بادشاہ کا مقرر کردہ امام بدمذہب ہو اور کوئی سچا مسلمان ان کی جماعت کے وقت وہاں پھنس جائے تو معذوری کی حالت میں یہی کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوسورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے اس نے فجر پالی اورجو سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے اس نے عصر پالی[1] (مسلم،بخاری)

[1] یعنی اگرنماز فجر کے دوران میں سورج نکل آئے یاعصر کی نماز پڑھتے ہوئے آفتاب غروب ہوجائے تونماز ہوگئی۔اس کی تحقیق اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے وہ اپنی نماز پوری کرلے اورجب سورج چمکنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے تو اپنی نماز پوری کرے[1] (مسلم،بخاری)

[1] کیونکہ اس نے نماز کاوقت پالیا اوراس کی یہ نمازاداہوگی نہ کہ قضاء۔خیال رہے کہ اس بارے میں احادیث متعارض ہیں۔اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ طلوع وغروب کے وقت نماز صحیح ہے مگر دوسری روایت میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وقتوں میں نمازپڑھنے سے سخت منع فرمایا،لہذا قیاس شرعی کی ضرورت پڑی جو ان میں سے ایک حدیث کو ترجیح دے۔قیاس نے حکم دیا کہ اس صورت میں عصر درست ہوگی اورفجر فاسد ہوجائے گی کیونکہ عصر میں آفتاب ڈوبنے سے پہلے وقت مکروہ بھی آتا ہے یعنی سورج کا پیلا پڑنا،لہذایہ شروع بھی ناقص ہوئی اورختم بھی ناقص،لیکن فجر میں آخر تک وقت کامل ہے اس صورت میں نمازشروع تو کامل ہوئی اورختم ناقص،لہذاعصر میں اس حدیث پر عمل ہے اورفجرمیں ممانعت کی حدیث پر۔اس کی زیادہ تحقیق ہماری کتاب "**جاءالحق**"حصہ دوم میں دیکھو۔غرضکہ سورج نکلتے وقت کوئی نماز درست نہیں،اورسورج ڈوبتے وقت اس دن کی عصرجائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جونماز بھول جائے یااس سے غافل ہوکرسوجائے[1] تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے ایک روایت میں ہے اس کاکفارہ اس کے سواءاورکچھ نہیں[2] (مسلم،بخاری)

[1] اس طرح کہ یونہی لیٹا سونے کا ارادہ نہ تھا کہ آنکھ لگ گئی وقت نماز گزرجانے پرآنکھ کھلی تومعذورہے،لیکن اگرجان بوجھ کربغیرنمازپڑھے سوگیایارات کوبلاعذردیرسے سویاجس سے فجر کے وقت آنکھ نہ کھلی تومجرم ہے۔رب تعالٰی نیت وارادہ کوجانتاہے،اسی لئے بعدنمازعشاء جلدسوجانے کا حکم ہے لہذا اس حدیث سے آج کل کے فاسق نمازسے بے پرواہ دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۲؎ یعنی جیسے روزہ رہ جانے میں کبھی کفارہ پڑ جاتا ہے اور جیسے کبھی ارکان حج چھوٹ جانے پر کفارہ لازم آتا ہے ایسے نماز میں نہ ہوگا اس میں صرف قضاء ہے۔اِذَا ذَکَرَ سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ چھوٹی ہوئی نماز اگر قطعًا یاد ہی نہ آئے تو آدمی گنہگار نہیں۔دوسرے یہ کہ یاد آجانے پر دیر نہ لگائے فورًا قضا ادا کرے اب دیر لگانا گناہ ہے کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تمام عبادات کا یہی حال ہے۔خیال رہے کہ یہاں صرف ذکر اور یاد آجانے کا تذکرہ فرمایا یہ بیداری کا ذکر نہ ہوا کیونکہ قضاء یاد آنے سے واجب ہوتی ہے نہ کہ محض جاگنے سے اگر جاگنے پر یاد نہ آئے قضا نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سوجانے میں کوتاہی (قصور) نہیں کوتاہی صرف بیداری میں ہے ۱؎ تو جب کوئی نماز بھول جائے یا اس سے غافل ہوکر سوجائے جب یاد آئے تو پڑھ لے چونکہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ میری یاد کے وقت نماز قائم کرو ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی اگر نماز کے وقت اتفاقًا آنکھ نہ کھلے اور نماز قضا ہوجائے تو گناہ نہیں۔گناہ اس میں ہے کہ انسان جاگتا رہے اور دانستہ نماز قضاء کردے۔خیال رہے کہ اگر وقت پر آنکھ نہ کھلنا اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہو تو گناہ ہے جیسے رات کو بلاوجہ دیر میں سونا جس سے دن چڑھے آنکھ کھلے یقینًا جرم ہے۔

۲؎ یعنی جب میں یاد آؤں تو نماز پڑھو اس آیت کی اور بہت تفسیریں ہیں۔بہت پیاری اور قوی تفسیر وہی ہے جو خود حضور فرمائیں۔خیال رہے کہ یہاں یہ نہ فرمایا کہ جب نماز یاد آجائے تو پڑھو بلکہ فرمایا جب میں یاد آؤں تو پڑھو،کہ معلوم ہوا کہ خدا کو یاد رکھنے والا نماز نہیں بھول سکتا اور نماز پابندی کرنے والا ان شاءاللہ خدا سے غافل نہیں ہوسکتا۔اس آیت کی اور بہت سی تفسیریں ہماری تفسیر "نورالعرفان" میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ نماز جب آجائے ۱؎ اور جنازہ جب تیار ہوجائے اور لڑکی جب اس کا ہم قوم مل جائے ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی جب نماز کا وقت مستحب آجائے تو دیر مت لگاؤ،لہذا یہ حدیث نہ تو حنفیوں کے خلاف ہے نہ شوافع کی تائید،نہ دوسری احادیث سے متعارض کیونکہ عشاء سب کے نزدیک دیر سے ہی پڑھنا چاہیے۔

۲؎ اَیِّم اصل میں اَیْوَمْ تھا واؤ،ی ہوکر ی میں مدغم ہوگیا۔اَیِّم بے خاوند والی بالغہ عورت کو کہتے ہیں کنواری ہو یا بیوہ،یعنی جب لڑکی کے لئے مناسب رشتہ مل جائے تو بلاوجہ دیر مت لگاؤ کہ اس میں ہزار ہا فتنہ ہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر

وقت مکروہ میں جنازہ آئے تب بھی اس پر نماز پڑھ لیجائے یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔ممنوع یہ ہے کہ جنازہ پہلے تیار ہو مگر نماز وقت مکروہ میں پڑھی جائے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور نے سورج نکلتے،ڈوبتے اور بیچ دوپہری میں نماز جنازہ سے منع فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اول وقت میں اللہ کی خوشنودی ہے اور آخر وقت میں اللہ کی معافی [1](ترمذی)	

[1] اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے اور آخر وقت سے وقت مکروہ مراد ہے،یعنی وقت مستحب شروع ہوتے ہی نماز پڑھ لینا رضاالٰہی کا سبب ہے اور وقت مکروہ میں نماز پڑھنا تو چاہیئے یہ تھا کہ سخت گناہ ہو اور نماز قضا مانی جائے مگر رب نے معافی دیدی۔ہماری اس تفسیر سے یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ عشاء دیر سے پڑھو۔

روایت ہے حضرت ام فروہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا عمل بہتر ہے فرمایا اول وقت نماز پڑھنا[1](احمد و ترمذی،ابوداؤد)ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صرف عبداللہ ابن عمر عمری سے مروی ہے اور وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں [2]	

[1] یعنی وقت مستحب کے اول نماز پڑھنا جیسا کہ بارہا عرض کیا جاچکا۔خیال رہے کہ بیان فضیلت میں حدیثیں مختلف ہیں۔بعض میں ہے کہ افضل عمل جہاد ہے،بعض میں ہے کہ بہترین عمل ماں باپ کی خدمت،مگر ان میں تعارض نہیں،کیونکہ مطلقًا افضلیت اول وقت نماز پڑھنے میں ہے،لیکن بعض ہنگامی حالات میں جہاد یا خدمت والدین افضل ہوجاتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مختلف جوابات پوچھنے والوں کے لحاظ سے ہوں،کسی سے فرمایا کہ تیرے لئے جہاد افضل،کسی سے فرمایا تیرے لئے ماں باپ کی خدمت افضل،طبیب کا نسخہ مریض کی حالت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

[2] ان کا نام عبداللہ ابن عمر ابن حفص ابن عاصم ابن عمر ابن خطاب ہے،بڑے عابد و زاہد،پرہیزگار تھے مگر حافظہ کسی قدر کمزور تھا،۱۷۱ھ میں وفات ہوئی۔ان کے بھائی عبید اللہ ابن عمر بڑے ثقہ راوی تھے۔خیال رہے کہ یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے،اس لئے حسن لغیرہ ہے(مرقاۃ و اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اس کے آخر وقت میں دوبار بھی نہ پڑھی حتی کہ رب نے آپ کو وفات دی [1](مرقاۃ)	

[1] یہ حدیث بہت مشکل ہے،کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دفعہ بہت نمازیں آخر وقت میں پڑھیں،کیونکہ جبریل امین نے دوسرے دن ساری نمازیں حضور کو آخر وقت میں پڑھائیں،پھر کئی دفعہ خود حضور نے نماز کے اوقات بتانے کے لئے صحابۂ کرام کو ایک دن اول وقت نمازیں پڑھائیں،ایک دن آخر وقت میں،غزوۂ خندق میں پانچ نمازیں قضاء کرکے پڑھیں،تعریس کی رات

فجر کی نماز قضاء کرکے پڑھی،ایک دفعہ فجر کے بالکل آخر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی،بہت جلدی میں نماز ادا کی اور فرمایا کہ میں نے رب کو خواب میں دیکھا اس سے ہمکلامی میں مشغول تھا الخ۔لہذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔یا تو یہ سارے واقعات ام المؤمنین کے علم میں نہ آئے یا سیکھنے سکھانے کے واقعات کا آپ کا ذکر نہیں فرمارہی ہیں یا مطلب یہ ہے کہ میرے نکاح میں آنے کے بعد میرے گھر میں حضور نے کوئی نماز آخر وقت نہ پڑھی،نیز یہ حدیث قوی بھی نہیں ہے۔چنانچہ ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں۔محدث میرک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تامّل ہے۔

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت بھلائی پر یافرمایا فطرت پر رہیگی[1] جب تک مغرب کو تاروں کے گتھ جانے تک پیچھے نہ کریں[2] (ابوداؤد)	

[1] فطرت سے مراد اسلام ہے،یا سنت انبیاء،یا اسلام کی دائمی سنت۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ مغرب میں اتنی تاخیر مکروہ ہے جب تارے خوب چمک جائیں اور سارے تارے ظاہر ہو کر گھنے پڑ جائیں،جیسے روافض کی مغرب کا وقت۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ شفق سفیدی کا نام ہے نہ کہ سرخی کا،سفیدی میں وقت مغرب رہتا ہے کیونکہ تاروں کا گتھنا اور گھنا پڑنا سرخی کے وقت نہیں ہوتا،سفیدی کے وقت ہوتا ہے اس وقت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کا آخری وقت قرار دیا،اسے تاخیر مغرب فرمایا،قضاء نہ فرمایا۔اس سے معلوم ہوا کہ ان شاءاللہ اہل سنت خیر پر ہیں اور رہیں گے کیونکہ یہ مغرب جلدی پڑھتے ہیں۔

دارمی نے حضرت عباس سے روایت کی۔	

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو انہیں حکم دیتا کہ عشاء کو تہائی یا آدھی رات تک پیچھے کریں[1] (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)	

[1] اَوْنِصْفِہٖ میں راوی کو شک ہے کہ حضور نے یا تہائی فرمایا یا آدھا،یہ حدیث ان احادیث کی شرح ہے جن میں اول وقت نماز پڑھنے کی ترغیب ہے،اس حدیث نے بتایا کہ وہاں اول وقت سے اول وقتِ مستحب مراد تھا۔مطلب یہ ہے کہ اگر امت پر گرانی کا خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی اتنی تاخیر کو فرض قراردے دیتا کہ اس سے پہلے عشاء جائز ہی نہ ہوتی،اب یہ تاخیر سنت تو ہے فرض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذنِ الٰہی احکام شرعیہ کے مالک ومختار ہیں کہ بحکمِ پروردگار جو چاہیں فرض کریں جو چاہیں فرض نہ کریں۔اس کے لئے ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰے" دیکھو۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور امت پر ایسے رحیم وکریم ہیں کہ عبادات میں بھی امت کی راحت کا خیال رکھتے ہیں۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس نماز کو دیر سے پڑھاکروکیونکہ تم کو اس کی وجہ سے ساری امتوں پر بزرگی دی گئی کہ تم سے پہلے یہ نماز کسی امت نے نہ پڑھی[1](ابوداؤد)	

[1]یعنی چونکہ نمازعشاء تم ہی کو ملی ہے اس لئے اسے دیر میں پڑھاکروتاکہ تمہیں انتظارِ نماز کا ثواب ملے اور اس کے بعد زیادہ باتوں کا وقت نہ رہے فورًا سوجایاکرو۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کی امت ساری امتوں سے افضل ہے۔اس فضیلت کی بہت سی وجوہ ہیں:جن میں سے ایک عشاء کا ملنا بھی ہے۔خیال رہے کہ نمازعشاء ہم سے پہلے کسی امت پر فرض نہ تھی،ہاں بعض نبی بطور نفل اسے پڑھتے رہے ہیں،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں جبریل نے عرض کیا تھاکہ یہ اوقات آپ کے اور آپ سے پہلے انبیاء کی نمازوں کے وقت ہیں اور نہ اس روایت کے خلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے وادی سینا سے آکر اپنی بیوی"صفوراء"کو بخیریت پاکر نمازعشاء پڑھی۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرمایا کہ میں اس نمازیعنی آخری عشاء کے نماز کاوقت خوب جانتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز تیسری شب کے چاند ڈوب جانے پر پڑھا کرتے تھے[1](ابوداؤد،دارمی)	

[1]یہ وقت سردیوں میں تقریبًاساڑھے نوبجے شب بنتا ہے جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوا۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر روشنی میں پڑھوکیونکہ اس کا ثواب بڑا ہے[1](ترمذی،ابوداؤد،دارمی)[2] اورنسائی کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ اس کا ثواب بڑا ہے۔	

[1]یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ فجراجیالے میں پڑھنی چاہیئے۔خیال رہے کہ تاریکی میں فجر پڑھنے کی عملی حدیثیں توہیں مگرقولی حدیث کوئی نہیں۔ان احادیث میں احتمال ہے کہ شاید مسجد کی تاریکی ہوتی ہو نہ کہ وقت کی مگراس حدیث میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی،اسی لئے صحابہ کرام فجراجیالے میں پڑھتے تھے،جیسا کہ بہت احادیث سے ثابت ہے۔ہم نے وہ احادیث اپنی کتاب "**جاءالحق**"حصہ دوم میں جمع کی ہیں۔اس حدیث کی تائیددوچیزوں سے ہوتی ہے:ایک یہ کہ مسلم،بخاری نے سیدنا ابن مسعود سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں فجر کی نمازروزانہ کے وقت سے پہلے پڑھی تو اگرحضور روز پوپھٹتے ہی فجر پڑھتے ہوتے تو آج مزدلفہ میں کس وقت پڑھی؟کیا وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھ لی؟لہذااس حدیث کا یہی مطلب ہوگا کہ روزانہ اجالے میں پڑھتے تھے آج اندھیرے میں پڑھی،یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔دوسرے یہ کہ

نماز فجر بہت چیزوں میں نماز مغرب کے حکم میں ہے،مغرب میں اجالا سنت ہے تو یہاں بھی اجالا ہی چاہئے،ہاں وہاں اجالا اول وقت ہوتا ہے،فجر میں آخر وقت۔اس کی پوری بحث "جاء الحق"میں دیکھو۔
۲؎ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے،نیز یہ حدیث ابن ماجہ،بیہقی،ابوداؤد،طیالسی اور طبرانی میں بھی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے پھراونٹ ذبح کیاجاتاپھراس کے دس حصے کئے جاتے پھرپکایاجاتا ہم سورج ڈوبنے سے پہلے بھنا گوشت کھالیتے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ تجربہ شاہد ہے کہ اہلِ عرب جانورذبح کرنے اورگوشت بنانے میں بہت تیز وماہرہیں۔فقیر نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔تو دومثل کے بعدعصر پڑھ کر یہ سارے کام بخوبی ہوسکتے ہیں،خصوصًا گرمیوں میں کہ اس زمانہ میں وقت عصرقریبًا دوگھنٹہ ہوتا ہے،لہذا اس حدیث سے ایک مثل پرعصر پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہوتا،نیز جوان اونٹ کا گوشت جلدی گلتا ہے،اور بعض ماہر پکانے والے جلدی گلا لیتے ہیں،پاکستانی قصائی اور باورچی اتنے کام سارے دن میں نہیں کرسکتے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات آخری عشاء کی نماز کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے ہوئے بہت بیٹھے ۱؎آپ تب تشریف لائے جب تہائی رات گزر گئی یا اس کے بھی بعدہمیں خبرنہیں کہ حضور کوکسی کام نے اپنے گھرمیں روک رکھایاکچھ اورسبب تھا۲؎جب تشریف لائے تو فرمایا کہ تم ایسی نماز کا انتظار کررہے ہوجس کا تمہارے سوا کوئی دین والا انتظار نہیں کررہا ہے۳؎اگرمیری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں ان کو یہ نماز اس ہی وقت پڑھایاکرتا۴؎پھر مؤذن کو حکم دیا انہوں نے نماز کی تکبیر کہی اورنماز پڑھی۔(مسلم)	

۱؎خیال رہے کہ نماز پڑھنا بھی عبادت اورنماز کا انتظار بھی،خصوصًا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنا بہترین عبادت ہے۔اس سے صحابہ کا ادب معلوم ہوا کہ وہ حضرات کبھی حضور کو نہ پکار کر بلاتے تھے نہ نمازیوں کے جمع ہوجانے کی خبردیتے تھے،وہ سمجھتے

تھے کہ خیبر کو خبر دینا کیا،نیز قرآن کریم نے پکار کر بلانے والوں کو بے عقل قرار دیا فرمایا ہے:" اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ"الخ۔صحابہ کرام حضور کو نماز کے لئے جگاتے بھی نہ تھے۔

۲؎ کیونکہ نہ حضور نے دیر کی وجہ بتائی اور نہ بے ادبی کے خوف سے ہم نے پوچھی۔اس سے معلوم ہوا کہ مرید مرشد سے ہربات پوچھا نہ کرے صبر سے کام لیا کرے۔خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تم میرے کسی عمل پر سوال مت کرنا۔

۳؎ یعنی تمہارا یہ انتظار بھی عبادت ہے اور اس انتظار میں اب تک جاگنا،مسجد میں بیٹھنا،مشقت اٹھانا سب عبادت،اتنی عبادات کا مجموعہ کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔اس حدیث کی بناء پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ عشاء عصر سے بھی افضل ہے۔

۴؎ معلوم ہورہاہے کہ بمقابلہ اور دن کے آج عشاء زیادہ دیر میں پڑھی گئی تھی،نماز پڑھانے سے مراد ان کو اس وقت پڑھنے کا حکم دیناہے۔

	روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں تمہاری ہی نمازوں کی طرح پڑھتے تھے ۲؎ لیکن عشاء کی نماز تمہاری نماز سے کچھ دیر میں پڑھتے تھے ۳؎ اور نماز ہلکی پڑھتے تھے ۴؎ (مسلم)

۱؎ آپ خود بھی صحابی ہیں،والد بھی صحابی،حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھانجے ہیں،کوفہ میں قیام رہا، ۶۴ھ یا ۶۶ھ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ تابعین سے خطاب ہے،یہ حضرات آپ سے حضور کی نماز کے اوقات پوچھتے تھے تو آپ یہ جواب دیتے تھے کہ تم نمازیں صحیح وقت پر پڑھ رہے ہو حضور بھی ان ہی اوقات میں پڑھتے تھے۔

۳؎ خیال رہے کہ عشاء کو عتمہ کہنا منع ہے۔یا تو حضرت جابر کو اس ممانعت کا علم نہیں ہوا یا وہ لوگ عشاء کا مطلب سمجھتے نہ تھے،عتمہ کہنے سے سمجھتے تھے،جیسے پنجاب کے دیہاتی عصر کو دیگر،اور عشاء کو **خفتاں** کہنے سے سمجھتے ہیں۔

۴؎ یعنی جب نماز پڑھاتے تو ہلکی کرتے اپنی اکیلی نماز بہت دراز پڑھتے تھے جیسے تہجد وغیرہ اور یہ بھی اکثری ہے،ورنہ کبھی حضور نے مغرب میں سورۂ اعراف پڑھی ہے مگر کتنی ہی دراز پڑھتے صحابہ کو ہلکی معلوم ہوتی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پس تشریف نہ لائے حتی کہ قریبًا آدھی رات گزرگئی ۱؎ پھر فرمایا اپنی جگہ بیٹھے رہو چنانچہ ہم اپنی جگہ بیٹھے رہے پھر فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے اور اپنے بستروں پر چلے گئے ۲؎ اور تم نماز ہی میں رہے جب تک کہ نماز کا انتظار کرتے رہے اور اگر کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں

	کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر(پیچھے) کردیتا ۳؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ نماز پڑھنے سے مراد پڑھنے کا ارادہ کرنا ہے۔صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ حضور خواہ کتنی ہی دیر میں تشریف لاتے مگر نہ حضور کو نماز کے لئے بلاتے تھے نہ اکیلے پڑھ لیتے اور نہ اپنی جماعت علیحدہ کرلیتے،وہ سمجھتے تھے کہ حضور کے ساتھ قضا علیحدہ اداسے افضل ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی مسجدوں میں عشاءپڑھ لی یاوہ عورتیں،بچے جوگھروں میں اکیلے عشاءپڑھ کرسو گئے،اہل کتاب مراد نہیں کیونکہ ان کے دین میں عشاء تھی ہی نہیں۔

۳؎ شطرلیل سے مراد تقریبًا آدھی رات ہے یعنی تہائی۔اَخَّرْتُ سے معلوم ہوا کہ حضور کو نمازیں آگے پیچھے کرنے کا اختیار دیا گیاہے،آپ بعطاءالٰہی احکام شرعیہ کے مالک ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز کا انتظار مطلقًا عبادت ہے مگر مسجد میں بیٹھ کرانتظار بڑی عبادت،اسی لئے اس حالت میں انگلیوں میں انگلی ڈالنا منع ہے۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ تمہارے ظہر جلدی پڑھتے تھے اورتم عصر حضور سے جلدی پڑھتے ہوا؎(احمدوترمذی)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز وقت شروع ہوتے ہی نہ پڑھے کچھ دیر سے پڑھے۔اگرحضور وقت شروع ہوتے ہی پڑھا کرتے تو یہ حضرات اس سے پہلے کیسے پڑھ سکتے،لہذا یہ حدیث امام اعظم کی تاخیر عصر پر قوی دلیل ہے۔حضرت ام سلمہ ان سے فرمارہی ہیں کہ اگرتم سنت کی اتباع چاہتے ہوتوعصر دیرسے پڑھا کرو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرکے پڑھتے اورجب سردی ہوتی توجلدی پڑھتے ا؎(نسائی)

۱؎ نماز سے مراد ظہر ہے،جمعہ بھی اس میں شامل ہے جیساکہ بخاری شریف میں صراحۃً اس کی روایت ہے،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ ظہراورجمعہ گرمیوں میں دیر سے پڑھے اورظہر کا وقت دومثل سایہ تک رہتا ہے کیونکہ ٹھنڈک ایک مثل کے بعد پیدا ہوتی ہے۔اس حدیث نے ان تمام حدیثوں کابیان کردیا جن میں جلدی ظہر پڑھنے کا ذکرہے،یہ بھی بتادیا کہ صحابہ کرام کاظہر میں گرمی کی وجہ سے کپڑوں پرسجدہ کرنا گرم فرش کی وجہ سے تھانہ کہ گرم وقت کی وجہ سے۔مرقات نے فرمایاکہ یہ حدیث ان احادیث کی ناسخ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا بیان ہے۔

	روایت ہے حضرت عبادہ بن صامت سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم پر ایسے حکام ہوں گے جنہیں کچھ چیزیں وقت پر نماز پڑھنے سے روک دیں گی ا؎یہاں تک کہ ان کے وقت نکل جایا کریں گے تو تم وقت پر نماز پڑھ لیا

کرو۲؎ایک صاحب بولے کہ یارسول اللہ ان کے ساتھ بھی ہم نماز پڑھاکریں فرمایا ہاں۳؎(ابوداؤد)	

۱؎اس میں خطاب صحابہ سے ہے اور اس میں غیبی خبرہے اور یہ خبرہو بہوپوری ہوئی،چنانچہ یزید ابن معاویہ اورحجاج ابن یوسف کے زمانہ میں ایسے حکام مقررہوئے جو نمازوں میں سستی کرتے اور مکروہ وقت میں پڑھتے تھے اوران کے بغیر امام نماز نہ پڑھا سکتے تھے۔یہ ہے حضور کاعلم غیب اب تو حکام کو نماز سے کچھ تعلق ہی نہیں انہوں نے مسجد کا راستہ بھی نہیں دیکھا۔اِلَّامَاشَآءَاللہُ!

۲؎یعنی ان کی وجہ سے تم نمازمکروہ وقت میں نہ پڑھنا بلکہ اپنے گھروں میں یامسجدوں میں اکیلے یا اپنی جماعت الگ کرکے وقت مستحب پر اداکرلیاکرنا۔

۳؎تاکہ ان کے شر سے بچوکیونکہ اگرتم ان کے ساتھ نمازوں میں شامل نہ ہوگے تو وہ تم پربدگمانی کرکے تمہیں ایذاپہنچائیں گے۔

روایت ہے حضرت قبیصہ ابن وقاص سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعد تم پر ایسے حکام ہوں گے جونمازمیں دیرلگایاکریں گے تو وہ تمہارے لئے مفید اوران پروبال ہے ۱؎تم ان کے ساتھ نمازپڑھتے رہنا جب تک وہ کعبے کی طرف نمازپڑھیں۲؎(ابوداؤد)	

۱؎اس لئے کہ تم علیحدہ وقت مستحب میں نماز پڑھ چکوگے اوران کے ساتھ بہ نیت نفل شریک ہوکرڈبل ثواب پالو گے اور وہ فرض ہی ان مکروہ اوقات میں پڑھیں گے،لہذا تم نفع میں اور وہ نقصان میں رہیں گے۔اوراگرتم صحیح وقت پر الگ نماز نہ پڑھ سکے ان کے ساتھ ہی پڑھنے پرمجبور ہوئے تومعذوری کی وجہ سے تم گنہگار نہ رہوگے۔

۲؎شرح اکبرمیں ملاعلی قاری نے فرمایا کہ ان جیسے مقامات میں کعبہ کی طرف نمازپڑھنے سے مراد صحیح العقیدہ مسلمان ہوناہے نہ کہ فقط نمازمیں کعبہ کو منہ کرلینا،اس زمانہ میں منافقین اورآج کل مرزائی،چکڑالوی وغیرہ مرتدین سب ہی نماز میں کعبہ کو منہ کرلیتے ہیں حالانکہ ان کی اقتداء میں نمازقطعًا باطل ہے۔جب گندے کپڑے والے کے پیچھے نمازنہیں ہوتی تو گندے عقیدے اورگندے دل والے کے پیچھے نمازکیسے ہوگی؟حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ان حکام کے عقائدخراب نہ ہوں صرف عمل خراب ہوں تب تک ان کے پیچھے نمازپڑھ لو،اسی لئے فقہا فرماتے ہیں کہ فاسق کو امام بناؤ مت لیکن اگربن گیاہوتو اس کے پیچھے نمازپڑھ لواس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔خیال رہے کہ جوفاسق خودنمازمیں کسی حرام کا مرتکب ہورہا ہو تواس کے پیچھے نماز درست نہیں،اگر پڑھ لی تولوٹانا واجب ہے۔پہلے کی مثال جیسے چوروزانی کے پیچھے نماز کے وہ نماز میں یہ حرکتیں نہیں کررہا ہے۔دوسرے کی مثال جیسے داڑھی منڈے،ریشمیں یاطلائی کپڑے پہنے ہوئے یاشراب کے نشے میں مست کے پیچھے نماز،لہذا فقہاء کے فتاوے میں اختلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت عبیداللہ ابن عدی ابن خیار سے ۱؎کہ	

	وہ حضرت عثمان کے پاس گئے جب کہ آپ محاصرہ میں تھے۲؎ عرض کیا کہ آپ عام لوگوں کے امام ہیں اورآپ پر وہ بلا اتری ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور ہم کو فتنے کا امام نمازپڑھا رہاہے۳؎ ہم اس میں حرج سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نمازانسان کے سارے اعمال سے بہترہے تو جب لوگ بھلائی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ بھلائی کرو۴؎ اورجب برائی کریں تو تم ان کی برائی سے بچو(بخاری)

۱؎ آپ عظیم الشان تابعی ہیں،قرشی ہیں،زہری یا نوفلی ہیں،حضور کے زمانہ میں پیداہوچکے تھےمگرآپ کے ہوش سنبھالنے سے پہلے حضور کی وفات ہوگئی۔

۲؎ مصر کے باغیوں نے آپ کو خلافت سے معزول کرنے یاشہیدکرنے کے ارادہ سے آپ کا گھر اس طرح گھیرلیاتھا کہ آپ کئی وقت نماز کے لئے مسجد نبوی میں نہ آسکے،اور آپ کے گھر میں پانی کا ایک قطرہ نہ جاسکا،آپ کی شہادت کا یہ واقعہ بہت دراز ہے،کچھ "**کتاب المناقب**"میں بیان کیاجائے گا۔ان شاءاللہ حضرت عبیداللہ کسی صورت سے آپ کے پاس گھرمیں پہنچ گئے۔

۳؎ یعنی خلیفۃ المسلمین تو آپ ہیں،نمازپڑھانے کا حق آپ کویاآپ کے مقررکردہ امام کوتھامگراب باغیوں نے مسجدنبوی شریف میں اپنا امام مقررکردیاہے ہم اس کے پیچھے نمازپڑھیں یا نہ،باغیوں کے مقرر کردہ امام کانام کنانہ بن بشرتھا۔

۴؎ یعنی نیک کاموں میں ان کے ساتھ ہوجاؤ اورانکی برائیوں میں شریک نہ ہو،نہ ان کو مدددو،نمازنیک عمل ہے ان کے پیچھے پڑھ لو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر بدعقیدہ کی بدعقیدگی کفر تک نہ پہنچی ہو اور وہ امام بن گیا ہوتو اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے،یہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ ہرنیک اورفاجرکے پیچھے نمازپڑھو،یہی فقہاءفرماتے ہیں۔

باب فضائل الصّلوۃ

نمازکے فضائل کاباب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

1 اگرچہ شروع کتاب الصلوۃ میں نماز کے فضائل آچکے ہیں،لیکن وہاں نماز کے فضائل تھے یہاں نماز کے اوقات کے،اسی لئے اس کا الگ باب باندھا اور یہ باب"باب الاوقات"کے بعد رکھا۔

روایت ہے حضرت عمارہ ابن روبیہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص آگ میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے کی نمازیں پڑھتا رہے یعنی فجر اور عصر[1](مسلم)	

1 اس کے دومطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ فجروعصرکی پابندی کرنے والا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہ جائے گا،اگر گیا تو عارضی طورپر،لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ بعض لوگ قیامت میں نمازیں لے کر آئیں گے مگر ان کی نمازیں اہل حق کو دلوادی جائیں گی۔دوسرے یہ کہ فجروعصر کی پابندی کرنے والوں کو ان شاءاللہ باقی نمازوں کی بھی توفیق ملے گی اورسارے گناہوں سے بچنے کی بھی کیونکہ یہی نمازیں زیادہ بھاری ہیں جب ان پر پابندی کرلی تو ان شاءاللہ بقیہ نمازوں پر بھی پابندی کرے گا،لہٰذااس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ نجات کے لئے صرف یہ دونمازیں ہی کافی ہیں باقی کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ ان دونمازوں میں دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں،نیز یہ دن کے کناروں کی نماز یں ہیں،نیز یہ دونوں نفس پر گراں ہیں کہ صبح سونے کا وقت ہے اورعصرکاروبارکے فروغ کا،لہٰذا ان کا درجہ زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جودوٹھنڈی نمازیں پڑھا کرے جنت میں جائے گا[1](مسلم،بخاری)	

1 ٹھنڈی نمازوں سے مرادیافجروعشاءہے یا فجروعصرباقی تفسیر ابھی گزرچکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں رات اور دن کےفرشتے باری باری سے آتے ہیں اورفجراور عصرکی نمازوں میں جمع ہوجاتے ہیں[1]پھرجوتم میں رات گزاریں	

وہ چڑھ جاتے ہیں۲؎ ان سے ان کا رب پوچھتاہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتاہے کہ تم نے میرے بندوں کوکس حال میں چھوڑا۳؎ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نمازپڑھتے چھوڑا اورجب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی وہ نمازپڑھ رہے تھے۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہاں فرشتوں سے مرادیاتو اعمال لکھنے والے دو فرشتے ہیں یا انسان کی حفاظت کرنے والے ساٹھ فرشتے۔ہر نابالغ کے ساتھ ساٹھ فرشتے رہتے ہیں اور بالغ کے ساتھ ۶۲،اسی لئے نماز کے سلام اور دیگر سلاموں میں ان کی نیت کی جاتی ہے،ان ملائکہ کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں دن میں اور رات میں مگر فجر وعصرمیں پچھلے فرشتے جانے نہیں پاتے کہ اگلے ڈیوٹی والے آجاتے ہیں تاکہ ہماری ابتداءوانتہا کے گواہ زیادہ ہوں۔

۲؎ اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف جہاں ان کا مقام ہے۔

۳؎ یہ سوال یا تو ان فرشتوں کوگواہ بنانے کے لئے ہے یانمازوں کی عظمت ان کے دلوں میں قائم کرنے کے لئے کیونکہ انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کہاتھا کہ اے رب تو فسادی اورخون ریزیاں کرنے والوں کو خلافت کیوں دے رہا ہے؟معلوم ہوا کہ پوچھنا بے علمی کی دلیل نہیں اگرحضور نے کسی سے کوئی بات پوچھی تو اس سے آپ کی بے علمی ثابت نہیں ہوتی۔

۴؎ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ فرشتے نمازیوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں کہ آس پاس کی نیکیوں کاذکراور درمیان کے گناہوں سے خاموشی یا یہ مطلب ہے کہ اے مولاجن بندوں کی ابتداءاورانتہا ایسی اعلی ہوان کے درمیانی اعمال بھی اچھے ہوں گے،جس دکان کی بونی اچھی ہو اس میں ہمیشہ برکت ہی رہتی ہے۔

روایت ہے حضرت جندب قسری سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوفجر کی نماز پڑھ لے وہ اللہ کی امان میں ہے۱؎ لہذا تم سے اللہ اپنی امان کے بارے میں کچھ مواخذہ نہ کرے۲؎ کیونکہ اللہ تعالٰی جب کسی سے اپنے عہد کا مواخذہ کرے گا تو اسے پکڑلے گا پھر اسے اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا(مسلم)اور مصابیح کے بعض نسخوں میں بجائے قسری کے قشیری ہے۔	

۱؎ یعنی فجر کی نماز پڑھنے والااللہ کی امان میں ایساہوتاہے جیسے ڈیوٹی کا سپاہی حکومت کی امان میں کہ اس کی بے حرمتی حکومت کامقابلہ ہے۔خیال رہے کہ کلمہ کی امان اورقسم کی ہے اورنماز کی امان اورقسم کی،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۲؎ یعنی ایسا نہ ہوکہ تم نمازی کوستاؤ اورقیامت میں سلطنت الہیہ کے باغی بن کرپکڑے جاؤ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرلوگ جان لیں کہ اذان اورپہلی صف میں کیا ثواب ہے ۱؎ پھربغیر قرعہ ڈالے اسے نہ پاسکیں تو قرعہ ہی ڈالیں ۲؎ اوراگر جانتے کہ دوپہری کی نمازمیں کیاثواب ہے تو اس کی طرف دوڑکر آتے ۳؎ اوراگرجانتے کہ عشاءاورفجر میں کیا ثواب ہے تو ان میں گھسٹتے ہوئے بھی پہنچتے ۴؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اگرچہ ہم نے ان دونوں کے فضائل بہت بیان کردیئے،لیکن اس کے باوجودکما حقہ بیان نہیں ہوسکے،وہ تو دیکھ کرہی معلوم ہوں گے پتہ لگا کہ فی سبیل اللہ اذان وتکبیر کہنا اورنماز کی صف اول میں،خصوصًا امام کے پیچھے کھڑا ہونا بہت بہتر ہے جس کی بزرگی بیان نہیں ہوسکتی۔

۲؎ یعنی ہر شخص چاہے کہ یہ دونوں کام میں کروں تو ان میں جھگڑا پیدا ہو جس کا فیصلہ قرعہ سے ہو۔معلوم ہوا کہ نیکیوں میں جھگڑنا بھی عبادت ہے اورقرعہ سے جھگڑاچکانامحبوب۔

۳؎ یعنی ظہروجمعہ کی نمازاگرچہ دیرمیں ہو مگر اس کے لئے جلدی پہنچنا کہ پہلی صفوں میں جگہ ملے بہت بہتر ہے،مدینہ پاک میں نمازظہرکے لئے لوگ گیارہ بجے سے پہنچ جاتے ہیں خصوصًا جمعہ کے دن۔

۴؎ یعنی اگرپاؤں میں چلنے کی طاقت نہ ہوتی توچوتڑوں کے بل پہنچتے۔اس سے معلوم ہوا کہ معذور پراگرچہ مسجد کی حاضری واجب نہیں لیکن اگرپہنچ جائے تو ثواب پائے گا۔عشاء کو عتمہ فرمانا ممانعت سے پہلے ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منافقوں پرفجراورعشاءسے زیادہ کوئی نمازبھاری نہیں ۱؎ اور اگرجانتے کہ ان دونوں میں کیا ثواب ہے تو گھسٹ کربھی ان میں پہنچتے۔(مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ منافق صرف دکھلاوے کے لئے نمازپڑھتے ہیں اور وقتوں میں تو خیر جیسے تیسے پڑھ لیتے ہیں مگر عشاء کے وقت نیند کا غلبہ،فجر کے وقت نیند کی لذت انہیں مست کردیتی ہے۔اخلاص وعشق تمام مشکلوں کو حل کرتے ہیں وہ ان میں ہے نہیں،لہذایہ دونمازیں انہیں بہت گراں ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جومسلمان ان دونمازوں میں سستی کرے وہ منافقوں کے سے کام کرتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جونمازعشاء جماعت سے پڑھے توگویا وہ آدھی رات عبادت میں کھڑا رہا اورجوفجر جماعت میں پڑھے توگویا اس نے ساری رات نماز پڑھی ۱؎(مسلم)

۱؎اس کے دومطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ عشاء کی باجماعت نماز کا ثواب آدھی رات کی عبادت کے برابر ہے اور فجر کی باجماعت نماز کا ثواب باقی آدھی رات کی عبادت کے برابر،توجو یہ دونوں نمازیں جماعت سے پڑھ لے اسے ساری رات عبادت کا ثواب۔دوسرے یہ کہ عشاء کی جماعت کا ثواب آدھی رات کے برابر ہے اور فجر کی جماعت کا ثواب ساری رات عبارت کے برابر کیونکہ یہ جماعت عشاء کی جماعت سے زیادہ بھاری ہے،پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔جماعت سے مراد تکبیر اولیٰ پانا ہے جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی لوگ تمہاری مغرب کی نماز کے نام پر غلبہ نہ پاجائیں۔راوی نے فرمایا کہ دیہاتی اسے عشاء کہتے تھے ۱؎	

۱؎عشی سے مشتق،بمعنی وقت رات،اسی لئے رات کے کھانے کو عشاء کہا جاتا ہے،یعنی رات کی پہلی نماز یا رات کے کھانے کے وقت کی نماز،چونکہ اس میں دنیوی کام کی طرف نسبت ہے اس لئے اس کو ناپسند فرمایا۔

اور فرمایا کہ دیہاتی لوگ تمہاری نمازِ عشاء کے نام پر غالب نہ آجائیں کیونکہ وہ اللہ کی کتاب میں عشاء ہے ۱؎ اور دیہاتی اونٹ کا دودھ دوھنے کی وجہ سے دیر لگاتے ہیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎کہ قرآن شریف میں ہے "مِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ"۔اس سے معلوم ہوا کہ رب کے دیئے ہوئے نام بدلنا بہت براہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو عیسائیوں کی پیروی میں اپنے کو محمڈن کہتے ہیں،اللہ تعالٰی نے ہمارے دین کا نام "اسلام" رکھا اور ہمارا نام "مسلمین" فرماتا ہے:"هُوَ سَمّٰىكُمُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ"اور فرماتا ہے:"اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ"۔

۲؎یعنی وہ لوگ نماز عشاء کو عتمہ اس لئے کہتے ہیں کہ عَتَمۡ کے معنے ہیں رات کی تیز تاریکی،اور نماز نور ہے نور کو تاریکی کہنا براہے،نیز وہ لوگ اس وقت اپنی اونٹیاں دوھتے تھے،تو اس کے معنی ہوئے اونٹ دوھنے کے وقت کی نماز،اس میں بھی عبادت کو عادت کی طرف نسبت ہے لہذا ممنوع۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا ۱؎ انہوں نے ہمیں بیچ کی نماز یعنی نماز عصر سے روک دیا خدا ان کے گھر اور قبریں آگ سے بھردے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎اس کا نام غزوۂ احزاب ہے۔چونکہ اس جہاد میں حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے اس کے آس پاس خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس کا نام غزوۂ خندق ہوا۔مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا،مگر امام بخاری کی تحقیق میں ۴ھ میں،اس خندق کے کھودنے میں پندرہ یا بیس دن صرف ہوئے،اس وقت

قریش،عطفان اوریہود غرض کہ ہر قسم کے کفارنے مل کر مسلمانوں پر چڑھائی کی تھی اس لئے اسے احزاب کہا جاتا ہے،یعنی ہر قسم کے کافروں کا حملہ۔مسلمانوں پراس وقت بہت تنگی تھی،بڑی محنت سے بھوکے پیاسے رہ کر خندق کھودی حتی کہ بعض دنوں میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے نمازیں قضا ہوگئیں۔

۲یعنی انکے حملے کی وجہ سے ہمیں خندق کھودنا پڑی جس میں مشغولیت کی وجہ سے ہماری نمازیں خصوصًا نماز عصر قضاء ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ "صلوۃ وسطی"جس کی قرآن شریف میں بہت تاکید ہے نماز عصر ہے،اکثر آئمہ کا یہی قول ہے،ہمارے امام اعظم بھی یہی فرماتے ہیں۔خیال رہے کہ غزوۂ احد میں حضور کو جسمانی ایذا بہت پہنچی لیکن وہاں کفار کو یہ بددعا نہ دی،یہاں نمازیں قضاء ہونے پر یہ بددعادی۔معلوم ہوا کہ حضور کو نمازیں جان سے پیاری تھیں،نیز اس بددعاسے اظہارغضب وملال مقصودہے حقیقتًا بددعامقصود نہیں،اسی وجہ سے کفارخندق میں سے بعض لوگ بعدمیں ایمان لے آئے،اگربددعامقصود ہوتی تو ان میں سے کسی کو ایمان نصیب نہ ہوتا۔خیال رہے کہ اس غزوہ میں ایک بار صرف عصر کی نماز قضاء ہوئی تھی اورایک بارچار نمازیں،لہذا بخاری وترمذی کی روایتوں میں تعارض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن مسعود اورسمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ کی نماز نمازِعصر ہے ۱(ترمذی)	

۱کیونکہ یہ نمازدن اوررات کی نمازوں کے درمیان ہے،نیز اس وقت دن اوررات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، نیز اس وقت دنیوی کاروبارزیادہ زورپرہوتے ہیں اس لئے اس کی تاکیدزیادہ فرمائی گئی،اکثر صحابہ کا یہی قول ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں راوی کہ فجر کی نماز حاضری کا وقت ہے فرمایا اس میں رات اوردن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۱(ترمذی)	

۱اس کی شرح پہلے گزر چکی۔حدیث کامقصدیہ ہے کہ قرآن کریم میں"**قرآن الفجر**"سے مرادنماز فجر ہے، "**مشھود**"سے مراد دن رات کے فرشتوں کی حاضری کا وقت،یعنی چونکہ فجرکے وقت دوقسم کے فرشتے جمع ہوتے ہیں،لہذا اس کی زیادہ پابندی کرو۔معلوم ہوا کہ جس نماز میں اللہ کے مقبول ہوں وہ نماز زیادہ قبول ہے۔جولوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے مزارکے پاس نماززیادہ افضل ہےاسی لئے بزرگوں کے آستانوں پر مسجدیں بناتے ہیں،ان کا ماخذ یہ آیت ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت زیدبن ثابت سے اورعائشہ صدیقہ	

	سے فرماتے ہیں کہ بیچ والی نمازظہر ہے ۱؎مالک نے زیدسے اورترمذی نے ان دونوں سے تعلیقًاروایت کی۲؎

۱؎ کیونکہ وہ دن کے وسط میں اداہوتی ہے۔غالبًا ان بزرگوں نے لغوی معنے کے لحاظ سے اسے "صلوۃ وسطیٰ" مانا،ان تک گزشتہ حدیث مرفوع نہ پہنچی۔صحابہ کرام کا"صلوۃ وسطیٰ"کے بارے میں بڑا اختلاف ہے،بعض نے فرمایا کہ وہ فجرہے،بعض کے نزدیک ظہر،بعض کے خیال میں مغرب یاعشاء،مگرعصر کے قول کو ترجیح ہے۔

۲؎ بغیراسناد حدیث بیان کرنے کو تعلیق کہتے ہیں،جیسے امام ترمذی فرمائیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ فرمایا۔

	روایت ہے زیدابن ثابت سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازظہردوپہری میں پڑھتے تھے۱؎ اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پہ کوئی نماز اس سے زیادہ دشوار نہ تھی تب یہ آیت اتری کہ ساری نمازوں پرخصوصًادرمیانی نماز پرپابندی کروفرمایا اس سے پہلے دونمازیں ہیں اوراس کے بعد بھی دونمازیں۲؎ (احمدوابوداؤد)

۱؎ یعنی جاڑوں میں اورگرمیوں میں پڑھتے ہوں تو کبھی کبھی بیان جواز کے لئے،کیونکہ گزشتہ احادیث میں گزر چکا کہ حضورسردیوں میں ظہر جلدی پڑھتے تھے اورگرمیوں میں دیرسے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ "نمازوسطیٰ"ظہرکی نمازہے یہ بھی ایک قول ہے،غالبًا حضرت ثابت یہ اپنے اجتہاد سے فرمارہے ہیں یعنی دن اور رات کی ایک ایک نمازظہر سے پہلے ہے عشاءوفجر،اور ایک ایک نمازظہر کے بعدعصرومغرب۔

	روایت ہے حضرت مالک سے انہیں خبر پہنچی کہ حضرت علی ابن ابن طالب اورعبداللہ ابن عباس فرماتے تھے کہ درمیانی نمازفجرکی نمازہے۱؎(مؤطا)

۱؎ ان بزرگوں کے نزدیک وسطی بمعنی افضل ہے جیسے"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا"یعنی چونکہ یہ نمازبہت وجہوں سے باقی نمازوں سے افضل ہے،لہذانمازوسطیٰ یہی ہے۔خیال رہے کہ علی مرتضی خود ہی حضور سے روایت کرچکے ہیں کہ نمازوسطیٰ عصر ہے،یہاں فجر کو وسطی فرمانا دوسرے معنی سے ہے،لہذا آپ کے اس قول پرکوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضرت شیرخدانے پہلے یہ فرمایا ہوپھرگزشتہ حدیث مرفوع سن کر اس سے رجوع کرلیا ہو۔

	اور ترمذی نے حضرت ابن عباس اور ابن عمر سے تعلیقًا روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت سلمان سے فرماتے ہیں کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناکہ جو فجر کی نماز کی طرف گیا وہ ایمان کا جھنڈالے گیا اورجو سویرے ہی بازار کی طرف گیا وہ شیطان کاجھنڈالے گیا[1](ابن ماجہ)	

[1] یعنی انسانوں کے دو ٹولے ہیں:"حزب اللہ"اور"حزب الشیطان"۔ان کی شناخت یہ ہے کہ رحمانی ٹولہ والے دن کی ابتداء نماز اوراللہ کے ذکر سے کرتے ہیں اورشیطانی ٹولہ والے بازارودنیاوی کاروبارسے۔خیال رہے کہ دنیوی کاروبار منع نہیں مگرسویرے اٹھتے ہی نہ خدا کا نام نہ اس کی عبادت بلکہ ان میں لگ جانایہ شیطانی کام ہے۔

باب الاذان

اذان کاباب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اذان کے لغوی معنی اعلان و اطلاع عام ہے۔رب فرماتا ہے:"وَاَذٰنٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ"اور فرماتا ہے:"فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ"۔ شریعت میں خاص الفاظ سے نماز کی اطلاع کا نام اذان ہے۔سب سے پہلی اذان ہے جبریل امین نے معراج کی رات بیت المقدس میں دی جب حضور نے سارے نبیوں کو نماز پڑھائی،مگر مسلمانوں میں ہجرت کے بعد ۱ھ میں شروع ہوئی جس کا واقعہ آگے آرہا ہے۔(درمختار)خیال رہے کہ اذان نماز پنجگانہ اور جمعہ کے سواکسی نماز کے لیے سنت نہیں۔نماز کے علاوہ ۹ جگہ اذان کہنا مستحب ہے:بچے کے کان میں،آگ لگتے وقت،جنگ میں،جنات کے غلبہ کے وقت،غمزدہ اور غصے والے کے کان میں،مسافرجب راستہ بھول جائے،مرگی والے کے پاس،میت کو دفن کرنے کے بعد قبرپر۔(درمختار،و شامی)مرقات میں ہے کہ حضرت علی مرتضٰے فرماتے ہیں ایک دن مجھے حضورنے غمگیں پایافرمایاعلی!اپنے کان میں کسی سے اذان کہلوالو،اذان نماز اسلامی شعار میں سے ہےاگرکوئی قوم اذان چھوڑدے تو ان پرجہادکیاجاسکتاہے۔خیال رہے کہ امام اعظم کے نزدیک اذان وتکبیر یکساں ہیں،تکبیر میں صرف"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ"زیادہ ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ صحابہ نے آگ اورناقوس کا ذکرکیا تو یہود اورعیسائیوں کا ذکرکیا۱؎ تب حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دوبار کہیں اور تکبیرکے ایک ایک بار۲؎اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے یہ ایوب سے ذکرکیا تو انہوں نے فرمایا کہ اقامت کے سواء۳؎(مسلم بخاری)	

۱؎یعنی بعدہجرت نمازکی اطلاع کا کوئی قاعدہ نہ تھا،اندازے سے مسلمان مسجدمیں جمع ہوجاتے اورجماعت ہوجاتی،جب مسلمان زیادہ ہوگئے تو صحابہ نے نماز کے اعلان کی تدابیر سوچیں،بعض نے رائے دی کہ نماز کے وقت آگ جلادی جایا کرےاس پراعتراض ہوا کہ یہ طریقہ یہود کاہے،بعض نے کہاکہ ناقوس(گھنٹا)بجائے جائے اس پراعتراض ہوا کہ یہ طریقہ عیسائیوں کاہے وہ اپنی عبادات کے وقت گھنٹے بجاتے ہیں،اسلامی اعلان ان سے ممتاز چاہیئے۔خیال رہے کہ بعض یہود اپنی عبادت کے اعلان کے لئے سنکھ یا بِگل بجاتے تھے،بعض لوگ آگ جلاتے تھے،یہاں ان کی ایک جماعت کا ذکرہے۔

۲؎یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جوتکبیرکے کلمے ایک ایک بارکہتے ہیں،جیسے شوافع اورموجودہ وہابی مگر ان کی یہ دلیل بہت ضعیف ہے کیونکہ یہاں اذان میں ترجیع کا ذکرنہیں حالانکہ یہ حضرات اذان ترجیع کے قائل ہیں،نیز اس حدیث سے لازم آتا ہے

کہ تکبیر کے سارے کلمے ایک ایک بارہوں حالانکہ یہ حضرات "اللہ اکبر"چار باراور"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ"دوبار کہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہاں اذان اور تکبیر سے شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اعلان واطلاع مراد ہے،یعنی حضور نے اس وقت یہ رائے دی کہ حضرت بلال محلوں میں جاکر بار بار نماز کا اعلان کریں اور پھر جب نمازی مسجد میں جمع ہوجائیں اور جماعت کھڑی ہونے لگے تو اہل مسجد کو جمع کرنے کے لئے ایک بار کہہ دیں کہ اٹھو جماعت تیار ہے،ورنہ شرعی اذان تو عبداللہ ابن زید وغیرہم صحابہ نے خواب میں دیکھی انہوں نے بارگاہ نبوی میں پیش کی تب سب سے پہلے فجر کے وقت دی گئی۔لہذا یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتی۔

۳؎یعنی تکبیر کے سارے کلمات ایک بار کہے جائیں مگر"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ"دوبار۔اب بھی یہ حدیث وہابیوں کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہاں "اِلَّا الْاِقَامَۃَ"ایوب راوی کا اپنا قول ہے حضور کے الفاظ طیبہ نہیں،نیز "اللہ اکبر"چار بار اب بھی نہیں آیا۔

روایت ہے حضرت ابو محذورہ سے ۱؎فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر بنفس نفیس اذان پیش کی فرمایا کہواللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر،اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ،اشھدان محمدا رسول اللہ اشھدان محمدا رسول اللہ،پھر لوٹو تو کہو اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان محمدا رسول اللہ اشھدان محمدا رسول اللہ ۲؎،حی علی الصلوۃ حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح حی علی الفلاح،اللہ اکبر اللہ اکبر،لا الہ الا اللہ ۳؎(مسلم)	

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کا نام سَمُرَہ یا اَوْس،یاسلمان،یا سلمٰی ہے،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔ان کے باقی حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں۔

۲؎اس کا نام ترجیع ہے،یعنی اذان میں شہادتیں پہلے آہستہ دوبار کہنا،پھر بلند آواز سے دوبار کہنایہ شوافع کے ہاں سنت ہے،حنفیوں کے نزدیک نہیں،دلائل ابھی آتے ہیں۔

۳؎یہ حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے کہ اذان میں ترجیع ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں عبداللہ ابن زید کے خواب میں جو فرشتے نے اذان کی تعلیم دی اس میں ترجیع نہ تھی،نیزخود عبداللہ ابن زید نے جب وہ خواب بارگاہ نبوی میں پیش کی اس میں بھی ترجیع نہ تھی،نیزحضرت بلال جوامام المؤذنین ہیں ان کی اذان میں ترجیع منقول نہیں،نیزعبداللہ ابن مکتوم جومسجد نبوی شریف کے نائب مؤذن تھے ان کی اذان میں بھی ترجیع منقول نہیں،نیز حضرت سعدقُرظی مسجد قباء کے مؤذن کی اذان میں بھی ترجیع منقول نہیں۔رہی حدیث ابو محذورہ،ان کی روایت سخت متعارض ہیں،اوران میں اضطراب ہے،اورمضطرب ومتعارض حدیث قابل عمل نہیں۔چنانچہ طبرانی نے انہیں ابومحذورہ سے جواذان نقل کی اس میں ترجیع نہیں۔طحاوی شریف نے ابومحذورہ کی اذان میں دوباراللہ اکبر کا ذکر کیااوریہاں ترجیع کا بھی ذکر ہے،نیزصحابۂ کرام نے ابومحذورہ کی روایت پر عمل نہ کیا،چنانچہ حضرت

علی،حضرت بلال،حضرت ثوبان،حضرت سلمہ ابن اکوع وغیرہم رضی اللہ عنہم اذان وتکبیر کے کلمات دو۲دو۲بار کہتے اور کہلواتے تھے۔عنایہ شرح ہدایہ نے فرمایا کہ حضرت ابومحذورہ کو زمانۂ کفر میں توحیدورسالت سے سخت نفرت تھی،اسلام کے بعدانہیں اذان کا حکم ملا تو یہ شرم کی وجہ سے شہادتین آہستہ کہہ گئے تب حضورنے فرمایا کہ پھرزورسے کہو۔فتح القدیر نے فرمایا کہ حضرت ابومحذورہ شہادتین میں مدچھوڑگئے تھے،اس لئے یہ کلمات دوبارہ کہلوائے گئے۔ہماری تفسیر کی بناءپرحضرت ابومحذورہ کی حدیث میں نہ تعارض ہوگا نہ اضطراب کیونکہ ترجیع والی روایات میں خصوصی واقعہ کا ذکر ہے اور دیگرروایات میں عام حالات کا۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاء الحق**"حصہ دوم میں دیکھو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان دو دو بار تھی اور تکبیر ایک بارسواء اس کے کہ مؤذن کہتا تھا **قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ**۱؎ (ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎ یعنی کلمات اذان دوبارکہے جاتے تھے اوراقامت کے کلمات ایک ایک بار۔خیال رہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہوتو یامنسوخ ہے یا اس کی تاویل واجب۔مخالفین اس سے اپنا مدعا ہرگز ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ وہ اذان کی دونوں شہادتوں میں ترجیع کے قائل ہیں جس سے یہ دونوں کلمے چارچاربارکہے جاتے ہیں۔اور یہاں آیا کہ اذان کے سارے کلمے دو دوبارکہے جاتے تھے،نیز وہ حضرات اقامت میں اولًا تکبیرچاربار اورآخر میں دوبارکہتے ہیں مگر یہاں آیا کہ اقامت کے سارے کلمے ایک ایک بار ہیں،نیز اگرتکبیرکے کلمات ایک ایک بارہوتے تو صحابہ کرام حضورکے بعدیہ عمل چھوڑ نہ دیتے۔بیہقی شریف میں ہے کہ حضرت علی مرتضٰی نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اقامت ایک ایک بارکہہ رہا ہے،آپ ناراض ہوئے اورفرمایا"**اِجْعَلْهَا مَثْنٰى مَثْنٰى لَا اُمَّ لَكَ**"یعنی تیری ماں مرے دو دو بار کہہ،اب دو ہی صورتیں ہیں:یا اس حدیث کو منسوخ مانو جس کی ناسخ اگلی حدیث ہے یا اس میں یہ تاویل کی جائے کہ یہ دائمی عمل نہ تھا بلکہ کبھی کسی عارضہ کی بناءپرہواتھایا اذان اوراقامت کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جیسے پہلے عرض کیاجاچکاہے۔

	روایت ہے حضرت ابومحذورہ سے کہ ان کونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے انیس کلمے سکھائے اور تکبیرسترہ کلمے۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی اورابن ماجہ)

۱؎ حنفیوں کے نزدیک اذان کے پندرہ کلمے ہیں اوراقامت کے سترہ۔یہ حدیث اقامت کے دو۲دو۲بارہونے پر حنفیوں کی قوی دلیل ہے کیونکہ اگر اس کے کلمات ایک ایک بارہوتے تو۱۳کلمے ہوتے نہ کہ سترہ،لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عمر کی

ناسخ ہے۔رہے اذان کے ۱۹ کلمے اس کے متعلق عرض کیاجاچکا ہے کہ یہ حضرت شہادتیں آہستہ پڑھ گئے تھے،اس لئے دوبارہ آواز سے کہلوائے گئے،اس دن ۱۹ کلمے کہے،لہذایہ واقعہ گزشتہ حدیث ابن عمر کے خلاف نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سنت اذان سکھایئے ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضورانور نے ان کے سر کے اگلے حصہ پرہاتھ پھیرا ۲؎ فرمایاکہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر بلند آواز سے پھر کہو "اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ،اشھدان محمدًا رسول اللہ اشھدان محمدًا رسول اللہ"پست آواز سے پھرشہادت سے اپنی آواز اونچی کرو ۳؎ "اشھدان لا الہ الا اللہ اشھدان لا الہ الا اللہ،اشھد ان محمدًا رسول اللہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ،حی علی الصلوۃ حی علی الصلوۃ،حی علی الفلاح حی علی الفلاح"اگر صبح کی نماز ہوتویہ بھی کہہ لو"الصلوۃ خیر من النوم الصلوۃ خیر من النوم ۴؎ ،اللہ اکبر اللہ اکبر،لا الہ الا اللہ"۔(ابوداؤد)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ سنت سے مرادشرعی سنت ہے،لہذا یہ امام اعظم کی دلیل ہے کہ اذان سنت ہے،ہاں چونکہ اشعاردین میں سے ہے،اس لئے اس کے چھوڑ دینے والوں پر جہاد کیاجائیگا۔

۲؎ محبت کی بناءپران کا شوق علم دیکھ کر۔معلوم ہوا کہ حضورکو طالب علم بہت پیارے ہیں۔

۳؎ اس میں وہ تاویل نہیں ہوسکتی جو ہم عرض کرچکے ہیں کہ اتفاقًا ترجیع ہوئی کیونکہ یہاں تو ترجیع کا قانون بتایاجارہا ہے مگر پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت ابومحذورہ کی احادیث مضطرب اورمتعارض ہیں اور عمل صحابہ،خواب کی اذان جو فرشتہ نے سکھائی اورحضرت بلال کی اذان کے خلاف ہے،لہذا قابل عمل نہیں۔(مرقاۃ وغیرہ)

۴؎ یہ داخلی تثویب ہے،یعنی اعلان کے بعداعلان سواءفجر کے کسی اوراذان میں کہنا بدعت سیئہ ہے،ہاں اذان واقامت کے درمیان تثویب متاخرین علماءنے مستحب جانی۔(کتب فقہ و مرقات)اس تثویب کے لئے الفاظ مقرر نہیں،مسلمان جوچاہیں مقررکرلیں۔بعض جگہ "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلُ اللہ"پڑھ دیتے ہیں یہ بھی ٹھیک ہے کہ درود بھی ہے،تثویب بھی۔

روایت ہے حضرت بلال سےفرماتے ہیں کہ مجھ سے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز کے علاوہ کسی نماز میں تثویب نہ کروا ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک ابو اسرائیل راوی قوی	

	نہیں ۲

۱یعنی"اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ"کسی اذان میں نہ کہو،حضرت علی مرتضٰی نے ایک مؤذن کو یہ کہتے سناتو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

۲مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ رافضی تھا،صحابہ کرام خصوصًا حضرت عثمان کا بہت دشمن تھا۔خیال رہے کہ علماءاس داخلی تثویب کومکروہ جانتے ہیں مگر اس ضعیف حدیث کی وجہ سے نہیں بلکہ دیگر صحیح احادیث کی وجہ سے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہواور جب تکبیر کہوتوجلدی جلدی کہو ۱اور اپنی اذان وتکبیر کے درمیان اتنا فاصلہ کرو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے اورپینے والا اپنے پینے سے اورقضائے حاجت والاجب حاجت کوجائے ۲توفارغ ہوجائےاور صف میں نہ کھڑے ہو حتی کہ مجھ کو دیکھو۳یہ ترمذی نے روایت کی اورفرمایا کہ اسے ہم عبدالمنعم کی حدیث سے ہی جانتے ہیں اور یہ مجہول اسناد ہے۴

۱تمام آئمہ کا اس پر عمل ہے،اذان کے کلمات میں مد،شد کالحاظ اورکلمات میں فاصلہ کیا جاتاہے،تکبیر میں جلدی۔اس فرق کی عقلی حکمت معلوم نہ ہوسکی جوسرکار کا فرمان ہے سرو آنکھوں پر۔ہوسکتا ہے کہ چونکہ تکبیرمیں حاضرین مسجد کو اکٹھا کرنا ہوتا ہے جو پہلے نماز کے لئے تیارہیں انہیں دیر تک اطلاع دینے کی ضرورت نہیں،اذان میں غافلوں کو خبردیناہے،لہذا دیر تک آواز پہنچائی جائے۔

۲یہ فاصلہ اذان مغرب کے علاوہ ہے،مغرب کی اذان سے فورًا بعد تکبیرشروع کردی جائے۔خیال رہے کہ اذان وتکبیر میں یہ فاصلہ اس قدر چاہیئے کہ بے وضو آدمی استنجاءاوروضو کرکے چارسنتیں پڑھ سکے۔ہمارے ہاں پندرہ منٹ کا فاصلہ کرتے ہیں،کہیں آدھے گھنٹے کا بھی۔

۳اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام صف بناکربیٹھ جاتے،حضور اپنے حجرے میں رونق افروز ہوتے،مکبّر کھڑے ہوکر تکبیرشروع کرتا جب"حی علی الفلاح"پر پہنچتا توسرکار حجرے سے باہر تشریف لاتے اورصحابہ کرام کو نظر آتے۔فقہاءفرماتے ہیں کہ نمازی صف میں"حی علی الفلاح"پر کھڑے ہوں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،نیز وہ حدیث جومشکوۃشریف میں بروایت مسلم وبخاری دوتین صفحہ بعد"باب المساجد"سے کچھ پہلے آرہی ہے۔

۴ابن حجرنے فرمایا کہ اسے حاکم نے صحیح کہا۔شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بہت شواہدہیں اس کا آخری جملہ"لاتقوموا"الخ مسلم،بخاری میں بھی ہے،نیز اس پر امت کا عمل بھی،لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

	روایت ہے حضرت زیاد ابن حارث صدائی سے ۱فرماتے

ہیں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں حکم دیا کہ اذان کہوں میں نے اذان کہی پھر حضرت بلال نے تکبیر کہنا چاہی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے صدائی بھائی نے اذان کہی ہے جو اذان کہے وہ ہی تکبیر کہے۲(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ صداء یمن کا ایک قبیلہ ہے اسی نسبت سے آپ کو صدائی کہتے ہیں،آپ کا شمار بصرہ والوں میں ہے،آپ نے حضور سے بیعت کی ہے اورایک آدھ بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان بھی کہی ہے۔

۲؎ یعنی تکبیراذان والے کا حق ہے۔خیال رہے کہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے،نیز اگر پتہ ہوکہ مؤذن دوسرے کی تکبیر پر ناراض نہ ہوگا تب بھی جائز ہے کیونکہ روایات میں ہے کہ بارہا حضرت بلال اذان دیتے اورحضرت عبداللہ ابن ام مکتوم تکبیر کہتے،کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا،لہذا یہ حدیث اس موقعہ کے لئے ہے جب مؤذن ناراض ہو،دونوں حدیثیں درست ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ آئے تو جمع ہوکر اوقات نماز کا اندازہ لگالیتے تھے نمازوں کی اذان کوئی نہ دیتا تھا ایک دن اس بارے میں مشورہ کیا بعض نے کہا کہ عیسائیوں کے ناقوس کی طرح بنالو اور بعض بولے کہ یہود کے بِگل کی طرح بنالو تب حضرت عمر نے فرمایا کسی کو نماز کی منادی کرنے کیوں نہیں بھیج دیتے۱؎ تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال اٹھو نماز کی منادی کرو۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ محلوں میں جاکر پکار آئے "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" مسلمانوں نماز تیار ہے،یہ وہ شرعی اذان نہ تھی جو اب رائج ہے وہ تو حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب پر کہلوائی گئی جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں،اسی لیے آپ نے عرض کیا "اَوَلَا تُبْعَثُوْنَ" تم لوگ بھیجتے کیوں نہیں۔

۲؎ مسلمانوں کے محلوں میں جاکر،اس حدیث کی بناء پر بعض مؤرخین نے دھوکا کھایا کہ انہوں نے اذان کو حضرت عمر کی رائے سے سمجھا،درست وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبدربہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے	

	ناقوس بنانے کا حکم دیناچاہا تاکہ جماعت نماز کے واسطے لوگوں کے لئے بجایاجائے۲؎ تو مجھے خواب میں ایک شخص دکھائی دیاجواپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے تھا میں نے کہا رب کے بندے کیا توناقوس بیچتاہے وہ بولا اس کا تم کیاکروگے میں نے کہا اس سے نماز کے لئے بلایا کریں گے ۳؎ وہ بولا کیا تمہیں اس سے اچھی چیز نہ بتادوں۴؎ میں نے کہاہاں فرماتے ہیں وہ بولاکہو اللہ اکبر آخر تک اوراس طرح تکبیر۵؎ جب صبح ہوئی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضرہوا جو کچھ دیکھا تھاحضور سے عرض کیا فرمایا بفضلہٖ تعالٰی یہ خواب سچی ہے ۶؎ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ وہ اذان دیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۷؎ میں حضرت بلال کے ساتھ کھڑا ہوگیا میں انہیں بتانے لگا وہ اذان دینے لگے۸؎ فرماتے ہیں یہ اذان حضرت عمرنے اپنے گھر میں سنی تو چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا ہے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ انہوں نے ۹؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا شکر ہے(ابوداؤد،دارمی،ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے تکبیر کا ذکر نہ کیا ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کا واقعہ صراحتًا بیان نہ کیا۱۰؎

۱؎ آپ انصاری ہیں،خزرجی ہیں،دوسری بیعت عقبہ میں ستر انصاریوں میں آپ بھی تھے،بدر اور تمام غزووں میں حضور انور کے ساتھ رہے،آپ خود بھی صحابی ہیں اور والدین بھی صحابی،آپ کا لقب صاحب اذان ہے کیونکہ انہی کی خواب پر اسلام میں اذان جاری ہوئی،۱ھ میں آپ نے یہ خواب دیکھا اور ۳۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی،۶۴سال کی عمرشریف ہوئی،مدینہ پاک میں مدفون ہوئے۔

۲؎ یہاں امر سے بمعنی ارادۂ امر ہے،جیسا کہ مرقاۃ میں معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادۂ مبارک ناقوس بجانے کا ہوچکا تھا۔غالب یہ ہے کہ یہ عارضی ارادہ ہوگا کہ جب تک اس بارے میں وحی نہ آئے تب تک ناقوس سے کام لیا جائے،ورنہ حضورمعراج کی رات ملائکہ سے اذان سن چکے تھے جیسا کہ اسی جگہ مرقاۃ میں ہے۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ انسان بیداری میں جس خیال میں رہتا ہے خواب میں بھی وہی کرتا اور کہتا ہے انہیں خواب میں ناقوس دیکھ کر نماز یاد آئی۔صوفیائے فرماتے ہیں کہ جس خیال میں جیو گے اسی خیال میں مرو گے اور محشر میں اٹھو گے۔خیال رہے کہ رب تعالٰی نے دوسرے احکام کی طرح حضور پر اذان کی وحی نہ بھیجی بلکہ صحابہ کے خواب کو درمیان میں رکھا،تاکہ لوگوں کو ان حضرات کی عظمت کا پتا لگے اورلوگ جانیں کہ جب ان بزرگوں کی خوابیں ایسی ہیں تو ان کی بیداری کے احکام کیسے پاکیزہ ہوں گے۔دیکھو اذان جیسا اسلامی شعارصحابہ کے خواب کا نتیجہ ہے ان کی نیند پرہم جیسے لاکھوں کی بیداریاں قربان۔

۴؎ جس میں یہود ونصارٰی سے مشابہت بھی نہ ہو اورنماز کے اعلان کے ساتھ اللہ کا ذکر اورنماز کی ترغیب بھی ہوجائے،بے معنی آواز بھی نہ ہو۔

۵؎ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں اور تکبیر کے کلمات ایک ایک نہیں کیونکہ اذان کی اصل یہ خواب ہے،نیز اسی پر صحابہ کا عمل رہا۔خیال رہے کہ اقامت میں"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ"کا بڑھانا اورفجر کی اذان میں"اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ"کی زیادتی حضور کے اجتہادی حکم سے ہوئی۔

۶؎ کیونکہ ہم نے بھی یہ اذان معراج میں فرشتوں کی زبانی سنی تھی۔اے عبداللہ رب نے تمہیں خواب میں دکھاکرہمیں اشارۃً فرمایا کہ اے حبیب!وہی فرشتوں والی اذان کیوں نہیں کہلواتے۔خیال رہے کہ یہاں ان شاءاللہ برکت کے لئےنہ کہ شک کے لئے،جیسے رب نے فرمایا:"لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ"۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے خواب خصوصًا جب کہ نبوت کے ذریعہ اس کی تصدیق ہوجائے وحی کے حکم میں ہیں،پھرنبی کی خواب کا کیا پوچھنا،ابراہیم علیہ السلام خواب میں دیکھ کر اپنے فرزند کو ذبح کرنے پرتیار ہوگئے۔خواب تین قسم کے ہوتے ہیں:نفس کے خیالات،شیطانی وسوسے،ربانی الہام۔پہلے دوخواب اضغاث احلام کہلاتے ہیں اورجھوٹے ہوتے ہیں۔تیسرے خواب رویاءصادقہ۔خواب کی پوری تحقیق ان شاء اللہ "کتاب الرؤیا" میں کی جائے گی۔

۷؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اذان میں بلند آوازمحبوب ہے،لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پراذان بہت بہتر۔دوسرے یہ کہ یہ جائزہے ایک آدمی اذان بتاتا جائے دوسرا اذان کہتا جائے۔

۸؎ یعنی میں نے وہی اذان حضرت بلال کو بتائی جو فرشتہ سے سنی تھی جس میں ترجیع نہ تھی۔معلوم ہوا کہ اسلام کی پہلی اذان بغیرترجیع کے ہوئی اورسیدنا بلال آخر تک یہی اذان دیتے رہے ہیں۔

۹؎ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم نے حضرت عبداللہ ابن زید کا خواب کشف سے معلوم کیایاآپ نے عبداللہ ابن زید کو فرشتے سے گفتگو کرتے خواب میں دیکھا تھاکیونکہ ابھی آپ سے کسی نے حضرت عبداللہ کی خواب بیان نہ کی۔مرقاۃ نے فرمایا ظاہر یہی ہے کہ جناب عمرنے کشف سے معلوم کیا۔

۱۰؎ مرقاۃ نے یہاں فرمایا کہ اس رات دس سے زیادہ صحابہ نے قریبًا یہی خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خدا کا شکر کیا،ابن قیم نے"کتاب الروح"میں لکھا کہ مسلمانوں کی خوابوں کا اجتماع اجتماع مسلمین کی طرح معتبر ہے اس پر یہی حدیث پیش کی۔

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز کے لئے نکلا تو آپ جس سوتے ہوئے شخص پر گزرتے تھے اسے نماز کے لئے آواز دیتے یا اپنے پاؤں شریف سے ہلاتے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام نفیع ابن حارث ہے،کنیت ابوبکرہ،قبیلۂ بنی ثقیف سے ہیں،مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی راستہ میں جو سوتے ہوئے لوگ ملتے انہیں آواز سے یااپنے پاؤں شریف سے نماز کے لئے جگاتے تھے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اذا ن کے بعدکسی کو خصوصی طورپرنماز کی اطلاع دیناجائز ہے،گویا یہ خصوصی تثویب ہے۔دوسرے یہ کہ نماز کا نام لےکرجگانا درست ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جگا کرنماز کا نام لے پہلے نہ لے غلط ہے۔تیسرے یہ کہ اپنے چھوٹے کو اپنے پاؤں سے حرکت دے کرجگانا درست ہے،خوش نصیب ہیں وہ جنہیں حضور کی ٹھوکرنصیب ہوئی۔ ع خوابیدہ کوٹھوکرسے جگاتے جاتے۔

صوفیاء کا تجربہ یہ ہے کہ حضوراپنے خاص غلاموں کو اب بھی ٹھوکرسے جگاتے ہیں جو انہیں محسوس بھی ہوتی ہے،خدا نصیب کرے۔

روایت ہے حضرت مالک سے انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمرفاروق کی خدمت میں مؤذن نمازفجر کی اطلاع دینے حاضر ہوئے ۱؎ انہیں سوتاپایا بولے نماز نیندسے بہتر ہے انہیں عمرفاروق نے حکم دیا یہ لفظ فجر کی اذان میں داخل کرلیں ۲؎ (موطا)	

۱؎ غالبًا یہ واقعہ خلافت فاروقی کے زمانہ کاہے اوریہ مؤذن حضرت بلال نہیں کوئی اور بزرگ ہیں کیونکہ حضرت بلال حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعددمشق چلے گئے تھے۔عہدفاروقی میں وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ سلطان اسلام قاضی،عالم دین وغیرہم کو مؤذن خصوصی طور پرنماز کی اطلاع دے سکتا ہے عوام کے لیےممنوع ہے انہیں اذان ہی کافی ہے۔

۲؎ یعنی یہ کلمہ اذان صبح کا جزو ہے اسے صرف اذان میں ہی استعمال کیا کریں اس کے علاوہ نہیں،دوسرے اوقات میں اورلفظ سے بیدارکریں یا اطلاع دیں،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ کلمہ تو حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اذان فجرمیں داخل تھا آج داخل کرنے کے کیا معنی،اسکی اوربھی تفسیر یں ہیں مگر یہ تفسیربہتر۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن سعدبن عماربن سعدمؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں مجھے میرے والدنے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	

	نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اپنی انگلیاں کانوں میں دے لیں فرمایا یہ عمل تمہاری آواز کو بلند کرنے والاہے ۲؎(ابن ماجہ)

۱؎ یہ سعد قرظی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد قبا کے مؤذن تھے اور حضور کے بعد حضرت بلال کی جگہ آپ مسجد نبوی میں مؤذن ہوئے۔خیال رہے کہ سعد قرظی صحابی ہیں اور عمار ابن سعد تابعی اور عبدالرحمٰن ابن سعد کا حال معلوم نہ ہوسکا۔(اشعہ)

۲؎ یعنی انگلیاں کانوں میں ڈالنے سے آواز بلند نکلتی ہے اوراس اذان میں بلند آواز چاہیئے،اس لیے ڈال لیا کرو۔اس سے معلوم ہوا کہ بچے کے کان میں اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں لگانا سنت نہیں۔یوں ہی اقامت(تکبیر)میں،یوں ہی ہر اس جگہ جہاں بلندآواز مطلوب نہ ہو،لیکن اگرلاؤڈاسپیکر پراذان کہی جاوے تو انگلیاں لگالے کہ یہاں بلندی آواز مطلوب ہے۔اذان قبرپرانگلیاں لگائے کہ وہاں بلند آواز مطلوب ہے اس اذان سے شیاطین بھاگتے ہیں۔

باب فضل الاذان واجابة المؤذن

باب اذان اور مؤذن کا جواب دینے کی فضیلت۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ؑ اذان دینے کے فضائل بیشمار ہیں۔حق یہ ہے کہ اذان سے امامت افضل ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اذان نہ دی،جن روایات میں حضورکے اذان دینے کا ذکر ہے وہاں حکم اذان مراد ہے۔اذان کا جواب عملی بھی ہے اورقولی بھی،عملی جواب تومسجد میں حاضرہوجانا ہے،قولی جواب کلمات اذان کا دہراناہے۔صحیح یہ ہے کہ پہلی اذان سننے پردنیاوی باتوں سے خاموش ہوجانا اورجوابًا کلمات اذان اداکرنا واجب ہے۔ہاں کھانے والا،استنجا کرنے والا،علم دین پڑھانے والا اس حکم سے علیحدہ ہے۔

	روایت ہے حضرت معاویہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اذان دینے والے لوگ قیامت کے دن لمبی گردنوں والے ہوں گے۱ؑ(مسلم)

۱ؑیعنی گردن فراز اورسربلند ہوں گے،یا سراٹھائے رب کی رحمت کے منتظر،یا بلند قامت ہوں گے کہ دور سے پہچان لئے جائیں گے۔یہ مطلب نہیں کہ ان کے جسم چھوٹے اورصرف گردنیں لمبی ہوں گی کہ یہ بد زیبی ہے۔بعض مفسرین نے اعناق کو ہمزہ کے زیر سے پڑھا ہے،بمعنی تیزرفتاری ولمبے قدم،یعنی مؤذن جنت کی طرف دوڑتے ہوئے لمبے قدم رکھتے ہوئے جائیں گے،دوسروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی اذان دی جاتی ہے ۱ؑتو شیطان گوزمارتا بھاگتا ہے حتی کہ اذان نہ سنے۲ؑ پھرجب اذان ختم ہوجاتی ہے تو آجاتا ہے حتی کہ جب نماز کی تثویب کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتاہے۳ؑجب تثویب ختم ہوجاتی ہے تو آجاتا ہے تاکہ انسان کے دل میں وسوسے ڈالے کہتا ہے فلاں فلاں چیزیں یادکر۴ؑوہ چیزیں جو اسے یاد نہ تھیں یہاں تک کہ آدمی نہیں جانتا کہ کتنی رکعت پڑھیں ۵ؑ(مسلم،بخاری)

۱؎ خواہ نماز میں بلانے کے لیے دی جائے یا کسی اور مقصد کے لئے،جیسے بچے کے کان میں یا بعد دفن قبر پر وغیرہ۔لِلصَّلٰوۃ اس لیے فرمایا تاکہ کوئی اذان کے لغوی معنی نہ سمجھ جائے۔

۲؎ یہاں بھاگنے کے ظاہری معنی ہی مراد ہیں اوراذان میں دفع شیطان کی تاثیر ہے اسی لیے طاعون پھیلنے پر اذان کہلواتے ہیں کہ یہ وباء جنات کے اثر سے ہے۔بچے کے کان میں اذان دیتے ہیں کہ اس کی پیدائش پر شیطان موجود ہوتا ہے جس کی مار سے بچہ روتا ہے۔دفن کے بعد قبر کے سرہانے اذان دی جاتی ہے کیونکہ وہ میت کے امتحان اورشیطان کے بہکانے کا وقت ہے،اس کی برکت سے شیطان بھاگے گا،نیز میت کے دل کو سکون ہو گا،نئے گھر میں دل لگ جائے گا،نکیرین کے سوالات کے جوابات یاد آجائیں گے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاءالحق**" حصہ اول میں دیکھو۔گوز مارنے سے مراد اس کی انتہائی ذلت اورخوف ہے کہ ایسی حالت میں ڈرنے والا گوز مارتا ہوا ہی بھاگا کرتا ہے۔

۳؎ تثویب سے مراد اقامت یعنی تکبیر ہے اس میں بھی اذان کی طرح اثر ہے۔

۴؎ چیزوں سے مراد نماز سے غیر متعلق خیالات ہیں،تجربہ ہے کہ نماز میں وہ باتیں یادآتی ہیں جو نماز کے باہر یاد نہیں آتیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے شیطان کو انسانوں کے دلوں پر تصرف کرنے کی قدرت دی ہے انسانوں کی آزمائش کے لئے،کتنی ہی کوشش کی جائے مگر ان وسوسوں سے کلی نجات نہیں ملتی۔چاہیئے کہ وسوسوں کی پرواہ نہ کرے نماز پڑھتا رہے،مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑے۔

۵؎ مسئلۂ فقہی یہ ہے کہ اگرپہلی بار یہ واقعہ پیش آئے تو نئے سرے سے نماز پڑھے اوراگر آتا رہتا ہو تو کم رکعتوں کا لحاظ کرے،مثلًا اگرشبہ ہوگیا کہ چار پڑھیں یا تین تو تین مانے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی افضل سے مفضول کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔دیکھو نماز،تلاوت قرآن اوررکوع اور سجود سے شیطان نہیں بھاگتا۔بھاگتا ہے تو اذان سے حالانکہ اذان سے نماز افضل ہے،حضورفرماتے ہیں کہ عمرسے شیطان بھاگتا ہے حالانکہ ابوبکرصدیق افضل ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤذن کی انتہائی آواز کو کوئی جن و انس اور دوسری چیزیں نہیں سنتیں مگر قیامت کے دن اس کی گواہی دیں گی ۱؎ (بخاری)	

۱؎ عرض کریں گے کہ مولٰی یہ مسلمان ہے،نمازی ہے،ہم نے اسے اذان دیتے دیکھا،اورکلمۂ شہادت پڑھتے سنا۔حدیث بالکل ظاہری معنی پرہے کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالٰی نے حیوانات،جمادات کو سمجھ گویائی سننے کی طاقتیں بخشیں ہیں،ان میں سے ہر ایک کا ثبوت قرآن کریم کی صریح آیات سے ہے۔مرقاۃ میں اس جگہ ایک حدیث منقول ہے کہ روزانہ شام کے وقت پہاڑ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیاتجھ پر کوئی اللہ کا ذکرکرنے والا بھی گزرا،جب ان میں سے کوئی کہتا ہے ہاں تو سب خوش ہوتے ہیں۔چاہیئے کہ اذان بلند آواز سے دی جائے تاکہ گواہ زیادہ میسر ہوں غالبًا جن میں فرشتے بھی داخل ہیں اور انسان سے عام انسان مراد ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمروبن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب	

	تم مؤذن کوسنو تو تم بھی اسی طرح کہوجو وہ کہہ رہا ہے ۱؎ پھر مجھ پر درود بھیجوکیونکہ جومجھ پرایک درود بھیجتاہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۲؎ پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ مانگو وہ جنت میں ایک جگہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی کے لائق ہے مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں ۳؎ تو جو میرے لئے وسیلہ مانگے اس پرمیری شفاعت لازم ہے۴؎(مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ کلمات اذان سارے دہرائے "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" بھی"حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" بھی اور "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم" بھی۔اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" اور"حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" پر لَاحَوْلَ پڑھے۔چاہیئے کہ دونوں ہی کہہ لیا کرے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعددرودشریف پڑھناسنت ہے،بعض مؤذن اذان سے پہلے ہی درود شریف پڑھ لیتے ہیں اس میں بھی حرج نہیں،ان کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے۔شامی نے فرمایا کہ اقامت کے وقت درود شریف پڑھناسنت ہے۔خیال رہے کہ اذان سے پہلے یا بعد بلند آواز سے درود پڑھنا بھی جائز بلکہ ثواب ہے،بلاوجہ اسے منع نہیں کہہ سکتے۔

۳؎ خیال رہے کہ وسیلہ سبب اورتوسل کو کہتے ہیں،چونکہ اس جگہ پہنچنا رب سے قرب خصوصی کا سبب ہے،اس لیے وسیلہ فرمایا گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ "امید کرتا ہوں"تواضع اورانکساری کے لئے ہے ورنہ وہ جگہ حضور کے لئے نامزدہوچکی ہے۔(مرقاۃ و اشعہ)ہمارا حضور کے لیے وسیلہ کی دعاکرنا ایسا ہی ہے جیسے فقیرامیر کے دروازے پرصدا لگاتے وقت اس کی جان ومال کی دعائیں دیتاہے تاکہ بھیک ملے،ہم بھکاری ہیں،حضورداتا،انہیں دعائیں دینا،مانگنے،کھانے کا ڈھنگ ہے۔

۴؎ یعنی میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی شفاعت ضرورکروں گا۔یہاں شفاعت سے خاص شفاعت مراد ہے،ورنہ حضورہر مؤمن کے شفیع ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بہت قسم کی ہے۔شفاعت کی پوری بحث اور اس کی قسمیں ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" جلدسوم میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت عمرسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھرمؤذن کہے اشھدان لا الہ الا اللہ یہ بھی کہے اشھدان لا الہ الا اللہ پھرمؤذن کہے اشھدان محمدا رسول اللہ یہ بھی کہے اشھدان محمدا رسول اللہ پھرمؤذن کہے حی علی الصلوۃ یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پھرمؤذن کہے حی علی الفلاح یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ ۱؎ پھر

	مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو یہ بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو یہ صدق دل سے کہے لا الہ الا اللہ جنت میں جائے گا۲(مسلم)

۱ظاہر یہ ہے کہ مؤذن سے مراد نماز کے لیے اذان دینے والا ہے کیونکہ دوسری اذانوں کا جواب دینا سنت سے ثابت نہیں۔اَحَدُکُمْ سے مراد ہروہ مسلمان ہے جو جواب اذان دینے پر قادر ہو،لہذا اس سے نماز پڑھنے والا،استنجا کرنے والا وغیرہ علیحدہ ہیں۔بہتر یہ ہے کہ جواب دینے والا"حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ،حَیَّ عَلَی الْفَلَاحْ" بھی کہے اور لاحول بھی پڑھے تاکہ اس حدیث پر بھی عمل ہوجائے اور گزشتہ پر بھی۔اس وقت لاحول پڑھنا اس لیے ہے تاکہ شیطان دور رہے اور نماز کی حاضری آسان ہو۔
۲ظاہر یہ ہے کہ مِنۡ قلبِهٖ کا تعلق سارے جواب سے ہے،یعنی اذان کا پورا جواب سچے دل سے دے کیونکہ بغیر اخلاص کوئی عبادت قبول نہیں۔اگر جنت سے وہی جنت مراد ہے جو قیامت کے بعد ملے گی تو دَخَلَ بمعنی مستقبل ہے اور اگر جنت سے مراد دنیا کی جنت ہے،یعنی عبادات کی توفیق،اچھی زندگی تو دَخَلَ ماضی کے معنی میں ہے،رب فرماتا ہے:"وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ"یعنی اللہ سے ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں:ایک دنیا میں،ایک آخرت میں۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اذان سنتے وقت یہ کہا کرے یا اللہ اس عام دعوت اور کامل نماز کے رب محمد مصطفٰی کو وسیلہ اور بزرگی دے اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا۱تو اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگی ۲(بخاری)

۱خیال رہے کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقام کا نام"وسیلہ"ہے اور قیامت میں حضور کے مقام کا نام "مقام محمود"ہے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا بنائے جائیں گے،سارے اولین و آخرین،کفار و مؤمنین،انبیاء و مرسلین،بلکہ خود رب العالمین حضور کی ایسی تعریفیں کریں گے جو آج ہمارے خیال و وہم سے وراء ہیں،وہ مقام نہ معلوم کیسا عظیم الشان ہے جس کا رب نے قرآن شریف میں اعلان فرمایا اور ہم لوگوں کو ہر اذان کے بعد اس کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا،اسی مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم "شفاعت کبریٰ" فرمائیں گے اور یہیں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر"دروازۂ شفاعت" کھلے گا۔
۲یعنی اس دعا کی برکت سے اسے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا اور وہ میری شفاعت عامہ و خاصہ کا مستحق ہوگا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ اذان کے بعد دعا بہت قبول ہوتی ہے،لہذا مصیبت زدہ کو چاہیئے کہ اس وقت دعا مانگا کرے اسی لیے مسلمان اس دعا کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں"وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ"خدایا ہمیں ان کی شفاعت نصیب کر۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم فجر طلوع ہونے پر حملہ کرتے تھے ۱؎ اذان پر کان لگاتے تھے اگر اذان سن لیتے تو باز رہتے ورنہ حملہ کردیتے ۲؎ ایک شخص کو کہتے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فطرت پر ہے پھر اس نے کہا اشھدان لا الہ الا اللہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو آگ سے نکل گیا صحابہ نے اسے دیکھا تو وہ بکریاں چرانے والا تھا ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی جب جہاد میں کفار کے علاقہ پر شاہانہ حملہ کرتے تو صبح کے وقت اذان کا انتظار کرتے کیونکہ یہ وقت عبادات کی قبولیت اور رحمت الٰہی کے نزول کا ہے اور جہاد بھی عبادت ہے۔

۲؎ معلوم ہوا کہ اذان مصیبتوں کو دفع کرتی ہے،سرکار اذان کی آواز سے یہ پتہ لگاتے تھے کہ یہ مسلمانوں کی بستی ہے جہاں مسلمان آزادی سے اپنی عبادتیں کررہے ہیں۔کفار کا زور نہیں لہذا یہاں جہاد کی ضرورت نہیں کیونکہ جہاد کفر کا زور توڑنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ کافروں کو جبرًا مسلمان کرنے کے لیے۔

۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چرواہے کے متعلق چند گواہیاں دیں:ایک یہ کہ اس وقت یہ سچا مسلمان ہے۔دوسرے یہ کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔تیسرے یہ کہ اس کے سارے گناہوں کی معافی ہوگی۔معلوم ہوا کہ حضور ہر ایک کے دل کا حال بھی جانتے ہیں اور سب کے انجام سے بھی خبردار ہیں،کیوں نہ ہو کہ لوح محفوظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مؤذن کو سن کر یہ کہہ لیا کرے کہ میں گواہ ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یقینًا محمد مصطفٰے اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اللہ کی ربوبیت محمد مصطفٰے کی رسالت اور دین اسلام سے راضی ہوں تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ دعا اذان کے اول پڑھی جائے گی،جب مؤذن کی اذان کی آواز کان میں آئے کیونکہ درمیان میں یہ دعا پڑھنے سے جواب اذان میں خلل واقع ہوگا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن مغفل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہردو اذانوں کے درمیان ۱؎ نماز ہے۔ہردو اذانوں کے درمیان نماز ہے ۲؎ پھر تیسری بار میں فرمایا اس کے لئے جو چاہے ۳؎	

	(مسلم،بخاری)

۱؎دو اذانوں سے مراد اذان واقامت ہے،جیسے چاندوسورج کو قمرین،حضرت صدیق وفاروق کوعمرین،حضرت حسن وحسین کوحسنین کہہ دیتے ہیں یا اذان سے مراد اطلاع ہے،اذان تووقت نماز کی اطلاع کے لیے ہوتی ہے اور اقامت تیاریٔ جماعت کی اطلاع کے لیے،بہرحال حدیث پراعتراض نہیں۔

۲؎یا تو صلوۃ بمعنی دعاہے،یعنی اذان وتکبیر کے درمیان دعا مانگا کرو کہ یہ وقت قبولیت ہے یابمعنی نماز،یعنی اذان واقامت کے درمیان نفل پڑھا کرو،کہ یہ وقت افضل ہے تواس میں نماز بھی افضل،نیز اس سے نمازمیں سستی نہ ہوگی،انسان جماعت سے اتنے پہلے مسجد میں پہنچے گا کہ وضو کرکے نفل پڑھ کرتکبیراولیٰ پاسکے۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک اس حکم سے مغرب علیحدہ ہے کہ اذان مغرب کے بعدنفل مکروہ ہیں،فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔جیسا حضرت بریدہ اسلمی کی روایت میں ہے کہ ہردو اذانوں کے درمیان نمازہے،"**خلاصلوٰۃ المغرب**"سواء نمازمغرب کے۔(مرقاۃ وغیرہ)

۳؎یعنی یہ نمازمؤذن کے ساتھ خاص نہیں جو مسلمان چاہے پڑھے،یا یہ نمازفرض نہیں جس کا چھوڑنا سخت جرم ہے۔خیال رہے کہ فجراورظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں جس کے چھوڑنے کی عادت نہایت بری ہے،عصراورعشاءکی غیرمؤکدہ،مغرب کی منع ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ۱؎اور مؤذن امانت دارہے۲؎یا اللہ اماموں کو ہدایت دے اورمؤذنوں کوبخش دے۳؎(احمد،ابوداؤد،ترمذی، شافعی)۴؎دوسری روایت میں مصابیح کے الفاظ ہیں۔

۱؎یعنی امام مقتدیوں کی نماز کا ذمہ دارہے،اوراپنی نماز کے ضمن میں ان کی نمازوں کو لیے ہوئے،اسی لئے امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے،امام کے سہو سے مقتدی پرسجدہ ہے۔مقیم امام کے پیچھے مسافرمقتدی پوری نماز پڑھے گا۔امام صرف اپنے لئے دعا نہ مانگے بلکہ جمع کے صیغے سے مانگے۔اس سے معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نمازجائزنہیں کیونکہ فرض نفل سے اعلیٰ ہے اور اعلیٰ کے ضمن میں ادنیٰ آسکتا ہے نہ کہ ادنی کے ضمن میں اعلیٰ۔یونہی اگرمقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہوتوجائزنہیں کیونکہ کوئی نمازاپنے غیرکو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی،لہذا عصر پڑھنے والے کے پیچھے ظہرکی قضاءنہیں پڑھی جاسکتی۔یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کی نماز فاسدہ ہونے پرمقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگی۔غرضکہ یہ حدیث بہت سے مسائل میں امام اعظم کی دلیل ہے۔

۲؎کہ لوگوں کی نمازیں اور روزے اس کے پاس گویا امانتیں ہیں۔اس سے معلوم ہواکہ اذان سے امامت افضل ہے کیوں نہ ہو کہ امام جناب مصطفیٰ کا خلیفہ ہے اورمؤذن حضرت بلال کا نائب،یہی ہمارا مذہب ہے۔

۳؎ اس سے بھی امامت کی اذان پر فضیلت معلوم ہورہی ہے کیونکہ مغفرت سے ہدایت اعلیٰ ہے،یعنی یا اللہ اماموں کو نماز کے مسائل سیکھنے اور صحیح اداکرنے کی ہدایت دے کہ ان کی نماز سے بہت سی نمازیں وابستہ ہیں اورمؤذن کبھی وقت میں دھوکا بھی کھاسکتاہے اسے بخش دے۔

۴؎ اگر چہ امام شافعی امام ہیں اورترمذی وغیرہ ان کے مقلد مگرچونکہ انکی کتب احادیث امام شافعی کی کتاب سے زیادہ مشہور ہیں،اس لئے ان کاذکر پہلے کیا۔دیکھو امام بخاری وامام مسلم امام مالک کے شاگرد ہیں مگران کی زیادہ کتابیں مستند ہیں۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سات برس صرف ثواب کے لئے اذان دے تو اس کے لئے آگ سے خلاصی لکھی جاتی ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جوبغیر تنخواہ سات سال اذان دے تو رب تعالیٰ اسے جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلے کا پروانہ(پاسپورٹ اورویزہ)لکھ دیتا ہے جو قیامت میں اسے دیا جائے گا،جس سے بے کھٹک وہ دوزخ سے گزرکر جنت میں داخل ہوگا۔بعض مؤذن یہ طے کرلیتے ہیں کہ ہم تنخواہ مسجد کی صفائی وغیرہ کی لیں گے اذان فی سبیل اللہ دیں گے ان کا ماخذیہ حدیث ہے۔ان شاءاللہ اس کاضرورفیض پائیں گے۔

	روایت ہے حضرت عقبہ بن عامر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارا رب اس بکری چرانے والے سے خوش ہوتا ہے جوپہاڑ کی اونچی چوٹی میں ہونماز کی اذانیں دے اورنماز پڑھے ۲؎ اللہ تعالیٰ فرماتاہے ۳؎ میرے اس بندے کودیکھو ۴؎ اذان دیتاہے نماز قائم کرتا ہے مجھ سے ڈرتاہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کروں گا ۵؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ مشہورصحابی ہیں،امیرمعاویہ کی طرف سے عقبہ ابن ابی سفیان کی وفات کے بعدمصرکے والی بنے،پھر امیرمعاویہ نے معزول کردیا،۵۸ھ میں مصر میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی دنیا کے جھگڑوں سے دور رہے،اپنی روزی خودکمائے اورنماز اگرچہ اکیلے پڑھے مگر اذا ن دے کر۔معلوم ہوا کہ نماز پنجگانہ کے لئے اذان بہرحال دے اگرچہ جنگل میں اکیلے نماز پڑھے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ اذان کی برکت سے جنات وفرشتے بھی اس کے ساتھ نمازپڑھتے ہیں،اوراسے جماعت کا ثواب ملتا ہے۔تکبیرمیں اختلاف ہے مگرحق یہ ہے کہ تکبیر بھی کہے کیونکہ اذان وتکبیر میں نماز کی اطلاع کے علاوہ اوربہت سے فائدے ہیں۔

۳؎ فرشتوں سے انبیاءواولیاءکی روحوں سے بلکہ حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔(مرقاۃ)

۴؎ معلوم ہوا کہ فرشتوں اور نبیوں،ولیوں کی روحوں میں یہ طاقت ہے کہ ایک جگہ رہ کرسارے عالَم کو دیکھ لیں کہ پروردگاران سے فرماتا ہے اس پہاڑ پر چھپے بندے کو دیکھو،اس سے مسئلہ حاضر ناظر حل ہوا۔
۵؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کبھی دنیا سے علیحدگی مشغولیت سے بہتر ہے۔دوسرے یہ کہ کبھی تنہائی کی عبادت علانیہ عبادت سے افضل ہے،کہ علانیہ میں ریاء کا خطرہ ہے اس میں نہیں۔تیسرے یہ کہ اکیلا آدمی بھی اپنی نماز کے لیے اذان وتکبیر کہے مگر محلے کی مسجد کی اذان اہل محلّہ کے لیے کافی ہوتی ہے۔چوتھے یہ کہ فرشتے وانبیاءواولیاء ہمارے دلوں کے اخلاص ریاءوغیرہ سے واقف ہیں اوراس کو دیکھتے ہیں،رب نے اُنْظُرُوْا کے بعد یَخَافُ فرمایا۔پانچویں یہ کہ اللہ کے مقبول بندے لوگوں کے انجام سے خبردار ہیں،رب نے انہیں مغفرت اورعذابوں کی خبردے دی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہونگے ایک وہ غلام جواللہ کا حق اوراپنے مولا کا حق اداکرتا رہے اور ایک وہ شخص جوکسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس سے راضی ہوں اورایک وہ شخص جو ہردن رات پانچ نمازوں کی اذان دے ۱؎ (ترمذی)اورفرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔قیامت میں اولًا سب لوگ کھڑے ہوں گے اسی لیے اسے قیامت کہتے ہیں،پھرمختلف مقامات میں ہوں گے۔کوئی عرش اعظم کے سایہ میں،کوئی کرسیوں پر،اوریہ تین جماعتیں مشک کے پہاڑوں پرکہ سب لوگ انہیں دیکھیں بھی اوران کی خوشبوؤں سے فائدہ بھی اٹھائیں،چونکہ دنیا میں بھی لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھائے،اس لئے وہاں بھی لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔خیال رہے کہ امام سے قوم کی رضا کا مطلب یہ ہے کہ امام کے تقویٰ اخلاق سے مسلمان راضی ہوں،بے دینوں یافاسدوں کی ناراضی کا اعتبارنہیں۔نیزسرکاری نوکرجوڈیوٹی بھی دے اورنماز کی بھی پابندی کرے وہ بھی اس غلام میں داخل ہے جو مولیٰ اور رب کے حق اداکرے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤذن کی اس آواز کی انتہا کے مطابق بخشش کی جاتی ہے ۱؎ اور اس کے لئے ہرتروخشک چیزگواہی دے گی اورنمازمیں حاضرہونے والے کے لئے پچیس نمازیں لکھی جاتی ہیں ۲؎ اور دونمازوں کے درمیانی گناہ مٹائے جاتے ہیں(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)نسائی نے ہرخشک و ترتک روایت کی اورفرمایا کہ مؤذن کو سب نمازیوں کے برابرثواب ملتا ہے ۳؎

۱؎یعنی جس قدر اس کی آواز زیادہ اسی قدر اس کی مغفرت زیادہ۔آہستہ اذان کہنے والے کے صرف گناہ کبیرہ کی معافی اور بلندآواز سے کہنے والے کے صغیرہ کبیرہ سب معاف۔یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں مؤذن کی اذان کی برکت سے وہاں تک کہ گنہگاروں کی معافی ہوتی ہے جہاں تک اس کی آوازپہنچے کہ یہ ان سب کی شفاعت کرے گا۔

۲؎یعنی مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب اکیلے اورگھرمیں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ہے۔خیال رہے کہ یہاں۲۵گنافرمایا گیا اوردوسری روایت میں۲۷ گنا،بعض میں۵۰۰ گناہے کیونکہ جیسی مسجد،جیسی جماعت اورجیسا امام ویساثواب۔جن خوش نصیبوں نے مسجدنبوی میں جماعت صحابہ کے ساتھ حضورکے پیچھے نمازیں پڑھیں ان کا ایک سجدہ دوسروں کی کروڑوں نمازوں سے افضل ہے۔

۳؎یعنی اس کی اذان سے جتنے لوگ مسجدمیں آکر یا اپنے گھر میں نماز پڑھتے ہیں ان سب کا مجموعی ثواب مؤذن کو ملتاہے کیونکہ یہ ان سب کارہبرہے اوران سب کو اپنی اپنی نمازوں کا ثواب۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن ابوالعاص سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے میری قوم کا امام بنادیجئے فرمایا تم ان کے امام ہو۲؎اوران میں سے کمزور کو مقتدی جانو۳؎اور کوئی ایسا مؤذن مقرر کروجواپنی اذان پر اجرت نہ لے۴؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)

۱؎آپ مشہورصحابی ہیں،ثقفی ہیں،حضورنے آپ کو طائف کا حاکم بنایا اورشروع خلافت فاروقی تک وہیں کے حاکم رہے،پھرعمرفاروق نے وہاں سے معزول کرکے عمان اوربحرین کا گورنر بنایا۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ امام قائم کرنے اورمعزول کرنے کا حق سلطان اسلام کوبھی ہے اور اس کا مقرر کردہ امام قوم کے معزول کرنے سے علیحدہ نہیں ہوسکتا،دیکھو کتب فقہ۔

۳؎یعنی یہ سمجھ کرنمازپڑھاؤ کہ میرے مقتدی کمزور اوربیمار بھی ہیں،ہلکی نمازپڑھاؤ۔

۴؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مؤذن رکھنے اورمعزول کرنے کا حق امام کوہے۔دوسرے یہ کہ اذان پراجرت لینا جائزمگر نہ لینابہتراس لئے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اجرت کو حرام نہیں کہا بلکہ فرمایا ڈھونڈ کرکوئی للہ اذان دینے والا رکھو۔خیال رہے کہ اُس زمانہ میں دینی خدمات پر اجرت لینا اگر ممنوع بھی تھاتو اس وقت کے لحاظ سے تھااب ممنوع نہیں،ورنہ سارے دینی کام بندہوجائیں گے۔دیکھو سوا عثمان غنی کے باقی تمام خلفاءنے خلافت پراجرت لی،حالانکہ خلافت امامت کبریٰ ہے،نیزعمرفاروق نے اپنے زمانہ میں غازیوں اورحکّام کی تنخواہیں مقررکیں،حالانکہ جہاد بھی عبادت ہے اورحاکم اسلام بننا بھی۔

	روایت ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہاسے فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ کہہ لیاکروں ۱؎اے اللہ یہ تیری رات کے آنے اورتیرے دن کے جانے کا وقت

	اور تیرے بلانے والوں کی آوازیں ہیں تو مجھے بخش دے ۲؎(ابوداؤد، بیہقی، دعوات کبیر)

۱؎ یا اذان کے اوّل آواز سنتے ہی یا اذان کے بعد، دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔
۲؎ چونکہ شام کا وقت بھی قبولیت کا وقت ہے اور اذان کا ہونا بھی، اس لئے خصوصیت سے اس قت کے لیے یہ دعا ارشادفرمائی گئی۔ بلانے والے سے مرادمؤذنین ہیں، یعنی ان مؤذنوں کی ان آوازوں کی برکت سے مجھے بخش دے۔ معلوم ہوا کہ دوسروں کی عبادت کے طفیل دعامانگنا جائزہے، لہذا یہ کہہ سکتے ہیں خدایا اپنے حبیب کے سجدوں کے طفیل مجھے بخش دے۔

	روایت ہے حضرت ابوامامہ سے یا بعض صحابہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نے تکبیر کہنی شروع کی جب انہوں نے کہا قدقامت الصلوۃ توحضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اسے قائم دائم رکھے اور باقی تکبیر میں وہی فرمایا جوحضرت کی عمر کی اذان حدیث میں ذکر ہوا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ اس سے معلوم ہو اکہ اذان کی طرح تکبیر کا بھی جواب دیاجائے اور"قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ" پر یہ دعامانگی جائے۔ خیال رہے کہ راوی کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ نے فرمایا حدیث کو ضعیف نہیں کردیتا کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں کوئی فاسق نہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اور تکبیر کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی ۱؎(ابوداؤد، ترمذی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے اذا ن وتکبیر کے درمیان کا سارا وقت مرادہے کہ اس میں جب بھی دعا مانگے قبول ہوگی مگر بہتر یہ ہے کہ اذان سے متصل دعا مانگے تاکہ اگلی حدیث پر عمل ہوجائے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضورہم اس وقت کیا دعا مانگیں؟ فرمایا دین ودنیا کی امن وعافیت مانگو۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دعائیں رد نہیں کی جاتیں یا بہت کم رد کی جاتی ہیں اذان کے وقت کی دعا ۱؎ اور جہاد کے وقت کی دعا جب بعض بعض کو قتل کررہے ہوں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ بارش کے وقت کی دعا ۳؎(ابوداؤد، دارمی) مگر دارمی نے بارش کا ذکر نہ کیا۔

۱؎ یعنی مؤذن کے اذان سے فارغ ہوتے ہی نہ کہ دورانِ اذان میں کہ وہ جواب اذان کا وقت ہے۔

۲؎ یعنی عین کشت وخون کی حالت میں جب غازی کافروں کو قتل کررہے ہوں اورکافروں کے ہاتھوں شہید ہورہے ہوں کہ وہ بہترین عبادت ہے۔یُلْحِمُ اِلْحَام سے بنا،بمعنی گوشت کاٹنا یعنی قتل کرنا۔

۳؎ بعض لوگوں نے تحت کی وجہ سے فرمایابارش کے نیچے کھڑے ہوکر بھیگتےہوئے دعامانگے مگر صحیح یہی ہے کہ بارش کے وقت کہیں بھی دعا مانگے قبول ہوگی،خصوصًا رحمت کی بارش جو انتظار اور دعاؤں کے بعد آئے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن لوگ ہم سے بڑھ جائیں گے ۱؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے وہ کہتے ہیں تم بھی کہہ لیاکرو ۲؎ جب فارغ ہوجاؤ تو مانگ لیا کرو دیئے جاؤ گے ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی قیامت میں ہم ان کے درجے تک نہ پہنچ سکیں گے کیونکہ تمام عبادات میں ہم اور وہ برابر ہیں اور اذان میں وہ ہم سے بڑھے ہوئے۔معلوم ہوا کہ دینی کاموں میں رشک جائزبلکہ کبھی عبادت ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے سارے کلمات مؤذن کے ساتھ کہے حتی کہ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ"اور"حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" بھی مگران دونوں کے ساتھ لَاحَوْلَ بھی پڑھ لے۔اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔

۳؎ یعنی جودعاچاہومانگو۔بہتر یہ ہے کہ اولًا حضور کے لیے وسیلہ کی دعا مانگے،پھر اپنے لئے دعائیں،تاکہ تمام حدیثوں پر عمل ہوجائے،مسلمان عمومًا وسیلہ کے بعداسی دعا میں یہ بھی کہہ لیتے ہیں "وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہٗ"۔وہابی اس سے منع کرتے ہیں اوربدعت کہہ کر روکتے ہیں شاید انہیں حضور کی شفاعت کی ضرورت نہ ہوگی۔وہ اس حدیث سے عبرت پکڑیں کہ یہاں سَل مطلق فرمایا گیا۔مرقاۃ نے اس جگہ بہت سی دعائیں بتائیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابرسے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان جب نمازکی اذان سنتاہے توبھاگ جاتاہے ۱؎ حتی کہ مقام روحاء تک پہنچ جاتاہے ۲؎ راوی نے فرمایا کہ روحاء مکہ مدینہ سے چھتیس میل ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے جو جنات کا مورث اعلٰی ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد قرین شیطان ہو جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے یا سارے شیاطین۔

۲؎ یعنی نمازی سے اتنی دوربھاگ جاتا ہے جتنا مدینہ سے روحاء۔

۳؎ راوی سے مراد ابوسفیان طلحہ ابن نافع مکی ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ روحاءمدینہ منورہ سے مکہ کی جانب ۳۶ میل یعنی۱۲کوس ہے،اس سے شیطان کی قوت رفتار معلوم ہوئی کہ وہ پل بھرمیں ۳۶میل جا آسکتا ہے کیوں نہ ہوکہ وہ آتشی ہے۔آگ کی رفتار اگردیکھنا ہوتو آج بجلی کی رفتار دیکھ لو،جب نارکی یہ رفتارہے تو اولیاء اللہ اورانبیاءکرام نوری لوگوں کی رفتارکا کیا پوچھنا،قرآن کریم فرمارہا ہے کہ بنی اسرائیل کے ولی آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے بلقیس کا تخت شام میں لے آئے،معراج کی رات سارے نبیوں نے بیت المقدس میں حضور کے پیچھے نماز پڑھی،حضور برق رفتار براق پرسوارہوکر پل بھرمیں آسمانوں پرپہنچے،تو یہ انبیاء پہلے پہنچ کر وہاں استقبال کے لیے حاضر تھے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت علقمہ ابن وقاص سے ۱؎ فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ کے پاس تھا جب ان کے مؤذن نے اذان دی حضرت معاویہ نے بھی وہ ہی کہاجومؤذن نے کہا حتی کہ جب اس نے حی علی الصلوۃ کہا تو آپ نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باﷲ پھر جب حی علی الفلاح کہا تو آپ نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باﷲ العلی العظیم ۲؎ اس کے بعدوہی کہا جومؤذن نے کہاپھرفرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہی فرماتے سنا۔(احمد)

۱؎ آپ لیثی ہیں،حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے،شیخ نے فرمایا کہ تابعی ہیں مگرمرقاۃ میں ہے کہ صحابی ہیں،جنگِ خندق میں حاضرہوئے،عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں مدینہ پاک میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی "حی علی الصلوۃ" اور فلاح پرصرف لاحول شریف پڑھی یہ کلمات نہ دہرائے،بعض علماءکایہی عمل ہےمگرزیادہ قوی یہ ہے کہ یہ کلمات بھی دہرائے اورلاحول شریف بھی پڑھ لے،جیسا کہ پہلے عرض کیاجاچکا۔ظاہر یہ ہے کہ آپ نے "حی علی الصلوۃ"پربھی پوری لاحول ہی پڑھی ہوگی مگرراوی نے اختصارکیا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضرت بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب خاموش ہوئے تو حضرت محمد مصطفٰی نے فرمایا جویقین سے اس طرح کہاکرے جو اس نے کہا جنت میں داخل ہوگا ۱؎ (نسائی)

۱؎ظاہر یہ ہے کہ اس سے اذان کا جواب مراد ہے،یعنی ایمان لاکر یہ کلمات دہرائے تو جنتی ہے۔اگر کافر مذاق کے طور پر اذان کی نقل کرے تو اس کے کفر میں اور اضافہ ہوگا۔اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ جب اذان دہرانے کا یہ ثواب ہے تو اذان دینے پر کیا ثواب ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مؤذن کو شہادتین کہتے سنتے تو فرماتے اور میں بھی اور میں بھی ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی میں بھی اللہ کی توحید اوراپنی رسالت پر گواہی دیتا ہوں۔خیال رہے کہ ہم توحیدورسالت کی گواہی سن کر دے رہے ہیں اور حضور دیکھ کر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی ذات وصفات اورسارے عالم غیب کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے،نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم ہمارے لیے علم حضوری کیونکہ رسالت آپ کا اپنا وصف ہے،نیز حضور کا کلمہ یہ بھی تھا"اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًارَّسُوْلُ اللہِ"اوریہ بھی کہ "اَشْھَدُاَنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ"میں اللہ کا رسول ہوں،کبھی اس طرح کلمہ پڑھتے تھے،کبھی اس طرح۔اگر ہم کہہ دیں کہ میں رسول اللہ ہوں تو کافرہوجائیں۔ایک کلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کلمۂ ایمان ہے اور ہمارے لیے کفر۔التحیات میں بھی ہم پڑھتے ہیں"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایسے بھی پڑھتے تھے،اور کبھی "السلام علی"۔(ازمرقاۃ)

روایت ہی حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوبارہ سال اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہوگی ۱؎اورہردن اس کی اذان کے عوض ساٹھ نیکیاں اورتکبیر کے عوض تیس نیکیان لکھی جائیں گی۲؎(ابن ماجہ)	

۱؎پہلے سات سال اذان دینے پر آگ سے نجات کا وعدہ فرمایا گیاتھا،یہاں بارہ سال پر جنت کا وعدہ ہے کیونکہ جیسا اذان میں اخلاص ویسا ہی اس پر اجر،حضرت بلال کو ایک اذان پر وہ ثواب ملے گا جو دنیا بھر کے مؤذنوں کو عمربھر کی اذانوں پر نہ ملے۔اورہوسکتاہے کہ پہلے بارہ سال کی اذان پروعدۂ جنت فرمایا گیاہو،پھر رحمت کو وسیع فرماتے ہوئے سات سال کی اذان پروعدہ ہوگیا۔اس صورت میں یہ حدیث پہلی سے منسوخ ہے۔

۲؎یعنی تکبیر کا ثواب اذان سے آدھا ہے کیونکہ تکبیر صرف مسجد والوں کے لیے ہے اور اذان سارے لوگوں کے لیے،نیز تکبیر میں آسانی ہے،اذان میں مشقت اورثواب بقدرمشقت ملتا ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ ثواب بارہ سال کے مؤذن کے لئے خاص نہیں بلکہ جو بھی اخلاص سے اذان کہے ان شاءاللہ یہ ثواب پائے گا،بلکہ اذان واقامت کا جواب دینے والا بھی ان شاءاللہ اس اجر کا مستحق ہوگاجیسا کہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ہم کومغرب کی اذان کے وقت دعا کا حکم دیاجاتاتھا ۱؎(بیہقی دعوات کبیر)	

۱؎غالبًا اس سے وہی دعا مراد ہے جو حضرت ام سلمہ کی روایت میں گزر چکی۔خیال رہے کہ بعض لوگ اذان کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کو منع کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں جب تک کہ ممانعت قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو کسی کو منع کرنے کا کیا حق ہے،ہر دعامیں ہاتھ اٹھاناسنت سے ثابت ہے،جیسا کہ دعاؤں کے باب میں ان شاءاللہ آئے گا،سواء نماز کی دعاؤں کے کہ وہاں نماز میں مشغولیت کی وجہ سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کھانے کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کومنع فرمایامگر اسی کی وجہ یہ بتائی کہ شاید بعض لوگ ابھی کھاناکھارہے ہوں تو انہیں شرمندگی ہوگی کہ سب کھاچکے ہم ابھی تک کھارہے ہیں،یہ بھی ان کی رائے ہے اور اس کی وجہ یہ ہےنہ کہ ممانعت شرعیہ۔

باب فیہ فصلان

باب اس میں دو فصلیں ہیں ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ؘ چونکہ اس باب میں اذان کے متعلق مختلف مضامین کی احادیث آئیں گی اس لئے مصنف نے اس باب کا ترجمہ مقرر نہ کیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو ۱ؘ حتی کہ ابن ام مکتوم اذان دیں فرماتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا شخص تھے اذان نہ کہتے حتی کہ ان سے کہا جاتا صبح ہوگئی صبح ہوگئی ۲ؘ (مسلم،بخاری)	

۱ؘ غالبًا ہمیشہ صبح کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں ایک تہجداور سحری کے لئے،دوسری نماز فجر کے لئے،پہلی اذان سیدنا بلال دیتے تھے اوردوسری اذان سیدنا ابن ام مکتوم۔اب بھی مدینہ منورہ میں تہجد کی اذان ہوتی ہے چونکہ ان دونوں اذانوں کی آوازوں اورطریقۂ ادا میں فرق ہوتا تھااس لیے لوگوں کو اشتباہ نہ ہوتا تھا۔

۲ؘ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اذان صرف نماز کے لئے خاص نہیں اور مقاصد کے لیے بھی ہوسکتی ہے۔دیکھو سیدنا بلال کی یہ اذان سحری کوجگانے کے لئے ہوتی تھی۔دوسرے یہ کہ فجریا دیگر اذانیں اگروقت سے پہلے ہوجائیں تو وقت میں کہنی پڑیں گی۔دیکھوسیدنا بلال کی اذان پر اکتفا نہ کی گئی،امام اعظم کا یہی مذہب ہے۔امام شافعی کے ہاں اذان فجروقت سے پہلے بھی جائزہے،اسی حدیث کی بناءپرمگریہ دلیل کمزور ہے ورنہ دوبارہ اذان کی کیا ضرورت تھی۔تیسرے یہ کہ نابینا کو اذان کے لیےمقررکرسکتے ہیں جب کہ اسے وقت بتانے والا کوئی ہو۔چوتھے یہ کہ ایک مسجدمیں دو یا زیادہ مؤذن ہوسکتے ہیں۔پانچویں یہ کہ سحری کو جگانے کے لیے اذان دینا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہےمگریہ جب ہوگا جب لوگ اس اذان سے شبہ میں نہ پڑجائیں ورنہ ہرگز نہ دی جائے۔ہمارے ملک میں اذان صبح صادق کی علامت ہے اگریہاں سحری کی اذان دی گئی تو کوئی فجر کے شبہ میں سحری نہ کھا سکے گایاکوئی دوسری اذان کوپہلی سمجھ کردن میں کھاکر روزہ خراب کرلیگااس لیے اب ہرگز اس پر عمل نہ کیا جائے۔بہت سی چیزیں عہدصحابہ میں درست تھیں،اب ممنوع ہیں۔دیکھو اُس زمانہ میں جوتا پہن کرمسجد میں آنا اورمع جوتے نماز پڑھنا مروج تھااب ممنوع ہے۔پختہ مکان بنانے منع تھے،اب جائز ہے۔کھیتی باڑی سے لوگوں کوروکا گیاتھااب ضروری ہے۔زکوۃ کے مصرف آٹھ تھے اب سات ہیں۔حالات بدل جانے سے ہنگامی احکام بدل جاتے ہیں۔

روایت ہے سمرہ ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہیں سحری سے نہ بلال کی	

	اذان روکے اور نہ لمبی فجر لیکن کنارہ آسمان میں پھیلنے والی فجر ۱؎(مسلم)اس کے لفظ ترمذی کے ہیں۔

۱؎ صبح دو ہوتی ہیں:صادق اور کاذب۔صبح کاذب مشرق ومغرب میں بھیڑیئے کی دم کی طرح لمبی سفیدی ہے جو ظاہر ہوکر غائب ہوجاتی ہے۔اس سے کچھ دیر بعد جنوبًا شمالًا سفیدی نمودار ہوتی ہے جو بعد میں پھیل جاتی ہے اس کا نام صبح صادق ہے۔اسی وقت سے دن شروع ہوتاہے۔سبحان اللہ! حضور نے ایک لفظ "**مستطیل**"فرماکر صدہا مسئلے بیان فرمادیئے۔

	روایت ہے حضرت مالک بن حویرث سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا چچیرا بھائی حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۲؎ آپ نے فرمایا کہ جب تم دونوں سفر کروتواذان وتکبیر کہو اورتم میں کا بڑا امامت کرے ۳؎ (بخاری)

۱؎ آپ کا نام مالک،کنیت ابوسلیمان ہے،قبیلۂ بنی لیث سے ہیں،ایک وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے،۲۰ دن حاضری رہی،بصرہ میں قیام کیا،عبدالملک کے زمانہ میں ۷۴ھ میں وہیں وفات پائی۔

۲؎ وداع ہونے کے لیے ۲۰دن قیام کرنے کے بعد۔معلوم ہوا کہ مدینہ سے چلتے وقت خدمت اقدس میں حاضر ہونا سنت صحابہ ہے۔اب بھی حجاج مکہ معظّمہ سے چلتے وقت طواف وداع کرتے ہیں اورمدینہ پاک سے رخصت ہوتے وقت سلام وداع عرض کرتے ہیں۔

۳؎ یعنی اذان وتکبیر کوئی بھی کہہ دے مگر امامت بڑا ہی کرے۔سفر کی قید اس لیے لگائی کہ سفر میں کوئی امام مقرر نہیں ہوتا،مسجدوں میں جوامام مقرر ہوگا وہی امامت کرے گا چھوٹاہو یا بڑا،جیسا کہ دیگر روایات میں ہے۔بڑے میں بہت تفصیل ہے۔علم میں بڑا،قرأت قرآن میں بڑا،تقویٰ اور پرہیزگاری میں بڑا،عمر میں بڑا۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ اذان سے امامت افضل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ سفرمیں بھی حتی الامکان جماعت سے نماز پڑھنی چاہیئے،نیز اگر دو آدمی بھی ہوں تو بھی جماعت کرلیں الگ الگ نہ پڑھیں۔بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر اذان کو فرض فرمایا مگر صحیح یہی ہے کہ اذان سنت ہے۔ہاں شعاردین میں سے ہیں کہ اس کے روکنے پر جہادواجب ہے۔

	روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ویسے ہی نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ۱؎ جب نماز حاضر ہوتو تم میں سے کوئی اذان دے اورتم میں کا بڑا امامت کرے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ سبحان اللہ!کیسا ایمان افروز کلمہ ہے یعنی میں اور میرے افعال قرآن کی بولتی ہوئی تفسیر ہیں۔رب نے صرف نماز کا حکم دیا،طریقۂ ادا نہ بتایا۔فرمایا جارہا ہے"**اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ**"کی تفسیر میں ہوں اورمیرا عمل۔سارے قرآن کا یہی حال ہے۔

ع تری سیرت کو ہم قرآن کی تفسیر کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی اذان ونماز دونوں وقت میں ہوں،لہذاکوئی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں(حنفی)۔اکبرکی تفسیرابھی گزر چکی۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے لوٹے ۱؎ تو رات بھرچلتے رہے جب آپ کونیند آنے لگی تو آخر رات میں اترے اوربلال سے فرمایا کہ رات میں ہماری حفاظت کرو ۲؎ حضرت بلال سے جس قدر ہوسکانماز پڑھتے رہے ۳؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سو گئے پھرجب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال نےمشرق کی طرف منہ کرکے اپنی سواری سے ٹیک لگائی سواری سے ٹیک لگائے ان کی آنکھ لگ گئی ۴؎ پھر نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیدارہوئے اور نہ بلال نہ کوئی صحابی حتی کہ انہیں دھوپ لگی ۵؎ ان سب سے پہلے حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے اور فرمایااے بلال ۶؎ تب حضرت بلال بولے کہ میرے نفس کو وہ ہی لے گیا جو آپ کے نفس مبارک کو لے گیا ۷؎ فرمایا ہانکو صحابہ نے اپنی سواریاں کچھ ہانکیں ۸؎ پھررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوکیا اورحضرت بلال کو حکم دیا انہوں نے نماز کی تکبیر کہی پھر ان سب کو فجر پڑھائی جب نماز پوری کرچکے تو فرمایا کہ جو نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میری یاد پر نماز قائم کرو ۹؎ (مسلم)

۱؎ مدینہ منورہ کی طرف یہ غزوہ محرم ۷ھ میں ہوا،قریبًا ۱۷ دن مسلمانوں نے خیبر کامحاصرہ کیا،اللہ نے شاندارفتح عطا فرمائی۔خیبر مدینہ پاک سے ۳منزل ہے۔

۲؎ اس رات کا نام"لیلۃ تعریس"ہے اور اس واقعہ کا نام"واقعۂ تعریس"ہے۔تعریس کے معنی ہیں آخر رات میں آرام کے لیے اترنا۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کو اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے،نیز بندوں سے اپنی حفاظت کرانا توکل کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی جتنے نوافل آج رات ان کے مقدر میں لکھے تھے اورجن پروہ قادرتھے پڑھے۔

۴؎ یعنی انکی نیت سونے کی نہ تھی بلکہ بیٹھ کرطلوع فجر دیکھنے کا ارادہ تھااسی لیےآپ لیٹے نہیں بلکہ بیٹھے رہے اورمنہ بھی مشرق کی طرف رکھامگرہونے والی بات کہ بے اختیارسو گئے،لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے سرکاری فرمان کی مخالفت کی۔

۵؎یعنی دھوپ کی گرمی سے بیدار ہوئے۔خیال رہے کہ حضور کی آنکھ سوتی تھی دل بیدار رہتا تھا مگر سویرا،اندھیرا،اجیالا دیکھنا آنکھ کا کام ہے نہ دل کا،لہذا یہ واقعہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند غفلت پیدا نہیں کرتی اسی لیے نیند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا۔آج نماز کی قضا غفلت سے نہ ہوئی بلکہ رب نے اپنے پیارے کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور ادھر سے توجہ ہٹا لی تاکہ امت کو قضاء پڑھنے کے احکام معلوم ہوجائیں،لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

۶؎تم نے یہ کیا کیا ہمیں نماز کے وقت جگایا کیوں نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز قضا ہونے پر گھبرا جانا بھی سنت وعبادت ہے جس پر بڑا ثواب ملتا ہے۔

۷؎یعنی جس حکمت والے رب نے آپ کو اس وقت جاگنے نہ دیا اسی نے مجھے سلادیا،اس کلام میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَ الَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا"۔سبحان اللہ!کیا مبارک جواب ہے یعنی ہمارا یہ سوتا رہ جانا شیطانی یانفسانی نہیں بلکہ رحمانی ہے جس میں مصلحت ایمانی و اسلامی ہے۔

۸؎یعنی اس جنگل سے چلو نماز آگے پڑھیں گے کیونکہ ابھی سورج طلوع ہورہا تھا نماز جائز نہ تھی کچھ دور جانے میں قدرے سفر بھی طے ہوجائے گا اوروقت کراہت بھی نکل جائے گا،عرب میں ٹھنڈے وقت سفر کرتے ہیں۔خیال رہے کہ آفتاب چمکنے کے بیس منٹ بعد نماز جائز ہوتی ہے۔یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ سورج نکلتے وقت نہ فرض نماز جائز نہ نفل۔امام شافعی کے ہاں اس وقت فجر کی قضاء جائز ہے۔

۹؎یعنی بے اختیاری حالت میں نماز قضاء ہوجانے پر گناہ نہیں۔خیال رہے کہ یہاں نماز کی اذان بھی کہی گئی اور تکبیر بھی سنتیں بھی پڑھی گئیں اور جماعت سے نماز بھی،لہذا اس حدیث سے بہت سے فقہی مسائل حل ہوئے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو نہ کھڑے ہو حتی کہ مجھے نکلتے دیکھ لو۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی تکبیر کے وقت صف میں پہلے سے نہ کھڑے ہوجاؤ بلکہ جب مجھے حجرے شریف سے نکلتے دیکھو تب کھڑے ہوتاکہ نماز کے قیام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیام تعظیمی بھی ہوجائے،حضور "حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحۡ"پر حجرے سے باہر جلوہ گر ہوتے تھے۔اب بھی سنت یہی ہے کہ مقتدی صف میں بیٹھ کر تکبیر سنے"حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحۡ"پر کھڑے ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ امام کی غیرموجودگی میں تکبیر جائز ہے جب کہ علامات سے معلوم ہوجائے کہ امام تشریف لانے والے ہیں۔اس کی بحث قریب میں گزرچکی ہے۔

روایت ہے ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جائے تو دوڑتے نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے اطمینان کے ساتھ آؤ،جوپالو وہ پڑھ لوجورہ جائے پوری کرلو۲؎(مسلم،بخاری)مسلم کی روایت	

	میں ہے کیونکہ جب کوئی نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے۳؎ یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

۱؎ یعنی جماعت کے لئے گھبرا کردوڑتے نہ آؤ کہ اس میں گرجانے چوٹ کھانے کا اندیشہ ہے۔خیال رہے کہ رب نے جو فرمایا"فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ"وہاں سعی سے مراد دوڑنا نہیں بلکہ نماز جمعہ کی تیاری کرناہے،لہذا آیت وحدیث میں مخالفت نہیں۔

۲؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جماعت میں شامل ہونے کے لئے سکون سے آنا مستحب ہے،دوڑنا مستحب کے خلاف ہے حرام نہیں،لہذا فاروق اعظم کا ایک دفعہ دوڑ کر رکوع میں شامل ہوجانا ناجائز نہ تھا۔دوسرے یہ کہ آخری جزو مل جانے سے جماعت مل جاتی ہے،لہذا جونمازجمعہ کی اَلتَّحِیَّاتُ میں مل جائے وہ جمعہ پڑھے۔تیسرے یہ کہ جس رکعت میں مقتدی ملے وہ تعداد کے لحاظ سے رکعت اول ہے اورقرأت کے لحاظ سے رکعت آخری۔

۳؎ یعنی جب سے وہ نماز کے ارادے سے گھر سے چلا اسے نماز کا ثواب مل رہا ہے پھرجلدی کیوں کرتا ہے،کیوں گرتا اورچوٹ کھاتا ہے،اطمینان سے آئے جو پائے اس کو ادا کرے۔خیال رہے کہ اگرتکبیراولیٰ یارکوع پانے کے لئے قدرے تیزی سے آئے مگر نہ اتنی کہ چوٹ لگنے گرنے کا اندیشہ ہوتومضائقہ نہیں جیساکہ فارو ق اعظم کا عمل پہلے بیان ہوا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّے کے رستے میں۲؎ نزول فرمایا اورحضرت بلال کو اس لیئے مقرر کیا کہ انہیں نماز کے لیئے جگادیں تب حضرت بلال اورسب حضرات سوگئے ۳؎ اورجب جاگے جب کہ ان پر سورج چمک رہا تھاقوم گھبرائی ہوئی جاگی انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سوارہوجائیں حتی کہ دوراس جنگل سے نکل جائیں اورفرمایا کہ اس جنگل میں شیطان ہے ۴؎ لوگ سوارہوئے حتی کہ اس جنگل سے نکل گئے پھرحضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اتریں اور وضوکریں اورحضرت بلال کو حکم دیاکہ نماز کی تکبیریااذان کہیں ۵؎ پھرنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نمازپڑھائی ۶؎ پھر فارغ ہوئے ان کی گھبراہٹ

	دیکھی تو فرمایا اے لوگو! اللہ نے ہماری روحیں قبض فرمالی تھیں اگرچاہتا اس کے علاوہ اور وقت انہیں واپس کرتا ۷؎ جب تم میں سے کوئی نماز سے سوجائے یا اسے بھول جائے پھر گھبرا کر اس کی طرف آئے تو اسے ویسے ہی پڑھے جیسے اس کے وقت میں پڑھتا تھا۸؎ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرصدیق کی طرف توجہ فرمائی فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا جب وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے انہیں لٹادیا ۹؎ پھر انہیں تھپکورتا رہا جیسے بچہ تھپکوراجاتاہے حتی کہ وہ سو گئے پھر نبی کریم روف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا تو حضرت بلال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح خبردی جیسے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرصدیق کو خبردی تھی۱۰؎ ابوبکر صدیق بولے میں گواہی دیتا ہوں آپ سچے رسول ہیں ۱۱؎ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔(مالک)

۱؎ آپ حضرت عمرفاروق کے آزادکردہ غلام ہیں،تابعی ہیں،بڑے علم وتقویٰ والے ہیں۔

۲؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ تعریس کا یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ پہلا واقعہ خیبر اورمدینہ منورہ کے درمیان پیش آیا تھااوریہ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ کے درمیان ہوا۔شیخ نے فرمایا کہ غالبًا واقعہ تو وہ ہی ہے مگر یہاں راوی کو دھوکا ہوا کہ مکہ معظّمہ کے راستے میں سمجھا۔

۳؎ اگر یہ خیبر والا واقعہ ہے تو حضرت بلال اونٹ کی پیٹھ سے ٹیک لگائے سوگئے اورصحابہ کبار باقاعدہ لیٹ کر ارادۃً سوئے۔اور اگر دوسرا واقعہ ہے تو حضرت بلال بھی لیٹ کرسوئے،مگرسونے کا ارادہ نہ تھا کمرسیدھی کرنے لیٹے کہ آنکھ لگ گئی تھی۔

۴؎ اس کی شرح وہ ہی ہے جو پہلے ہوچکی،یعنی اس جنگل میں ابھی سورج طلوع ہورہاہےاور شیطان کے سینگوں کے درمیان ہے،اس وقت نماز مکروہ ہے،کچھ آگے چلو سفر بھی طے ہوجائے گااور سورج بھی بلند ہوجائے گا۔یہ مطلب نہیں کہ یہاں اس جنگل میں چونکہ شیطان ہے جس نے ہمیں سلادیا لہذا یہاں نماز نہ پڑھو کیونکہ شیطان ہروقت انسان کے ساتھ رہتا ہے،نیزشیطان کی وجہ سے نماز نہ پڑھنا قرین قیاس نہیں۔بت خانوں،شراب خانوں میں نمازاس لیے مکروہ ہے کہ وہ ہرجگہ گناہوں یا شرک وکفر کی ہے۔استنجاخانہ اورحمام میں نمازمکروہ کہ وہ جگہ نجاست کی ہے کہ اس لیے کہ وہاں شیطان ہے۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اَو بمعنی واؤ ہے یعنی اذا ن اورتکبیر کہیں اور اگرشک کے لئے ہے تو یہ شک راوی کو ہے،یعنی مجھے خیال نہیں کہ میرے شیخ نے اذان کا ذکر کیایاتکبیر کا۔

۶؎ معلوم ہوا کہ اگرپوری قوم کی نماز رہ جائے تو قضاء باجماعت کی جائے گی اور اس کے لیے اذان واقامت بھی ہوگی۔

۷؎ یعنی اگر چاہتا ہوتو ہمیں قیامت ہی کے دن اٹھاتا یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ آج ہی جگادیا،نیندموت کی چھوٹی بہن ہے،لہذا اس قضاء پر گھبراؤ مت،اس میں رب تعالٰی کی حکمتیں ہیں۔

۸؎ اکثر حنفیوں کا یہ قول ہے کہ جہری نماز کی قضاء بھی جہر سے کی جائے گی اورخفی نمازوں کی قضا بھی آہستہ قرأت سے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی نماز اگر گھر میں قضاء کرے تو قصر ہی کرے گا اوراگر گھر کی نماز سفر میں قضا بھی کرے تو پوری،نیز اگر فجر کی نماز زوال سے پہلے قضاء پڑھے تو سنتیں بھی قضا کرے گا۔

۹؎ سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کی صفائی بیان فرمارہے ہیں کہ انہوں نے ہمارے حکم کی مخالفت نہ کی،جو کچھ ہوا شیطان کی حرکت سے ہوا،بلال بے قصور ہیں۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ صبح کے وقت شیطان لوگوں کو ایسے تھپکورتا ہے جیسے ماں بچے کو سلاتے وقت اس وقت **لاحول** پڑھ کر اٹھ جاناچاہیئے۔دوسرے یہ کہ شیطان کبھی مقبول بندوں پر بھی وسوسہ یانیند ڈال دیتا ہے،ہاں انہیں گمراہ نہیں کرسکتا۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ"۔تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے میں بھی لوگوں کے ہر حال سے خبردار رہتے ہیں اورشیطان کی حرکتوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔دیکھو رب تعالٰی نے یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب کے طلوع سے بے توجہ کردیا مگرجو واقعہ بلال کو پیش آیا وہ ملاحظہ فرماتے رہے جس محبوب کی نیند میں ایسی خبرداری ہے اس کی بیداری کا کیا حال ہوگا،رب فرماتا ہے:"عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَاعَنِتُّمۡ"(ان پر تمہاری ہر تکلیف گراں ہے)۔معلوم ہوا کہ وہ امت کارکھوالا اپنے ہرامتی کے ہرحال سے خبردار ہے۔خیال رہے کہ یہاں بلال کی نیند کا بھی سبب شیطان تھا،مگرنیند کا خالق رب اس لئے ابھی کچھ پہلے اسی حدیث میں اس نیند کو رب کی طرف منسوب فرمایا گیا اوریہاں شیطان کی طرف۔فقیر کی اس تقریر سے بہت سی آیات اوراحادیث سے شبہات اٹھ جائیں گے۔

۱۰؎ کہ میں نماز پڑھ رہا تھا شیطان نے مجھے تھپکورا میں سوگیا۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام شیطان کی حرکات محسوس کرتے تھے بلکہ کبھی شیطان کو حرکتیں کرتے دیکھتے بھی تھے اورپکڑ بھی لیتے تھے اور وہ ان کے ہاتھوں چھوٹ نہ سکتا تھا،معافی مانگ کربھاگتا تھاجیسا کہ اسی مشکوۃ شریف میں آگے آئے گا۔

۱۱؎ یعنی آج میں نے آپ کی رسالت آنکھوں سے دیکھ لی،دیکھ کرگواہی دے رہا ہوں۔معلوم ہوا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب آپ کی نبوت اوررسالت کی دلیل ہے۔جوکوئی علم کا انکارکرتا ہے درپردہ نبوت کا انکاری ہے۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "**جاء الحق**" حصہ اول میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابن عمرسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذنوں کی گردنوں میں مسلمانوں کی دوچیزیں لٹکی ہوئی ہیں انکے روزے اورنمازیں۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ کہ مؤذن مسلمانوں کے نماز،روزے دونوں کے ذمہ دار ہیں کہ اذان سے ہی سحری اورافطارہے اوراذان سے ہی نمازوں کی اداء۔اگر اذانیں صحیح وقت پر دیں گے لوگوں کے روزے نماز درست ہوں گے اورسب کا ثواب ان کو ملے گا۔اوراگر غلط

وقت پر دیں گے تو سب کے روزے،نماز برباد ہوں گے اوروبال ان حضرات پر۔مرقاۃ نے یہاں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں پہلے انبیاء جائیں گے،پھربیت اللہ کے مؤذن،یعنی بلال،پھر بیت المقدس کے مؤذن،پھرسارے مؤذن۔

باب المساجد ومواضع الصلوۃ

باب مسجدوں اورنماز کے مقامات کابیان ؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مسجد کے لغوی معنے ہیں سجدہ گا۔مگرشریعت میں وہ جگہ مسجد ہے جونماز کے لیےوقف ہو۔وہ حدیث شریف جس میں ہے کہ ساری زمین میرے لیے مسجدہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہرجگہ نمازجائزہے۔پچھلے دینوں میں سواءعبادت خانوں کے اور کہیں نماز نہ ہوتی تھی۔نمازکے مقامات سے مراد وہ جگہ ہیں جہاں نمازمکروہ یاغیرمکروہ ہے۔خیال رہے کہ گھرمیں بنائی ہوئی مسجدافضل ہے مگر وقف نہیں۔

	روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبے شریف میں داخل ہوئے ۱؎تو اس کے گوشوں میں دعا مانگی اورنماز نہ پڑھی ۲؎حتی کہ وہاں سے تشریف لے آئے جب نکلے تو دو رکعتیں کعبے کے سامنے پڑھیں ۳؎اورفرمایا یہ ہے قبلہ ۴؎(بخاری)اورمسلم نے انہی سے روایت اسامہ بن زید سےروایت کی۔

۱؎یعنی فتح مکہ کے دن اولًا کعبہ شریف سے بت نکالے گئے،پھر اسے آبِ زم زم سے دھویا گیا،پھرحضورانور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے۔خیال رہے کہ کعبہ معظّمہ اورمسجد حرام شریف تمام مسجدوں بلکہ عرشِ الٰہی سے بڑھ کرہے۔(مرقاۃ)

۲؎صحیح یہ ہے کہ حضورانورعلیہ السلام نے اس دن وہاں نماز پڑھی ہے۔حضرت ابن عباس کو اس کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ اس وقت آپ حضورعلیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نہ تھے۔آگے حضرت بلال کی روایت آرہی ہے کہ آپ نے وہاں نمازپڑھی اور وہ اس وقت تک حضورانورعلیہ الصلوۃ والسلام کے ہمراہ تھے ان کی خبردیکھ کر ہے اور ان کی سنی ہوئی،نیز اس روایت میں نمازکی نفی ہے اور وہاں ثبوت اورتعارض کے وقت ترجیح ثبوت کو ہوتی ہے۔

۳؎کیونکہ کعبہ کو منہ کرکے نہ ادھر پیٹھ کرکے اور نہ کروٹ لے کر۔

۴؎ یعنی تا قیامت کعبہ تمام مسلمانوں کا قبلہ ہوچکا کبھی منسوخ نہ ہوگا۔اس میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہورہا ہے کہ کعبہ کا ہرحصہ قبلہ ہے،سارا کعبہ نمازی کے سامنے ہونا ضروری نہیں،کعبہ کے اندرنمازی بعض حصہ کی طرف پیٹھ کرتا ہے اوربعض کی طرف منہ،مگرنمازہوجاتی ہے۔خیال رہے کہ کعبہ وہاں کی فضاء کا نام ہے جو زمین سے آسمان تک ہے نہ کہ دیواروں کا نام۔دیکھو پہاڑ پریاتہہ خانہ کے اندرنماز پڑھنے کی صورت میں کعبہ کی دیوارنمازی کے سامنے نہ ہوگی مگرنمازدرست ہوگی،لہٰذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے(رضی اللہ عنہما) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسامہ ابن زید،بلال ابن رباح اور عثمان ابن طلحہ حجبی ۱؎ کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ پرکعبہ بندکرلیا ۲؎ اس میں کچھ ٹھہرے جب تشریف لائے تو میں نے بلال سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیاکیا تو فرمایا ایک ستون اپنے بائیں اور دوستون اپنے دائیں اور تین ستون اپنے پیچھے رکھے کعبہ اس دن چھ ستونوں پر تھا پھر نماز پڑھی ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ عبدری قرشی حجبی ہیں،قبیلہ بنی شیبہ سے ہیں،کعبہ شریف کے کلید بردار ہیں،فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا"خُذْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً"یعنی یہ چابی لواب یہ ہمیشہ تمہارے پاس ہی رہے گی،چنانچہ اب تک کعبہ کی چابی انہیں کی اولاد میں ہے اور ان شاءاللہ تاقیامت رہے گی کہ نہ کبھی ان کی نسل ختم ہوگی اور نہ کوئی ظالم بادشاہ ان سے چھین سکے گا،یزید اور حجاج جیسے ظالموں نے بھی اس چابی کو ہاتھ نہ لگایا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

۲؎ حضرت بلال نے یاعثمان نے اندرسے کنڈی لگالی تاکہ لوگوں کا ہجوم نہ ہوجائے اس لئے نہیں کہ بغیرکعبہ بند کئے اس میں نمازجائز نہ تھی جیسا کہ شوافع نے سمجھا۔

۳؎ یعنی دروازہ کعبہ سے داخل ہوکر سامنے دیوار کے قریب پہنچے حتی کہ تین ستون پیٹھ کے پیچھے رہ گئے اور وہ دیوار قریب ہوگئی،پھرنماز پڑھی۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی سیدنا بلال آنکھوں دیکھا واقعہ بتارہے ہیں،یہ واقعہ فتح مکہ کے دن ہی کاہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کعبہ میں ہرنماز جائزہے فرض ہو یانفل،یہی حنفیوں کا مذہب ہے،امام مالک کے ہاں کعبہ میں نفل جائز ہیں فرض نہیں،اما م شافعی کے ہاں اگر دروازۂ کعبہ کھلا ہوتو دروازہ کی طرف منہ کرکے نمازجائزنہیں مگرامام اعظم کا قول بہت قوی ہے اور یہ حدیث اس کی پوری تائید کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی اورکسی نمازوجگہ کی قید نہ لگائی کہ کعبہ میں فلاں نماز یا فلاں حصّہ میں نمازجائز نہیں۔لطیفہ:مرقاۃ نے فرمایا عثمان ابن طلحہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ وہجرت سے پہلے میں پیر اورجمعرات کو کعبہ کھولا کرتا تھا۔ایک روزحضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میرے لیےآج کعبہ کھول دو میں نے آپ کی بڑی بے ادبی کی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بردباری فرمائی اور فرمایا کہ اے عثمان!عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ تم یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھو گے جسے چاہوں دوں۔میں بولا کہ اگر ایسا ہوا تو قریش ہلاک ہوجائیں گے اورکعبہ ذلیل ہوجائے گا،فرمایا نہیں رب کعبہ کی قسم!کعبہ کو اسی دن عزت ملے گی مگرمجھے یقین ہوگیا کہ ایسا ہوکر رہے گا کیونکہ اس زبان کی بات خالی نہیں جاتی حتی کہ جب حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضاء کے لیےبیت اللہ شریف ذیقعدہ ۷ھ میں تشریف لائے اور میں نے آپ کی سج دھج دیکھی تو میرے قلب کا حال بدل گیا دل میں ایمان آگیا،موقعہ ڈھونڈا مگر خدمت میں حاضر نہ ہوسکا حتی کہ آپ مدینہ واپس ہوگئے مگر میرا یہ حال تھا۔

وہ دکھا کے شکل جو چل دیئےتو دل ان کے ساتھ رواں ہوا

نہ وہ دل ہے اور نہ وہ دلربا رہی زندگی سو وہ بار ہے

ایک روز دل بہت بے چین ہوا تو اندھیرے منہ مکہ سے بھاگا،راستہ میں خالد ابن ولید اورعمرو ابن عاص سے ملاقات ہوئی ان کا حال بھی میرا ہی ساتھا۔چنانچہ ہم تینوں مدینہ منورہ حاضرہوئے اور دست اقدس پربیعت کرکے مسلمان ہوگئے،پھرفتح مکہ کے دن جوکہ رمضان ۸ھ میں ہوا ہم تینوں حضور انور کے ساتھ ہی مکہ آئے تب مجھ سے حضورعلیہ السلام نے چابی منگائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ چابی مجھے دے دی جائے،میں ڈر کی وجہ سے چابی مانگ نہ سکا،مجھے وہ واقعہ یاد تھا اور میں سمجھتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے مقابلہ میں مجھ غیرکی کیا حیثیت ہے مگرکرم خسروانہ کے قربان، فرمایا:اے عباس!اگرتم اللہ اور رسول پرایمان لائے ہو تو چابی مجھے دو،چابی لے کرفرمایا:عثمان کہاں ہیں؟میں بولا حضور حاضر،فرمایا لو یہ چابیاں ہمیشہ تم میں رہے گی اس بنا پر یہ آیت اتری:"اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا"پھر زندگی بھر یہ چابی عثمان کے پاس رہی،وفات کے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ ابن عثمان کو عطاکی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ہزارنمازوں سے بہترہے سوائے مسجدحرام کے[1](مسلم،بخاری)	

[1]یعنی مسجدنبوی کی ایک نماز سوائے کعبۃ اللہ کے باقی تمام جہاں کی مسجدوں کی ہزارنمازوں سے بہتر ہے۔خیال رہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد صرف وہی نہیں ہے جوحضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھی بلکہ بعدمیں جو اس میں زیادتیاں کی گئیں وہ سب حضورعلیہ السلام کی مسجد ہی کہلائیں گی اور اس کے ہرحصہ میں نماز پنجگانہ کا یہی درجہ ہوگا اگرچہ اس حصہ میں جو زمانۂ نبوی میں مسجدنہ تھا۔خصوصًا جنت کی کیاری میں نمازافضل ہے،نیز جس قدر روضۂ اطہر سے قرب زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ کیونکہ حضور علیہ السلام کے قرب ہی کی تو ساری بہارہے۔خیال رہے کہ مسجدنبوی کی نماز ثواب میں بیت اللہ شریف کی نماز سے اگرچہ کم ہو مگر درجہ اور تقرّب میں وہاں کی نماز سے بھی زیادہ ہےکیونکہ وہاں کعبہ سے قرب ہے اوریہاں ان سے قرب ہے جنہوں نے کعبہ کوقبلہ بنادیا۔اسی لئےفتح مکہ کے بعد بھی مہاجرین وانصارمدینہ ہی میں رہے اوریہیں کی نمازوں کو دل وجان سے قبول کیا۔مرقاۃ نے فرمایا کہ صرف نماز کے لیےزیادتی نہیں ہے بلکہ مدینہ کی ہرعبادت کا یہی حال ہے۔قاضی عیاض،ملا علی قاری،شامی وغیرہم فرماتے ہیں کہ حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا اندرونی حصہ جو جسم اطہر سے مس ہے وہ کعبہ معظّمہ وعرش اعظم سے بھی افضل ہے۔

روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین مسجدوں کے سوا کسی طرف کجاوے نہ باندھیں جائیں ایک مسجد حرام،ایک مسجد اقصٰی اورایک میری یہ مسجد[1](مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی سواءان مسجدوں کے کسی اورمسجد کی طرف اس لیےسفرکرکے جانا کہ وہاں نماز کا ثواب زیادہ ہے ممنوع ہے،جیسے بعض لوگ جمعہ پڑھنے بدایوں سے دہلی جاتے تھے تاکہ وہاں کی جامع مسجد میں ثواب زیادہ ملے یہ غلط ہے،ہر جگہ کی مسجدیں ثواب میں برابر ہیں۔اس توجیہ پرحدیث بالکل واضح ہے۔وہابی حضرات نے اسی کے معنی یہ سمجھے کہ سواء ان تین مسجدوں کے کسی اور مسجد کی طرف سفر ہی حرام ہے۔لہذا عرس،زیارت قبوروغیرہ کے لئےسفرحرام۔اگر یہ مطلب ہوتو
پھرتجارت،علاج،دوستوں کی ملاقات،علم دین سیکھنے وغیرہ تمام کاموں کے لیےسفر حرام ہوں گے اور ریلوے کا محکمہ معطل ہوکررہ جائے گا اوریہ حدیث قرآن کے خلاف ہی ہوگی۔اور دیگر احادیث کے بھی،رب فرماتا ہے:"قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ انۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عٰقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ"۔مرقاۃ نے اسی جگہ اور شامی نے "زیارت قبور"میں فرمایا کہ چونکہ ان تین مساجد کے سواءتمام مسجدیں برابر ہیں اس لئےاورمسجدوں کی طرف سفرممنوع ہے اور اولیاءاللہ کی قبریں فیوض و برکات میں مختلف ہیں،لہذا زیار ت قبور کے لیےسفرجائزکیا،یہ جہلاء انبیاءکرام کی قبور کی طرف سفر بھی منع کریں گے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان۱؎جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۲؎ اور میرا منبر میرے حوض پرہے۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎بعض روایات میں ہے کہ میری قبراورمیرے منبر کے درمیان۔بعض روایات میں ہے کہ میرے حجرے اور مصلے کے درمیان مگرسب کے معنی ایک ہی ہیں کیونکہ حضورانورصلی اللہ علیہ وسلم کا گھرحجرہ شریف اورقبر انور ایک ہی جگہ ہے اورمصلّٰی یعنی محراب النبی اورمنبرشریف بالکل متصل ہیں۔جیساکہ زیارت کرنے والوں کو معلوم ہے۔
۲؎یعنی یہ جگہ پہلے جنت کا باغ تھی وہاں سے لائی گئی،اللہ نے خلیل کو جنت کا سنگ اسود عطا فرمایا اوراپنے حبیب کے لیےجنت کا باغ بھیجا،یایہ جگہ بعینہٖ کل جنت کاباغ ہوگی،یا جویہاں آگیا توگویا جنت کے باغ میں داخل ہوگیا کہ آئندہ اس کی برکت سے جنت میں ضرورجائے گا،یا یہ جگہ جنت کے باغ کے مقابل ہے۔خیال رہے کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر اللہ کے حلقوں کو اورمؤمن کی قبرکو جنت کاباغ فرمایا ہے وہاں بھی بہت توجیہیں ہیں۔
۳؎یہاں بھی وہی توجیہیں ہیں کہ یہ جگہ پہلے میرے حوض پر تھی،وہاں سے یہاں لائی گئی یا آئندہ کنارۂ حوض پر ہوگی یا اب کنارۂ حوض پرہوگی،یا اب کنارۂ حوض کے مقابل ہے یاجسے اس کا بوسہ نصیب ہوجائے وہ گویا میرے حوض پر پہنچ گیا۔خیال رہے کہ منبرسے مراد منبر کی جگہ ہے وہاں منبر کوئی سا بھی ہو،نیز کعبہ کا سنگ اسود اور رکن یمانی اورمدینہ پاک کی یہ جگہ اگرچہ جنت سے آئی ہے لیکن وہاں کا وہ رونق وحسن ختم کردیا گیا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ہرہفتہ کے دن مسجدقبا شریف میں۱؎پیدل اورسوارتشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ قباء ایک بستی ہے،مدینہ منورہ سے تین میل دور وہاں کی مسجد کا نام قباء ہے۔اسی جگہ حضور علیہ السلام نے ہجرت کے دن مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے قیام فرمایا اور یہی مسجد پہلے بنائی گئی۔قرآن کریم نے اس مسجد کے بڑے فضائل بیان کیئے ہیں۔فقیر نے بارہا وہاں کی زیارت کی ہے۔

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ جو مدینہ پاک سے وضوء کرکے مسجد قبا جائے وہاں دو نفل پڑھے تو عمرے کا ثواب پائے۔اب بھی حجاج وغیرہ ہفتہ کے دن یہ عمل کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مسجدوں اور ان کے قیام گاہ متبرک ہیں ان کی زیارت ثواب کیونکہ مسجد قباء انصار کی مسجد ہے اور وہ حضرات مقبولینِ بارگاہ تھے،وہاں پیشانیاں رگڑنا اورسجدے کرنا قبولیت کا ذریعہ ہے۔حضور خواجہ اجمیر قدس سرہ نے لاہور آکر حضرت داتا صاحب کی پائنتی چلہ کیا وہ اسی حدیث سے ماخوذ تھا۔ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا ؎

سید ہجویر مخدوم امم　　　مرقد او پیر سنجر راحرم

خیال رہے کہ جہاں بزرگوں کے قدم پڑجائیں وہ جگہ تاقیامت متبرک ہوجاتی ہے۔اب قباء میں انصار نہیں لیکن اس کی شرافت وہی ہے ؎

بگفتا من گل ناچیز بودم　　　ولیکن مدتے باگل نشستم

	روایت حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آبادیوں میں رب کو پیاری جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ وہاں کے بازار ہیں۱؎ (مسلم)

۱؎ کیونکہ مسجدوں میں اکثر ذکر اللہ کے لیےحاضری ہوتی ہے اور بازاروں میں اکثر جھوٹ،فریب،غیبت وغیرہ،اگرچہ کبھی مسجدوں میں بھی جوتی چور اور بازاروں میں بھی اولیاءاللہ چلے جاتے ہیں اسی لیے فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں میں سے ہونا کہ جن کا جسم بازار میں اور دل مسجد میں ہے،ان میں سے نہ ہو جن کا جسم مسجد میں اور دل بازار میں ہو۔خیال رہے کہ یہاں شہروں سے مراد عام شہر ہیں۔مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ ان سے علیحدہ ہیں۔وہاں کے تو گلی کوچے بازار وغیرہ سب خدا کو پیارے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ ھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ"اور فرماتا ہے:"لَاۤ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ"۔کیوں نہ ہو کہ یہ محبوب کی نگریاں ہیں ؎

کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم　　　اس کف پاء کی حرمت پہ لاکھوں سلام

	روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی مسجد بنانے والے کے لئے جنت میں ایسا گھر بنایا جائے گا جو وہاں دوسرے مکانوں سے ایسا افضل ہوگا جیسے مسجد دنیا کے دوسروں گھروں سے،ورنہ جنت کے گھروں کو یہاں کی عمارات سے کیا نسبت۔خیال رہے کہ پوری مسجد بنانا اور تعمیر مسجد میں چندہ دینا دونوں کے لئے یہی بشارت ہے بشرطیکہ ریاء کے لئے نہ ہو اللہ کے لئے ہو،اسی لئے علماء مسجد پر اپنا نام لکھنے کو منع

کرتے ہیں کہ اس میں ریاء کا شائبہ ہے،ہاں اگرطلب دعا کے لئےہوتو حرج نہیں۔(مرقاۃ)اسی حدیث کی بناء پرصحابہ کرام اوراسلامی بادشاہوں نے اپنی یادگاروں میں مسجدیں چھوڑیں،مسجدبڑی ہویاچھوٹی،کچی ہویاپکی ثواب بقدر اخلاص ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جوشخص صبح یا شام مسجد کوجائے جب کبھی صبح یا شام جائیگا اللہ اس کے لیئےجنت کی مہمانی کا سامان بنائیگا ا(مسلم،بخاری)	

ا صبح شام سے مراد ہیشگی ہے،یعنی جوہمیشہ نماز کے لیےمسجد میں جانے کا عادی ہوگا اسے ہمیشہ جنتی رزق ملے گا۔نُزُل اس کھانے کو کہتے ہیں جومہمان کی خاطرپکایا جائے،چونکہ وہ پرتکلف ہوتا ہے اورمیزبان کی شان کے لائق،اس لئےجنتی کھانے کو نُزُلْ فرمایا گیا،ورنہ جنتی لوگ وہاں مہمان نہ ہوں گے مالک ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں نماز کا ثواب پانے والا وہ ہے جس کا راستہ دراز ہو پھروہ جس کا راستہ درازہو ااورجونماز کا انتظارکرے حتی کہ امام کے ساتھ پڑھے اس کا ثواب اس سے زیادہ ہے جونماز پڑھے پھرسوجائے ۲(مسلم،بخاری)	

ایعنی جس کا گھر اپنی مسجد سے دورہو،پھروہ مسجدمیں جماعت سے نماز پڑھاکرے اسے بقدرقدم ثواب ملے گا۔یہ مطلب نہیں کہ محلے کی مسجد چھوڑکرخواہ مخواہ دورکی مسجدمیں پہنچا کرے،ہاں اگرمحلے کی مسجد کا امام بدعقیدہ ہے تو اورجگہ جاسکتاہے۔

۲خواہ اکیلے نماز پڑھ کر،خواہ دوسرے امام کے پیچھے جماعت سے پڑھ کرکیونکہ جماعت اول کا زیادہ ثواب ہے اور جماعت اول وہی ہے جو امام مسجد کے ساتھ پڑھی جائے،ہاں اگر وہ امام وقت مکروہ میں نماز پڑھتاہوتو اکیلا ہی پڑھ لے،جیسا کہ گزشتہ احادیث میں گزرچکا۔

روایت ہے حضرت جابرسے فرماتے ہیں مسجد کے اردگرد کچھ مکانات خالی ہوئے تو بنوسلمہ نے چاہا اکہ مسجد کے قریب آن بسیں ۲یہ خبرحضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوپہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا مجھے خبرپہنچی ہے کہ تم مسجد کے قریب آن بسنا چاہتے ہو وہ بولے ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ ارادہ تو کیا ہے فرمایا اے بنوسلمہ اپنے گھروں ہی میں رہو تمہارے نقش قدم لکھے جارہے ہیں اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے نقش قدم لکھے جارہے ہیں ۳(مسلم)	

۱؎ یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے جن کے گھر مسجد نبوی شریف سے بہت دور تھے۔
۲؎ یعنی ان لوگوں نے یہ کوشش نہ کی کہ اپنے محلے میں الگ مسجد بنالیں،بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز کے لئے اپنے گھر چھوڑ دینا اور محلّہ خالی کر دینا گوارا کرلیا۔
۳؎ تمہارے نامۂ اعمال میں ثواب کے لیے کیونکہ مسجد کی طرف ہر قدم عبادت ہے یا تمہاری اس مشقت کا تذکرہ حدیث کی کتب میں اور علماء کی تصانیف میں لکھا جائے گا،واعظین اس پر وعظ کریں گے،جو تمہارے واقعے سن کر دور سے مسجد میں آیا کریں گے،ان سب کا ثواب تمہیں ملا کرے گا۔خیال رہے کہ گھر کا مسجد سے دور ہونا متقی کے لئے باعث ثواب ہے کہ وہ دور سے جماعت کے لئے آئے گا مگر غافلوں کے لئے ثواب سے محرومی کہ وہ دوری کی وجہ سے گھر میں ہی پڑھ لیا کریں گے،لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ منحوس وہ گھر ہے جس میں اذان کی آواز نہ آئے یعنی غافلوں کے لیے دوری گھر نحوست ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات شخص وہ ہیں جنہیں اللہ تعالٰی اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا ۱؎ جب اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا عادل بادشاہ ۲؎ وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں جوانی گزارے ۳؎ وہ شخص جس کا دل جب سے کہ وہ مسجد سے نکلے مسجد میں لگا رہے حتی کہ مسجد میں لوٹ آئے ۴؎ وہ دو شخص جو اللہ کے لیئے محبت کریں جمع ہوں تو اسی محبت پر اور جدا ہوں تو اسی پر ۵؎ اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھیں بہیں ۶؎ اور وہ شخص جسے خاندانی حسین عورت بلائے وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں ۷؎ اور وہ شخص جو چھپ کر خیرات کرے حتی کہ اس کا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنا ہاتھ کیا دے رہا ہے ۸؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اپنی رحمت کے سایہ میں یا عرش اعظم کے سایہ میں تاکہ قیامت کی دھوپ سے محفوظ رہیں۔
۲؎ یعنی وہ مؤمن بادشاہ اور حکام جو رعایا میں انصاف کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے سایہ میں رہتی تھی،لہذا یہ قیامت میں رب تعالٰی کے سایہ میں رہے گا۔یہ ان تمام سے افضل ہے اس لئے اس کا ذکر سب سے پہلے ہوا۔عادل حکام بھی اس بشارت میں داخل ہیں۔
۳؎ یعنی جوانی میں گناہوں سے بچے اور رب کو یاد رکھے،چونکہ جوانی میں اعضاء قوی اور نفس گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے،اس لئے اس زمانہ کی عبادت بڑھاپے کی عبادت سے افضل ہے۔

در جوانی توبہ کردن سنت پیغمبری است   وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

صوفیاءفرماتے ہیں کہ مؤمن مسجد میں ایسا ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔اور منافق ایسا جیسے چڑیا پنجرے میں،اسی لیے نماز کے بعد بلاوجہ فورًا مسجد سے بھاگ جانا اچھانہیں۔خدا توفیق دے تو مسجد میں پہلے آؤ اور بعد میں جاؤ،اور جب باہر رہو تو کان اذان کی طرف لگے رہیں کہ کب اذان ہو اور مسجد کو جائیں۔

۵؎ کہ جس کی محبت سے رب راضی ہو اس سے محبت کریں اور۔جس کی نفرت سے رب راضی ہو اس سے نفرت کریں،بے دین اور بدعمل اولاد سے نفرت،متقی اجنبی سے محبت عبادت ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

یونہی گہرے دوست کی بدعقیدگی پر واقف ہوکر اس سے الگ ہوجانا اورجانی دشمن سے تقوے پرخبردارہوکر اس کا دوست بن جانا بہترین عمل ہے۔

۶؎ یعنی خوف خدایا عشق جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں روئے،تنہائی کی قید اس لئےلگائی کہ سب کے سامنے رونے میں ریاء کا اندیشہ ہے۔

۷؎ یعنی خود ایسی عورت اس سے بدفعلی کی خواہش کرے اور یہ اس نازک موقعہ پر محض خوف خدا سے بچ جائے یہ بہت مشکل ہےاسی لئےرب تعالٰی نے یوسف علیہ السلام کے اس فعل شریف کی تعریف قرآن میں فرمائی اللہ نصیب کرے۔خیال رہے کہ ایسے نازک موقعہ پرعورت سے یہ کہہ دینا ریاءنہیں تبلیغ ہے،یعنی میں رب تعالٰی سے ڈرتا ہوں تو بھی ڈر۔

۸؎ یہاں صدقۂ نفلی مرادہے صدقۂ فرض اورچندے کے موقعہ پرصدقہ نفل علانیہ دینا مستحب ہے،لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ہِیَ"۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مرد کی باجماعت نماز اس کے گھر یا بازار کی نمازپر پچیس گناہ زیادہ ثواب رکھتی ہے ۱؎ اور یہ اس لیئےہے کہ جب وہ وضو کرے تو اچھی طرح کرے پھرمسجد کی طرف چلے ۲؎ بجز نماز اور کوئی چیز اسے نہ لے جائے جوقدم بھی ڈالے گا اس پراس کا ایک درجہ بلندہوگا اورایک گناہ معاف ہوگا ۳؎ پھرجب نماز پڑھے گا تو جب تک اپنی نمازکی جگہ میں رہے گا ملائکہ اسے دعائیں دیتے رہیں گے یااللہ اسے بخش دے،خدایا اس پر رحم کر ۴؎ اورجب تک تم میں کا کوئی نماز کاانتظار کرتاہے نماز ہی میں رہتا ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب مسجد میں گھستا ہے نماز ہی اس کو روکتی ہے ۵؎ اورفرشتوں کی دعا میں یہ زیادتی ہے الٰہی اسے بخش دے۔الٰہی اس کی توبہ قبول فرما جب تک کہ وہاں

	وہ ایذا نہ دے اور وضو نہ توڑے ٦؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہاں بازار سے مراددکان ہے نہ کہ بازارکی مسجد،بعض مسجدوں میں ۲۵ کا ثواب ہے،بعض میں ۲۷ کا،بعض میں ۵۰۰ کا،جیسی مسجد ہو،جیسی جماعت،جیسا امام ویسا ثواب،لہذا احادیث میں تعارض نہیں جو کوئی اپنے گھرمیں جماعت کرالے وہ بھی مسجد کے ثواب سے محروم ہے۔

۲؎معلوم ہوا کہ گھر سے وضوکرکے مسجد کو جانا ثواب ہے کیونکہ یہ چلنا عبادت ہے اورعبادت باوضو افضل۔بعض لوگ بیمار پرسی کرنے باوضو جاتے ہیں۔

۳؎یہ گنہگاروں کے لیےہے۔نیک کاروں کے لئےہر قدم پر دو نیکیاں اور دو درجے بلندکیونکہ جس چیز سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے بے گناہوں کے درجے بڑھتے ہیں۔

۴؎غالبًا یہاں صلوۃ سے مراد اخروی رحمت ہے اور رحم سے مراد دنیوی رحمت یا صلوٰۃ سے مرادخاص رحمت ہے اور رحم سے مراد عام رحمت،اور بہت سی توجیہیں ہوسکتی ہیں۔

۵؎یعنی انتظارنماز کے سوا اورکسی وجہ سے مسجد میں نہیں بیٹھتا گویا نماز ہی میں رہتا ہے،اسی لیےاس وقت انگلیوں کی "تشبیک"منع ہے۔

٦؎یعنی فرشتوں کی یہ دعائیں اس وقت تک ملیں گی جب تک وہ کسی نمازی کو ستائے نہیں،اور وہاں ریح نہ نکالے۔خیال رہے کہ غیرمعتکف کو مسجد میں ریح نکالنا منع ہے،معتکف چونکہ مسجد ہی میں رہتا ہے اس لئےاسے معافی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوسعیدسے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے توکہہ دے الٰہی میرے لئےاپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب نکلے تو کہہ دے خدایا میں تجھ سے تیرافضل مانگتا ہوں۱؎(مسلم)

۱؎ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مسجدمیں قدم رکھتے وقت یہ کہے"بِسۡمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ"پھریہ دعا پڑھ لے۔خیال رہے کہ مسلمان مسجدمیں صرف عبادت کے لیےآتا ہے اور اکثرطلب روزی کے لیےمسجد سے نکلتا ہے،لہذا آتے وقت رحمت اور جاتے وقت فضل مانگنا بہتر ہے۔(مرقاۃ وغیرہ)

	روایت ہے ابوقتادہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ نفل "تحیۃ المسجد"ہیں جومسجدمیں داخلے کے وقت پڑھے جاتے ہیں جب کہ وقت کراہت نہ ہو،لہذا فجراورمغرب کے سواء باقی نمازوں میں یہ نفل پڑھنا مستحب ہے۔خیال رہے کہ یہ حکم عام مسجدوں کے لیےہے،مسجدحرام کے لیےبجائے ان نوافل کے طواف بہتر ہے اور یہ حکم غیرخطیب کے لئےہے،خطیب جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہی خطبہ پڑھے گا۔

روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر سے واپس ہوتے تو دن میں چاشت کے وقت ہی تشریف لاتے پھر جب آتے تو مسجد سے ابتدا کرتے وہاں دو رکعتیں پڑھتے پھر وہاں ہی کچھ دیر بیٹھتے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس حدیث سے تین مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ سفر سے گھر کو واپس دن میں آنا چاہیئے مگر یہ اس زمانے کے لیے تھا جب کہ مسافر اپنی آمد کی اطلاع پہلے سے نہیں دے سکتا تھا۔اب چونکہ تار و خط کے ذریعے اطلاع پہلے دی جاسکتی ہے اس لئے رات میں آنے میں کوئی حرج نہیں،گھر والے اس کے منتظر اور اس کے لئے تیار رہیں گے۔دوسرے یہ کہ گھر پہنچ کر پہلے مسجد میں آئے اور وہاں نفل قدوم پڑھے اگر وقت کراہت نہ ہو،ورنہ وہاں صرف کچھ بیٹھ لے۔تیسرے یہ کہ گھر میں آنے سے پہلے مسجد میں کچھ بیٹھے اور لوگوں سے وہاں ہی ملاقات کرلے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص کسی کو مسجد میں گمی چیز ڈھونڈتے سنے ۱؎ تو کہہ دے خدا تجھے وہ چیز واپس نہ دے کہ مسجدیں اس لیئے نہیں بنی ہیں ۲؎(مسلم)	

۱؎ چیخ کر شور مچا کر جس سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل واقع ہو کیونکہ خاموشی سے گمشدہ چیز مسجد میں ڈھونڈھ لینا ممنوع نہیں جیسا کہ منشاء حدیث سے ظاہر ہے۔

۲؎ یعنی مسجدیں دنیاوی باتیں کرنے،شور مچانے کے لئے نہیں بنیں،یہ تو نماز اور اللہ کے ذکر کے لیے بنی ہیں۔بہتر یہ ہے کہ اس شور مچانے والے کو سنا کر کہے تاکہ وہ اس سے باز آجائے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں بھیک مانگنا دیگر قسم کی دنیاوی باتیں کرنا منع ہے۔بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے بھکاری کو خیرات نہ دو کہ یہ گناہ پر مدد ہے،حضرت علی مرتضٰی نے جو نماز کی حالت میں سائل کو انگوٹھی خیرات کی وہ سائل غالبًا مسجد سے باہر ہوگا یا آپ مسجد کی علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھ رہے ہوں گے۔خیال رہے کہ نکاح،دینی وعظ،نعت خوانی،قاضیٔ اسلام کے فیصلے یہ سب چیزیں دینی ہیں،لہذا مسجد میں جائز ہیں۔ان کے متعلق احادیث وارد ہیں،البتہ جماعت کے وقت جب پہلی جماعت ہورہی ہو یہ کام نہ کئے جاویں تاکہ نماز میں حرج نہ ہو بعد میں کئے جاویں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس بدبودار درخت سے کچھ کھائے تو ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ۱؎ کیونکہ فرشتے بھی اس سے ایذا پاتے ہیں جس سے انسان ایذا پاتے ہیں ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جو کچی پیاز یا کچا لہسن کھائے تو جب تک منہ سے بو آتی ہو تب تک کسی مسجد میں نہ آئے،لہذا حقہ پی کر،کچی مولی یا گندنا کھاکر بھی نہ آئے،نیز جس کے کپڑوں یا منہ سے بدبو ظاہر ہومسجد میں نہ آئے،گندہ دہن کا حکم بھی یہی ہے۔خیال رہے کہ تمام دنیا کی مسجدیں حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں،لہذا مَسْجِدُنَا یعنی ہماری مسجد فرمانا درست ہے۔اس سے صرف مسجد نبوی مراد نہیں،جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔بعض روایات میں بجائے مَسْجِدُنَا کے اَلْمَسَاجِدُ ہے۔

۲؎ یعنی اگر مسجد انسانوں سے خالی بھی ہو تب بھی وہاں بدبُولے کر نہ جائے کہ وہاں رحمت کے فرشتے ہروقت رہتے ہیں اس کی بدبو سے ایذاء پائیں گے۔خیال رہے کہ مسجد کے فرشتے رحمت کے فرشتے ہیں،ان کی طبیعت نازک اوران کا احترام زیادہ ہے،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فرشتے تو ہر انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں تو چاہیئے کہ کبھی یہ چیزیں نہ کھائے کیونکہ اللہ تعالٰی نے ساتھی فرشتوں کی طبیعت اورقسم کی بنائی ہے۔علماءفرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی مجمع میں بدبو دار منہ یاکپڑے لےکر نہ جائے تاکہ لوگوں کو ایذاء نہ پہنچے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدمیں تھوکنا گناہ ہے اس کاکفارہ اسے دفن کردیناہے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے پکے فرش اوروہاں کی چٹائیوں،مصلّوں پرہرگز نہ تھوکے کیونکہ وہاں اسے دفن نہ کر سکے گا۔یہ ان مسجدوں کے لیےحکم تھا جہاں کے فرش کچے تھے اور وہ بھی سخت ضرورت کے موقعہ پر جب کہ نماز میں کھنکار آجائے اور باہر جانے کا موقعہ نہ ہو،بلاوجہ وہاں تھوکنا منع اوراہانت کے لیےوہاں تھوکنا کفر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذررضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے۱؎تو میں نے ان کے اچھے اعمال سےتکلیف دہ چیز کاراستہ سےدور کردینا پایا اوران کےبرےاعمال میں سے اس تھوک کوپایا جومسجد میں ہو کہ دفن نہ کیا گیا۲؎(مسلم)	

۱؎ یعنی تاقیامت میرا جو امتی جو اچھا برا عمل کرے گا مجھے سب دکھادیئے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی اور اس کے ہرعمل سے خبردار ہیں۔حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اندھیرے،اجیالے،کھلی،چھپی،موجود ومعدوم ہرچیز کو دیکھ لیتی ہے۔جس کے آنکھ میں مَازَاغَ کا سرمہ ہواس کی نگاہ ہمارے خواب وخیال سے زیادہ تیز ہے،ہم خواب وخیال میں ہر چیز کودیکھ لیتے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نگاہ سے ہرچیز کا مشاہدہ کرلیتے ہیں۔صوفیاءفرماتے ہیں کہ یہاں اعمال میں دل کے اعمال بھی داخل ہیں لہذا حضور علیہ السلام ہمارے دلوں کی ہر کیفیت سے خبردار ہیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"جلد اول میں دیکھو۔

۲؎ مَسَاوِیٔ سُوْءٌ کی جمع ہے،بمعنی برائی جیسے مَسَاعِیٔ سَعْیٌ کی جمع،اس کی ی ہمزہ کے عوض ہے۔راستہ سے مسلمانوں کا راستہ مراد ہے،یعنی جس راستہ سے مسلمان گزرتے یا گزرسکتے ہوں وہاں سے کانٹا،اینٹ،پتھر دور کردینا ثواب ہے۔جانوروں،جنات،حربی کفار کا راستہ مراد نہیں۔ان کافروں کے راستے میں کانٹے،بارود بچھانا،ان کے پل توڑنا،ڈائنامیٹ لگاکر راستے اڑادینا سب کچھ عبادت ہے کیونکہ جہاد میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہوتو اپنے سامنے نہ تھوکے کہ وہ جب تک نماز میں ہے اللہ سے گفتگو کررہا ہے اور نہ داہنی طرف تھوکے کہ اس طرف فرشتہ ہے اپنی بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے کہ پھر اسے دفن کردے۔

	اور ابوسعید کی روایت ہے کہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے ۱؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رحمتِ الٰہی نمازی پرخصوصیت سے سامنے آتی ہے۔دوسرے یہ کہ نماز میں ضرورۃً داہنے بائیں منہ پھیرسکتا ہے کیونکہ اس تھوکنے کے لئے منہ پھیرنے کی اجازت دی گئی۔تیسرے یہ کہ داہنے ہاتھ کا فرشتہ یعنی نیکیاں لکھنے والا بائیں ہاتھ کے فرشتے سے افضل ہے۔مرقاۃ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ والا حاکم ہے،بائیں والا محکوم،داہنے والا رحمت کا فرشتہ ہے،بایاں غضب کا۔چوتھے یہ کہ بڑوں کا ادب بھی بڑا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں جس سے اٹھے نہیں ۱؎ فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پرخدا لعنت کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گا بنالیا ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی مرض وفات شریف میں،لہذا یہ حدیث محکم ہے منسوخ نہ ہوئی۔

۲؎ اس طرح کہ ان کی قبروں کی طرف سجدہ کرنے لگے،بلکہ بعض انہی قبروں کو پوجنے لگے،یہ دونوں فعل شرک ہیں یا ان کی قبروں کو مسمار کرکے فرش مسجد میں داخل کرلیا،اوراس پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے یہ بھی حرام ہے کہ اس میں قبر کی توہین ہے۔خیال رہے کہ بزرگوں کے آستانوں کے برابر مسجد بنانا اور برکت کے لئے وہاں نمازیں پڑھنا،قرآن شریف اور بہت احادیث سے ثابت ہے،سورۂ کہف میں ہے:"لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا"یعنی مسلمانوں نے کہا کہ ہم اصحاب کہف کے غار پرمسجد بنائیں گے۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روضۂ انور اوراکثر صحابہ کے مزارات کے پاس مسجدیں ہیں،یہ خود صحابہ یا صالحین نے بنائیں۔اب مزارات اولیاءاللہ کے پاس عامۃ المسلمین مسجدیں بناتے ہیں،مقبولوں کے قرب میں نماز

زیادہ قبول ہوتی ہے۔مسجدنبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار ہے حضور انور کے قرب کی وجہ سے۔رب تعالٰی نے گنہگاروں اسرائیلیوں سے فرمایا تھا:"اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ"یعنی بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے گھسو اور وہاں جاکرتوبہ کرو،قبورانبیاء کی برکت سے توبہ قبول ہوگی۔زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتا ہے:"هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّه"وہاں بی بی مریم کے پاس کھڑے ہوکر زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی دعا مانگی۔ان آیات سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے قرب میں توبہ اوردعا بہت قبول ہوتی ہے۔یہ بھی خیال رہے کہ قبر پرکھڑے ہوکرنمازپڑھنا منع ہے لیکن اگرقبر پر ڈاٹ لگا کراوپرفرش بنایا جائے تو وہاں بلاکراہت جائزہے۔چنانچہ کعبۃ اللہ کے مطاف میں ۷۰ نبیوں کے مزارات ہیں جن پر طواف و نماز ہوتے ہیں،نیز کعبہ کے پرنالے کے نیچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مزارشریف ہے جہاں دن رات نمازیں پڑھی جاتی ہیں وہاں یہی وجہ ہے۔(مرقاۃ و اشعہ)

	روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خبردار رہو تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں اور نیکوں کی قبروں کو سجدے گاہ بنالیتے تھے خبردار تم قبروں کو سجدہ گا نہ بنانا میں اس سے تمہیں منع کرتا ہوں ۱؎(مسلم)

۱؎شیخ نے لمعات میں فرمایا کہ اگر قبر مٹ بھی گئی ہو مگرمشہور ہوکہ یہاں قبرتھی وہاں بھی نماز نہ پڑھے،لیکن بزرگ کی قبر کے پاس نماز پڑھنا تاکہ اس کی روح سے مدد لے کرنماز کو زیادہ قابل قبول بنائے بہت ہی بہتر ہے۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنی کچھ نمازیں اپنے گھروں کے لئے مقرر کرو ۱؎اورگھروں کو قبرستان نہ بناؤ ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس طرح کہ فرض مسجدمیں پڑھو اورسنت ونفل گھر میں آکر یانماز پنجگانہ مسجد میں پڑھو اورنمازتہجد،چاشت وغیرہ گھر میں،تاکہ نماز کا نورگھروں میں رہے اورعورتوں وبچوں کوتمہیں دیکھ کرنماز کا شوق ہو،نیز گھر کی نماز میں ریاءکم ہوتی ہے۔

۲؎یعنی قبرستان کی طرح انہیں نماز سے خالی مت رکھو یا گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔خیال رہے کہ گھر میں دفن ہونا حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے،پھرحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو یہ شرف نصیب ہوا۔دوسروں کو شہرسے باہرقبرستان ہی میں دفن کرنا چاہیئے۔بعض لوگ اپنی تعمیر شدہ مسجدیا مدرسے میں اپنی قبر کی جگہ رکھتے ہیں اور وہیں دفن کئے جاتے ہیں اور وہ اس حدیث کی زد میں نہیں آتے کیونکہ اس سے وہ جگہ قبرستان نہیں بن جاتی۔"قبورًا"میں اسی طرف اشارہ ہے نہ ان کی قبر کھودکر لاش نکالناجائزکہ بعددفن میت نکالنا جائز نہیں،الا لحق ادمی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ پورب و پچھم کے درمیان قبلہ ہے[1] (ترمذی)	

[1] یہ حدیث مدینہ والوں کے لیے ہے کیونکہ وہاں کعبہ جانب جنوب ہے،ہمارے ہاں قبلہ جانب مغرب ہے۔اس سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ اگرنمازی کا منہ ۴۵ ڈگری سے کم کعبہ سے پھر جائے نماز ہوجائے گی کیونکہ اس حال میں وہ مشرق و مغرب کے مابین رہے گا۔

روایت ہے حضرت طلق ابن علی سے فرماتے ہیں کہ ہم وفدکی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے[1] تو ہم نے آپ کی بیعت کی اور اس کے ساتھ نماز پڑھی[2] اورہم نے آپ کوخبر دی کہ ہماری زمین میں ہمارا گرجاہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وضو کا غسالہ مانگا تو آپ نے پانی منگایا وضوکیا اورکلی کی پھریہ پانی ایک برتن میں بھردیا اورہم کو دیا فرمایاجاؤ[3] جب اپنے وطن کو پہنچوتو اپنا گرجا توڑ ڈالو اوراس کی جگہ یہ پانی چھڑک دو[4] اوراُسے مسجد بنالو ہم نے عرض کیاکہ ہمارا شہر دور رہے اور گرمی سخت ہے پانی سوکھ جائے گا[5] فرمایا اسے اورپانی سے بڑھاتے رہو اس سے برکت ہی بڑھے گی[6] (نسائی)	

[1] یعنی اپنی قوم کے نمائندے بن کر ان سب کی طرف سے اسلام لانے اوراحکام سننے کے لیے۔

[2] یہ بیعت اسلام کہلاتی ہے۔آج کل عام بیعتیں بیعت توبہ ہوتی ہیں۔بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مقبول کے ذریعہ رب سے کچھ معاہدے کرنا۔بیعت چارقسم کی ہے۔اس کی تفصیل ہماری کتاب "شانِ حبیب الرحمٰن"میں دیکھو۔حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا بڑی نعمت ہے اسی لیے یہ حضرات اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ یہ پانی حضور علیہ السلام کے اعضاءشریف کا دھوون تھا جس میں خصوصیت سے ایک اور کلی بھی کردی گئی تھی،اورہوسکتا ہے کہ وضو کا پانی بچا ہو اور اس میں کلی کردی گئی جو برکت کے لیے ان کو دیا گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تبرکات کو خزانۂ مخفی جانتے تھےاس لیے عاجزی سے مانگا کرتے تھے۔

[4] تاکہ اس کی برکت سے گزشتہ کفر کی گندگی جاتی رہے اورآئندہ تمہاری نمازیں زیادہ قبول ہوں،اورتمہاری یہ مسجد اورمسجدوں سے افضل ہوکیونکہ اس میں ہماراتبرک پہنچا ہے۔

۵؎ یعنی راستہ میں ہم برکت کے لیے پئیں گے،تاکہ مسجد کے ساتھ ہمارے دل بھی منوّرہوں اور گرمی سے بھی خشک ہوگا۔
٦؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جس چیز کو حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے مس ہوجائے تو تبرک بن جاتی ہے،لہذا خاک مدینہ تبرک بھی ہے شفا بھی۔دوسرے یہ ہے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ معنوی نجاستوں کو بھی دورکردیتا ہے۔تیسرے یہ کہ جس مسجد میں مختار کل ختم رُسُلْ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک ہو وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے،یعنی مسجد وں میں سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف رکھے ہیں،ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔چوتھے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات اورشہروں میں لے جانایابھیجنا سنتِ صحابہ ہے۔بعض لوگ عرسوں کا لنگر دور دور بھیجتے ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔مرقاۃ میں ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم امیر مکہ سے آبِ زمزم مدینہ منگایا کرتے تھےاب بھی آب زمزم ملک ملک پہنچتاہے۔پانچویں یہ کہ تبرک سے جو چیز مل جائے وہ تبرک بن جاتی ہے۔اب بھی آب زمزم میں اور پانی ملا کر پلایا جاتا ہے۔چھٹے یہ کہ مسلمان کفار کا عبادت خانہ نہیں گراسکتے ہیں،اگرکفارمسلمان ہوکرخودہی اپنا عبادت خانہ گراکروہاں مسجد بنا لیں توجائز ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے اور انہیں پاک وصاف اورمعطررکھنے کا حکم دیا ۱؎(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اس سے مسجد بیت مراد ہے،یعنی گھر میں کوئی حجرہ یا گوشہ نماز کے لیے رکھا جائے جہاں کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے،اس جگہ صفائی ہو اورخوشبو کا لحاظ رکھا جائے۔ہم نے اپنے بزرگوں کو اس پر عامل پایا،اب اس کا رواج جاتا رہا۔بعض علماءفرماتے ہیں کہ اس سے محلے کی مسجد مراد ہے،یعنی جہاں مسلمانوں کے چندگھر ہوں وہاں ایک مسجد بھی بنالیا کریں۔پنجاب میں کنوؤں پرمسجدیں ہوتی ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں خوشبوئیں سلگانا،عطر ملنا مستحب ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدوں کی ٹیپ ٹاپ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ۱؎ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم لوگ یہودیوں اورعیسائیوں کیطرح مسجدوں کو سنوارو گے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ اس سے مرادناجائز آراستگی ہے،جیسے فوٹوؤں اورتصویروں سے سجانایافخریہ آرائش مراد ہے جو اللہ تعالٰی کے لیے نہ ہو۔بہر حال جائز زینت جو اخلاص کے ساتھ ہوباعث ثواب ہے۔
۲؎ یعنی جیسے عیسائی،یہودی اپنی عبادت گاہوں کوفوٹوؤں اورقد آدم آئینوں سے سجاتے ہیں،قیامت کے قریب مسلمان بھی مسجدوں کو ان سے آراستہ کریں گے،ورنہ مسجدکی زینت سنت صحابہ ہے۔چنانچہ عمر فاروق نے مسجدنبوی شریف کو مزین کیا،پھرعثمان غنی نے اس کی دیواریں چونے گچ سے خوب نقشیں بنائیں،چھت میں ساگوان لکڑی لگائی،حضرت سلیمان علیہ السلام

نے بیت المقدس میں اتنی روشنی کی تھی کہ اس میں عورتیں تین میل تک چرخہ کات لیتی تھیں۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں شیخی فخر کیا کریں گے ؎۱(ابوداؤد،نسائی،دارمی،ابن ماجہ)

؎۱یہ حدیث اورحضرت ابن عباس کا گزشتہ فرمان اس ممانعت کی بہترین تفسیر ہے،یعنی ناجائز چیزوں سے مسجد سجانایا فخرورياء کے طریقہ پرمسجد سجانا منع ہے۔مسلمان شبِ قدر میں مسجدوں میں چراغاں کرتے اور جھنڈیاں وغیرہ لگاتے ہیں۔بعض لوگ اس حدیث کی بناء پر اس سے منع کرتے ہیں یہ غلط ہے۔جب شادی بیاہ میں ہمارے گھر آراستہ ہوتے ہیں تو متبرک تاریخوں میں اللہ کے گھر کیوں آراستہ نہ ہوں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر میری امت کے ثواب پیش کیئے گئے حتی کہ وہ کوڑا جسے آدمی مسجد سے نکال دے ؎۱اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی سورہ یا آیت دی جائے پھر وہ اسے بھلا دے؎۲(ترمذی،ابوداؤد)

؎۱اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں جھاڑو دینا،اس کی دیواروں اورچھت کی مرمّت کرنابہترین عمل ہے۔
؎۲اس طرح کہ اس کا دور نہ کرے،نمازوں میں نہ پڑھےاس لیے بھول جائے۔اگر کوئی بڑھاپے کی وجہ سے کوئی آیت یاد نہ رکھ سکے تو شاید مجرم نہ ہو۔خیال رہے کہ گناہ کبیرہ اور گناہ عظیم میں فرق ہے یہ بھول جانا گناہ عظیم ہے گناہ کبیرہ نہیں،لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ بڑا گناہ کبیرہ شرک ہے۔

	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن پوری روشنی کی خوشخبری دو جو اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں ؎۱(ترمذی،ابوداؤد)

؎۱یعنی جو لوگ بارشوں،اندھیری راتوں میں مسجد سے نہیں رہ جاتے انہیں رب تعالٰی پلصراط پرجہاں گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے روشنی دیگا کہ ان کی پیشانی بیڑی کی طرح چمکتی ہوں گی،یہاں کا اندھیرا کام آئے گا۔

	اورابن ماجہ نے اسے سہل ابن سعدوانس سے روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابوسعیدخدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبرگیری کرتے دیکھو۱؎ تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو۲؎ کیونکہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ مسجدیں وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۳؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ اس طرح کہ ہر نماز کے لیے وہاں حاضر ہو،وہاں کی صفائی کرے،مرمت کا خیال رکھے،جائز زینت میں مشغول ہو،وہاں بیٹھ کردینی مسائل بیان کرے،وہاں درس دے یہ سب مسجد کی خبر گیری میں داخل ہیں۔

۲؎ کیونکہ یہ چیزیں ایمان کی علامتیں ہیں۔خیال رہے کہ یہ گواہی ایسی ہی ہے جیسے کسی کا لباس اورشکل دیکھ کر ہم اسے مؤمن سمجھتے اورکہتے ہیں۔گواہی سے مراد قطعی فیصلہ نہیں۔لہذا یہ حدیث "باب الایمان بالقدر"کی احادیث کے خلاف نہیں کہ عائشہ صدیقہ نے ایک انصاری بچے کو جوفوت ہوگیا تھا،جنت کی چڑیا کہا،حضور علیہ السلام نے اس سے منع کیا،فرمایا تمہیں کیاخبر یہ کہاں جائے گا۔نیز اگرکسی کا کفر ظاہر ہو اور وہ مسجد کی خدمت کرے تو اسے مؤمن نہ کہا جائے گا،جیسے اس زمانہ کے نمازی منافق اور اس زمانہ کے نمازی اورمسجدوں کے خدمت گارمرزائی،لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔"اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمٰلُکُمۡ"یا "قَدۡکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمٰنِکُمۡ"۔

۳؎ اس آیت کی دوتفسیریں ہیں:ایک یہ کہ مسجدیں آباد کرنے کی توفیق عموماً مؤمنوں ہی کو ملتی ہے۔دوسرے یہ کہ مسجدیں بنانے اورآبادکرنے کا حق صرف مؤمنوں کوہے کفارکونہیں اسی لیے منافقوں کی مسجد ضرار گرادی گئی تھی۔مرقاۃ نے فرمایا کہ یہاں مسجد کی آبادی میں مسجدوں میں چراغاں کرنا،اس کوسجانا سب داخل ہے۔

	روایت ہے حضرت عثمان ابن مظعون سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمیں خصی ہوجانے کی اجازت دیجئے۱؎ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوخصی ہویاخصی کرے وہ ہم میں سے نہیں۲؎ میری امت کا خصی ہونا روزے ہیں۳؎ عرض کیا کہ ہمیں خانہ بدوش ہونے کی اجازت دیجئے فرمایا میری امت کی خانہ بدوشی اللہ کی راہ میں جہاد ہے۴؎ عرض کیا ہمیں ترک دنیا کی اجازت دیجئے فرمایا میری امت کا ترک دنیا نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۵؎ اسے شرح السنہ نے روایت کیاہے۔

۱یعنی مجھے اور مجھ جیسے ان مسکینوں کو جن میں نکاح کی قدرت نہیں خصی ہونے کی اجازت دیں،تاکہ ہم زنانہ کر سکیں،یہ رب سے انتہائی خوف کی علامت ہے۔مرقاۃ نے فرمایا ان کا منشاء یہ تھا کہ ہم نکاح کے قابل نہ رہیں کیونکہ نکاح دنیاوی الجھنوں کی جڑ ہے،اللہ اللہ میں زندگی گزریں۔

۲اس لیے کہ وہ نسل انسانی بند کرتا ہے،انسان کی بقاء سے اسلام کا بقاءہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قاطع باہ دوائیں کھانا اور کھلانا حرام ہیں،نیز عورتوں کے رحم نکال دینا یا انہیں ناقابل اولاد بنادینا بھی حرام ہےجب زنا کے لیے ہو یا نسل بند کرنے کے لیے۔(از مرقاۃ)

۳کیونکہ روزے سے شہوت ٹوٹتی ہے۔معلوم ہوا کہ جو لوگ نکاح نہ کرسکیں وہ اپنے کو نامرد نہ بنائیں بلکہ روزے رکھا کریں۔

۴کہ مجاہد بحالت جہاد وطن بھی چھوڑ دیتا ہے اورسامان سفرساتھ لئے پھرتاہے۔معلوم ہواکہ بلاوجہ ترک وطن کرکے مارامارا پھرنا منع ہے۔عارضی طور پر دنیا کی سیروسیاحت،جیسا کہ بعض اولیاءاللہ سے مروی ہے ممنوع نہیں،رب فرماتا ہے:"قُلْ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرْضِ"۔

۵ تَرَهُّبْ رَهْبٌ سے بنا بمعنی خوف "کَانُوْا یَتَرَهَّبُوْنَ"۔اصطلاح میں خوف خدا میں مخلوق سے بھاگ کر پہاڑ کی چوٹیوں یا گوشوں میں بیٹھ کر عبادت کرنا"تَرَهُّبْ"ہے۔اسی سے رہبانیت اورراہب بنا،یعنی نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا ترک دنیا ہے کہ اس وقت انسان بال بچوں سے الگ ہوجاتا ہے۔گزشتہ دینوں میں ترک دنیا بڑی عبادت تھی۔ہمارے اسلام میں حرام ہے۔اسلام چاہتاہے کہ ایک ہاتھ میں دین لے ایک ہاتھ میں دنیا۔اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو بیکارکرنا کمال نہیں بلکہ انہیں صحیح مصرف میں خرچ کردینا کمال ہے۔

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن عائش سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۱رب نے پوچھا کہ فرشتے مقرّب کس چیز میں جھگڑتے ہیں ۲میں نے عرض کیا مولیٰ تو ہی جانے تب رب نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی۳تو جوکچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب میں نے جان لیا۴اور یہ آیت تلاوت کی ہم یونہی ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملک دکھاتے ہیں تاکہ وہ یقین والوں میں سے ہوجائیں ۵ دارمی نے مرسلًا روایت کیااورترمذی کی روایت اسی کی مثل ہے انہی سے۔

۱؎ یعنی اس وقت میری اپنی صورت بہت اچھی تھی نہ کہ خدا کی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں اچھے کپڑوں میں حاکم سے ملا،یعنی ملاقات کے وقت میرے کپڑے اچھے تھے،ورنہ رب تعالٰی صورت سے پاک ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم میں آنا بشری صورت میں ہے،اور رب سے ملنا نوری صورت میں۔انسان کا گھر کا لباس اورہوتا ہے اور کچہری کا اور،یہ غالبًا معراج کے واقعہ کا ذکر ہے۔بعض لوگوں نے خواب کا دیدار بتایا ہے مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔اس لیے دیدار الٰہی ثابت ہوا۔حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان ہی آنکھوں سے رب کا دیدار کیا۔رب کا فرمانا:"لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصٰرُ"دیدار کی نفی نہیں کررہا بلکہ ادراک اور احاطے کی،اس حدیث کی تائید آیت کریمہ"مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی" فرمارہی ہے۔دیدار الٰہی کی پور بحث ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن" میں دیکھو۔

۲؎ یعنی وہ کون سے اعمال ہیں جنہیں لے جانے اور بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے میں فرشتے جھگڑتے ہیں وہ کہتا ہے میں لے جاؤں اور یہ کہتا ہے میں۔اس جملے کی اور بھی توجیہیں ہیں مگر یہ قوی۔

۳؎ یعنی رب نے اپنی رحمت کے ہاتھ کو میری پشت پر رکھا اوراس کا فیضان میرے سینہ اور دل پر پہنچا۔

۴؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی کھلی دلیل ہے،رب نے حضور علیہ السلام کو ساتوں آسمانوں بلکہ اوپر کی تمام چیزوں اورساتوں زمینوں اوران کے نیچے کی ذرہ ذرہ اور قطرے قطرے بلکہ مچھلی اور بیل جن پر زمین قائم ہےان سب کا علم کُلّی عطا فرمایا۔شیخ نے فرمایا کہ اس سے مراد تمام کلی جزئی علوم کا عطا فرمانا ہے۔خیال رہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو گزشتہ موجودہ اور تاقیامت ہونے والی ہر چیز کا علم دیا کیونکہ زمین پرلوگوں کے اعمال اور آسمان پر ان اعمال کے لئے فرشتوں کے یہ جھگڑے تاقیامت ہوتے رہیں گے جنہیں حضور علیہ السلام آج آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔اس حدیث کی تائید قرآن کی بہت سی آیات کررہی ہیں،جن آیات میں علم کی نفی ہے وہاں علم ذاتی مراد ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

۵؎ یعنی جیسے اللہ نے اپنے خلیل کو ملکوت دکھائے ایسے ہی مجھے۔معلوم ہوا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مسئلے ہی نہیں بتائے گئے تھے۔مسئلے تو مولویوں کو بھی بتادیئے جاتے ہیں بلکہ ساری خدائی دکھائی گئی تھی،ورنہ حضور علیہ السلام اس آیت سے دلیل نہ پکڑتے۔

اور ابن عباس و معاذ ابن جبل سے اس میں یہ زیادتی بھی ہے رب نے فرمایا اے محمد کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں ۱؎ میں نے عرض کیا ہاں کفارات ہیں ۲؎ اور کفارے نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا اورجماعتوں کی طرف پیدل چلنا اورناگواری کی حالت میں پورا وضو کرنا ہیں ۳؎ اورجو یہ کرے گا بھلائی سے جئے گا بھلائی سے مرے گا ۴؎ اوراپنی خطاؤں سے ایسا ہوجائے گا جیسے اسے آج ماں نے جنا ۵؎ اورفرمایا	

	اے محمد جب تم نماز پڑھ چکو تو کہا کرو ۶؎ الٰہی میں تجھ سے اچھے کام کرنا برائیاں چھوڑنا اور مسکینوں کی محبت مانگتا ہوں ۷؎ جب تو اپنے بندوں کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے اپنی طرف بغیر فتنے میں مبتلا ہوئے بلالے ۸؎ فرمایا اور درجات سلام کو پھیلانا کھانا کھلانا اوررات میں جب لوگ سوتے ہوں نماز پڑھنا ہیں ۹؎ اوراس حدیث کے الفاظ جیسے کہ مصابیح میں ہیں میں نے عبدالرحمٰن کی روایت سے نہ پائے مگر شرح سنّہ میں۔

۱؎ مقرب فرشتوں سے اعمال پیش کرنے والے فرشتے مراد ہیں یعنی مدبّراتِ امر فرشتے۔

۲؎ یعنی ہاں اب تیری عطا اور تیرے کرم سے سب کچھ جانتا ہوں۔معلوم ہوا کہ رب نے بتایا نہ تھا بلکہ سب کچھ دکھایا تھا۔

۳؎ یعنی ان تین نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالٰی گناہ صغیرہ مٹا دیتا ہے۔ان کی شرحیں گزر چکیں۔

۴؎ اس کی تائید اس آیت سے ہے:"مَنْ عَمِلَ صٰلِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً "الایہ۔سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں رزق حلال،قناعت،رضاء بالقضاء،عبادت میں لذت اور اطاعتوں کی توفیق نصیب ہونا اچھی زندگی ہے۔اورایمان پرخاتمہ،مرتے وقت توبہ،فرشتوں کا جان نکالتے وقت جنت کی خوشخبری دینا بلکہ وہاں کے پھول لاکر سنگھانا،بعد وفات مسلمانوں کا اچھائی سے اسے یاد کرنا یہ بھلائی کی موت ہے۔اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔یہ رب کا وعدہ ہے جو حضور علیہ السلام کی معرفت ہمیں ملا،ٹل نہیں سکتا۔

۵؎ اس کے سارے گناہ صغیرہ معاف ہوجائیں گے۔گناہ کبیرہ اورحقوق مراد نہیں،اسی لئے "خَطِیْٓـَٔتِهٖ"فرمایا۔

۶؎ یعنی ہرنمازسے فارغ ہونے کے بعد نہ کہ نماز کے اندر یہ دعاء مانگ لیا کرو،جیسے حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا"اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَى الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ"جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو میت کے لیے خلوص دل سے دعا کرو،دونوں عبادتیں یکساں ہیں۔

۷؎ اگرچہ مسکینوں کی محبت بھی اچھے کام میں داخل تھی مگران سب سے افضل کہ یہ ایمان کا ذریعہ ہے،اس لیے اس کا علیحدہ ذکر کیا۔مسکینوں سے مراد انبیاء،اولیاء اورنیک مسلمان ہیں کہ یہ سب حضرات دل کے مسکین اورمتواضع ہیں۔فقیرومسکین میں بڑا فرق ہے۔

۸؎ کیونکہ اس وقت زندگی سے موت افضل ہے۔خیال رہے کہ دنیوی مصائب سے گھبرا کر دعائے موت کرنا منع ہے مگرایمانی آفتوں پر دعائے موت جائز ہے،لہذا یہ حدیث تمنائے موت کی ممانعت کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

۹؎ یعنی گزشتہ تین اعمال معافیٔ گناہ کا ذریعہ تھے اور یہ اعمال ترقیٔ درجات کا وسیلہ۔اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز اوربھوکوں کا پیٹ بھرنا،ہر ایک کو سلام کرنابہت بہترین اعمال ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن سب کی ذمہ داری اللہ پر ہے ا؎ ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے حتی کہ اسے موت آجائے تو جنت میں داخل فرمادے یا اجروغنیمت کا مال لے کر واپس کرے ۲؎ اور ایک وہ شخص جو مسجد کی طرف چلے وہ اللہ کی ذمہ دار ی میں ہے اور ایک وہ شخص جو ا پنے گھر میں سلام سے جائے وہ اللہ تعالٰی کی ذمہ داری میں ہے ۳؎(ابوداؤد)

ا؎ یعنی ان کا اجروثواب اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے یا یہ لوگ اللہ کی ضمان اور امان میں ایسے ہیں جیسے سرکاری ملازم ڈیوٹی پر حکومت کی امان میں،کہ اس کی بے عزتی کرنا حکومت کا مقابلہ ہے۔ایسے ہی ان لوگوں سے جھگڑنا رب کا مقابلہ ہے۔

۲؎ یعنی اگر مارا گیا تو شہید اور اگر زندہ لوٹا تو اگر ہارکر آیاتو صرف ثواب اور اگر جیت کر آیا تو ثواب و غنیمت دونوں لایا۔

۳؎ معلوم ہوا کہ گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا بڑا بہتر کام ہے۔اس سے گھر میں اتفاق،رزق کی برکت اور نیک اعمال کی توفیق نصیب ہوتی ہے،حتی کہ اگر خالی گھر میں جائے تو یوں کہدے"اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ"اس کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ تیسرا وہ شخص جوسلامتی سے اپنے گھر میں رہے بلاوجہ لوگوں میں نہ پھرے،جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرض نماز کے لئے اپنے گھر سے وضو کرکے نکلے تو اس کا ثواب احرام باندھنے والے حاجی کی طرح ہے ا؎ اورجوچاشت کی نماز کے لئے نکلے کہ یہ نماز ہی اسے نکالے تو اس کا ثواب عمرہ والے کی طرح ہے ۲؎ اورنماز کے بعد دوسری نمازجس کے درمیان کوئی بیہودہ بات نہ ہو اس کی علیین میں تحریر ہے ۳؎(احمد،ابوداؤد)

ا؎ کیونکہ حاجی کعبہ میں جاتا ہے اور یہ مسجد میں،یہ دونوں اللہ کا گھر ہیں۔حاجی حج کا احرام باندھتا ہے اور یہ نماز کی نیت سے گھر سے نکلتا ہے۔اور جیسے کہ حج خاص تاریخوں میں ہوتا ہے مگر حاجی گھر سے نکلنے سے لوٹنے تک ہروقت اجر پاتا ہے،ایسے ہی نماز کی جماعت اگرچہ خاص وقت میں ہوگی مگر نمازی کے نکلنے سے لوٹنے تک اللہ کی رحمت میں ہی رہتا ہے۔

۲؎ خیال رہے کہ نمازچاشت اور دیگرنوافل اگرچہ گھر میں افضل ہیں لیکن اگر گھر کے مشاغل بچوں کے شور کی وجہ سے مسجد میں پڑھے تو بھی بہتر،یہاں یہی مراد ہے۔بعض علماءفرماتے ہیں کہ نماز چاشت مسجد میں ہی افضل ہے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۳؎ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ فرض کے بعد متصل نفل و سنتیں پڑھے،درمیان میں دنیوی کام نہ کرے۔دوسرے یہ کہ پنجگانہ فرائض کے درمیان بھی یہ سمجھ کر گناہ سے بچے کہ میں ظاہروباطن پاک رہ کر رب کی بارگاہ میں حاضر ہوؤں تو اس کا فعل"علیّین"میں لکھا جائیگا۔علیّین ساتویں آسمان کے اوپر ہے جہاں ابرار کے نیک اعمال لکھے جاتے ہیں،چونکہ یہ اونچی جگہ واقعہ ہوا ہے اس لیے علیّین کہلاتا ہے۔

	روایت ہی حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزروں تو کچھ چرلیا کرو ۱؎ عرض کیا گیا کہ حضور جنت کے باغ کیا ہیں؟فرمایا مسجدیں عرض کیا گیا چرنا کیا ہے یارسول اللہ؟فرمایا سبحان اللہ والحمدللہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہنا ۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی اگر تم مسجدوں میں نماز کے لئے نہ بھی جاؤ بلکہ ویسے ہی وہاں سے گزر جاؤ تب بھی کچھ پڑھ لیا کرو کیونکہ باغ میں جا کر بغیر کچھ کھائے واپس آنا محرومی ہے،خصوصًا جب کہ باغ کا مالک سخی ہو۔

۲؎ جنت میں جسمانی غذائیں ہوں گی اور نہ مٹنے والے میوے جن پر کوئی روک ٹوک نہیں ایسے ہی مساجد میں اللہ کے ذکر کی روحانی غذائیں ہیں جن کے لیے فنا نہیں اسی لیے سیدنا علی مرتضی فرماتے ہیں کہ اگر رب مجھے جنت اور مسجد میں جانے کا اختیار دے تو میں جنت کی بجائے مسجد کو اختیار کروں۔علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص اس وقت مسجد میں جائے جب نفل مکروہ ہوتے ہیں تو یہ کلمات پڑھ لے ان شاءاللہ تحیۃ المسجد کا ثواب پائے گا۔ایک حدیث میں ہے کہ معراج کی رات ابراہیم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اپنی امت سے میرا سلام کہنا اورفرمانا کہ جنت کی بہت سی زمین خالی پڑی ہے اس میں بوٹے لگا کر آؤ،وہاں کے بوٹے یہ کلمات ہیں "سُبۡحَانَ اللہِ"الخ۔(مرقاۃ)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مسجد میں جس چیز کے لیے آئے گا وہ اس کا حصہ ہوگا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی مسجد میں جس نیت سے جاؤ گے وہی پاؤ گے،جوتی چرانے جاؤ گے جوتے ہی کھاؤ گے۔اگر وہاں بھیک مانگنے گئے توہمیشہ بھیک ہی مانگو گے اوراگرنمازاور اللہ کے ذکر کے لیے گئے ثواب ملے گا۔فقیرکہتا ہے کہ جو مسجد نبوی شریف میں اس لیے جائے کہ مجھے حضور علیہ السلام مل جائیں تو ان شاءاللہ حضور مل جائیں گے،بلکہ ان مساجد میں بھی صرف اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرو،ان شاءاللہ پاؤ گے۔

	روایت ہے حضرت فاطمہ بنت حسین سے ۱؎ وہ اپنی دادی حضرت فاطمۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے راوی ۲؎ فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل

	ہوتے تو محمد مصطفٰی پر درودوسلام بھیجتے ۳؎اورفرماتے الٰہی میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب نکلتے تو جناب مصطفٰے پر درود و سلام بھیجتے اورفرماتے یارب میرے گناہ بخش دے میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۴؎(ترمذی احمد،ابن ماجہ)ان دونوں کی روایت میں یہ بھی ہے کہ فرماتی ہیں جب مسجد میں جاتے اوریونہی جب نکلتے تو بجائے صلوۃ وسلام کے یہ کہتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ ۵؎ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد متصل نہیں فاطمہ بنت حسین نے فاطمہ کبرے کو نہ پایا ۶؎

۱؎آپ کا لقب فاطمہ صغریٰ ہے،امام حسین کی صاحبزادی اور امام زین العابدین کی بہن ہیں،حسین ابن حسن ابن علی کے نکاح میں تھیں،ان کی وفات کے بعدعبداللہ ابن عمرو ابن عثمان ابن عفان کے نکاح میں آئیں۔جلیل القدر تابعین میں سے ہیں،یعنی صحابۂ کرام کی صحبت یافتہ۔

۲؎آپ کا لقب فاطمۃ الکبریٰ ہے،حضورعلیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں،خدیجۃ الکبریٰ سے ہیں،ماہ رمضان ۲ھ میں سیدنا علی مرتضی کے نکاح میں آئیں،اور ذی الحجہ میں رخصتی ہوئی،دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں،حسن،حسین،زینب،ام کلثوم،رقیہ،حضورعلیہ اسلام کی وفات کے چھ ماہ بعد وفات پائی،۲۸ سال عمر ہوئی،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا،حضرت عباس یا ابوبکر صدیق نے نمازجنازہ پڑھائی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے بڑھ کرسچا نہ دیکھا۔

۳؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسجد میں جاتے وقت درود شریف پڑھنا سنت ہے۔شفا شریف میں ہےکہ خالی گھر اور مسجد میں جاتے وقت یہ پڑھے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَاالنَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ"۔دوسرے یہ کہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اپنے پر درود سلام پڑھتے تھے کبھی "صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ "اور کبھی "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيَّ وَسَلَّمَ" فرماتے۔

۴؎ان دو جملوں کی تفسیر اسی باب میں پہلے گزر چکی۔حضورعلیہ السلام کا گناہوں کی بخشش مانگنا یا تو ہمیں سکھانے کے لیے ہے یا گناہوں سے اپنی امت کے وہ گناہ مراد ہیں جن کا بخشوانا ان کے ذمۂ کرم پر ہے،جیسے مقدمہ کا وکیل کہتا ہے میرا مقدمہ۔اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری "تفسیر نعیمی"،خورد سورۂ فتح "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ" کے ماتحت دیکھو۔

۵؎سنت ہے کہ یہ الفاظ اب بھی کہے جائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہر جگہ ہے،ورنہ غائب کو سلام کیسا؟ہرنمازی التحیات میں پڑھتا ہے"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَاالنَّبِيُّ"۔

۶؎ کیونکہ حضرت فاطمہ کبرےٰ کی وفات کے وقت آپ کے والد امام حسین کی عمر اٹھ سال تھی،لہذاکسی راوی کا نام چھوٹ گیا،جس نے حضرت فاطمہ زہرا سے سنا ہو۔مرقاۃ میں ہے وہ راوی خود آپ کے والد امام حسین ہیں،چنانچہ ابن مردویہ نے اس کی اسنادیوں بیان کی "فاطمة بنت الحسین عن حسین عن فاطمة الکبریٰ"۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے۲؎ اور وہاں خرید و فروخت سے منع فرمایا ۳؎ اوراس سے منع کیا کہ لوگ جمعہ کے دن مسجد میں نمازسے پہلے حلقے بناکر بیٹھیں ۴؎(ابو داؤد،ترمذی)

۱؎ آپ کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے،وہ صحابی ہیں۔اس کا ذکر پہلے تفصیل سے ہوچکا۔

۲؎ اشعارسے مراد برے یا عشقیہ اشعار ہیں،حمدالٰہی،نعت مصطفوی،مناقب اولیاء،پندو نصیحت،کفارکی برائیوں کے اشعار پڑھنا جائز بلکہ سنت صحابہ ہے،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں حضرت حسان کے لئے منبر بچھواتے جس پر آپ کھڑے ہوکرحضورصلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور کافروں کی ہجو کے اشعار پڑھتے اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے۔نیزحضرت حسان اور کعب ابن زبیر مسجد نبوی میں حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نعت خوانی کیا کرتے تھے۔اس کی بحث انشاءاللہ "باب الشعراء"میں آئے گی۔

۳؎ کیونکہ یہ دنیوی کاروبارہے جومسجدوں میں ممنوع ہے۔آج کل مسجدحرام شریف میں غلافِ کعبہ اورکتب رکھ کر بیچی جاتی ہیں یہ بھی منع ہے،ہاں معتکف بحالت اعتکاف مسجدمیں بیوپار کی باتیں کرسکتا ہے وہاں مال نہیں لاسکتا۔

۴؎ اس وقت وہاں صف بناکربیٹھناچاہیئے،ہاں نماز کے بعد وعظ وغیرہ سننے کے لیے حلقے بناکربیٹھناجائز ہے کیونکہ اب نماز کا انتظارنہیں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم اسے دیکھو جومسجدمیں خریدوفروخت کررہا ہے تو کہہ دو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے ۱؎ اورجب تم وہاں کسی کو گمی ہوئی چیز ڈھونڈھتے دیکھو تو کہہ دو خدا کرے تیری چیز نہ ملے ۲؎(ترمذی ودارمی)

۱؎ معلوم ہوا کہ گناہ پر بددعا دینا جائز ہے۔بہتر یہ ہے کہ اسے سنا کر بددعا دے تاکہ تبلیغ بھی ہوجائے۔خریدو فروخت سے مرادصرف خریدوفروخت کی باتیں بھی ہیں اوروہاں مال حاضر کرکے بیچنا بھی۔

۲؎ اس کی شرح گزر چکی کہ ڈھونڈنے سے مراد شورمچاکر تلاش کرنا ہے۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں کہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے ۱؎ اور وہاں اشعار پڑھنے اور وہاں حدیں قائم کرنے سے منع فرمایا ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ کیونکہ اس میں خون وغیرہ سے مسجد خراب ہوگی۔

۲؎ غالبًا حدوں سے مراد حقوق اللہ کی سزائیں ہیں،جیسے چوری اورزنا کی سزا،قصاص حق عبد کی سزا تھی۔خیال رہے کہ مسجد میں قاضی مقدمات سن سکتاہے مگرسزا مسجد کے باہردی جائے۔

جامع الاصول میں حکیم سے اور مصابیح میں جابر سے۔	

روایت ہے حضرت معاویہ ابن قرہ سے ۱؎ وہ اپنے والدسے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو درختوں یعنی پیازولہسن سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو یہ کھائے ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ۲؎ اورفرمایا اگرتمہیں ضروری کھانا ہو تو انہیں پکا کر مار دیا کرو ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام معاویہ ابن قرہ ابن ایاس ابن بلال ہے،قبیلہ مزینہ سے ہیں،بصرے کے رہنے والے مشہور تابعی ہیں،جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے،ستر صحابہ سے ملاقات ہے، ۱۱۳ھ میں وفات پائی۔(لمعات)

۲؎ یہ جملہ پہلے جملے کی تفسیر ہے،یعنی پیازولہسن کھانا حرام نہیں بلکہ کھاکر بدبودارمنہ لئے مسجد میں آنا حرام ہے۔خواہ وہاں نمازی ہوں یا نہ ہوں کیونکہ فرشتے ہروقت رہتے ہیں۔

۳؎ تاکہ ان کی بوجاتی رہے کیونکہ بدبو ہی ممانعت کی وجہ ہے۔پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ حکم ہر مسجد کا ہے،بلکہ ہر دینی مجلس میں اس کا خیال رکھا جائے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ساری زمین مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام کے ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی،دارمی)	

۱؎ یعنی اسلام میں ہر جگہ نماز جائز ہے۔قبرستان میں نمازجب منع ہے جب کہ قبرنمازی کے سامنے ہو،لہذا قبرستان کی مسجدوں میں نمازجائز ہے،نیزحمام میں نہانے کی جگہ جہاں میل کچیل گندگیاں رہتی ہیں نماز منع ہے۔اگر اس کے کسی پاک گوشہ میں نماز پڑھی جائے تو حرج نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمرسے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع کیا: کوڑی،مذبح،قبرستان ۱؎ بیچ راستہ میں،۲؎ اور حمام اور	

اونٹ بندھنے کی جگہ۳؎اورکعبہ شریف کی چھت پر۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎کوڑی اور مذبح میں گندگیاں پھیلی ہوتی ہیں،اس لئے وہاں نمازہوگی ہی نہیں،قبرستان کا ذکر ابھی ہوچکا۔

۲؎یعنی جہاں لوگوں کی عام گزرہو وہاں نماز نہ پڑھےکہ اس سے نمازی کو یک سوئی نہ ہوگی اور گزرنے والے کاراستہ بندہوجائے گا۔مسجد میں بھی در کے سامنے یا دروازہ کے قریب نہ پڑھےکہ اس سے آنے جانےوالوں کو تکلیف ہوگی،ستون کی آڑ لے کریاگوشہ میں نماز پڑھنی چاہیئے۔

۳؎خواہ وہاں اس وقت اونٹ بندھا ہو یا نہ کیونکہ اونٹ کے چرواہے اونٹ کی آڑ میں پیشاب کیا کرتے ہیں۔اگر اونٹ بندھا ہو تو اس کے پیشاب کرنے اور چھینٹیں پڑنے کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔اس لئے خصوصیت سے اونٹ کا ذکر فرمایا،ورنہ ہرنجس زمین پرنماز پڑھنا منع ہے۔

۴؎کیوں کہ وہاں بلا ضرورت چڑھنا ہی منع ہے کہ اس میں کعبۃ اللہ کی توہین ہے۔اس نمازمیں توہین شامل ہے،لہذا نمازمکروہ،یہی حکم ہرمسجد کاہے کہ اگر اس پر بالائی منزل نہ ہوتو بلاضرورت چھت پر چڑھنا منع اور وہاں نماز مکروہ۔اس ممانعت کی وجہ یہ نہیں کہ یہ جگہ کعبہ نہیں وہاں کی آسمان تک فضائے کعبہ ہے،لہذا یہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بکریوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھو اور اونٹ بندھنے کی جگہ نماز نہ پڑھو ۱؎(ترمذی)	

۱؎کیونکہ بکریوں کی جگہ اکثر ناپاک نہیں ہوتی کہ وہاں بکریوں والے پیشاب نہیں کرتے،نیز دوران نماز چھینٹیں آنے کا اندیشہ کم ہوتا ہے کیونکہ بکری نیچی ہے،نیز پیشاب کرتے وقت اور بھی جھک جاتی ہے اور بکری کے کھل جانے کی صورت میں نمازی کے کچلے جانے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا،یہ وجوہ اونٹ کے طویلہ میں نہیں،لہذا وہاں نماز نہ پڑھی جائے۔خیال رہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بکری کے طویلہ میں مصلّے بچھاکرنماز پڑھ سکتے ہو،اونٹ کے طویلہ میں کسی طرح نہیں۔بعض کہتے ہیں کہ اونٹ کی پیدائش شیطان سے ہے لہذا اس کے پاس نماز منع ہے مگر یہ غلط کیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے خود اونٹ پر نفل پڑھے ہیں۔اونٹ مبارک جانور ہے نبیوں کی سواری ہے،اس کا گوشت کھایا اوردودھ پیاجاتاہے،سواری اورسامان ڈھونے میں کام آتا ہے۔اس کے ہر عضو میں بے شمار فائدے ہیں،کھال کے برتن اوربال کے قیمتی قالین بنتے ہیں،نہایت معمولی غذا کھاکر بہترین خدمات پیش کرتا ہے۔اسی لیے خدائے قدوس نے اسے نشان قدرت بتایاکہ فرمایا:"اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ"۔

روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر ۱؎اور قبروں پرمسجدیں	

	بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۲(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

۱؎ اکثر علماءفرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔اس کا ناسخ "زیارۃ قبور"کے باب میں آرہا ہے کہ سرکا رنے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا"اَلَافَزُوْرُوْھَا"اب زیارتیں کیا کروکیونکہ اس سے اپنی موت یاد آتی ہے۔مگرحق یہ ہے کہ عورت کو زیارت کرنے کے لئے قبروں پر جانا منع کہ یہ وہاں پہنچ کر یا سجدے کریں گی،یا روئیں گی،پیٹیں گی۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک بار اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر گزریں تو زیارت بھی کرلی،یہ قبر پرجانا نہ تھا بلکہ قبر کا راستہ میں آجانا تھا۔خیال رہے کہ یہاں عام قبریں مراد ہیں،ورنہ حضور کے روضۂ اطہر پر ہر حاجی مردوعورت پرحاضری واجب ہے۔رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ "باب زیارۃ القبور" میں آئے گی۔

۲؎ قبر پر اس طرح مسجد بنانا کہ تعویذ فرش مسجد میں آجائے کہ لوگ اس پر کھڑے ہوکرنماز پڑھیں یا اس طرح کہ قبرنمازی کے سامنے رہے حرام ہے،کہ پہلی صورت میں قبرمؤمن کی توہین ہے۔اور دوسری صورت میں قبر کی طرف سجدہ۔نیز قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا سخت منع ہے کہ اس میں آگ ہے،قبر مؤمن کو آگ سے بچایا جائے،نیز فضول خرچی ہے بلاضرورت تیل پھونکنا اور اگر چراغ جلانے والے کی یہ نیت ہے کہ اس سے قبر میں روشنی ہوگی تو بدعقیدگی ہےکیونکہ قبر میں روشنی تو مدینہ والے سچے سورج کی شعاعوں سے ہے،اللہ نصیب کرے۔لیکن بزرگوں کی قبر کے پاس مسجد بنانا سنت انبیاء علیھم السلام،سنت صحابہ رضی اللہ عنھم ہے اور قرآن سے ثابت،جیسا پہلے عرض کیا گیا۔اور بزرگوں کے مزار کے پاس چراغ جلانا تاکہ زیارت کرنے والوں کو آسانی ہو اور اس کی روشنی میں قرآن خوانی ہوجائز بلکہ ثواب ہے۔آج بھی حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر ایسی عالی شان روشنی ہوتی ہے کہ سبحان اللہ!دیکھ کر ایمان روشن ہوجاتا ہے۔ان ہی وجوہ سے اس سید الفصحاء نے "علیہا"فرمایا،یعنی عین قبر پر مسجد و چراغ منع،اس کے قریب جائز۔"باب الدفن" میں آئے گا کہ حضور نے ایک میت کو رات میں دفن کیا تو وہاں چراغ جلایا گیا۔معلوم ہوا کہ ضرورۃً جائز ہے۔اس کی پوری بحث ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول میں دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سی جگہ بہترہے حضورخاموش رہے۱؎اور فرمایا میں جبریل کے آنے تک خاموش رہوں گا چنانچہ خاموش رہے۲؎اورحضرت جبریل حاضر ہوئے حضور نے ان سے پوچھا وہ بولے کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے بڑا عالم نہیں۳؎لیکن میں اپنے رب سے پوچھوں گا۴؎پھرجبریل کہنے لگے اے محمد مصطفٰی میں آج اللہ سے

اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے کبھی قریب نہ ہوا تھا ۵؎ حضور نے فرمایا کہ کتنا قریب ہوا اے جبریل! عرض کیا کہ میرے اور رب کے درمیان صرف ستر ہزار نور کے پردے رہ گئے رب نے فرمایا ۶؎ کہ بدترین جگہ بازار ہے اوربہترین جگہ مسجدیں اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا۔	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ خاموشی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسا کہ اگلی عبارت سے معلوم ہورہا ہے،بلکہ آج اپنی محبوبیت دکھانا ہے اور اس بہانے سے حضرت جبرئیل کو معراج کرانا ہے۔

۲؎ یہ عبارت بتارہی ہے کہ اس خاموشی میں کوئی راز تھا،ورنہ یہ مسئلہ اجتہاد سے بھی فرمایا جاسکتا تھا۔

۳؎ یعنی یہ گفتگو ہورہی تھی کہ رب نے فرمایا جبریل! آج جاؤ کچھ پاؤ گے۔لطف کی بات یہ ہے کہ رب نے یہ مسئلہ بتاکر نہ بھیجا اور جبریل امین نے اپنی بے علمی کا اقرار نہیں کیا،بلکہ عرض کیا کہ اس بارے میں میرا علم آپ سے زیادہ نہیں،زیادتی علم کی نفی کی،یعنی اگرچہ یہ آپ کو بھی معلوم ہے مجھے بھی لیکن ابھی بتانے کی اجازت نہیں اس میں کچھ راز ہے۔

۴؎ اپنے مقام پر جاکر نہ کہ یہاں بیٹھے ہوئے۔

۵؎ یہ اس ساری حدیث کا منشا ہے،یعنی ابھی یہ مجلس گرم ہی تھی کہ جبریل جاکر لوٹ بھی آئے اور یہ پیغام لائے۔خیال رہے کہ ہمیشہ حضرت جبریل علیہ السلام رب کے بھیجے ہوئے حضور کے پاس آیا کرتے تھے،آج محبوب کے بھیجے ہوئے رب کے پاس گئے اورپیارے کا قاصد بھی پیارا ہوتا ہےاس لیے رب نے انہیں سدرہ سے کہیں آگے بلالیا،معراج میں آگے نہ بڑھے کہ وہاں حبیب ومحبوب کے تخلیہ کا وقت تھا،خدام کو علیحدہ رہنا چاہیے تھا۔یہاں مرقاۃ نے بڑا پُرلطف مضمون بیان کیا ہے۔یہ سارا قصہ جبریل کی اس عزت افزائی کے لئے تھا۔

۶؎ یعنی اس سے پہلے لاکھوں پردے ہوا کرتے تھے لیکن آج ایک لاکھ سے بھی کم رہ گئے۔شیخ نے فرمایا کہ یہ پردے مخلوق کے لحاظ سے نہ خالق کے لحاظ سے،یعنی مخلوق حجاب میں ہے نہ کہ خالق،جیسے نابینا سے آفتاب چھپا ہے مگر حجاب اس کی آنکھ پرہے نہ کہ سورج پر۔خیال رہے کہ ہم لوگ ظلماتی حجابوں میں ہیں اورملائکہ نورانی حجابوں میں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو میری اس مسجد میں آئے مگر نہ آئے سوائے بھلائی سیکھنے یا سکھانے تو وہ غازی فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے ۱؎ اورجو اس کے سواکسی کام کے لئےآئے وہ اس شخص کی	

طرح ہے جو دوسرے کا مال تکے ۲؎(ابن ماجہ)اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔	

۱؎ یعنی مسجد نبوی شریف میں علم دین سیکھنا سکھانا دوسری جگہ سیکھنے سکھانے سے افضل ہے،جیسے یہاں کی ایک نماز پچاس ہزار کے برابر،ویسے ہی یہاں کا ایک سبق پڑھنا پڑھانا پچاس ہزار اسباق کے برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی برکت سے اسی لیے بعض علماء مسجد نبوی شریف میں وعظ کہنے اور درس دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں علم دین کے مدرسے جائز ہیں،امام بخاری نے حرم شریف میں بخاری لکھی۔

۲؎ یعنی جیسے وہ تکنے والا خیر سے محروم ہے،ایسے ہی یہ خیر سے محروم۔خیال رہے کہ یہاں خیر سے مراد کوئی دنیوی کام ہے،یعنی جو مسجد نبوی شریف میں فقط عمارت یارونق دیکھنے کے لیے جائے کسی عبادت کی نیت نہ کرے وہ بڑا بدنصیب ہے۔اس غیر سے مراد حضور کا دیدار نہیں کہ یہ تو وہاں کی حاضری کا اصل مقصود ہے۔خیال رہے کہ حاجی حضور کی زیارت کی نیت سے مدینہ منورہ جائے اسی پر وعدۂ شفاعت ہے کہ فرمایا "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ"۔جو بدنصیب صرف وہ مسجد دیکھنے جائیں وہ اس شفاعت سے محروم ہیں،لہذا یہ حدیث ان کی دلیل نہیں ہمارے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت حسن سے مرسلًا فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کی دنیاوی باتیں مسجدوں میں ہوں گی تم ان میں نہ بیٹھنا ۱؎ ایسوں کی اللہ کو ضرورت نہیں ۲؎ بیہقی شعب الایمان۔	

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد میں دنیوی جائز باتیں بھی نیکیاں برباد کردیتی ہیں۔دنیا کی قید سے معلوم ہوا کہ وہاں دینی باتیں جائز ہیں۔

۲؎ یعنی اللہ ان پر کرم نہ کرے گا،ورنہ رب کو کسی بندے کی ضرورت نہیں،وہ ضرورتوں سے پاک ہے۔

روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سورہا تھا کسی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق تھے ۲؎ فرمایا جاؤ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ میں ان دونوں کو لے کر آیا فرمایا تم لوگ کون ہو یا کہاں سے آئے ہو وہ بولے ہم طائف والے ہیں فرمایا اگر تم مدینہ والوں میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں اونچی کرتے ہو ۴؎(بخاری)	

۱؎ آپ بہت نوعمر صحابی ہیں،اپنے والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔

۲؎ حضرت سائب کا مسجد نبوی میں سونا یا اس لیے تھا کہ آپ مسافر تھے یا نیت اعتکاف کرلیتے تھے یا آپ جائز سمجھتے تھے۔بعض علماء مسجد میں سونے کو مکروہ کہتے ہیں،بعض بلاکراہت جائز،حضرت فاروق اعظم نے انہیں آواز دے کر نہ جگایا مسجد پاک کا احترام کرتے ہوئے۔

۳؎ مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرنے پرکیونکہ مدینہ والے یہاں کے آداب سے واقف ہیں تم لوگ پردیسی ہو مسائل سے پورے واقف نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حاکم گناہ صغیرہ پر بھی تعزیرًا سزا دے سکتا ہے،جہاں علم کی روشنی کم پہنچتی ہو یا بالکل نہ پہنچی ہو وہاں کے لوگوں کو بے علمی پر معذور رکھا جاسکتا ہے،ورنہ بے علمی عذر نہیں۔خیال رہے کہ طائف حجاز کا مشہور شہر ہے،مکہ معظّمہ سے تین منزل دور سیدنا عبداللہ ابن عباس کا مزار پرنوار وہیں ہے۔فقیر نے زیارت کی ہے۔

۴؎ مرقاۃ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی حرمت دوسری مسجدوں سے زیادہ ہے کہ حضور اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں،وہاں حضور کا دربار ہے،اس کا ادب چاہیئے۔وہ حضرات دنیوی باتیں اونچی آواز سے کررہے تھے،ورنہ مسجد میں درس و تدریس،ذکر اللہ،نعت شریف وغیرہ بلند آواز سے کرسکتے ہیں،جب کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے مسجد کے گوشے میں چبوترہ بنایا تھا جسے بطیحاء کہا جاتا تھا ۱؎ اور فرمایا جو باتیں کرنا یا شعر پڑھنا یا شور کرنا چاہے وہ اس چبوترے کی طرف چلا جائے ۲؎ (موطا)

۱؎ کیونکہ اس کا فرش بجری کا تھا۔بطحاء بمعنی کنکریلی زمین۔یہ جگہ مسجد کے خارجی حصّہ میں تھی نہ کہ داخلی حصّہ میں،ورنہ اس کے آداب بھی مسجد جیسے ہوتے۔

۲؎ شعر سے مراد دنیوی اشعار ہیں۔شور سے مراد بھی دنیوی باتیں اونچی آواز سے کرنا ہیں،ورنہ نعت شریف ذکر **بالجهر** مسجد میں جائز ہے۔مسلم شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہر نماز فرض کے بعد خوب اونچی آواز سے ذکراللہ کرتے تھے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی جانب رینٹھ دیکھی ۱؎ آپ کو ناگوار گزرا حتی کہ ناگواری چہرۂ انور میں دیکھی گئی پھر اٹھے اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا ۲؎ فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے باتیں کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے ۳؎ لہذا کوئی قبلے کی طرف ہر گز نہ تھوکے لیکن بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے ۴؎ پھر اپنی چادر کا کونہ پکڑا اس میں تھوکا پھر اسے مل ڈالا فرمایا یا

	ایسے کرے۵؎(بخاری)

۱؎یعنی قبلہ کی دیوار میں۔اس سے محراب مراد نہیں کیونکہ اس زمانہ میں مسجدوں میں محرابیں نہ تھیں،محراب حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی بدعت ہے جبکہ ولید ابن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔جہاں اب محراب النبی بنی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ تھی۔

۲؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ مسجد میں گندگی ڈالنا نبی کریم کی ناراضی کا باعث ہے۔[۲]دوسرے یہ کہ مسجد کو اپنے ہاتھ سے صاف کرنا حضور کی سنت ہے اسی لیے علماء مشائخ بلکہ اسلامی بادشاہ کبھی اپنے ہاتھ سے بھی مسجد صاف کرتے تھے۔

۳؎یعنی اس کی رحمت خاص سامنے ہوتی ہے،نیز کعبہ بھی سامنے ہے۔بعض لوگ نماز کے علاوہ بھی کعبہ کی طرف تھوکنے کو منع کرتے تھے۔

۴؎یہ بھی وہاں جہاں مسجد کا فرش کچا یا بجری ہو جس سے تھوک کو دبایا جاسکے،پکے فرش میں قطعًا منع کہ اس میں مسجد کی گندگی ہے،ایسے موقع کے لیے اگلی ہدایت آرہی ہے۔

۵؎یہ عمل مسجد کے پکے فرشوں اور قیمتی مصلّوں پر بھی کیاجاسکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ چادر اوڑھے رہنا حضور کی سنت ہے اور نماز میں اتنا تھوڑا عمل ضرورۃً جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن خلاد سے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ہیں ۱؎فرمایا ایک شخص نے قوم کی امامت کی،قبلے کی طرف تھوک دیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراغت پر اس کی قوم سے فرمایا کہ آئیندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے ۲؎اس کے بعد اس نے نماز پڑھانی چاہی لوگوں نے روک دیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے آگاہ کیا،اس نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا فرمایا ہاں۔مجھے خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ رسول کو ستایا ۳؎(ابوداؤد)

۱؎چونکہ ان کی صحابیت میں اختلا ف ہے،اور یہ کچھ غیر مشہور بھی ہیں،اس لیے مصنف نے یہ تشریح کردی۔آپ کی کنیت ابو سہل ہے،مدنی ہیں،زمانۂ فاروقی میں یمن کے حاکم رہے۔

۲؎کیونکہ یہ کعبہ کا بے ادب ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خطاب بھی نہ کیا کہ وہ خطاب کے لائق ہی نہ رہا۔جب کہ کعبہ کا بے ادب امامت کے لائق نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب اور آپ کی شان میں بکواس کرنے والا امامت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بلا تحقیق ہر فاسق و بے ادب کو امام بنالیتے ہیں۔خیال رہے

کہ یہ امام صحابی تھے،مگراتفاقًا ان سے یہ خطا ہوگئی پھرتوبہ کرلی کیونکہ کوئی صحابی فاسق نہیں،جب اتفاقًا خطا پر امامت سے معزول کردیا گیا تو جان بوجھ کر بے ادبی کرنے والا ضرور معزول کردیاجائے گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہر نیک و فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لو اس موقعہ کے لیے ہےجب وہ امام بن گیا ہو اورہم اسے معزول کرنے پر قادر نہ ہوں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم وسلطان امام کو امامت سے علیحدہ کرسکتے ہیں۔

۳؎ کیونکہ تیرا یہ کام میری ایذا کا سبب ہے اورمیری ایذاء رب کی ایذا کا باعث۔اس کا یہی مطلب ہے کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینے کے واسطے یہ کام نہ کیا تھا،ورنہ یہ عمل کفر اور ارتداد ہوتا اور اسے دوبارہ مسلمان کیا جاتا۔ظاہر یہ ہے کہ اس شخص نے توبہ کرلی ہوگی اور دوبارہ امام بنادیا گیا ہوگا۔

روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں تشریف لانے میں تاخیر کی قریب تھا کہ ہم سورج دیکھ لیں ۱؎ آپ تیزی سے تشریف لائے نماز کی تکبیر کہی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور نماز میں اختصار کیا ۲؎ جب سلام پھیرا تو آواز سے فرمایا اپنی جگہ بیٹھے رہو جیسے ہو،پھر ہماری طرف توجہ فرمائی پھر فرمایا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ آج صبح مجھے تم سے کس چیز نے روکا ۳؎ میں رات میں اٹھا وضو کیا جس قدرمقدر میں تھا نماز پڑھی نماز ہی میں مجھے اونگھ آگئی حتی کہ نیند غالب ہوگئی ۴؎ اچانک میں اپنے رب تعالٰی کے پاس اچھی صورت میں تھا ۵؎ فرمایا اے محمد ۶؎ میں نے عرض کیا مولا میں حاضر ہوں فرمایا مقرب فرشتے کس میں جھگڑتے ہیں میں نے کہا مجھے نہیں خبر ۷؎ یہ تین بار فرمایا فرماتے ہیں میں نے رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست رحمت میرے کندھوں کے بیچ رکھا حتّٰی کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی ۸؎ تو مجھے ہر چیز ظاہر ہوگئی اور میں نے پہچان لی ۹؎ پھر فرمایا اے محمد میں نے فرمایا یارب حاضر ہوں فرمایا مقرب فرشتے کس میں جھگڑتے ہیں ۱۰؎ میں نے کہا کفاروں میں فرمایا وہ کفارے کیا ہیں میں نے عرض کیا جماعتوں کی طرف پیدل جانا،نمازوں کے بعد مسجدوں میں	

	بیٹھنا،ناگوار حالتوں میں پورا وضوکرنا ۱۱فرمایا پھر کاہے میں جھگڑتے ہیں میں نے عرض کیا درجوں میں فرمایا وہ کیا چیز ہیں میں نے کہا کھانا کھلانا،نرمی سے گفتگو کرنا اورجب لوگ سوتے ہوں تو نماز پڑھنا۱۲فرمایا کچھ مانگ لوفرماتے ہیں میں نے عرض کیا الٰہی میں تجھ سے نیکیاں کرنا برائیاں چھوڑنا اور مسکینوں سے محبت مانگتا ہوں اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور جب تو کسی قوم میں فتنہ بھیجنا چاہے تو مجھے بغیر فتنے میں مبتلا کئے وفات دیدے اور میں تجھ سے تیری محبت اور جو تجھ سے محبت کریں ان کی محبت اور اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت سے قریب کردے مانگتا ہوں ۱۳فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب برحق ہے یہ دعائیں یاد کرلو پھر سکھاؤ۱۴(احمدوترمذی)اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے محمد ابن اسماعیل سے پوچھافرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نہ نماز کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگاتے تھے نہ حضور کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ ان کے ساتھ کی قضاء ان کے بغیر اداسے افضل ہے۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور کا سونا رب کی طرف سے ہے اور آپ کی خواب وحی اورنماز کے وقت بیدار نہ ہونے میں رب کی لاکھوں حکمتیں ہیں،آپ کی نیند تمام عالم کی بیداریوں سے کروڑوں گنا افضل ہے۔

۲؎یعنی وقت کی تنگی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔معلوم ہوا کہ ایسے موقعہ پرنماز کے لیے بھاگ کر آنا جائز ہے۔رکوع پانے کے لیے بھاگنا منع لہذا یہ حدیث ممانعت کے خلاف نہیں،نیز تنگ وقت میں فجر میں بھی قرأت مختصر کرنی چاہیئے۔

۳؎سبحان اللہ! صحابہ کا خیال بالکل درست نکلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غفلت نماز سے نہیں روکتی بلکہ رب کی طرف توجہ۔

۴؎اورہم نماز تہجد ختم کرکے سوگئے،یہ مطلب نہیں کہ نماز میں سوگئے۔

۵؎اس کی شرح پہلے گزر گئی۔خیال رہے کہ یا یہ وہی واقعہ ہے جو پہلے مذکور ہوا یا وہ معراج کا واقعہ تھا اور یہ خواب کا۔

۶؎خیال رہے کہ رب نے قرآن شریف میں حضور کو نام لے کر کہیں نہ پکارا ہر جگہ القاب ہی سے پکارا تاکہ قرآن پڑھنے والے اس طرح پکارنے کی جرأت نہ کریں۔یہ رازونیاز کا موقعہ تھا رب نے اظہار کرم کے لیے نام سے پکارا۔

۷؎کیونکہ اب تک تو نے مجھے اس کا علم نہیں دیا۔اس کی شرح ابھی پہلی فصل میں گزر چکی۔

۸؎ہاتھ اور پوروں کے وہ معنی ہیں جو رب کی شان کے لائق ہیں،یعنی رحمت،قدرت توجہ کا ہاتھ کہا جاتا ہے فلاں کام میں حکومت کا ہاتھ ہے یعنی اس کا کرم و توجہ ہے۔ٹھنڈک پانے کا مطلب یہ ہے کہ رحمت کا اثر دل پر پہنچا۔

۹؎اس کی شرح گزر چکی،یعنی علوی اور سفلی عالم غیب وشہادت کا ہر ذرہ مجھ پر فقط منکشف ہی نہ ہوا بلکہ میں نے ہر ایک کو الگ الگ پہچان لیا۔علم اور معرفت میں بڑا فرق ہے،مجمع پر نظر ڈال کر جان لینا کہ یہاں دو لاکھ آدمی بیٹھے ہیں یہ علم ہے اور ان میں سے ہر ایک کے سارے حالات معلوم کرلینا معرفت۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلّی سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔دوسرے یہ کہ حضور کا یہ علم کسبی نہیں بلکہ لدنّی ہے۔تیسرے یہ کہ آپ کا علم وہدایت قرآن پر موقوف نہیں،آپ نزول قرآن سے پہلے ہی عالم و عامل تھے۔چوتھے یہ کہ تجلی اورہے بیان کچھ اور۔یہاں حضور کو ہر چیز دکھائی گئی اور قرآن میں بتائی گئی اسی لئے یہاں تجلی ارشاد ہوا اور وہاں فرمایا گیا"تِبۡیٰنًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ"۔لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ساری چیزیں سرکار کو آج دکھادی گئیں تو نزول قران سے کیا فائدہ۔

۱۰؎پہلی بار یہ سوال حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو علم یعنی آمادہ کرنے پر تھا اور اب یہ سوال سکھا کر امتحان لینے کے لیے،تاکہ معلوم ہو کہ محبوب سیکھ کر بھول نہ گئے،وہ سکھانے والا کامل اور یہ سیکھنے والا بھی کامل۔خیال رہے کہ بڑے شاگرد کو استاد ہی پڑھایا کرتے ہیں۔

۱۱؎ان سب کی شرحیں ابھی گزر چکیں۔اس سے معلوم ہورہا ہے کہ مسجد کو پیدل چلنا بہتر،یوں تو وضو ہمیشہ ہی پورا کرنا چاہیے مگر سردیوں میں خصوصًا جب کہ پانی بھی ٹھنڈا ہو صحیح وضوکرنا بہت ثواب ہے۔

۱۲؎اس کی شرح بھی گزرگئی۔بعض بزرگوں کے آستانوں پر جو لنگر ہوتے ہیں جہاں سے ہمیشہ لوگوں کو کھانا ملتا ہے،اس کی اصل یہ حدیث ہے۔مسلمانوں سے نرم کلام اور کفارومنافقین سے سخت کلام ثواب ہے،رب فرماتا ہے:"وَاغۡلُظۡ عَلَیۡہِمۡ"۔لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۱۳؎ان تمام کی شرحیں ابھی گزر گئیں،اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ دیتا رب ہی ہے مگر وہ چاہتاہے کہ بندہ مجھ سے مانگے تو دوں،یہ مانگنا ہماری بندگی کی نشانی ہے۔اس لئے فرمایا کہ سَلۡ محبوب کچھ مانگو۔دوسرے یہ کہ ہم تو گناہ ہی کریں گے رب کی توفیق ہو تو نیکی کرسکتے ہیں،پتھر خود نیچے گرے گا کوئی پھینکے تو اوپر جائے گا۔خیال رہے کہ یہ سب دعائیں ہمیں سکھانے کے لیے ہیں ورنہ حضور کو یہ ساری نعمتیں پہلے ہی سے حاصل ہیں،نیز جو اللہ سے محبت کرنا چاہے وہ اس کے پیاروں سے محبت کرے۔

۱۴؎یعنی خود بھی سیکھو اوروں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ سب خوابیں تمہاری خاطر ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے میں عظمت والے اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ذات کریم اور اس کے پرانے غلبے کے

	ذریعے مردود شیطان سے ۱؎ فرمایا جب مؤمن یہ کہہ لیتا ہے تو شیطان کہتاہے کہ یہ مجھ سے سارا دن محفوظ رہے گا ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ معلوم ہوا کہ خداکی صفات کو وسیلۂ دعا بنانا جائز ہے اور ہر شخص شیطان سے رب کی پناہ مانگے کوئی اپنے کو محفوظ نہ سمجھے۔آدم علیہ السلام معصوم تھے اور جنت خطہ محفوظ مگر پھر بھی وہاں اس کا داؤ چل گیا تو ہم کس شمار میں ہیں،کہ نہ خودمحفوظ ہیں نہ ہمارے گھر اس سے محفوظ۔

۲؎ معلوم ہوا کہ شیطان دعاؤں کو بھی جانتا ہے ان کے اثرات کو بھی۔تفسیر کبیر نے فرمایا کہ شیطان ہر نیک و بدعمل سے خبردار ہے اسی لئے ہر نیکی سے روکتا ہے ہر گناہ کراتا ہے،بلکہ ہر ایک کے ارادے سے مطلع ہےاسی لیے ہرایک کوبہکاتا ہے۔جب اس فسادی کے علم کا یہ حال ہے تو مصلح عالم کے علم کا کیا حال ہوگا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم بھی شیطان کے ہر حال اور اس کے ہر کلام سے مطلع ہیں۔

	روایت ہے حضرت عطا ابن یسار سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میری قبر کو بت نہ بنانا جو پوجی جائے ۲؎ اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہواجنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ۳؎۔(مالک ارسالًا)

۱؎ آپ مشہور تابعی ہیں،حضرت ام المؤمنین میمونہ کے آزادکردہ غلام ہیں،۸۴ سال عمر پائی،۹۴ھ میں وفات پائی۔

۲؎ سبحان اللہ! حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ ہر سال لاکھوں جاہل و عالم زیارت کے لیے جاتے ہیں مگر نہ کوئی قبر انور کو سجدہ کرتا ہے نہ کوئی اس کی طرف نماز پڑھے یہ اس دعا کا اثر ہے۔خیال رہے کہ یہودونصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وعزیز علیہ السلام کے ایک دو معجزے سن کر انہیں خدایا خدا کا بیٹا کہہ دیا،اوران کی عبادت کرنے لگے مگر مسلمان ہزار ہا معجزات سن کر بلکہ آنکھوں سے دیکھ کر نہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہتے ہیں نہ خدا کا بیٹا،جاہل مسلمانوں کا بھی عقیدہ یہ ہے "عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ" یہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا ہی کی برکت ہے۔

لطیفہ: بعض لوگ اس حدیث کے ماتحت یہ بیان کرتے ہیں کہ قبروں کی تعظیم کرنا،سال کے سال وہاں جانا،مجمع کرکے زیارتیں کرنا،وہاں چراغاں کرنا سب شرک ہے کیونکہ اس میں قبر پرستی ہے کہ قبر کو بت بنالیا گیا مگر یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ سارے کام ۱۳ سو برس سے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر ہورہے ہیں،ہرسال زائرین کی بھیڑ ہوتی ہے،ہاتھ باندھ کر سرجھکا کر سلام پڑھا جاتا ہے،رات کو ایمان افروز روشنی ہوتی ہے،سارے علماء،صلحاء،اولیاء یہ کام کرتے ہیں۔فقہاء فرماتے ہیں کہ روضۂ انور پر سلام کرنے اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتاہے،اگر ان میں سے کوئی کام شرک ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر ہرگز نہ ہوتا کیونکہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوچکی ہے۔ان نادانوں کی اس تفسیر سے لازم آئے گا کہ حضور کی یہ دعا رب نے بالکل رد کردی،لہذا یہ حدیث جواز عرس کے متعلق اہل سنت کی قوی دلیل ہے،حدیث سمجھنے کے لیے علم وعقل وعشق کی ضرورت ہے۔

۳؎ اس طرح کہ ان قبروں کی عبادت کرنے لگے یا ان کی طرف نمازیں پڑھنے لگے،پہلا کام شرک ہے دوسرا حرام۔خیال رہے کہ اگر اتفاقاً مسجد میں قبرہوتو نمازی اور قبر کے درمیان پوری آڑ چاہیئے،جیسے مسجد نبوی شریف میں روضۂ اطہر ہے جس کے چاروں طرف نمازیں ہوتی ہیں مگر قبر انور کی چوطرفہ دیواروں کی آڑیں ہیں۔اس کی پوری تحقیق پہلے ہوچکی۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باغوں میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۱؎ بعض راویوں نے فرمایا یعنی بساتین۲؎ (احمد،ترمذی)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف حسن ابن ابی جعفر کی حدیث سے ہی جانتے ہیں،انہیں یحیی ابن سعید وغیرہ نے ضعیف کہا۳؎

۱؎ یعنی نفل نماز دیواروں کے پیچھے یا باغوں میں بہتر جانتے تھے تاکہ باغوں میں رہنے والے بے تکلف نوافل بلکہ ضرورۃً فرائض پڑھ سکیں ورنہ فرائض مسجد میں افضل ہیں۔

۲؎ یعنی حدیثوں میں جو حیطان آیا یہ حائطہ کی جمع ہے حائطہ دیوار کو بھی کہتے ہیں اور باغ کو بھی کیونکہ وہ دیوار سے گھرا ہوتا ہے،یہاں باغ کے معنی ہیں۔

۳؎ ابوحاتم کہتے ہیں کہ حسن مقبول الدعاء اور بڑے عابد تھے لیکن عبادات میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے حفظ حدیث میں کوتاہی پیدا ہوگئی تھی۔

	روایت ہے حضرت انس ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز ہے اور قبیلے کی مسجد میں پچیس نمازیں اور جس مسجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اس میں ایک نماز پانچ سو نمازیں اور مسجد اقصے میں ایک نماز پچاس ہزار نمازیں اور میری مسجد میں ایک نماز پچاس ہزار نمازیں اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازیں ہیں ۱؎(ابن ماجہ)

۱؎ مرقاۃ نے فرمایا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گھر کی ایک نماز کا ثواب ایک نماز کے برابر ہے،اور محلّہ کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب گھر کی پچیس نمازوں کے برابراور جامع مسجد کی ایک نماز محلّہ کی مسجد کی پانچسو نمازوں کے برابر،اورمسجد بیت المقدس جو اسلام کا پہلا قبلہ تھی وہاں کی ایک نماز جامع مسجد کی پچاس ہزارنمازوں کے برابر،اور مسجد نبوی شریف کی ایک نماز بیت المقدس کی پچاس ہزار نمازوں کے برابراور بیت اللہ شریف کی ایک نماز مسجد نبوی کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر۔مگر خیال رہے کہ یہ ثوابوں کا بڑا فرق ہے،رہی مقبولیت اور قرب الٰہی اس کا یہ حال ہے کہ مسجد نبوی کی ایک نماز بیت اللہ شریف کی پچاس ہزارنمازوں کے برابراسی لیے مہاجرین وانصار مسجد نبوی کی نماز کو دل وجان سے پسند کرتے تھے۔شعر

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے آکر مدینہ میں   مدینہ ایسی بستی ہےمدینہ ایسی بستی ہے

معلوم ہوا حضور کے قریب عبادات کا ثواب بڑھ جاتا ہے،اس لیے مسجد نبوی میں صف کا بایاں حصہ داہنے سے افضل ہے کیونکہ وہ روضۂ پاک سے قریب ہے۔خیال رہے کہ تاقیامت نمازوں کا یہ حال ہے مگر حضور کے پیچھے نمازوں کا ثواب اور مقبولیت ہمارے اندازے سے باہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ زمین میں پہلے کون سی مسجد بنائی گئی فرمایا مسجد حرام ۱؎ فرماتے ہیں میں نے کہا پھر کون سی فرمایا پھر مسجد اقصے ۲؎ میں نے کہا ان کے درمیان کتنا فاصلہ تھا فرمایا چالیس سال ۳؎ اب ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت آجائے وہاں پڑھ لو ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ کیونکہ آدم نے بحکم خداوندی حضرت جبرئیل کے عرض کرنے پر زمین پر آتے ہی یہ مسجد بنائی۔

۲؎ اقصٰی کے معنی ہیں بہت دور چونکہ بیت المقدس کی مسجد کعبہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ سے بہت دور ہے اس لیئے اقصٰی کہلاتی ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد نہ رکھی بلکہ پہلی بنیادوں پر عمارتیں بنائیں۔ان دوپیغمبروں کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ فاصلہ ہے۔اس حدیث میں یا تو ان دونوں مسجدوں کی بنیادوں کا ذکر ہے کہ آدم علیہ السلام نے تو بہ قبول ہوتے ہی کعبۃ اللہ کی بنیاد ڈالی،پھر چالیس سال کے بعد جب آپ کی اولاد بہت ہوگئی اور پھیل گئی تو ان میں سے کسی نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔بعض روایات میں ہے کہ خود آدم علیہ السلام نے ہی کعبہ کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی یا کوئی خاص تعمیر مراد ہے،جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔یہاں مرقاۃ نے بناء کعبہ پر مفصل گفتگو کی ہے۔بہرحال اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ کعبہ بنائے ابراہیمی ہے اور بیت المقدس بناء سلیمانی،ان دونوں بزرگوں میں ہزار برس سے زیادہ فاصلہ ہے تو ان تعمیروں میں چالیس سال کا فاصلہ کیسے ہوا جیسا کہ منکرین حدیث کو غوطہ لگا۔

۴؎ یعنی اسلام میں ہر جگہ نمازجائز ہے۔مذبح،مقبرہ وغیرہ میں نماز ممنوع ہونا ایک عارضہ کی وجہ سے ہے۔

باب الستر

ستر ڈھانپنے کا باب۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ بدن کا وہ حصہ جس کا ڈھانپنا نماز میں فرض ہے ستر کہلاتا ہے۔مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک ستر ہے اور عورت کے لیے سر سے پاؤں تک سوا چہرے،کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک قدم کے،اگر ستر کے کسی عضو کا چہارم حصہ نماز میں تین تسبیح کی بقدر کھلا رہے تو نماز مطلقًا نہ ہوگی۔مصنف اس باب میں لباس مستحب اور لباس مکروہ کا ذکر بھی کریں گے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن ابی سلمہ سے۱؎ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ کے گھر میں ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اپنے کندھوں پر اس کے کنارے ڈالے ہوئے تھے ۲؎(بخاری و مسلم)	

۱؎ آپ قریشی ہیں،مخزومی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے ہیں،ام سلمہ کے فرزند، ۲ھ مقام حبشہ میں پیدا ہوئے۔حضور کی وفات کے وقت ۹ برس کے تھے،عبدالملک ابن مروان کے زمانۂ حکومت میں ۸۳ھ میں وفات پائی۔

۲؎ اس طرح کہ ایک کپڑا سر سے پاؤں تک اوڑھے تھے اور کپڑے کا داہنا کونا بائیں کندھے پر اور بایاں داہنے پر ڈالے ہوئے تھے۔معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ کندھے وغیرہ کھلے نہ ہوں،اگرچہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ٹوپی یا عمامہ،قمیض،تہبند یا پائجامہ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ کہ ننگے پیٹ،ننگی پیٹھ،ننگے کندھے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔بعض لوگ صرف تہبند یا پائجامہ سے نماز پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے۔بلکہ امام احمد کے نزدیک نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کے کنارے ادھر ادھر ڈالے ۱؎ (بخاری)	

۱؎ یعنی داہنا کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں دائیں پر،اگر کنارے چھوٹے رہے تو نماز قطعًا نہ ہوگی کہ ستر کھلا رہے گا اور اگر ہاتھ سے پکڑے رہا تو نماز مکروہ ہوگی کہ اس صورت میں ہاتھ باندھ نہ سکے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیل بوٹوں والی چادر میں نماز پڑھی ۱؎ اس کے بیل بوٹے ایک نظر دیکھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ابوجہم سے انبجانیہ چادر لے آؤ۲؎ اس چادر نے مجھے ابھی نماز سے بازرکھا۔(مسلم،بخاری)بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں اس کے بیل بوٹوں کو نماز میں دیکھتا تھا مجھے خوف ہے کہ میری نماز خراب کردے۳؎	

۱؎ عربی میں **خمیصہ** بیل بوٹے والی چادر ہی کو کہتے ہیں،لیکن علیحدہ اعلام کا ذکر کرنا تجرید کی بناء پر ہے۔یہ اونی سیاہ چادر تھی جو ابوجہم نے ہدیۃً خدمت اقدس میں پیش کی تھی اس کو اوڑھ کر سرکار نماز پڑھ رہے تھے۔

۲؎ **النبجانیہ** شام کی ایک بستی کا نام ہے جہاں سادہ کپڑے تیار ہوتے ہیں اسی کی طرف اس کی نسبت ہے،جیسے ہمارے ہاں بھاگل،بوریا،ڈھاکہ کی ململ یا لائلپور کا لٹھا مشہورہے۔چونکہ چادر کا واپس کرنا ابوجہم کو ناگوار گزرتا۔ان کی دلداری کے لیے اس کے عوض دوسری چادر طلب فرمالی۔اور ابوجہم قرشی ہیں،عدوی ہیں،مشہور صحابی ہیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا احترام فرماتے تھے کیونکہ یہ بزرگانِ قریش میں سے تھے۔

۳؎ اس طرح کہ نماز میں ہمارا دھیان اس کے بیل بوٹوں کی طرف ہوجائے اور کامل خشوع خضوع نہ رہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ لباس کا اثر دل پر ہوتاہے خصوصًا صاف اور روشن دل جلدی اثر لیتے ہیں،جیسے سفید کپڑے پر سیاہ دھبّہ معمولی بھی دور سے چمکتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ محراب مسجد سادہ ہونا بہتر ہے تاکہ نمازی کا دھیان نہ بٹے۔بعض صوفیاء نقش ونگار والے مصلے کی بجائے سادہ چٹائی پر نماز بہتر سمجھتے ہیں،ان کا ماخذ یہی حدیث ہے۔خیال رہے کہ یہ سب اپنی امت کی تعلیم کے لئے ہے قلب پاک مصطفی کی واردات مختلف ہیں،کبھی کپڑے کے بیل بوٹے سے خضوع خشوع کم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور کبھی میدان جہاد میں تلواروں کے سایہ میں نماز پڑھتے ہیں اور خشوع میں کوئی فرق نہیں آتا کبھی بشریت کا ظہور ہے اور کبھی نورانیت کی جلوہ گری۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا پردہ تھا جس سے گھر کا ایک گوشہ ڈھانک رکھا تھا ان سے حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا یہ پردہ ہم سے ہٹالو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے آجاتی ہیں۱؎(بخاری)	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ یہ غیرجاندار چیزوں کی صورتیں ہوں گی،اور اگر جاندار کے فوٹو بھی ہوں تب بھی شوقیہ یا احترام کے طور پر نہ تھے تاکہ اس پر کراہت کا حکم ہو۔خیال رہے کہ دیواروں پرغلاف ڈالنا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں،لہٰذا یہ حدیث ممانعت کی روایت کے خلاف نہیں۔شیخ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ممانعت سے پہلے کا ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ الماری یا طاق پرحفاظت اشیاء کے لیے ڈالا گیا ہو،جیسے اب بھی ضرورۃً کیا جاتا ہے کہ بجائے کواڑ،ٹاٹ یا پردہ ڈال دیتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے فرماتے ہیں کہ حضور انورصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمیں قبا ہدیۃً پیش کی گئی آپ نے وہ پہنی ۱؎پھراس میں نماز پڑھی پھر فارغ ہوئے تو سختی سے اتار دی اس کو ناپسند کرتے ہوئے پھر فرمایا کہ یہ پرہیز گاروں کو زیبا نہیں۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎فروج وہ اچکن کہلاتی ہےجس کاچاک پیچھے سے کھلا ہو۔یہ قبا"دومة الجندل"کے بادشاہ اکیدریا سکندریہ کے بادشاہ نے ہدیۃً پیش کی تھی،آپ کا پہن لینا انہیں راضی کرنے کے لیے تھا۔بعض نے فرمایا کہ واقعہ ظہور نبوت سے پہلے کا تھا۔حضور اس وقت بھی نمازیں پڑھتے تھے مگرزیادہ صحیح یہ ہے کہ ریشم حرمت سے پہلے کا ہے،ورنہ حرمت کے بعدحضورصلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کبھی نہ پہنا۔خیال رہے کہ مردکو کپڑے کا خاص ریشم پہننا منع ہے،دریائی یاسن کو منصوعی ریشم حلال۔

۲؎ سبحان اللہ!یہ ہے حضور کی فطرت سلیمہ کہ ابھی ریشم حرام نہیں ہوا مگر طبیعت پاک میں نفرت پہلے ہی سے ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں شکاری آدمی ہوں۲؎تو کیا ایک قمیض میں نماز پڑھ سکتا ہوں فرمایا ہاں بٹن لگادینا اگرچہ کانٹے ہی سے ہوں۳؎(ابوداؤد) نسائی نے اسی کی مثل روایت کی۔

۱؎آپ اسلمی ہیں،مدنی ہیں،کنیت ابومسلم ہے،آپ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان کے موقعہ پر دوبارہ بیعت کی۔مشہور بہادرہیں،پیدل لڑنے والوں میں بیمثال تھے،۸۰ سال عمر پائی،۷۴ھ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی۔

۲؎اورشکار میں بھاگ دوڑبہت کرنا پڑتی ہے تہبند بھاگنے میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔

۳؎اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ لمبی قمیض میں بغیرتہبند پائجامہ نماز جائز ہے۔دوسرے یہ کہ قمیض کے بٹن لگے رکھنا سنت مستحبہ ہے،اور اگرگریبان میں سے ستر نظر آئے تو واجب ہے۔تیسرے یہ کہ نماز میں اپنے سے بھی ستر چھپانا فرض ہے،اس سے بہت مسائل فقیہ مستنبط ہوسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۱اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کرو وہ گیا وضو کیا پھر آیا ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اسے وضو کرنے کا کیوں حکم دیا فرمایا کہ وہ تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو تہبند لٹکائے ہوئے ہو۲(ابوداؤد)	

۱یعنی فیشن اور تکبر کے طریقہ پر اس کا تہبند ٹخنوں سے نیچے تھا جیسا کہ آج کل چوہدریوں کا پہناوا ہے یہ مکروہ تحریمی ہے۔اگر فیشن سے نہ ہو تو مضائقہ نہیں،جیساکہ حضرت ابوبکرصدیق سے منقول ہے کہ آپ کے پیٹ پر تہبند رکتا نہ تھا ڈھلک جاتا تھاجس سے ٹخنوں کے نیچے ہوجاتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا فرمایا تم فیشن والے متکبرین میں سے نہیں ہو،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

۲تہبند لٹکانے سے وضو واجب نہیں ہوتا یہاں وضو کا حکم دینا یا اس لئے تھا کہ اس کی وجہ سے اس شخص کو یہ واقعہ یاد رہے اور آئندہ کبھی نیچا تہبند نہ پہنے کیونکہ قدرے سزا دے دینے سے بات یاد رہتی ہے یا اس لیے کہ ان کے دل میں فیشن اور تکبر تھا،ظاہری طہارت کے ذریعہ باطنی طہارت نصیب ہو،ہاتھ پاؤں دھلنے سے دل غرور وتکبر سے دھل جائے۔بعض صوفیاءفرماتے ہیں پاک کپڑوں میں رہنا،پاک بستر پرسونا ہمیشہ باوضو رہنا دل کی صفائی کا ذریعہ ہے۔ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بالغہ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہوتی۱ (ابوداؤدوترمذی)	

۱خِمَارٌ خَمْرَۃٌ سے بناء بمعنی ڈھکنا،اسی لئے شراب کو خمر کہتے ہیں،کہ وہ عقل کو ڈھک لیتی ہے،عمامہ کو بھی خمار کہہ دیا جاتاہے۔یہاں سر ڈھکنے والا کپڑا مرادہے،دوپٹہ،چادریا بڑا رومال۔اس سے معلوم ہوا کہ بالغہ عورت کا ستر سر ہے جس کا ڈھکنا نماز میں فرض ہے۔لہذا ایسے باریک دوپٹہ میں نماز جس سے سر نظر آئے نہ ہوگی۔یہ حکم آزاد عورت کے لیے ہے،لونڈی کا سر ستر نہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورت قمیض اور دوپٹے میں نماز پڑھ سکتی ہےبغیر تہبند کے فرمایا اگر کرتہ اتنا لمبا ہو کہ اس کے پاؤں کی پشت کو ڈھانپ لے۱(ابوداؤد)اور ایک جماعت نے اسے ام سلمہ پرموقوف کیا۲	

۱؎ عورت کے پاؤں کی پشت ستر نہیں،اور نہ اس کا چھپانا نماز میں فرض ہے۔قدم کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ یہاں گرنے والا کپڑا پوری پنڈلی کو ڈھانپ لیگا۔

۲؎ یعنی اسے حضرت ام سلمہ کا اپنا قول قرار دیا نہ کہ حضور کا فرمان شریف،لیکن اس قسم کی حدیث موقوف مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ یہ احکام عقل سے نہیں کہے جاتے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا لٹکانے ۱؎ اور مرد کے منہ ڈھکنے سے منع کیا ۲؎ (ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ کپڑا سر یا کندھے پر ڈالنا اور اس کے دونوں کنارے یونہی لٹکتے چھوڑ دینا سدل کہتے ہیں۔اچکن یا کوٹ بغیر بٹن لگائے پہننا بھی سدل میں داخل ہے۔سدل نماز میں مکروہ ہے اگر نیچے کپڑا نہ ہو تومکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی کیونکہ اس میں کپڑا سنبھالنے میں دل لگا رہتا ہے نماز میں یک سوئی حاصل نہیں ہوتی۔

۲؎ ہاتھ سے یا کپڑے سے کیونکہ اگرنماز میں منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھا ہو تو قرأت صحیح نہ ہوسکے گی۔بعض نے فرمایا کہ عمامہ کا شملہ منہ پر لپیٹنا منع ہے کہ یہ یہود کا فعل ہے،ہاں جس کے منہ سے بو آرہی ہو یا بدبودار ڈکاریں،اسے جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کرو وہ نہ جوتوں میں نمازپڑھتے ہیں نہ موزوں میں ۲؎ (ابوداؤد)

۱؎ آپ انصاری ہیں،حضرت حسان کے بھتیجے،کنیت ابو یعلٰی ہے،شام میں مقیم رہے،۷۵ سال عمر ہوئی،۵۸ھ میں بیت المقدس میں وفات پائی۔

۲؎ یعنی یہود جوتے یا موزے میں نماز جائز نہیں سمجھتے تم جائز سمجھو۔خیال رہے کہ موزوں میں نماز ادا کرنا سنت ہے،لیکن جوتے اگر پاک ہوں اور اتنے نرم کہ سجدہ میں حرج واقع نہ ہو کہ پاؤں کی انگلیاں بخوبی مڑکر قبلہ رو ہوسکیں تو ان میں نماز جائز ہے۔ہمارے ملک کی جوتیاں نماز کے قابل نہیں،نیز اب لوگ صحابہ کرام جیسے با ادب نہیں اگر انہیں جوتوں میں نماز کی اجازت دی جائے تو مصلّے اورمسجدیں گندگی سے بھردیں گے،اس لئے اب جوتے اتارکر ہی مسجدوں میں آنا اورنمازپڑھنا چاہیئے۔(ازمرقاۃ وشامی)اس سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی مخالفت کے لیے جائز کام ضرورکرنا چاہئیں جیسے اس زمانے میں میلاد شریف اور گیارہویں شریف۔مرقاۃ نے فرمایا کہ چونکہ اب یہود ہمارے علاقے میں رہے نہیں،اس لیے اب جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔خیال رہے کہ مسجد یانماز کے ادب کے لیے جوتااتارنا قرآن شریف سے ثابت ہے،رب فرماتا ہے:"فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى"اے موسیٰ!تم عزت والے جنگل میں ہو جوتے اتار دو۔بعض باادب مرید اپنے شیخ کے شہر میں جوتے نہیں پہنتے۔امام مالک زمین مدینہ میں کبھی گھوڑے یا کسی اورسواری پرسوار نہ ہوئے،ان کے آداب کا ماخذ یہ آیت ہے اور یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

روایت ہے ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ نے جوتے اتار دیئے اور اپنے بائیں طرف رکھ لئے۱؎ جب قوم نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے۲؎ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا کہ تمہیں جوتے اتار ڈالنے پر کس نے آمادہ کیا عرض کیا کہ ہم نے آپ کو جوتے اتارتے دیکھا ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل میرے پاس آئے مجھے بتایا کہ ان میں گندگی ہے۳؎ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آیا کرے تو دیکھ لیا کرے اگر جوتوں میں گندگی دیکھے تو انہیں پونچھ دے اور ان میں نماز پڑھ لے۴؎ (ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ یہ سب کچھ تھوڑی سی حرکت سے ہوا ورنہ عمل کثیر نماز کو فاسد کردیتا ہے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور کی پیروی بہرحال کی جائے وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔دیکھو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین اتارتے دیکھا تو بغیر وجہ کی تحقیق کئے جوتے اتار دیئے اور سرکار نے اس اتباع پر اعتراض نہ فرمایا۔دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نماز میں بجائے سجدہ گاہ کے اپنے ایمان گاہ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے تھے ورنہ انہیں آپ کے اس فعل شریف کی خبر کیسے ہوتی،جیسے مسجد حرم شریف کا نمازی نماز میں کعبہ کو دیکھے ایسے ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھنے والا نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے۔

۳؎ تھوک،رینٹ وغیرہ گھن کی چیز نہ کہ پلیدی اور نجاست،ورنہ نماز کا لوٹانا واجب ہوتا کیونکہ اگر گندے کپڑے،گندے جوتے میں نماز شروع کردی جائے پھر پتہ لگے تو نماز دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے۔واقعہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا یہ چیزیں پاک ہیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں رب نے جبریل امین کو بھیجا کہ پیارے تمہاری شان کے یہ بھی خلاف ہے تمہارے لباس پاک بھی چاہئیں،ستھرے بھی،لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ حضور نے نماز لوٹائی کیوں نہیں اور نہ یہ اعتراض کہ حضور کو اپنے نعلین کی بھی خبر نہیں اوروں کی کیا خبر ہوگی،جوشہنشاہ زمین پر کھڑے ہوکر اندرون زمین کا عذاب دیکھ لے اور عذاب قبر کی وجہ جان لے اور جو یہ فرمائے کہ نماز صحیح پڑھا کرو،مجھ پر تمہارے رکوع،سجدے،دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں،اس پر اپنے نعلین کا حال کیسے چھپے گا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی اپنے حبیب کی ہرادا کی نگرانی فرماتا ہے کیوں نہ ہو خود فرماتا ہے"**فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا**"اے محبوب!تم ہماری نظروں میں رہتے ہو۔یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرا م عین نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں دیکھتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرتے تھے۔

۴؎ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سرکار اورصحابہ کرام نرم چپل پہنا کرتے تھے جس میں سجدہ بے تکلف ہوجاتا تھا اوریہود کی مخالفت بھی۔ہمارے جوتوں میں نماز جائز نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جوتا پونچھنے سے پاک ہوجاتا ہے جب کہ دَلدار نجاست لگی ہو،پیشاب وغیرہ سے بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے جوتے نہ اپنی دائیں طرف رکھے نہ بائیں طرف ورنہ دوسرے کے دائیں طرف ہوجائیں گے مگر یہ کہ اس کے بائیں طرف کوئی نہ ہوا؎انہیں دونوں پاؤں کے بیچ میں رکھے اور ایک روایت میں ہے کہ یا ان میں ہی نماز پڑھ لے۲؎(ابوداؤد)ابن ماجہ نے اس کے معنی روایت کیے۔

ا؎چونکہ داہنی طرف رحمت کا فرشتہ ہے جو ہماری نیکیاں لکھتا ہے اورنماز میں وہ اپنا کام کررہا ہے لہذا اس کا ادب کرتے ہوئے نہ ادھر تھوکے نہ جوتے رکھے،ہاں اگر داہنی جانب دور جوتے رکھے ہوں توکوئی حرج نہیں۔

۲؎اگر پاک اور نرم ہوں۔خیال رہے کہ جوتے میں نماز اورجوتے پرنماز پڑھنے میں فرق ہے،اگر تلے گندگی ہو اور اسے اتارکر اس کے اوپرکھڑے ہوکرنماز پڑھ لے توجائز ہے کہ اب جوتا لباس نہیں بلکہ نماز کی جگہ ہے جس کے اوپرنجاست نہ ہوناکافی ہے جیسے لکڑی کا موٹا تختہ جس کی نچلی سطح ناپاک ہو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضرہوا تو آپ کو چٹائی پرنماز پڑھتے دیکھا کہ اسی پر سجدہ کرتے تھے ا؎فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۲؎(مسلم)

ا؎اس سے معلوم ہوا کہ اگرزمین اورنمازی کے درمیان کوئی چیزحائل ہوتونمازدرست ہے۔فقہاءفرماتے ہیں کہ چٹائی اورجوچیززمین سے اُگی ہو اس پرنمازافضل ہے کیونکہ اس میں اظہارعجز ہے اور امام مالک کی مخالفت سے بچنا کہ ان کے ہاں جنس زمین کے سواکسی چیز پر سجدہ مکروہ ہے۔

۲؎یا بیان جواز کے لئے یا اس وقت دوسرا کپڑا تھا نہیں،ورنہ سنت یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے،کرتا،پائجامہ۔عمامہ لپیٹنے کی صورت یہ ہے کہ چادر کا داہنا کنارہ بائیں کندھے پرہو اور بایاں دائیں پر۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد

	سے وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پاؤں اور نعلین پہنے نماز پڑھتے دیکھا ۱؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی کبھی ایسے،یہ دونوں کام ایک ہی نماز میں نہ ہوتے تھے۔

	روایت ہے حضرت محمدابن منکدرسے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے صرف تہبند(چادر)میں نماز پڑھی جسے گدی کی طرف باندھا تھا۱؎حالانکہ انکے کپڑے کھونٹی پر رکھے تھے کسی نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ ایک ہی چادر میں نماز پڑھتے ہیں۲؎تو فرمایا میں نے اس لئے کیا تاکہ مجھے تم جیسے بیوقوف دیکھیں۳؎نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے۴؎(بخاری)

۱؎یعنی سر سے پاؤں تک ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔سر وکندھا وغیرہ کچھ کھلا نہ تھا۔لہذا آج کل کے فیشن پرست اس حدیث سے ننگے سر یا ننگے کندھے نماز پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۲؎یہ سوال تعجب کے لیے ہے۔اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا چھوٹ چکا تھا،تمام صحابہ تین یا دو کپڑوں میں نماز پڑھنے کے عادی تھے۔

۳؎بے وقوف اس لیے کہا کہ انہوں نے صحابی پر اعتراض کرنے میں جلدی کی۔اگر بزرگوں کا کوئی کام نامناسب معلوم ہوتو انتظارکرنا چاہیئے کہ شاید وہ خود ہی اس کی وجہ بتادیں۔یہی ادب مشائخ اورعلمائے حقانی کی بارگاہوں کا بھی ہے۔(اشعۃ اللمعات)

۴؎یعنی اگر صرف ایک کپڑے میں نماز جائز نہ ہوتی تو اس غریبی کے زمانہ میں ہم سے کسی کی نماز نہ ہوتی،یعنی میرا یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے نہ کہ سستی کے لیے۔

	روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں ایک کپڑے میں نمازسنت ہے۱؎ہم یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے اور ہم پر عیب نہ لگایا جاتا تھا تب حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ یہ جب ہی تھا جب کپڑوں میں کمی تھی لیکن جب اللہ نے گنجائش بخشی تو دوکپڑوں میں نمازبہتر ہے۲؎(احمد)

۱؎یہاں سنت سے مراد لغوی معنی ہیں،یعنی طریقہ کار یا یہ مطلب ہے کہ اس کا جواز سنت سے ثابت ہے،لہذا آپ کےاس فرمان اورسیدنا ابن مسعود کے فرمان میں تعارض نہیں۔

۲؎ یعنی بجائے ایک کے دو کپڑوں میں نماز بہتر ہے۔بعض احادیث میں ہے کہ عمامہ کی نماز بغیر عمامہ کی نماز سے ستّر درجہ افضل ہے،لہذا تین کپڑوں میں نماز بہت بہتر کیونکہ اس حدیث میں قمیض و پائجامہ کا ذکر آیا اس میں عمامہ کا دونوں پر عمل ہے۔

و صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و اصحابہٖ و سلم

(احمد یار خان،خطیب جامع مسجد غوثیہ گجرات،پاکستان)